سلطانہ آدم سنیپ تا سال ۱۹۵۲

" " ڈیپارٹمنٹ انک تا سال ۱۹۵۸

دینا ناتھ دلی۔ مکان نمبر 162-A سیکٹر D بلاک

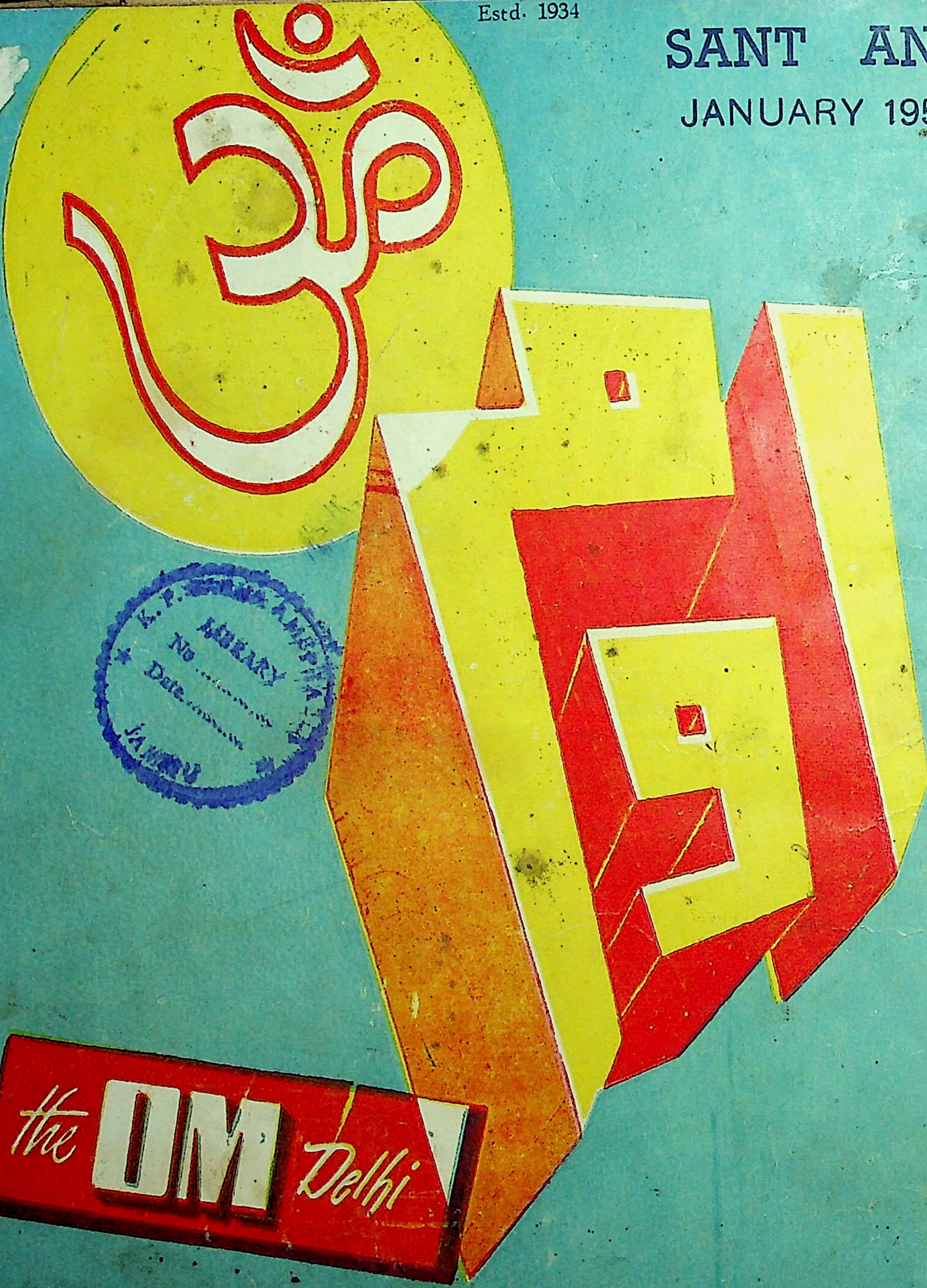
گاندھی نگر جموں توی

(ڈاک حسن یار [illegible] نگر)

Estd. 1934

SANT ANK

JANUARY 1957



the OM Delhi

PRICE
Rs. 2/-/-

روحانیت کے بلند ترین خیالات کا پرچارک

رسالہ اوم دھلی

سنت انک

جنوری سنہ ۱۹۵۷ء

چیف ایڈیٹر
گورکھ ناتھ
نندہ

قیمت
۲
روپیہ

ایڈیٹر
برہمانند
بی اے

(شری برہمانند پرنٹر پبلشر کے باہتمام کمنہ لیتھو پریس میں چھپا اور دفتر رسالہ اوم بازار اجمیری گیٹ دہلی سے شائع ہوا)

التجا

رشی پٹیالوی شملہ

کبھی تو اس تیرہ خاکداں میں تجلیاں بن کر آہی جاتے
نصیبِ ارجن میں تھا کبھی جو وہ جلوہ ہم کو دکھا ہی جاتے

وہ نغمۂ دل سنا ہی جاتے وہ رازِ ہستی بتا ہی جاتے
ہمیں رہِ حق دکھا ہی جاتے پھر آہی جاتے پھر آہی جاتے

ضمیرِ باطل پرست کو پھر جلال اپنا دکھا ہی جاتے
ہمیں تو ہم مٹا رہے ہیں تو تم آ کر مٹا ہی جاتے

اُتار دیتے خمارِ ہستی فریبِ دل ہے نظر پرستی
اُٹھا کے جامِ سرورِ مستی مئے محبت پلا ہی جاتے

چھپے ہو آنکھوں سے کس لئے اب جو روحِ احساسِ دل تمہیں ہو
نگاہِ پُر شوق میں سما کر یہ شوق بستی بسا ہی جاتے

جہاں بھی مظلوم نے پکارا وہیں تم آئے مدد کو اس کی
تمہیں بلاتے ہیں آج ہم بھی ہمارے غم بھی مٹا ہی جاتے

یمِ فنا میں ہے شورِ طوفاں نہیں کوئی ناخدا ہمارا
ستم زدوں کے خدا بنے ہو تو ناخدا بن کر آہی جاتے

وہ رازِ دل وہ رموزِ اُلفت وہ پریم بنسی وہ گیان گیتا
جو روحِ احساس کو جگا دیں وہ نغمے ہم کو سنا ہی جاتے

جو بے سہاروں کے ہو سہارا تو دردمندوں کی آرزو ہو
ازل سے یہ بھی ہے غم کا مارا رشیؔ کو درشن دکھا ہی جاتے

فہرست مضامین

چندہ سالانہ مبلغ -/۶ روپیہ میں سنت انک جنوری ۵۷ء اور ہر دھارمک تہواروں پر شائع ہونے والے خاص نمبر بھی ملیں گے۔

پیشِ نذر

اگر روشن نظر میں معرفت کا نور ہو جائے
مبدل صبح صادق سے شبِ دیجور ہو جائے
سمجھ ہر دل کو دل اپنا بنا ہر دل میں گھر اپنا
کہ عالمگیر تیرے خلق کا دستور ہو جائے

شاہ خاور اپنی نورانی کرنوں کے ساتھ مسکراتی نگاہوں سے سالِ نو کا مبارک پیغام لایا۔ ہم اپنے پیارے پریمیوں کو سالِ نو کی دلی مبارکباد دیتے ہوئے اوم کا سالنامہ موسومہ بہ "سنت انک" بڑے فخر اور انشاہ سے پیش کرنے میں ایک قلبی مسرت محسوس کرتے ہیں۔ سالِ نو آپ کے لئے نئی مسرتوں، نئی امنگوں اور نئے ولولوں کا ایک مسرت بخش پیغام لئے نئی سج دھج کے ساتھ آپ کے ہلروشس پہلو زندگی کی منزلیں طے کرنے کے لئے آیا، جس سے ہر چیز پر نئی رفعت طاری ہو کر آپ کے جوان ارادوں کو مضبوط کرنے اور جذبات وخیالات میں نئی دھارمک رنگینی پیدا کرنے کا پیش خیمہ ہے۔ ہم اپنی شبھ کامناؤں کے ساتھ آپ کی زندگی کے نئے پروگرام کی تکمیل میں اپنی روحانی خدمت بھینٹ کرتے ہیں،

"سنت انک" کا یہ شمارہ ان .... مہاپرشوں کی سوانح حیات کا بیش بہا مرقع ہے جنہوں نے اپنے جیون آدرش سے روحانیت کے شفق پر معرفت کی تجلی پیدا کی اور اپنی زندگیوں کو خدمتِ خلق میں صرف کرتے ہوئے ایشور بھگتی کے وہ رموز پیش کئے کہ آج اس نازک ماحول میں بھی اُن کے چرچے وردِ زبان ہیں۔ ان کی زندگیوں کی قربانی ہمیں شاہراہ دھرم دکھانے کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوتی ہیں۔ انسانی زندگی کی تگ ودو میں جن مراحل پر ہمیں عبور حاصل کرنا ہوتا ہے وہ بعض اوقات ایسے سنگین اور تلخ تصویریں پیش کرتے ہیں، جن سے انسانی دماغ باطل ہو کر کچھ سوچنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ ایسے وقت میں ایشور بھگتوں کے پند ونصائح اور ان کی زندگی کے تجربات ہمیں ایک ایسی روحانی جھلک دکھاتے ہیں کہ ہم پھر نئے اُتساہ نئی جدوجہد کے ساتھ کمربستہ ہو کر زندگی کے سفر پر آمادہ ہوتے ہیں، ہمارے رگ وریشہ میں ایک نئی جدت پیدا ہونے لگتی ہے اور بلا خوف وخطر ایشور کے بھروسے ان مراحل پر عبور حاصل کرتے ہیں، لیکن یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی جب تک ہم اپنے دلوں میں انسانی اتحاد کا جذبہ پیدا نہیں کرتے، جب تک ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے پریم ومحبت، ایثار وکرم اور دلی خلوص کی بھاونائیں پیدا نہیں ہوتیں ہم تب تک زندگی کی دشوار گذار منزلوں پر تسلط نہیں جما سکتے۔ زندگی صرف سانس لینے کھانے پینے اور عیش وآرام کی گھڑیاں کاٹنے کا نام نہیں بلکہ زندگی ان لمحات کا نام ہے جن میں کچھ خدمتِ خلق اور انسانی اتحاد کی تکمیل ہوتی رہے خودی کو مٹا دینے سے ہی خرمنِ زندگی سرسبز وشاداب ہوتا ہے ے

اے پستِ نظر اُٹھ پستی سے اخلاق میں رفعت پیدا کر
تو کشتِ عمل میں تخمِ وفا اک نخلِ محبت پیدا کر
کیا حاصل پھیکی باتوں سے کچھ کر کے دکھا کچھ بن کے دکھا
کیوں جور عدو سے خائف ہے اک دل میں جسارت پیدا کر

ہمارے ویدوں اور شاستروں نے سنت سماگم اور کتھا کیرتن کی خوب مہما لکھی ہے، مہاپرشوں اور ایشور بھگتوں کے کارناموں سے ہمیں جو اخلاقی اور روحانی اسباق مہیا ہوتے ہیں ان پر اگر ہم عمل پیرا ہو کر ثابت قدمی سے کاربند ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارا گلشنِ حیات زرخیز نہ ہو۔ لیکن مقامِ افسوس ہے کہ اس دورِ جدید میں ہم اپنے دھارمک لٹریچر کو ایک فرضی قصے کہانیاں اور اخلاقی ناولوں کے نام پر

ہی اکتفا کرتے ہیں، دل تو چاہتا ہے کہ ہماری زندگی بھی معجزہ خیز بن کر ایک عالم کو اپنے کرشمات سے محو حیرت کر دے لیکن یہ کوئی جادوگری نہیں کہ پھونک مارتے ہی ایک تر و تازہ پھول نمودار ہو۔ لوگ سادھنوں سے ہی ہم اپنی زندگی کی کایا پلٹ کر سکتے ہیں۔ اور اس کایا پلٹنے کا سادھن محض سنت سماگم ہی ہے۔ سنت پرشوں اور ایشور پریمیوں نے جو اپنے معجزات دکھائے وہ ان کی سالہا سال کی بے پناہ تپسیا کا ہی نتیجہ ہے انہوں نے ایکاگر چت اور پوری یکسوئی سے ایشور کے چرنوں میں اپنا دھیان لگایا۔ ان کے معجزات زندگی کا مقصد صاف عیاں ہے کہ موقعہ بموقعہ ان کی زندگی کے تلخ لمحات کے وقت بھگوان کا غیبی ہاتھ آڑے آیا اور جو جلوہ نمودار ہوا اسے ہماری کوتاہبینی نے ایک کرشمہ اور معجزہ تصور کیا لیکن حقیقت میں وہ ایشور کی غیبی امداد ہی تھی۔ سنت پرشوں نے اپنی زندگیوں کے بلیدان سے وہ درجہ اور پوزیشن حاصل کی کہ ان کے سامنے بھگوان کو بھی جھکنا پڑا۔ اگر ہم پورے اعتماد اور کامل یقین کے ساتھ ان مہاپرشوں کے نقش قدم پر اپنی زندگی کا اصول بنا لیں، تو ہم بھی کسی وقت یہی درجہ پا سکتے ہیں۔ سے

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

"ادوم" آپ کا روحانی پرچارک ہے، یہ روحانی درس و تدریس کا واحد سادھن ہے، اس کے ذریعہ آپ اپنے اندر ایک نئی تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں۔ "ادوم" کے مطالعہ اور ادوم کے پرچار سے آپ کا زندگی کا مطلب نمایاں ہوتا ہے۔ آپ روحانی تعلیم کے ذریعے اپنے ملول دلوں کو از سر نو شگفتہ کر سکتے ہیں۔ یہ سنت انک ایسی روحانی تعلیم کا حامل ہے، جس میں مختلف مہاپرشوں کی سوانح حیات کا تذکرہ ہے جنہوں نے ایشور کے دھیان میں اپنی زندگیاں تلف کر دیں، اپنے عیش و آرام کو بھگوان کے نام پر قربان کیا اور اپنی جاہ و حشمت، طاقت و دولت کو اپنے پاؤں کی بے پناہ ٹھوکر والے سے پامال کرتے ہوئے تپ تیاگ اور تپسیا کا وہ آدرش پیش کیا کہ آج بے ساختہ ہمارے لبوں وہیں کی صدائے تحسین سے فضا گونجتی ہے اور عرش معرفت پر واہ واہ کے نعرے بلند ہوتے ہیں، ہم کیوں نہ ایسے مہاپرشوں کے چرنوں میں سر بسجود ہو کر روحانی درس حاصل کریں تا کہ ہم اپنی آنیوالی نسلوں کی زندگیاں سدھار سکیں سے

بگڑے ہوئے سب کام سنور سکتے ہیں
غرقاب سفینے بھی ابھر سکتے ہیں
مشکل جو نظر آتی ہے ناممکن محض
ہمت ہو تو حل ایسے بھی کر سکتے ہیں

اس سنت انک کے مختصر سے حجم میں ہم فلسفہ گیان کے علاوہ بیسیوں مہاپرشوں کی زندگیوں کے حالات درج کر رہے ہیں جن کے پربھاؤ سے گلستان قلب میں ایک نئی زندگی اور نئی روح کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس درس و تدریس سے ایک ناستک انسان دیوتا میں بدل جاتا ہے اور ایک باطل دماغ کے پردوں پر روحانیت کی ضوفشانیاں جلوہ گر ہو کر اسے ایشوری گیان کی روشنی سے منور کر دیتی ہیں۔ مقام مسرت ہے کہ اس انک کی تیاری میں بھارت کے بیشمار مایہ ناز ادیبوں نے اپنی قلمی معاونت پیش کرتے ہوئے ہمیں قلبی سکون بخشا کہ جن کے طفیل ہم آج یہ روحانی گلدستہ پیش کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ مہاپرشوں کی جیون جھلکیاں چشم مردمک میں ایک روحانی بصیرت پیدا کرنے کی حامل ہیں۔ ہم اور آپ اس شمارہ میں شرکت کرنیوالے ادیبوں کی دماغ سوزی اور ... ان کی تحریری جدت پسندی سے مشکور و محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ان کے اسپ قلم کی روانی نے سفینہ قرطاس پر وہ نقوش عیاں کئے جن کو ہم کسی پہلو بھی فراموش نہیں کر سکتے ان کے قلم کی ہم آہنگی اس شمارہ کی رونق و زینت کو دوبالا کئے ہوئے ہے۔ ان مہاپرشوں کی دھارمک زندگیاں ہمیں پور و جوں کے جیون لکش کا آدرش دیتی ہیں جن کے ذریعے ہم جہالت کے تاریک گڑھے میں گرنے سے بچ سکتے ہیں۔ ان سنت پرشوں اور ایشور بھگتوں کے نقش قدم پر چل کر اپنے کلیان اور سدھار کا سادھن تلاش کر سکتے ہیں۔

یہ امر مبنی صداقت ہے کہ روحانی تعلیم حاصل کرنے کے لئے

ہمیں اپنے دھارمک لٹریچر اور اتہاس کا مطالعہ کرنا لازمی ہے بڑے بڑے فلاسفر، یوگی اور مہاپرشوں نے اس امر کی کھلے بندوں تصدیق کی ہے کہ سکھ اور شانتی کے حصول میں روحانیت کی تعلیم ایک اکھنڈ صداقت ہے ہم اپنی چشم تعصب پر صداقت کی عینک لگانے سے جہالت اور کوتاہ بینی کی دھندلی فضا کو صاف کرنیکا ذریعہ بنا سکتے ہیں اور سب کچھ محض شبھ پریمیوں کا سماگم کرنے سے ہو سکتا ہے ہم اپنے پریمیوں سے پُر زور اپیل کریں گے کہ وہ بھی اس کار خیر میں اپنا دست تعاون آگے بڑھائیں۔ اور اس کے نئے خریدار بنانے میں اپنا دلی سہیوگ بخشیں ہر خریدار اپنے کم سے کم دو نئے خریداروں کا چندہ بھجوا کر "ادم" کی زندگی کو طولانی گھڑیوں تک سانس لینے کے لئے اپنا اخلاقی فرض محسوس کرے تاکہ آپ کا یہ دھارمک شاہکار پوری تندہی سے آپ کی روحانی خدمت سرانجام دیتا رہے

"ادم" کا سالانہ چندہ چھ روپیہ مقرر ہے لیکن بذریعہ وی، پی منگوانے کی بجائے پیشگی چندہ ارسال کرنے میں خریدار کو فائدہ رہے گا اور ہم بھی اطمینان محسوس کریں گے کہ ۹ر آنہ کی زائد رقم کے خرچ سے ادارہ اور خریدار محفوظ رہیں گے ہم پوری توقع اور آشا سے پریمیوں پر اعتماد رکھتے ہیں کہ وہ اس کی اشاعت بڑھانے اور اس کے نئے خریدار بنانے میں ہمارا پورا پورا ساتھ دیں گے۔

ہم ہیں آپ کے شبھ چنتک

منتظمان ادارہ "ادم"

संत असंतन्हि कै असि करनी । जिमि कुठार चंदन आचरनी ।
काटइ परसु मलय सुनु भाई । निज गुन देइ सुगंध बसाई ॥

दो०— ताते सुर सीसन्ह चढत जग बल्लभ श्रीखन्ड ।
अनल दाहि पीटत घनहिं परसु बदन यह दंड ॥

बिषय अलंपट सील गुनाकर । पर दुख दुख सुख सुख देखे पर ।
सम अभूत रिपु बिमद बिरागी । लोभा मरष हरष भय त्यागी ॥
कोमल चित दीनन्ह परदाया । मन बच क्रम मम भगति अमाया ।
सबहि मान प्रद आप, अमानी । भरत प्रान सम मम ते प्रानी ॥
बिगत काम मम नाम परायन । सांति बिरति बिनती मुदितायन ।
सीतलता सरलता मयत्री । द्विज पद प्रीति धर्म जनयत्री ॥
ए सब लच्छन बसहिं जासु उर । जानेहु तात सन्त सन्तत फुर ।
सम दम नियम नीति नहिं डोलहिं । परुष बचन कबहूँ नहि बोलहिं ।

दो०— निन्दा अस्तुति उभय सम ममता मम पद कुंज ।
ते सज्जन मम प्रान प्रिय गुन मंदिर सुख पुंज ॥

सुनहु असन्तन्ह केर सुभाऊ । भूलेहूं संगति करिअ न काऊ ।
तिन्ह कर संग सदा दुखदाई । जिमि कपिलहि घालइ हरहाई ॥
खलन्ह हृदयं अति ताप बिसेषी । जरहिं सदा पर संपति देखी ।
जह कह निन्दा सुनहिं पराई । हरषहिं मनहूँ परीनिधि पाई ॥
काम क्रोध मद लोभ परायन । निर्दय कपटी कुटिल मलायन ।
बयरु अकारन सब काहूसों । जो कर हित अनहित ताहू सों ॥

झूठइ लेना। झूठइ देना। झूठइ भोजन झूठ चबेना।
बोलहिं मधुर बचन जिमि मोरा। खाइ महा अहि हृदय कठोरा॥

दो०— पर द्रोही पर दार रत परधन पर अपवाद।
ते नर पावर पापमय देह धरें मनु जाद॥

लोभइ ओढ़न लोभइ डासन। सिस्नोदर पर जमपुर त्रासन।
काहू की जौं सुनहिं बड़ाई। स्वास लेहिं जनु जूड़ी आई।
जब काहू कै देखहिं बिपती। सुखी भए मानहुँ जग नृपती।
स्वारथ रत परिवार बिरोधी। लम्पट काम लोभ अति क्रोधी॥
मातु पिता गुरु बिप्र न मानहिं। आप गए अरु घालहिं आनहिं।
करहिं मोह बस द्रोह परावा। संत संग हरि कथा न भावा॥
अवगुन सिंधु मंदमति कामी। बेद बिदूषक परधन स्वामी।
बिप्र द्रोह पर द्रोह बिसेषा। दंभ कपट जिय धरें सुबेषा॥

दो०— ऐसे अधम मनुज खल कृत जुग त्रेता नाहिं।
द्वापर कछुक बृन्द बहु होइ हहिं कलिजुग माहिं॥

परहित सरिस धरम नहिं भाई। पर पीड़ा सम नहिं अधमाई।
निर्नय सकल पुरान बेद कर। कहेउ तात जानहिं को बिद नर॥
नर शरीर धरि जे पर पीरा। करहिं ते सहहिं महा भवभीरा।
करहिं मोह बस नर अघ नाना। स्वारथ रत परलोक नसाना॥

رسالہ اوم کی ضخامت بدستور سابقہ ہی رہیگی

ماہ نومبر ۵۹ء کے پرچہ کی ضخامت ۴۰ صفحات رکھنے پر اوم کے بیشتر پریمیوں نے اعتراض کیا اور چندہ کم کرنے کا اعلان پڑھ کر حیرانگی ظاہر کی نیز پُرزور الفاظ میں تحریر فرمایا کہ:- (۱) پرچہ کی ضخامت ہرگز کم نہ کی جائے، (۲) اور نہ ہی سالانہ چندہ میں تخفیف ہی کی جاوے۔ چنانچہ ایسی چٹھیاں آنے پر ہم نے سنت انک کی ضخامت ۱۳۰ صفحات سے زیادہ بڑھا کر اُس کی قیمت -/۸/۱ روپیہ کی بجائے دو روپیہ کر دی ہے اور سالانہ چندہ -/۸/۴ روپیہ کی بجائے بدستور -/۵ روپیہ رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

اب ہماری اوم کے سرپرستوں سے یہ التجا ہے کہ جو بعض اب تک -/۸/۴ روپیہ چندہ بھیج چکے ہیں وہ بقایا چندہ -/۸/۰ روپیہ بھیج کر ہماری حوصلہ افزائی کریں، نیز گذشتہ اعلان کے مطابق جن خریداروں کو ۵/۰ روپیہ کا وی پی جا رہا ہے وہ بھی -/۸/۰ بذریعہ منی آرڈر بھیج کر سنت انک کے حجم کو بڑھاتے ہیں جو زائد خرچ آ چکا ہے اس کو پورا کریں، تاکہ ہمیں آئندہ شائع ہونے والے ماہوار پرچوں کی ضخامت میں کمی کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ (شکریہ باد)

(مینیجر)

سنت اور اسنت کے لکشن

بھگوان رام کا بھرت کو اپدیش

سنت اسنت کے اسی کرنی ۔ جمی کٹھار چندن آچرنی ئو
کاٹی پرسُو ملے سُنئو بھائی ۔ نج گن دئی سُگندھ بسائی

سنت اور اسنتوں یعنی بھلے اور برے پرشوں کی کرنی ایسی ہے، جیسے کلہاڑی اور چندن کا سمبندھ ہوتا ہے، کلہاڑی چندن کو کاٹتی ہے، کیونکہ اس کا سوبھاؤ ہی درختوں کو کاٹنا ہے۔ لیکن چندن اس کلہاڑی کو بھی خوشبودار بنا دیتا ہے،

تاتے سُر سیسن چڑھت جگ بلبھ شری کھنڈ
ونل داہی پیٹ گھنے پرسُو بدن یہ دنڈ

یہی وجہ ہے کہ چندن دیوتاؤں کے سروں پر براجمان ہوتا ہے۔ اور تمام جگت کو پیارا لگتا ہے۔ لیکن کلہاڑے کے منہ کو آگ میں ہی جلایا جاتا ہے، یہی اُس کو سزا ملتی ہے،

وشے المپٹ سیل گناکر ۔ پر دکھ دکھ سُکھ سُکھ دیکھے پر
سم ابھوت رپو ممد بیراگی ۔ لوبھامرکھ ہرکھ بھے تیاگی

سنت وشیوں میں لمپٹ نہیں ہوتے، شیل اور سدگنوں کی کھان ہوتے ہیں، انہیں دوسرے کا دکھ دیکھ کر دکھ اور سکھ دیکھ کر سکھ ہوتا ہے، یہ سب میں سمتا بھاو رکھتے ہیں، ان کے من میں کوئی ان کا شترو نہیں ہے، وہ سنسار سے ویراگ وان اور اہنکار سے رہت ہوتے ہیں۔ اُن کے اندر لوبھ کرودھ ہرکھ اور خوف نہیں ہوتے۔

کومل چت دینن پر دایا ۔ من بچ کرم مم بھگتی امایا
سبھی مان پرد آپو امانی ۔ بھرت پران سم مم تے پرانی

اُن کا چت بڑا کومل ہوتا ہے۔ وہ دین دکھیوں پر دیا کرتے ہیں، من وچن اور کرم سے میری نشکپٹ بھکتی کرتے ہیں، سب کی عزت کرتے ہیں، لیکن خود مان رہت ہوتے ہیں، اے بھرت! ایسے سنت جن مجھے پرانوں سے بھی پیارے ہیں۔

وگت کام مم نام پرائن ۔ شانتی ورتی ونتی مدتاین
سیتلتا سرلتا میتری ۔ دوج پد پریتی دھرم جنیتری

اُن کو کوئی کامنا نہیں ہوتی۔ وہ میرے نام پرائن ہوتے ہیں، شانتی ویراگ، نمرتا اور پرسنتا کے گھر ہوتے ہیں۔ اُن میں شیلتا، سرلتا سب کے ساتھ متر بھاو اور براہمن کے چرنوں میں پریتی ہوتی ہے، جو دھرم کو اُتپن کرنے والی ہے،

ایہہ سب لچھن بسیں جاسُ اُر ۔ جانیہو تات سنت سنتت پھر
سم دم نیم نیتی نہیں ڈولہیں ۔ پرُش بچن کبہوں نہیں بولہیں

ہے تات! یہ سب لچھن جن کے ہردے میں بستے ہیں، اُن کو سدا سچا سنت جاننا، جو شم دم نیم اور نیتی سے کبھی وچلت نہیں ہوتے اور مکھ سے کبھی کٹھور وچن نہیں بولتے۔

دوہا:- نندا استتی اُبھے سم ممتا مم پد کنج
تے سجن مم پران پریے گن مندر سُکھ پنج

جنہیں نندا اور استتی دونو سمان ہیں، اور میرے چرن کملوں میں جن کی پریتی ہے، وہ گنوں کے دھام اور سکھ کی راشی سنت جن مجھے پران سمان پیارے ہیں۔

سنہو اسنتن کیر سبھاؤ ۔ بھولے ہوں سنگت کریو نہ کاؤ
تہنہ کر سنگ سدا دکھدائی ۔ جمی کپل ہی گھالی ہرہائی

اب اسنتوں یعنی دُشٹ پرشوں کا سوبھاو سنو۔ ایسے پرشوں کی کبھی بھول کر بھی سنگت نہیں کرنی چاہئے۔ اُن کا سنگ سدا دُکھ دینے والا ہوتا ہے، جیسے بری جاتی والی گائے اچھی جاتی والی کپلا گائے کو سینگ مار کر گھائل کر دیتی ہے

کھلن ہر دہ اتی تاپ بسیکھی ۔ جرہیں سدا پر سمپتی دیکھی
جہنہ کہنہ نندا سنہیں پرائی ۔ ہرشیں منہوں پری ندھی پائی

دُشٹوں کے ہردے میں بہت ادھک سنتاپ رہتا ہے

ہے، وہ دُوسروں کا دھن دیکھ کر سدا جلتے رہتے ہیں، وہ جس جگہ بھی دُوسروں کی نندا سُنتے ہیں، وہاں بڑے ہی پرسن ہوتے ہیں، جیسے کوئی بڑا خزانہ پراپت ہوا ہے۔

کام کرودھ مد لوبھ پرایَن ، نِردیہ کپٹی کُٹل ملایَن
بیر اکارن سب کاہوسوں ، جو کرہت اَن ہت تاہو سوں

وہ کام، کرودھ، لوبھ اور مد سے پریم رکھنے والے، بےرحم کپٹی، کھوٹے اور پاپوں کے گھر ہوتے ہیں، وہ بنا ہی کارن سب کسی سے ویر کرتے ہیں، جو بھلائی کرتا ہے۔ اُس کے ساتھ بھی بُرائی کرتے ہیں

جھوٹے ہی لینا جھوٹے ہی دینا، جھوٹے ہی بھوجن جھوٹ چبینا
بولہیں مدھر بچن جِم مورا ، کھائی مہا اہی ہردے کٹھورا

اُن کا جھوٹ ہی لینا اور جھوٹ ہی دینا ہوتا ہے۔ اُن کا جھوٹ ہی بھوجن اور جھوٹ ہی چبینا ہوتا ہے۔ یعنی ایسے لوگ جھوٹ اور فریب سے دوسروں کا حق مار لیتے ہیں، اور جھوٹی ڈینگ مارتے ہیں، کہ ہم نے لاکھوں روپے کما لئے اور لاکھوں کا دان کر دیا۔ آج کئی طرح کے میٹھے بھوجن کھا کر آئے۔ پرنتو چنے چبا کر ہی آتے ہیں، مطلب یہ کہ وہ سب باتوں میں جھوٹ ہی بولا کرتے ہیں۔ اور اپنی تعریف کے پُل باندھتے ہیں۔ پرنتو اُن میں گُن ایک بھی نہیں ہوتا۔ وہ اُوپر سے میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں، لیکن اُن کے ہردے میں حسد، بغض اور کینہ ہوتا ہے جیسے مور بہت میٹھا بولتا ہے لیکن اُس کا ہردہ ایسا کٹھور ہوتا ہے کہ بڑے بڑے زہری سانپوں کو بھی کھا جاتا ہے۔ ایسے ہی دُشٹ پُرش ظاہرا طور پر بہت نمرتا اور پریم ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن ایسے پرلے سرے بہت دشواس گھاتک ثابت ہوتے ہیں،

دوہا:- پَر دروہی پَر دار رَت پَر دھن پَر اپواد
تے نر پانور پاپ مے دیہہ دھریں منوجاد

وہ دُوسروں سے دشمنی کرنے والے، دوسروں کی استری پر نظر رکھنے والے، دوسروں کی نِندا کرنے والے ایسے پامر اور پاپی منش انسان کی صورت میں حیوان ہوتے ہیں۔

لوبھ اَی اوڑھن لوبھ ہی ڈاسن ، سِشنو دَر پر جَم پور تراسن
کاہو کی جو سُنہیں بڑائی ، سواس لیہیں جنو جوڑی آئی

لوبھ لالچ ہی اُن کا اوڑھنا اور بچھونا ہوتا ہے۔ اُن کا کھان پان اور وِشے بھوگ پشوؤں کی طرح ہوتے ہیں۔ اُنہیں موت یاد ہی نہیں ہوتی، وہ کسی کی بڑائی نہیں سُن سکتے۔

جب کاہوں کے دیکھیں بپتی ، سُکھی بھئے مانہوں جگ نرپتی
سوارتھ رَت پرِوار وِرودھی ، لمپٹ کام لوبھ اتی کرودھی

اور جب کسی کو مصیبت اور دُکھ میں پڑا دیکھتے ہیں۔ تو بڑے ہی پرسن ہوتے ہیں، جیسے اُن کو راج پدوی مل گئی ہو، وہ خود غرضی کے پتلے، اپنے ہی سُکھ کے خواہشمند، اپنے کُنبہ قبیلہ سے بھی دُوشمنی رکھنے والے، کام اور لوبھ میں آسکت اور اتی کرودھی ہوتے ہیں۔

ماتو پِتا گورُو وِپر نہ مانہی ، آپ گئے اَرو گھالہیں آنہی
کریں موہ بس دروہ پراوا ، ست سنگ ہری کتھا نہ بھاوا

وہ ماں باپ، گورو براہمن کسی کو بھی نہیں مانتے۔ آپ تو نشٹ ہوتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن اپنے سنگ سے دوسروں کو بھی نشٹ کرتے ہیں، وہ موہ وش ہو کر دُوسروں سے دشمنی کرتے ہیں۔ اُن کو نہ سنتوں یعنی مہا پُرشوں کی سنگت ہی اچھی لگتی ہے۔ اور نہ ہی ایشور بھجن ہی اچھا لگتا ہے،

اوگن سِندھو مند مَتی کامی ، وید وِدُوشک پَر دھن سوامی
وِپر دروہ پر دروہ وِسیشا ، دمبھ کپٹ جی دھریں سُو ویشا

وہ عیبوں کے سمندر، بدعقل، شہوت پرست، ویدوں کی نندا کرنے والے اور زبردستی دُوسروں کے دھن کو لُوٹنے والے براہمن اور سجن پُرشوں کے سخت دشمن ہوتے ہیں۔ اُن کے ہردے میں دمبھ اور کپٹ بھرا رہتا ہے۔ لیکن اُوپر سے سُندر بھیس بنائے رکھتے ہیں

دوہا:- ایسے ادھم منُج کھل کِرت جُگ تریتا ناہی
دواپر کچھک برندہ بہو ہوئی ہیں کلجگ مانہی

ایسے نیچ اور دُشٹ منش ست جگ اور تریتا میں نہیں ہوتے، دواپر میں تھوڑے سے ہوں گے، اور کلجگ میں تو ان کے جھُنڈ کے جھُنڈ ہوں گے۔

پَرہت سرس دھرم نہیں بھائی ، پَر پیڑا سم نہیں ادھمائی
نرنے سکل پُران وید کر ، کیہوں تات جانہیں کووِد نر

ہے بھائی! پرو پکار کے سمان کوئی دھرم نہیں ہے۔ اور

دوسروں کو دکھ پہنچانے کے سمان کوئی نیچتا یعنی پاپ نہیں ہے، یہ بات! تمام ویدوں اور شاستروں کا سدھانت ہیں نے تمہیں کہا ہے اس بات کو پنڈت لوگ جانتے ہیں۔

نر شریر دھری جے پر پیرا، کرہیں تے سہیں مہا بھو بھیرا
کرہیں موہ بس نر اگھ نانا، سوارتھ رت پرلوک نساتا

نش شریر دھارن کرکے جو لوگ دوسروں کو دکھ پہنچاتے ہیں، وہ دنیا میں بڑی بڑی مصیبتیں بھوگتے ہیں، جو آدمی اگیان اور سوارتھ کی وجہ سے بہت پاپ کرتے ہیں۔ اُن کا پرلوک نشٹ ہوا کرتا ہے،

(ادم شنم)

مہاپرش یا سدگرو سنگ

از
شری بھاگ مل
جی سائینی

بقول گیان اوتار شری سوامی شنکر آچاریہ "مہاپرش وہ ہے جو آتم نشٹھ ہونے کے علاوہ جگیاسوؤں کو جگا سکتا ہو" جو رازِ عمر بھر نہیں کھل سکتا وہ مہاپرشوں کے محض قرب و صحبت میں پل بھر میں کھل جاتا ہے۔ بغیر مہاپرش کی امداد کے بھگتی یوگ، گیان یوگ، کرم یوگ اور راج یوگ کا صحیح طور پر سمجھنا مشکل امر ہے، اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جن انسانوں کا من اور عقل سلیم ہے وہ بغیر کسی امداد کے محض اپنے تجربات یا اپنے دماغ کے گیان یا دھارمک پستکیں پڑھنے یا اپنے پور بلے شبھ کرموں، یا اپنے صحیح ابھیاس سے بھگوان کی پراپتی یا آتم گیان سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔ لیکن جن انسانوں کی عقل سلیم نہیں اُن کو برہم نشٹھ اور برہم شروتری گورو کی ضرورت ہے اور ضرور ہے،

ایک گہرا سمندر ہے اُس کے کنارے دو آدمی کھڑے ہیں اور دونوں پار جانا چاہتے ہیں۔ ایک آدمی سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ اس خیال کے ساتھ چل پڑا کہ کبھی تو یہ ختم ہوگا اور جب ختم ہوگا تب اُس کو عبور کر لوں گا، دوسرا جو ذرا سوجھ وچار والا تھا اُس نے خیال کیا کہ سمندر کے کنارے کے ساتھ ساتھ چلنے سے اُس کے پار پہنچنا مشکل ہے اُس نے ملاح کا سہارا لیا اور سمندر کے پار پہنچ گیا۔ آپ ان دونوں میں سے کس کو عقل مند کہیں گے؟ جو سمندر کا انت معلوم کرنا چاہتا ہے یا ملاح کا سہارا لیتا ہے؟ یقیناً دوسرا جس نے ملاح کا سہارا لیا ہے اور آسانی سے سمندر کو پار کر لیا،

بقول ایک مہاپرش "دنیا بھی ایک متلاطم سمندر ہے اور اس میں بے شمار گڑھے اور چٹانیں ہیں، مثلاً مصیبت کے آنے پر دولت، عزت اور دل کو سخت صدمہ پہنچنا، اپنی طبیعت کے مطابق برتاؤ نہ ہونا، اپنی آبرو کو دھکا لگنا، اپنی فطرت کے خلاف چلنے کے لئے مجبور نہ ہونا۔ یاروں رشتہ داروں کا بیوفا اور ناشکر گذار ثابت ہونا، گذشتہ دکھوں کی یاد میں افسوس کرتے رہنا، اپنا خیال پورا نہ ہونا، اپنی مرضی کے مطابق روزگار نہ ملنا، سوسائیٹی، مذہب اور سلطنت کے نامرغوب قوانین کی پابندی میں رہنا، قحط، ہیضہ، بھونچال، آندھی، پلیگ، بحری طوفان وغیرہ قدرتی آفات سے تکلیف اٹھانا، اردگرد کے حالات کا بگڑتے جانا وغیرہ جن کے زیر اثر اصلیت سے بُری طرح گمراہ ہو کر کوئی تو یہ کہتا ہے کہ ان تکالیف کی کوئی پرواہ نہ کرو، خوب کھاؤ، پیو، چین کرو، پھر کبھی یہاں آنا نصیب نہ ہوگا، یہی کچھ ہے۔ دوسرا کہتا ہے، دنیا دکھ روپ ہے اور وہ چیتھڑے لپیٹ کر بُری طرح زندگی کے سفر کو طے کرتا ہوا ہر دم دکھ کا نعرہ مارتا رہتا ہے۔ تیسرا نفرت گھراہٹ کو دل دے کر دکھ سکھ دونوں کے برخلاف وعظ سناتا ہے جوں جوں انسان اصلیت کو نہ سمجھ کر اپنے خیال کی پیروی کرتا ہے اس کی راہ تاریک اور تنگ بنتی جاتی ہے۔ قدم قدم پر کانٹے اور جھاڑیاں میں الجھن

اٹھتا ہے اور وہ پریشان ہو کر نہ صرف گھبرا جاتا ہے۔ بلکہ بربادی کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ ان چٹانوں سے کشتیٔ حیات کو کس طرح بچایا جا سکتا ہے، اور سیدھا، پُرسرور اور آسان راستہ کون سا ہے یہ ایک نہایت تجربہ کار ملاح کو معلوم ہے، جس نے سارے سمندر کو خوب اچھی طرح چھانا ہوا ہے اور اُسے بخوبی علم ہے کہ غرقاب چٹانیں کس جگہ پر ہیں اور اُن سے کشتی کو کس طرح بچایا جا سکتا ہے، یہی حال برہم شروتری اور برہم نشٹھی گورو کا ہے وہ بھوساگر کے ملاح ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ راستہ کس قدر دشوار گزار ہے یا آسان ہے جو جگیاسو شردھا کے ساتھ اُن پر بھروسہ کرتا ہے، یقیناً اُس کا بیڑا پار ہو جاتا ہے، وہ تادیب اور دلی تربیت کی منزل سے گزار کر آہستہ آہستہ سچائی، حقیقت اور معرفت کے طبقہ میں لے جا کر پہنچا دیتا ہے اور دکھ سکھ و اُداسینتا تینوں سے الگ کر کے اُس کو سچائی تک واصل ہونے کا بآسانی موقع بخشتا ہے۔

جس آدمی میں خود تیرنے کی طاقت ہے وہ بیشک ان پر بھروسہ نہ کرے لیکن جن اشخاص میں نہ تیرنے کی طاقت ہے نہ تیرنے کا علم ہے ان کے لئے ملاح روپی گورو پر بھروسہ اور دِڑھ وشواس کرنا لازمی ہے، ورنہ اُس کے ڈوب جانے کا اندیشہ ہے، بھگوان کرشن چندر آنند کند گیتا میں کوشش کا اصلی طریقہ بتاتے ہوئے یوں فرماتے ہیں۔

دولت کے یگیہ سے بہت بڑھ چڑھ کر
ہے گیان کا یگیہ سن رکھ اے دانشور
ہے گیان وہ شے اُس میں سما جاتے ہیں
جتنے دنیا میں کام ہیں سب یکسر

یہ گیان تو لے جھک کے گردن اپنی — جا جا کر پوچھ اور کر خدمت بھی
دینگے تجھے گیان کا سبق گیانی لوگ — آنکھوں سے جنہوں نے ہے تجلی دیکھی

ایسا گیان تجھ کو مل جائے گا — دھوکا پھر تو کبھی نہیں کھائے گا
دیکھے گا تو اپنی ذات میں کُل عالم — اور مجھ میں نظر تجھے یہ سب آئیگا

پاتے ہیں گیان کو عقیدت والے — مصروف ہوں جو حواس ہوں جن کے رکے
اور گیان کو پاتے ہی نہایت جلدی — ملتی ہے وہ شانتی جو ہے سب سے پرے

نادان ہیں یا دل میں نہیں جن کے یقین — یا شک ہے جنہیں وہ ناش ہو جاتے ہیں
دنیا ملتی نہیں ہے اہلِ شک کو — عقبےٰ بھی نہیں ملتا ہے اور سکھ بھی نہیں
(ا۔۴ ش ۳۳۔ ۳۴، ۳۵، ۳۹، ۴۰)

مسجدے ہست اندرون اولیا — سجدہ گاہ جملہ ہست آنجا خدا
گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است — من نہ گنجم ہیچ در بالا و پست
در دلِ مومن بگنجم ایں عجب — گر مرا خواہی ازاں دلہا طلب
(مثنوی روم)

ترجمہ (۱) مسجد فقیر کے دل میں ہے۔ فرض سب کی سجدہ گاہ ہے، وہیں پر بھگوان ہیں (۲) پیغمبر کہتے ہیں کہ مجھے حق نے فرمایا ہے کہ میں کہیں بھی نہیں سما سکتا (۳) لیکن یہ عجب بات ہے کہ میں پاک دل آدمی کے پردہ میں سما جاتا ہوں (۴) اگر تجھ کو میری تلاش ہے تو تو ایسے انسانوں سے سوال)

گر ترا پیر مغاں گوید بہ مے سجادہ رنگیں کن
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا (خواجہ حافظ)

اے مہرباں انیت کا جنگل ہے گھنا — اور اس میں گم گیا ہے تو تیرے رستا
رہبر نہ ملا تو بس خدا حافظ ہے — جنگل بھی ہیں یوں سمجھ کو کھیتا
چلنا ہے چار کوس بھی دو گر — رستہ لیتا ہے پوچھ ہر ایک بشر
عرفاں کے ہیں پیچدار رستے اپنے ہیں — حیرت ہے مجھے چلا ہے تو بے رہبر

مہتہ دہلوی

گورو ادھکاری کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ان کا کام محض رہنمائی یا ادھکاری کو خطروں سے آگاہ کرنا ہے، جملہ جد و جہد خود ادھکاری کو کرنی پڑتی ہے۔ یہ حقیقی روحانیت کا مرشد ہے گرو راستہ دکھاتا ہے۔ اس پر شردھا اور ہمت دلیری کے ساتھ گامزن ہونا اور منزل مقصود پر پہنچنا ادھکاری کی کوشش کا نتیجہ ہے جملہ مراحل خود ادھکاری کو خود بخود طے کرنے پڑتے ہیں، گورو آغوشِ محبت میں خود طے نہیں کر دیتا یعنی محض گورو کے اپدیش سننے سے کامیاب نہیں ہو جاتا۔ اس پر عمل کرنے سے کامیاب ہوتا ہے۔ جو لوگ ایک کان سے بات سنتے ہیں اور دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں، وہ مہاتماؤں کی سنگت کرتے ہوئے بھی محض اس وجہ سے اُن سے فیض یاب نہیں ہوتے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی بجائے اپنا سارا بوجھ اُنہی کے لطف کرم کی نگاہ پر ڈال کر خود نشچنت ہونا چاہتے ہیں ان کے نزدیک اپنے پرشارتھ کے ذریعہ پاک اور پوتر زندگی بسر کرنے میں اہمیت

نہیں بلکہ مقدس کتاب پر خاص یقین اور ایک خاص نجات دہندہ وجود کی خاص طریق پر عبادت کرنے میں ہے ۔

گورو روحانی ڈاکٹر ہوتے ہیں ، اور ان کے اُپدیش مطابق دوا کے ہوا کرتے ہیں ۔ اگر کوئی مریض دوائی لے کر اپنے مکان کے کسی کونے میں رکھ چھوڑے تو اُسے ایسا کرنے سے ہرگز کچھ فائدہ نہ ہوگا اس کے لئے مناسب ہے کہ وہ دوائی کو عقیدت کے ساتھ حسبِ ارشاد استعمال کرے تا وقتیکہ مرض دور نہ ہو جائے ۔

بقول ایک مہا پرش گورو اول بیرونی صورت میں ملتا ہے اور اُپدیش کرتا ہے جو رستہ دکھانے میں کسی حد تک بلاشبہ مددگار ثابت ہوتا ہے ۔ جوں جوں آدمی کی طلب صادق بڑھتی جاتی ہے اُسی قدر اندر سے خود بخود پردے اُٹھتے اور روشنی کے جلوے ہوتے جاتے ہیں ۔ اور گورو کی شکل و صورت آدرش کی ہو جاتی ہے یہ اندرونی گورو گھٹ گھٹ میں موجود ہے اور آدمی کا ادھکاری ہونا شرط لازمی ہے کہ فوراً ساکشات درشن دیتا ہے ، وہ ہو کش روپ راج کا مالک بنتا ہے مبارک ہیں وہ پوتر آتمائیں جو اس آتم روپ کو جان پہچان کر اس کو پراپت ہوتی ہیں ۔

ویدانت کے گرنتھوں میں لکھا ہے جو گیان خالی کتابوں کو پڑھ کر حاصل کیا جاتا ہے وہ کچا گیان ہے ، اور مستی کی اصلیت سے خالی رہتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ روحانی کتب کے اندر وچار اور مہا واکیہ وغیرہ سب موجود ہیں لیکن جب تک وہ برہم نشٹی اور برہم شروتری گورو کی زبان سے نہیں سنتا تب تک زندگی میں تبدیلی نہیں آتی ۔ سمندر پانی سے بھرا ہوا ہے جو پیئے گا اُسے وہ کھارا محسوس ہوگا لیکن وہی پانی بھاپ بن کر آسمان پہ چڑھے گا تب میٹھا معلوم ہوگا ، روحانی کتب سمندر سے مشابہ ہیں اور گورو کا کلام بادل کا شیریں اور خوش ذائقہ پانی ہے برہم نشٹی اور برہم شروتری میں کمائی ہوتی ہے ، وہ اپنے خیال کی عملی صورت ہوتا ہے " جب شری گورو نانک دیوجی مہاراج نے مدینہ میں کھڑے ہو کر بانگ دی تو وہاں کے تمام کے تمام علماؤں نے جمع ہو کر اُن پر فتوے دیا کہ " اس کافر بے دین کو سنگ مار کر کے جان سے مار دیا جائے " ، سب لوگ اس برہم جوتی (خدا کے مظہر) کے اردگرد جمع ہوئے وہ اپنے مالک پر دھیان جمائے بیٹھے ہیں ، جب اُنہوں نے مستی کے بیچ میں سے آنکھ کھول کر لوگوں کی طرف دیکھا تو اُن سب کے ہاتھوں میں پتھر ہی پتھر تھے ، لیکن پورن برہم گیانی گورو کی ایک نظر سے ہی سب کے سب بے حس و حرکت ہو گئے تو پھر کسی نے اُن کو پتھر کیا مارنا تھا وہیں کے وہیں تصویرِ حیرت بن گئے اور ان کی سچائی ، بھلائی ، اور صداقت پر فوراً یقین لے آئے ایسے ہی برہم نشٹی مہاتماؤں کے سلسلہ میں مستی مجسم سوامی رام تیرتھ فرماتے ہیں :۔

" مہاتماؤں کے درشن سے ہی دِل نیچے واسنا دور ہو جاتے ہیں کسی کا مہاتما ہونا ہی ساری دنیا میں ہلچل ڈال دیتا ہے ، چاہے وہ ملک میں اُپدیش دے یا نہ دے محض ملک کی ہی حالت ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کی حالت اُس کے پیدا ہونے سے بہتر ہو جاتی ہے جس طرح کسی جگہ کی ہوا ہلکی ہو کر اوپر کو اُڑتی ہے تو اس کی جگہ بھرنے کو چاروں طرف کی ہوا آ جاتی ہے اور سارے کرۂ ہوائی میں ہلچل پڑ جاتی ہے ۔ اس طرح ایک مہاتما بھی ساری دنیا کو ہلا دیتا ہے لیکن جو مہاتما کے وجود کو ہی نہ مانیں وہ اس سے کسی طرح کا فائدہ نہیں اُٹھا سکتے " بے شک جہاں سچ ہے وہاں جھوٹ بھی آ جاتا ہے لیکن ملمع کی موجودگی سے اصل سونے کی بڑائی میں فرق نہیں آ سکتا ۔ دنیا کی تاریخ اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ اگر کوئی شخص آنکھیں کھول کر دنیا کے بازار میں گزرے جس کی نگاہ میں برہم ہی برہم ہو وہ ساری دنیا کو برہم روپ اور پریم روپ دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور جس کے اندر دشمنی کی آگ شعلہ زن ہے وہ اپنے اردگرد تمام کے تمام دشمن ہی پاتا ہے ۔ اس واسطے او پیارے متلاشی آمدہ

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ ۔ دشمن گر آئے سامنے اُس میں خدا کو دیکھ

بھلا جس کی ایسی نظر ہو جائے اُس کو دُکھ اور شوک کہاں رہ سکتے ہیں اور کیا اُس کی موجودگی سے سارے دیش میں طاقت اور رحمت نہیں آ جاتی ۔ پس لے ریفارمر ! بتلاؤ کہ کیا آتم ساکشات کار سے بڑھ کر بھی کوئی ریفارم ہے پہلے اپنا آپ ریفارم کرو یعنی نظر اونچی کرو پھر سارے ملک میں ریفارم اپنے آپ آ جائیگی ۔

حقیقی مہاتماؤں کے پاس مانگ تانگ کا سامان نہیں ہوتا وہ اپنے انبھو کی جدت اور طبیعت کی رسائی کی مدد سے ادھکاری کو سمجھاتے

بجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ تاکہ پھر شکوک کی مطلق گنجائش نہ رہے آئینہ کیا کرتا ہے، وہ معدوم کو ہست نہیں کرتا، نہ غیر وجود کو عالم وجود میں لاتا ہے آئینہ ہو یا نہ ہو آئینہ دیکھنے والے کی ہستی میں فرق کب آیا۔ کب آسکتا ہے۔ اور کب آئے گا، وہ تو جیسا ہے ویسا ہی ہے اُس کی موجودگی اپنا آپ ثبوت ہے، گورو کی اصلی مراد سمجھانے کی مثال بعینہٖ ایسی ہے اس سے زیادہ اُس کی حیثیت نہیں ہے جن کو اپنی شکل وصورت، اپنی چال ڈھال اور اپنی وضع قطع سے اطلاع پانے کی احتیاج ہو وہ کسی مجسم شیشی اور برہم شروتری گورو کے مان سرور کے لطیف پانی میں اپنا عکس ملاحظہ فرماویں،

جو اُتم ادھکاری ہوتا ہے اُس کے دل میں شک و شکوک کے نہ ہونے اور گورو کے بچن (رمہاواکیہ) میں پورا پورا نشچے ہونے کی وجہ سے اُس کی ورتی ہر طرح اٹل ہوتی ہے، پہاڑ ہے تو ٹل جائے وہ اپنی جگہ سے ہلنے والا نہیں ہوتا۔ ویکشنا پاتے ہی وہ اپنے سروپ میں قائم ہو جاتا ہے کیونکہ اُس کا دل ایسا صاف اور شدھ ہوتا ہے کہ کب ان کی دیا سلائی لگی اور آگ فوراً بھڑک اٹھی لیکن ایسا اعلےٰ ادھکاری ہزاروں میں سے ایک دو ہوتے ہیں۔

یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ موجودہ وقت میں کئی پاکھنڈی سادھو جنہوں نے نہ ہی تو کوئی باقاعدہ سادھن کیا ہے اور نہ ہی روحانی تعلیم حاصل کی ہے، جنہیں عورتوں کو گھورنے، غریب راسخ الاعتقاد دل کے ٹھگنے، اپنی دکانداری جمانے اور اچھے اچھے کھانوں سے پیٹ بھرنے کے سوا انہیں اور کچھ کام ہی نہیں ہے،

بقول ایک فہم روح" شاستروں نے سادھو جیون کو کامیاب بنانے کے لئے اُپدیش کیا ہے کہ دھن سنگرہ مت کرو، اور استری سنگ سے بچے رہو مگر کتنے افسوس کا مقام ہے کہ یہ لوگ کسی طرح کے پاکھنڈ رچ کر ان دو چیزوں کو تیاگ نہیں سکتے، ایسے پاکھنڈی لوگ اپنے آچرن سے شاستر کے اُپدیش کی عزت بے ادبی کرتے ہیں اُن لوگوں پر بھی سخت افسوس ہے پاکھنڈ پوجن کو اندھے ہو کر بھگتی اور دھرم مان بیٹھے ہیں، اور اس بات کا مطلق خیال نہیں کرتے کہ سادھو کے لئے کامنی اور کنچن تیاگنے یوگ اشیا ہیں، جہاں ایسے لوگوں کی پوجا پرستش ہوتی ہے جن کی ہرگز نہیں ہونی چاہئے اور جن کی پوجا ہونی چاہئے ان کی

نہیں ہوتی وہاں تین باتیں ضرور ہوں گی، ادھرم، خوف اور بیماریاں،

ایسے ہی ایک اور مہاپرش فرماتے ہیں:- بعض بناوٹی گورو ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کو روحانی علم تو خاک نہیں ہوتا، اور اپنے آپ کو بتاتے ایسا ہیں کہ گویا پورے پہونچے ہوئے ہیں اپنی کم علمی اور کم لیاقتی چھپانے کو بعض تو دنیاداروں کے سامنے بالکل سکوت اختیار کر لیتے ہیں بعض کم گو بن جاتے ہیں اور ایک دو ذرا چلتے ہوئے چیلے چانٹے بنا لیتے ہیں جو سیدھے سادے دنیاداروں کو اپنے گورو کی بزرگی اور کمالیت کا یقین دلا کر اُن کو پھنساتے ہیں۔ اور پیراں نمے پرند و مریداں مے پرانند کا مضمون اپنے پر صادق لاتے ہیں۔ اُن میں بعض تو نرے دھوکے باز ہوتے ہیں، بعض نفس پرور صرف اپنی عزت و پرستش کرانے اور اچھے اچھے مال اڑانے ہی میں بڑا آنند مانتے ہیں ایسے کم علموں کی علمیت کا حال اگر کہیں لوگوں پر کھل جاتے تو کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو زیادہ علم کی کیا ضرورت ہے ہم کو کوئی روپیہ تھوڑا ہی کمانا ہے ہمیں علم پڑھنے میں فضول وقت رائیگاں کرنے کی کیا ضرورت ہے ہم تو آنند ہی میں اپنے وقت کو بتاتے ہیں یہ کام تو دنیاداروں کا ہے غرض ایسی ایسی ہی بہت سی باتیں بنا دیتے ہیں اور بعض باوجود وید شاستروں کے عالم ہونے کے نفس پر پورا قابو نہ پا کر نام اور عزت بڑھانے کو کبھی اپنے کو غیب دان بتاتے ہیں کبھی سمادھی لگا کر پرماتما میں محو ہونا دکھاتے ہیں۔ کبھی سامعین کو ایک دلکش لہجہ میں دھرم کا اُپدیش دیکر اُن کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے اور اپنے عالم ہونے کا ثبوت دیتے ہیں کہ ہے اپنے کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ باوجود لیشت پیچھے کا حال تک نہ جانے اور پل بھر کیا ہونے والا ہے۔ اس تک سے بے خبر ہونے کے خود برہم دان پر برہم ہونے کا دعوے کرتے ہیں۔ غرض ایسے اشخاص خود ستائی و خود بینی ہی میں فخر مانتے ہیں اور اپنے کو سب آلودگیوں سے پاک و مبرا جانتے ہیں، بیچارے بھولے بھالے دنیادار جو شاستروں سے کافی واقفیت نہ رکھنے کی وجہ سے ان کی ٹھیک جانچ کر سکنے کی قابلیت ہی نہیں رکھتے۔ ان کے دام فریب میں آ ہی جاتے ہیں مگر بعض اوقات عالم لوگ بھی دھوکا کھا جاتے ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگوں میں بعض بعض میں کچھ دنوں کے لوگ سادھن سے کسی کسی عجیب وغریب انگیز طاقت روحانی کا بھی ظہور بھی ہو جاتا ہے مگر نفسانی تو لتوں کے

کے غلبہ سے جسے دُور کرنے کی انہوں نے کوشش ہی نہیں کی یوگ کا عمل محض نامکمل ہی نہیں رہ جاتا بلکہ اُلٹا اُن کو زیادہ معزور و نفس پرست بنا دیتا ہے اور اس لئے یہ لوگ عوام کو دام تزویر میں بآسانی پھانس لیتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ایسے بناوٹی گوروؤں کو پہچاننے کے لئے ذرا دماغ میں عقل چاہئے اوّل تو جا بجا سنت شاستروں میں ان کے جملہ فرائض اور ان کی چال ڈھال، طرز و برتاؤ خورش و نوش کے طریقے صاف صاف بتا دیئے گئے ہیں جن سے مقابلہ کر کے تھوڑی سی عقل کا آدمی بھی صادق و باطل میں صاف تمیز کر سکتا ہے۔ اور یہ دوسری بات ہے کہ اگر کسی کو تو گرہ کی ہی عقل ہو نہ شاستروں میں ہی کچھ دخل ہو یا جو باوجود عقل سلیم و قوف شاستر اس جانچ کی کوشش ہی نہ کرے بلکہ دوسروں کی دیکھا دیکھی یا ان کے کسی کرشمہ پر لٹو ہو کر عقل و علم کو بھی بالائے طاق رکھدے تو بتایئے وہ کیا پھر خاک صادق و باطل کی پہچان کرے گا۔"

آجکل کے گورو چاہتے ہیں کہ ان کے شاگرد ان کو بھگوان کا اوتار مانیں اور اُن کی پُوجا ہو یہ پراچین رشیوں منیوں کے آدھار پر اپنے نئے گرنتھ رچتے ہیں اور اپنا نیا پنتھ چلاتے ہیں۔ وہ گورو سیوا کا پھل مرنے کے بعد سورگ کا جھوٹا فریب دیتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد ہم تمہاری رُوح کے ساتھ ہوں گے اور تمہاری رکشا کریں گے یہ سب کچھ گورو ڈم کا نتیجہ ہے اکثر نادان لوگ اِن کے دام میں بُری طرح پھنس جاتے ہیں۔ اور دھوکا کھاتے ہیں۔ اصلیت کے سمجھنے میں قصور کر کے وہ بھی کٹر اور متعصب بن جاتے ہیں۔ گورو بھگتی کی اصلیت کو نہ جان کر اِن کے جال میں پھنسے ہوئے گورو کے بار برداری کے جانور ہو جاتے ہیں۔ "لو" "میرا گورو" اچھا"، "تمہارا گورو" بُرا" ایسے فضول اور بے معنی جھگڑے کیا کرتے ہیں۔ جوہر کو سمجھ کر اپنے گورو کی بے معنی بڑائی کے گیت گا کر ایسے منہ کے بل گرتے ہیں کہ باطل پرست بن جاتے ہیں۔ تعصب انہیں اس طرح دبوچ لیتا ہے کہ اُن کے دِلوں پر پردوں کے پردے پڑ جاتے ہیں اور اندھا دھند پیروی کی وجہ سے اُن میں بے شمار پیچیدگیاں، خرابیاں اور خامیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ بڑے تاریک دھوکے کے شکار ہوتے ہیں اس سلسلہ میں مہاتما نندو بھائی جی یوں فرماتے ہیں —

گورو لشیو، نرلشیو، ترپا لشیو وید لشیو سنسار
مانس سوئی جانیئے جسے بویک وچار
گورو بھگتی کا مد کرے، نہیں سمجھے مت سار
نندو وہ ہے گورو لشیو، مہت بویک وچار

ایسے نام نہاد گوروں سے بچنا چاہئے۔ یہ لوگ جہاں ایک طرف خود مکان بنانے، دھن جمع کرنے، مان بڑائی، نیا پنتھ چلانے اور پوجا کرانے کی خواہشات میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں، دوسری طرف کئی اندھ وشواسی چیلوں کو اصلیت سے محروم رکھ کر ان کا ستیاناس کر رہے ہیں جن مہاتماؤں کو سچا آتم گیان و ایشور پراپتی ہو جاتی ہے وہ اپنا نیا پنتھ نہیں چلاتے اور نہ ہی چیلے چانٹے مونڈتے پھرتے ہیں

وہ ان باتوں سے بہت اوپر برلتے ہیں محض اپنی آتما میں ترپت رہتے ہیں سوامی رام تیرتھ جی مہاراج ایک دفعہ منظر ایں جب کہ وہ انڈیا کے آہن کے قفس میں بول رہے تھے، آپ نے سچی محبت اور پریم کی ترنگوں میں آنکھیں بند کر کے ہاتھ پھیلا کر کہا

—

"انڈیا بھر میں جتنی سوسائٹیاں ہیں وہ ساری رام کی ہیں رام اُن میں کام کرے گا، عیسائی، آریہ، ہندو، سکھ، پارسی، مسلمان جملہ وہ لوگ جن کے اعضا، ہڈیاں، خون اور دماغ میرے اشٹ دیو بھارت بھومی کے اناج اور نمک سے بنے ہوئے ہیں میرے بھائی ہیں ہاں! میرے اپنے آپ ہیں"

"جاؤ ان کو کہہ دو کہ رام اُن کا ہے میں ان کے ساتھ بغلگیر ہوتا ہوں اور کسی کو بھی اپنی آغوش محبت سے باہر نہیں سمجھتا۔"

"میں مجسّم محبت ہوں، محبت اپنے نور سے سبکو روشن کرتی ہے، بیشک، بیشک! میں محبّت کے سمندر کی طغیانی کے سوائے کچھ نہیں ہوں اور میں سب کو یکساں محبت کرتا ہوں،"

"میں جگت میں محبت کی بارش برساؤں گا، جگت کو آنند میں نہلاؤں گا اگر کوئی میرے ساتھ مخالفت کرے گا تو میں اسے بھی خوش آمدید کہوں گا۔"

"کیونکہ میں محبت کی برشا کرتا ہوں، جملہ سوسائٹیاں میری ہیں، مبارک ہو مبارک کیونکہ میں پریم اور محبت کے سیلاب لاؤں گا، ہر ایک طاقت میری طاقت ہے وہ اعلیٰ ہو یا ادنےٰ ہو، میں محبت

کی پرشا کروں گا ۔ شانتی شانتی۔"

بعض ناداں لوگ حقیقت اور اصلیت کو نہ جانتے ہوئے اپنے نام نہاد گوروں کی حیات کے ساتھ عجیب و غریب کہانیاں اور کرشمے وابستہ کرتے ہیں میری ذاتی نگاہ میں بیہودہ دقیانوسی خیالات ہیں سچے مہاتماؤں کی پہچان کرشمے، کہانیاں اور حیران کن باتیں نہیں بلکہ معصوم پاکیزگی، بے غرضانہ کام، اور لامحدود محبت کرنے والا دل ہے وہ نہ تو ہوا میں اڑ سکتے ہیں نہ آگ نہ پانی میں گزر سکتے ہیں۔ نہ کسی کی مرادیں بر لاتے ہیں، نہ اپنی عظمت کے سامان پیدا کرتے ہیں، اُن کو نہ کسی کے ساتھ تعصب ہے نہ کٹر پنا ہے، نہ کسی کی مذمت سے تعلق ہے نہ مدح سرائی سے غرض ہے جو بات ہے صاف صاف اچھی تلی دودھ کا دودھ پانی کا پانی، کوئی بھی ان کے پاس آئے سب کے ساتھ برادرانہ برتاؤ سے پیش آتے ہیں وہ بے لوث، بے غرض اور بے پرواہ پُرش ہوتے ہیں،

سورج چھپے نہ آنکھ، یہ جانے سب کوئے ۔ اوروں کے کارن تپے سورج کے سم ہوئے
مینہ برسے آپ کو اوروں کا ہت لائے۔ سرشٹی کا اپکار کر رہا گگن میں چھائے
ترور پھلے نہ آپ کو اوروں کو پھل دے۔ پھل دے چھایا سکھ دے جنم سپھل کر
پانی پیے نہ آپ کو چھاگل بھرے نہ آپ ۔ اوروں کو سکھ دے گئے سیج بجھا دے تاپ
ترور، سرور، سنت جن چوتھے برسے مینہ۔ پرمارتھ کے کارنے سنتن دھرا شریر
سنت بڑے پرمارتھی گھن جیوں برسے آئے۔ تپن بجھاویں اور کی اپنا پارس لائے

اس سلسلہ میں پرم ہنس رام کرشن کا امرت بچن ہے، ـــ

"ایک خاص جگہ چاروں طرف اونچی اونچی دیواروں سے گھری ہوئی تھی اور یہ بات پردۂ راز میں تھی کہ بلند دیواروں کے اندر کیا ہے۔ ایک دفعہ چار شخصوں نے باہم مل کر یہ ارادہ کیا کہ سیڑھی سے چڑھ کر اندر کا حال دریافت کریں۔ اُن میں سے پہلا آدمی دیوار پر چڑھا تو اندر دیکھتے ہی اس نے خوشی خوشی چھلانگ لگا دی، یونہی دوسرے تیسرے آدمی نے کیا جب چوتھا آدمی دیوار پر چڑھا تو اُس نے معلوم کیا کہ دیواروں کے اندر ایک نہایت خوشنما اور دلکش شیریں پھلوں سے بھرا ہوا باغ ہے پہلے تو اس کے دل نے چاہا کہ چھلانگ لگا کر اندرونی بہاروں سے دل خوش کروں پر وہ اپنے آپ پر قبضہ کر کے نیچے اُتر آیا اور عام آدمیوں کو اس باغ کی خبر دی ۔"

بقول شری کرشنا مورتی " حقیقت کو پانے کے لئے یہاں وہاں سدھیاں اور عالم غیر مرئی کے کراماتوں کے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خاص خاص ابھیاسوں سے غیر معمولی طاقتوں اور شکتیوں کا ہونا بہتر اخلاقی نشو و نما یا اعلیٰ درجہ کی معرفت ظاہر نہیں کرتا، پوشیدہ ابھیاسوں سے شکتیاں حاصل کرنا گویا اپنی خودی کی زنجیر میں ایک اور کڑی کا اضافہ کرنا ہے خاص ابھیاسوں سے شکتیاں پیدا کرنے والے لوگ آئینہ حقیقت کے اندر نظر ڈالنے کی بجائے غیر ضروری چیزوں کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے ہیں، اور ابدیت کو چھوڑ کر عارضی اشیا کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں، شکتیاں اور سدھیاں بالکل ہیچ چیزیں ہیں جس پر اکثر کم عقل لوگ جان کھوتے ہیں،

اس سلسلہ میں خیال ہو سکتا ہے کہ ایسے پورن مہاتما کہاں مل سکتے ہیں ہمیں اس خیال کو یاد رکھ کر محض اپنے دل میں سچی طلب پیدا کرنی چاہیئے۔ بقول ایک مہاتما " یہ دنیا عالم اسباب میں ہے جہاں سبب اور نتیجوں کا قانون جگہ جگہ اور قدم قدم پر کام کرتا ہے، اور اس لئے جہاں جس وقت کسی کے دل میں کسی کام کا سچا شوق اور عشق پیدا ہوا قدرت کو لامحالہ اُس کے جذبات کی تنظیم کے لئے ساز و سامان کو مہیا کرنا پڑتا ہے یہ پڑتا ہے یہ مسلمہ اور مصدقہ اصول ہے ـــ" جو مانگ ہوتی ہے وہ دائم رہی جاتی ہے" یہ زبردست مانگ کی نظر نہ آنیوالی قوت کبھی رائیگاں نہیں جاتی محض دل کی رفتار ایک طرف سے دوسری طرف پھیر دو اور مانگ کی طاقت کو زور پکڑنے دو اور پھر مہیا کرنے کا سامان قدرت میں خود بخود پیدا ہو جائیں گے۔"

بقول عارف شمس تبریزی پورن مہاتما تب تک ہم سے چھپے رہتے ہیں جب تک ہمارے اندر اُن کے لئے حقیقی طلب نہیں اُٹھتی ورنہ طالب کو تو وہ خود اس طرح تلاش کرتے پھرتے ہیں جیسے سورج آنکھ کو اور پانی پیاسوں کو اس لئے یہ خیال بالکل ترک کر دو چھپے ہوئے اور نایاب ہیں بلکہ اپنے دلوں کے اندر حقیقی اور سچی طلب پیدا کرو تب یقینی طور پر مہاپرش کا دیدار ضرور بالضرور نصیب ہوگا اس میں راز کی بات یہ ہے کہ ضرورت اور ضرورت کو پورا کرنے والی سب کے پس پشت ایک ہی طاقت ہے اسی لئے لوگ

ناخنِ خار آکے خود عقدہ تیرا کردے گا وا
چھلے پاتے شوق میں پیدا کوئی چھالا تو ہو

بقول ایک مہاپُرش "سچا مہاتما وہ ہے — "

"جس کو اپنی ذات ہی بے حد ہستی و سرور بھاتی ہے اور باقی سادی کائنات اور خیالات خواب و خیال معلوم ہوتے ہیں، جس کو کسی کا خوف نہیں نہ کسی کو خوف دیتا ہے، کوئی ترغیب اُس کے دل کو نہیں للچا سکتی جس کی گمبھیرتا کے سامنے ہمالیہ بھی چنچل معلوم ہوتا ہے، جس کی محبت اور ہمدردی دیش اور کال کی قیود سے پرے ہے جسے ہر شے اپنا ہی انگ نظر آتی ہے، جس کی نظر میں کل میں کل کا جلوہ نمودار ہے، قدرت میں کوئی شے یا خیال اوپرا معلوم نہیں ہوتا، سورج چاند ستاروں میں اپنی ذات کا جلوہ ہی نظر آتا ہے ہر شے ہر جا ہر وقت، حاصل نظر آتی ہے، سخت سے سخت تکلیف مصیبت دکھ درد بے کسی مخالفت، ہتک، چھپی ترغیبوں کے سوانگ دکھائی دیتے ہیں کسی حالت میں کسی شے کے لئے نہ کسی کے آگے دین نہیں ہو سکتا ہے، وہ خودی کے مرض سے پاک ہے۔ اور عالمگیر صحت کے سرور میں مست رہتا ہے اس کے لئے کمزوری کا وجود نہیں اس کی خود اعتباری کے روبرو برہمنڈوں کی طاقتیں محدود اور بے اعتبار نظر آتی ہیں۔ تبدیلی اور موت اس کی زندگی کی باندی جانیں ہیں وہ روئے زمین کے خزانوں کی غریبی اور سیاہ دلوں کی بے رنگی اور سورج چاند کی خود نمائی پر ہنستا ہے وہ سدا اپنی ہی سیر کو جاتا ہے۔ زمین و آسمان میں کوئی لذت اُس کے سرور میں اضافہ نہیں کر سکتی یہ اُس کی شان میں ہے کہ دنیا میں نیچی سے نیچی جگہ قبول کر کے اس میں اونچے سے اونچا معلوم ہوتا ہے۔ مدھم سے مدھم اور گمنام حالات میں رہ کر لاکھوں سورجوں سے بڑھ کر چمکتا ہے اور زندگی کے رستوں میں ہمیشہ کے لئے روشنی دیتا ہے وہ انتہا کی غریبی میں انتہا کا غنی ہے۔ اس کے دھیمے سے دھیمے الفاظ سدا گرہ ہوائی میں گونجتے ہیں"

اس سلسلہ میں ایک نتیجہ خیز کہانی سنو —

مدت گذری کسی مہاتما کی پاکیزہ زندگی سے فرشتوں کو سخت متحیر ہونا پڑا۔ جس طرح گلاب کی پنکھڑیاں بغیر جانے ہوئے اپنی آسمانی خوشبو سے لوگوں کے دل و دماغ کو معطر کرتی رہتی ہیں۔ اسی طرح یہ مہاتما اپنی پاکیزہ زندگی، سچائی اور بھلائی سے لوگوں کا بھلا کرتا تھا،

فرشتوں نے خدا کو کہا — "یا بار خدایا! اس مہاتما کو صاحب کرامات بنا دے"

خدا نے جواب دیا: "بہت اچھا مگر پہلے اس مہاتما سے تو پوچھ لو وہ صاحب کرامات بننا چاہتا بھی ہے یا نہیں"

فرشتے مہاتما کے قریب جا کر کہنے لگے "کیوں مہاراج! کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ چھونے سے مریض اچھے بھلے ہو جائیں"
مہاتما نے جواب دیا: "نہیں میں چاہتا ہوں کہ یہ کام خدا ہی کرے اور یہ اسی کو ہی زیب دیتا ہے" فرشتوں نے پھر کہا: "پھر کیا تمہیں یہ منظور ہے کہ تمہارے اپدیش سے پاپی جیو دھرماتما بن جائیں"
مہاتما نے کہا: "نہیں یہ تمہارا کام ہے" فرشتوں نے تیسری بار دریافت کیا — "کیوں جی کیا تم نہیں چاہتے کہ تم شانتی، صبر، استقلال اور دانائی کی مثال بن جاؤ تا کہ لوگ تمہاری پیروی سے نیک اور دھرماتما ہوں"

مہاتما نے جواب دیا: "نہیں میں نہیں چاہتا کہ آدمی میری طرف رجوع کریں میری دلی آرزو ہے کہ وہ بھگوان کی جانب جھکیں"

فرشتے گھبرا اٹھے "آخر تم کیا چاہتے ہو" مہاتما خوب زور سے ہنسا، "میں کس بات کی خواہش کروں بھگوان کی ہر طرح دیا ہے" فرشتوں نے کہا: "تم کسی نہ کسی کرامات کی ضرور بالضرور خواہش کرو ورنہ مجبوراً تم کو دی جائے گی"

مہاتما نے جواب دیا "بہت اچھا۔ اگر ایسی بات ہے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ جہاں کہیں میرا سایہ پڑے وہاں خیر و برکت سچائی اور بھلائی کے کرشمے پیدا ہوں لیکن میں دائم ان سے ناواقف رہوں"

فرشتے سخت حیرانگی اور پریشانی میں تھے کہ کیا کیا جائے آخر آپس میں صلاح مشورہ کر کے یہ تجویز نکالی کہ جہاں اس مہاتما کا سایہ پڑے وہ اس کو دیکھ نہ سکے مگر سایہ کے پڑتے ہی

تکلیف زدوں کو آرام، مریضوں کو صحت اور فکر مندوں کو شانتی عطا کی جائے۔

اور ایسا ہی ہوا جہاں کہیں داہنے بائیں آگے پیچھے اس مہاتما کا سایہ پڑتا وہیں سوکھا ہوا درخت لہلہاتے ہوا نظر آتا، مرجھائے ہوئے پودے ترو تازہ ہو گئے، خشک جھیلیں پانی سے لبریز ہو گئیں، ننھے بچوں کے پژمردہ چہرے پُر رونق ہو گئے، نا اُمید عورتیں خوش ہو گئیں، مگر مہاتما اپنا کام حسب معمول روزانہ کرتا رہا جیسے سورج حرارت پہنچاتا ہے، تارے چاند بجلی اپنی روشنی دیتے ہیں۔ پانی ٹھنڈک اور طراوت دیتا ہے۔ ایسے ہی مہاتما سے حقیقی فیاضی کے کام خود بخود سرزد ہوتے تھے نہ اُسے کسی شے کی تمنا تھی نہ وہ داد کا خواہشمند تھا نہ کسی کی تعریف کا خواہاں تھا اور نہ کسی کی خدمت سے لرزاں و ترساں تھا، ندی کے قدرتی بہاؤ کی مانند اُس سے بھلائی ہی بھلائی ظاہر ہوتی تھی، ذاتی غرض کو اُس میں بالکل دخل ہی نہ تھا۔ جب مہاتما اپنا دھیان آگے کئے ہوئے کسی سڑک سے گذرتا تھا لوگ چپکے اُس کے سایہ سے فیض اُٹھایا کرتے تھے نہ مہاتما کو اس کا علم ہوا کرتا تھا اور نہ ہی لوگ اُسے اُس کے فیض کے متعلق کچھ بتایا کرتے تھے، رفتہ رفتہ لوگ اُس مہاتما کا نام بالکل بھول گئے اور وہ مخفی "متبرک سایہ" کے نام سے مشہور ہو گیا

پُورن مہاتما کا ست سنگ نہایت غنیمت ہے اور مبارک اور خوش نصیب ہے وہ اِنسان جو اُس کے ست سنگ سے لطف اُٹھاتا ہے، اُس کی آنکھ سے دیکھتا ہے، اُس کے دل سے مِل کر حقیقت کے غیر معمولی خوبصورتی کے منظر پر غور کرتا ہے وہ امرت پتر بن جاتا ہے ہاں وہ امرت پتر بن جاتا ہے اور اُسے جملہ باریکیوں کی عقدہ کشائی آسانی اور سہولیت سے ہو جاتی ہے اور وہ جھوم جھوم کر گاتا ہوا اصل سے واصل ہوتا ہے۔ یہاں راز یہ ہے کہ انسان جن حالات اور واقعات میں رہتا ہے، ویسے ہی اُس میں اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کی صحبت قطعی فیصلہ دے دیتی ہے کہ وہ کیا ہے اور کیا ہو گا اور اُس کی آئندہ زندگی کس سانچے میں ڈھلے گی۔ دنیا میں ترقی اور تنزلی کے مرحلے سب باہمی صحبت کے نتائج ہیں انسان جیسے آدمیوں کے ساتھ رہتا ہے ویسے ہی خیالات جذب کرتا ہے اور اُس کی شکل و صورت، وضع قطع، تراش خراش ویسی ہی ہو جاتی ہے، عمل و شغل سے تعلق رکھنے والے لوگوں میں ایک قسم کی تاثیر ہوتی ہے کیونکہ یہ لوگ دات دن اُس کی کمائی میں لگے رہتے ہیں۔ اور جو لوگ اُن کے تعلق میں آتے ہیں۔ وہی اُن کے رگ و ریشوں میں سرایت کر جاتا ہے یعنی جو لوگ اُن سے ملتے جلتے ہیں، وہ اُن کی پاکی، اور بزرگی کا حصہ پاتے ہیں۔ اور بھی صفائی سے یوں سمجھو جو لوگ کمائی کرتے ہیں اور جن کی زندگی سچ مچ عمل اور پاکی کی زندگی ہے۔ اُن کا ایک ایک لفظ جادو کا اثر رکھتا ہے اور وہ جو کچھ کہتے ہیں کرتے ہی نہیں بلکہ وہ اُن کی ذات کے انگ انگ بن جاتے ہیں اُن کا خیالی نمایاں طریقے میں اُن کی شکل و صورت میں جھلکتا رہتا ہے اور جو کوئی اُن سے ملتا ہے وہ بھی اُن سے محروم نہیں ہوتا، جس طرح آگ و پانی کے اِرد گرد جانے سے گرمی اور سردی محسوس ہوتی ہے۔ اُسی طرح اُن پاک، مبارک اور بزرگ کے پاس جانے سے انسان میں پاکی و مبارک نفسی آتی ہے ہندی میں ایک مشہور مسئلہ ہے — "خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے" اس لئے دُنیا میں بھی جہاں بھلی صحبت کا اثر ہوتا ہے، وہاں بری صحبت کا بھی اثر ہوتا ہے۔ انسان جس قسم کے بھلے بُرے حالات میں رہتا ہے ویسا وہ بن جاتا ہے —— کارلائل مشہود و معروف مصنف گزرا ہے وہ روزانہ لنڈن کے اُس کوچے سے ہو کر نکلتا تھا۔ جہاں بُرے قماش کے آدمی رہا کرتے تھے۔ اُس کے دوستوں نے بہت دفعہ منع کیا کہ اِدھر نہ جایا کرو لیکن اُس نے اِس بات کا کچھ خیال نہ کیا وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ میں اپنے خیالات میں اِس قدر محو رہتا ہوں۔ کہ اُن کی باتیں مجھ پر اثر نہیں کر سکتیں۔ ایک دفعہ کارلائل بہت بیمار ہو گیا۔ رفتہ رفتہ سرسام کی بیماری نے حملہ کیا اور گھنٹوں بے ہوش رہنے لگا۔ اُس کا ایک دوست جو ہر وقت اُس کے پاس رہتا تھا اس کی بے ہوشی کی حالت میں جو کچھ اناپ شناپ بکتا، وہ اپنی نوٹ بک میں درج کرتا جاتا تھا۔ جب اُسے ذرا سے صحت ہوئی اُس نے پوچھا میں بے ہوشی کی حالت میں کیا کچھ بکتا رہا ہوں اس کے دوست نے فوراً نوٹ بک نکال کارلائل کو دکھا دی وہ اُسے پڑھ کر سخت پریشان اور نادم ہوا کیونکہ بے ہوشی کی حالت میں اسی قسم کی گالیاں منہ سے نکالتا رہا تھا۔ جو اُس کوچے کے اوباشوں کی زبان پر

رہا کرتی تھیں۔ اُس کے بعد پھر اُس نے قسم کھائی۔ کہ آئندہ اِس کوچہ کی جانب ہرگز ہرگز نہ جاؤں گا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اپنی عقل، اپنے حواس، اپنے تجربہ پر بھروسہ نہ کر کے دوسروں کا اپنی آنکھیں بند کر کے آسرا ڈھونڈنا ہمیں اصلیت اور حقیقت کی جانب سے ہٹا کر ایک طرح کے سراب کی جانب رجوع کر دے گا۔ یہ ٹھیک ہے مگر کون کہتا ہے کہ اپنی عقل کا استعمال نہ کرو، اور اُس کو نام نہاد مہربان گوروؤں کے ناحق کے پیچ تاب میں پریشان کرو۔ مکمل ہستیوں کی محض اُن باتوں کو قبول کرو جس میں تمہارا دل کا اتفاق ہے جیسا کہ بھگوان شنکر آچاریہ جی ویدانت کی تعلیم کے سلسلہ میں ایک جگہ فرماتے ہیں جس تعلیم میں (۱) شرتی بھگوتی کا (۲) گورو کا اور (۳) تمہارے اپنے انبھو کا میل ہو اُس کو قبول کرو۔ باقی اوروں کو چھوڑ دو یعنی آیا جو شرتی بھگوتی کا مضمون ہے وہ تمہارے گورو سے ملتا ہے یا نہیں، اور آیا تمہارا دل بھی اُس کو قبول کرتا ہے، یا نہیں۔ اگر تینوں باہم گر متفق ہیں تو اُس کو قبول کرو۔ اور اگر اختلاف ہے تو اُس کو چھوڑ دو، جس میں شرتی کا، گورو کا، اور اپنے انبھو کا میل ہو اُس کے موافق جو کام کئے جائیں گے وہ حقیقی معنوں میں دھرم ہوں گے اور دھرم کے کام کہلائیں گے۔ اور جہاں اِن میں سے کسی میں بھی اختلاف ہوگا وہ اُس کے برعکس ہوں گے، جو شخص شرتی گورو اور اپنے انبھو کے موافق کام کرتا ہے وہ ایشور کے قریب رہتا ہے اور روحانی زندگی اُس کے حصہ میں آتی ہے۔

یہ مانا کہ عقل محدود ہے اُس کے ذریعہ غیر محدود کا پتہ لگانا غیر ناممکن ہے مگر پھر بھی جس نے ہم کو عقل دی ہے اُس کی اُس سے کچھ مراد بھی ہے اِس عقل کا کام یہی ہے کہ انسان اپنی سوچ وچار سے کسی نتیجہ پر پہنچے اگر عقل بیکار محض ہے تو بھگوان کا یہ عطیہ بے معنی ہے اِس سلسلہ میں ایک کامل مہاتما فرماتے ہیں،

"متی نہ لکھے جیہی متی لکھے"

یعنی اصلیت کو عقل نہیں جان سکتی مگر پھر بھی عقل ہی سے اُس کا انبھو ہوتا ہے۔

بھگوان شنکر نے جہاں تم کو شرتی کے منتر اور گورو کے کلام کی تعظیم کی تعلیم دی ہے، ساتھ ہی اِس نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اپنے

آتما کی ترقی کے لئے اپنے من کے جذبات کی بھی پرکھ پرکھ کرتے رہو محض شرتی اور گورو کی تعلیم سے اپنے آپ کو پا بزنجیر نہ کرو یعنی کہ آنکھیں بند کر کے گرنتھ شاستر کی ہر ایک خواہ اُس کی سمجھ آئے یا نہ آئے آمنّا و صدّقنا کہہ کر اندھوں کی مانند مانتے نہ جاؤ بلکہ دونوں جگہ عقلی میدان کھلا پڑا ہے، شرتی اور گورو کے کلمات کو آزادی کے ساتھ غور سے پڑھو اور سنو اور آزادی کے ساتھ عمل و شغل کرو اور مغز سخن کو پہونچ کر تسلی شانتی اور سکونِ قلب کو حاصل کرو، اِس طرح تم حقیقت کے سمجھنے والے کہلاؤ گے اور اِس عمل کی وجہ سے تم کو روحانی عروج نصیب ہوگا۔ اور دنیا میں بھی سُکھ سے زندگی بسر کر سکو گے، یہ روحانی عمل ہے اِس سے دل کے اندرونی طبقوں میں باریابی کا موقع ملے گا، تم خود بخود غور و فکر کر کے اصلیت کو جان جاؤ گے اور آتما یا پرماتما کی زندگی کے وارث ہو گے،

جاگتے ہوئے مہاپُرش کے قرب و صحبت سے فیضیاب ہو کر مہاتما پورن جی یُوں گاتے ہیں ؎

کہاں بھولا تُو پھرتا ہے تُو کیا کرتا ہے تدبیریں
نگاہِ مردِ عارف سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
یہ وہ مردِ خدا ہیں جن کے قدموں کی قدمبوسی
کرے جو صدقِ دل سے سب معاف ہوں اُنکی تقصیریں
ہر اک ریشہ و رگ سے ہے انا الحق کی صدا آتی
خدا میں گم کیا خود کو خودی کی کاٹ زنجیریں
سرورِ حق سے رہتے ہیں لبالب یہ ہمیشہ ہی
ہیں شاہد رام تیرتھ اور گورو ارجن کی تحریریں
نہیں موجود یاں کچھ بھی نہ تھا پہلے نہ پھر ہوگا
سوا حق کے وہ ہیں خود ہوں یہی دل میں یہ تصویریں
ہمیشہ حق کو دیکھیں اور سنیں حق کو سنائیں حق
شعاعیں ذاتِ حق کی ہیں بحق کل ان کی تقریریں
ملے گر خاکِ پا اُن کی لگاؤں آنکھ میں تُو پورن
بنوں بینا میں نابینا نہیں درکار اکسیریں

(شری پورن)

مہا اُپنشد

شکل یجروید کی مکتک اُپنشد کے دوسرے ادھیائے میں شری رام جی اور ہنومان کے سنواد میں **جیون مکتی** اور **ودیہہ مکتی** کا سوروپ، ان کے ہونے پر **پرمان**، ان کی **سدھی** کا اپائے اور پریوجن بتلایا گیا ہے۔ "ادم" کے پاٹھکوں کے لئے اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ جگیاسو لوگ اس پر وچار اور اس کا منن کرتے ہوئے اس سے لابھ اٹھا سکیں۔

"اس کے بعد شری ہنومان جی نے شری رام سے پوچھا۔۔

بھگون۔ **جیون مکتی** کیا ہے، **ودیہہ مکتی** کیا ہے اور ان دونوں میں پرمان کیا ہے؟ اور ان کی سدھی کیسے ہوتی ہے اور اس سدھی کا پریوجن کیا ہے؟" (۱)

شری رام جی نے کہا۔

"**ہنومان**! جیو کو "میں بھوگتا ہوں، میں کرتا ہوں، میں سکھی ہوں، میں دکھی ہوں" وغیرہ جو گیان ہوتا ہے۔ وہ چت کا دھرم ہے یہی گیان کلیش روپ ہونے سے اس کے لئے بندھن کا کارن ہو جاتا ہے۔ اس گیان کے نرودھ کا نام ہی **جیون مکتی** ہے گھٹ روپ اپادھی سے مکت گھٹ آکاش کی مانند پراربدھ اپادھی نشٹ ہونے پر وہ جیو **ودیہہ مکت** ہو جاتا ہے،

جیون مکتی اور ودیہہ مکتی کے ہونے میں ۱۰۸ اُپنشد ہی پرمان ہیں، اکرتاپن، اور بھوگتاپن آدی دکھوں کے دور ہونے پر نتیہ آنند کی پراپتی ہی ان کا پریوجن ہے، یہ آنند کی پراپتی ہی ان کا **پریوجن** ہے۔ یہ آنند پراپتی پرش کے پریتن ۔۔۔ پرشارتھ سے سدھ ہوتی ہے، جیسے پتر لیشٹی یگیہ کے دوارہ پتر، ونج بیوپار کے دوارہ دھن اور جیوتشٹوم یگیہ سے سورگ کی پراپتی ہوتی ہے، اس پرکار پرش کے پریتن سے ملنے والے ویدانت کے **شرون**

ترجمہ پروفیسر نرمل چندر جی!

رام اپدیش

منن، ندی دھیاسن سے اتپن ہوتی سمادھی سے جیون مکتی آدی کی سدھی ہوتی ہے۔ اور وہ ساری واسناؤں کے ناش ہونے پر پراپت ہوتی ہے" (۲)

دو پرکار کا پرشارتھ

"پرش کا پریتن یا پرشارتھ دو پرکار کا ہوتا ہے، شاستر نشیدھ اور شاستر انوکول۔ شاستر کے خلاف جو پریتن کیا جاتا ہے۔ وہ انرتھ کا کارن ہوتا ہے۔ اور شاستر کے مطابق پرشارتھ پرمارتھ کو سدھ کرنے والا ہوتا ہے، **لوک واسنا، شاستر واسنا اور دیہہ واسنا** کے کارن پرانی کو یتھارتھ گیان کی پراپتی نہیں ہوتی۔ اشبھ (خواہشات) ہی گیان کی پراپتی میں بادھک ہیں، واسنائیں بھی دو پرکار کی ہوتی ہیں، **شبھ**، **اشبھ**، اے ہنومان! اشبھ واسناؤں کے ذریعے اگر تم گیان کا انوشیلن کرو، تب بتدریج تم اس کے وسیلہ سے میرے پد کو پراپت کرو گے لیکن اگر اشبھ بھاوؤں سے یکت رہو گے۔ تب وہ تمہیں جہاں سنکٹ میں ڈال دیں گی، اے کپیشور! تمہیں اپنے پورب کے سنسکاروں کو تین پوروک جتنا چاہیئے، شبھ اشبھ مارگوں سے بہتی ہوئی واسنا ندی کو اپنے پرشارتھ کے دوارہ شبھ مارگ میں لگانا چاہیئے اشبھ مارگ جاتے ہوئے واسنا پرواہ کو شبھ مارگوں میں اتارنا چاہیئے کیونکہ من کا یہ سوبھاو ہے۔ کہ اشبھ سے ہٹ کر وہ شبھ کی طرف جاتا ہے اور شبھ سے ہٹائے جانے پر اشبھ میں پرورت ہوتا ہے منشیہ کو چاہیئے کہ پرشارتھ کے دوارہ یتن پوروک چت روپی بالک کو پھسلا کر ۔۔ پھسپھسا کر شبھ میں ہی لگائے، ابھیاس کے دوارا جب تمہاری دونوں پرکار کی واسنائیں جلدی ہی

ہونے لگیں۔ تب اے شترؤں کا مردن کرنے والے ہنومان! تم جان لینا کہ ابھیاس پریپک (پختہ) ہو گیا۔ لیکن کمار! جہاں واسنا کے ہونے کا سندیہہ ہو۔ وہاں شبھ واسناؤں میں ہی بار بار چت کو لگاتے، شبھ واسناؤں کی بڑھتی ہونے سے کبھی دوش آپن نہیں ہو سکتا (۳-۱۰) مہامتی ہنومان! واسنا کشئے، وگیان اور منوناش، ان تینوں کا چرکال تک ابھیاس ہونے پر یہ پھل پردان کرتے ہیں، جب تک ان تینوں کا بارم بار ایک ساتھ ابھیاس کیا جائے، تب تک سینکڑوں ورش بیتنے پر بھی کیولیہ پد کی پراپتی نہیں ہوتی، اگر عرصہ دراز تک ان کا الگ الگ خوب ابھیاس کیا جائے تو جس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھینچے تو ہر دیہ کی دوڑھ گرنتھیاں بھی نسندیہہ اسی پرکار نشٹ ہو جاتی ہیں، وہ چرکال تک سادھنا کئے بنا کبھی کھین نہیں ہوتی، اس لئے پیارے ہنومان! پرشارتھ کے دوارا پریتن کرتے ہوئے وویک پورک بھوگ کی اچھاؤں کو دور سے ہی تمسکار کر کے ان تینوں (واسنا کشئے، وگیان اور منوناش) کا ادلمبن کرو (۱۱-۱۶)

بدھ اور مکت من

" واسنا سے مکت من کو گیانیوں نے بدھ (منقید) بتلایا ہے اور جو من واسنا سے بھلی پرکار مکت ہو گیا ہے، وہ مکت کہلاتا ہے، مہاکپی! من کو واسنا ہین سنفتی ہیں شگھر (جلدی) لے آؤ، بھلی بھانتی وچار کرنے اور رسنیہ کا ابھیاس کرنے سے اسی طرح ہی واسناؤں کا ناش ہو جاتا ہے، جیسے کہ تیل کے سماپت ہونے پر دیپک بجھ جاتا ہے، واسناؤں کا بھلی بھانتی تیاگ کر کے مجھ چیتنیہ سوروپ میں لوات رہو (کے بنا) دیپک شکھا کے سمان نشچل ہو کر جو ستھت رہتا ہے وہ مجھ سچدانند سوروپ ایکی بھاو سے پراپت ہوتا ہے سمادھی یا کرم انوشٹھان کو وہ کرے یا نہ کرے جس کے ہردیہ میں واسنا کا سروتھا ابھاو ہو گیا ہے، وہی مکت ہے، وہی اتم آتشئے ہے (۱۷-۲۰)

" جس کے من سے واسنائیں دور ہو گئی ہیں، اسے نہ تو تیشکرمیہ (کرموں کے تیاگ) سے مطلب ہے، اور نہ کرم انوشٹھان سے اسے سمادھان، کھٹ سمپتی اور جپ کی بھی ضرورت

نہیں ہے، ساری واسناؤں کا تیاگ کر کے من کا موّن دھارن کرنے کے سوا کوئی دوسرا پرم پد نہیں ہے۔ کسی پرکار کی پرتیکش واسنا نہ ہونے پر بھی چکشو آدی اندریاں جو اپنے اپنے وشیوں میں پرورت ہوتی ہیں۔ ان میں کوئی نہ کوئی سوکشم واسنا ہی کارن ہے انایاس (کوشش کے بغیر) سامنے آتے ہوئے درشیہ وشیوں میں چکشو آدی کی بار مبار پربرتی جیسے راگ رہت ہوتی ہے، اسی پرکار دھیر (بدھیمان) پرش کاریوں میں اناسکت بھاو سے پرورت ہوتے ہیں۔ لیکن سنتنے! جو سنا بدھی سے پرکٹ ہو کر اسی کے انوکول ہوتی ہے۔ اور جس میں چت کا آدھے اور لے بھی ہوتا ہے منی لوگ اسی برتی کو واسنا کے نام سے پکارتے ہیں پھر پرمیشٹ پدارتھوں کے انیہ چنتن دوارا جو چت میں اتنیت چنچلتا آ جاتی ہے۔ وہی چت کی چنچلتا، جنم، جرا، مرتیو کا ایک ماتر کارن ہوتا ہے، واسنا کے کارن پران میں سپندن ہوتا ہے اور اس سپندن سے پھر واسنا کی اتپتی ہوتی ہے۔ اس پرکار چت روپی بیج میں انکر لگتے رہتے ہیں (۲۱-۲۶)

چت کے دو بیج

" چت روپی برکش کے دو بیج ہیں — پران سپندن (پرانوں کی گتی) اور واسنا۔ ان دونوں میں سے ایک کے بھی کھین ہونے سے دونوں نشٹ ہو جاتے ہیں، اناسکت ہو کر ویوہار کرنے سے سنسار کا چنتن چھوڑ دینے سے اور شریر کی ونشورتا کا درشن کرتے رہنے سے واسنا اتپن نہیں ہوتی اور واسنا کا بھلی بھانت تیاگ ہو جانے پر چت اچتتا (بے خیالی) کو پراپت ہو جاتا ہے، ارتھات اس کی واسناتمک پربرتی نشٹ ہو جاتی ہے، واسنا کے نشٹ ہو جانے پر جب من منن کرنا چھوڑ دیتا ہے، تب من کے نراکرت ہونے پر پرم شانتی دینے والے وویک کی پراپتی ہوتی ہے، جب تک تمہارے اندر گیان کی اتپتی نہیں ہو جاتی تب تک تمہیں پرم پد کی کوئی خبر ہی نہیں ہے، تب تک گرو تتھا شاستر دوارا نردیشٹ مارگ کا آچرن کرو۔ اس کے بعد کلھاؤں कषाय کا پری پاک ہونے پر جب نشچے پورک تمہیں تتو گیان ہو جائے۔ تب تمہیں نشچنت ہو کر ساری شبھ واسناؤں

کا بھی تیاگ کر دینا چاہیئے۔

دو پرکار کا چت ناش

" چت ناش دو پرکار کا ہے، سروپ اور اروپ۔ جیون مکت کا چت ناش سروپ ہوتا ہے۔ اور ودیہہ مکت کا اروپ ہوتا ہے۔ ارتھات جیون مکت کا چت شو روپ سے رہتا تو ہے، پر وہ اچت ہوا رہتا ہے۔ ودیہہ مکت ہونے پر اس کا شو روپیہ (اصل میں) ناش ہو جاتا ہے۔ لوں سُرت! اب اکاگر چت سے منو ناش کے وشے میں سنو، جب تمہارا من چت ناش کی ستھتی کو پراپت ہو جائے گا ارتھات اس کی انوسندھانا تمکا ز ادہر ادہر دوڑنے رہنے کی) برتی ناش ہو جائے گی۔ تب ہمتیری، کرونا، ہدتا، اور اپیکشا (دوستی، رحم، اثشت لیے پرواہی وغیرہ) گنوں سے یُکت ہو کر وہ پرم شانتی کو پراپت کر لے گا — اس میں کوئی بھی سنشے نہیں ہے، جیون مکت کا من اواگمن (آنے جانے) سے مکت ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ اس کا منو ناش سروپ کہلاتا ہے۔ ودیہہ مکتی مل جانے پر جو منو ناش ہوتا ہے وہ اروپ کہلاتا ہے۔ اس لئے ہزاروں انکر، پتے، شاکھا اور پھل پھول سے یُکت اس سنسار برکش کا بیج من ہی مول ہے — یہ نشچیت ہوا۔ اور وہ من سنکلپ روپ ہے، سنکلپ کو نبرت کر کے اس منش تتو کو سکھا ڈالو جس سے یہ سنسار برکش بھی نیرس ہو کر سوکھ جائے۔ اپنے من کے نگرہ کا ایک ہی آپائے ہے۔ وہ ہے یہ نشچے کرنا کہ من کا ابھیودے اس کا اُٹھنا ہی اس کا وناش تین (گزاوم) ہے۔ اس کا مہان ابھیودے، اس کی انتی ہے۔ گیان سے منو ناش ہوتا ہے۔ اگیانی کا من اس کے لئے زنجیر کی مانند بندھن کا کارن ہوتا ہے، رازی میں بتیالوں کی مانند ہردیہ میں واسناؤں کا ویگ تبھی تک رہتا ہے۔ جب تک کہ ایک تتو کے ابھیاس سے من کو جیتا نہیں جاتا جن کا چت اور ابھمان کھین ہو گئے ہیں۔ اور اندریہ روپی شترو ناش ہو گئے ہیں۔ ان کی واسنائیں اسی پرکار نشٹ ہو جاتی ہے جیسے کہ ہیمنت رِتو آنے (برف پڑنے) پر کمل کا پودا نشٹ ہو جاتا ہے،

ہاتھ سے ہاتھ کو مل کر، دانت سے دانت کو پیس کر اور انگوں کو انگوں سے دبا کر ارتھات اپنی پوری شکتی لگا کر پہلے اپنے من کو جیتنا چاہئے، بار بار اکاگر چت ہو کر بیٹھنے اور شدھ تکی کے دوارا آتم چنتن کرنے کے سوا من کو جیتنے کا دوسرا کوئی اُپائے نہیں ہے۔ (۴۲ ۔ ام)

جس پرکار مدمت ہاتھی انکش بنا بس میں نہیں آتا، اسی پرکار چت کو بس میں لانے کے لئے ادھیاتم ودیا کا گیان، ست سنگتی، واسناؤں کا بھلی بھانتی پرتیاگ اور پران ایام (پران وایو کا نرودھ) — یہ پربل اُپائے ہیں۔ ان شریشٹ یُکتیوں کے ہوتے ہوئے جو لوگ ہٹھ پوروک چت کو نرودھ کرنے کی چیشٹا کرتے ہیں، وہ (گویا) مست ہاتھی کو کمل نال کے تنتو سے باندھنے کی چیشٹا کرتے ہیں! برتی روپ لتا کو آشرے دینے والے چت روپی برکش کے دو بیج ہیں — ایک ہے پرانوں کا سپندن (گتی) دوسری دڑدھ بھاونا، پران وایو کے سنچالن سے گھوٹ گھوٹ بایک سنوت — سمشٹی چیتنا چلائمان ہو اُٹھتی ہے، چت کی اکاگرتا سے گیان کی پراپتی ہوتی ہے۔ اور اس سے مکتی لابھ ہوتی ہے، اس لئے چت کی اکاگرتا کے سادھنوں میں دھیان کی سرشٹھ چت نرودھی تبلائی جاتی ہے۔(۱۳۔۱۴)

لیش سے اِرشٹ کی اور

دھیان کی ودھی۔ چت سرو تھا وکار ہین نہ ہو، تو بھی لیش کے آورن بھاو اور ارشٹ کے ترو بھاو کے کرم سے کیول چتینیہ چدانند شو روپ پر برہم چنتن کرو، جس کش چت چدانند میں آروڑھ (منفیم) ہوتا ہے، وہ لیش کی ستھتی ہے اور جس کھش میں اس سے الگ ہوتا ہے وہ ارشٹ کی ستھتی ہے، چت کی چنچلتا کے کارن یہ سو بھاوک ستھتی ہوتی ہے۔ اس لئے ارشٹ کی ستھتی سے بار بار لیش کی ستھتی میں چت کو ستھاپت کر کے پر برہم کے چنتن میں لگے اُپاد والو کے بھیتر روک دیئے جانے پر جب تک ہردیہ میں پران والو کا اُدے نہیں ہوتا۔ تب تک وہ کمبھک اوستھا رہتی ہے، جس کا یوگی لوگ انوبھو کرتے ہیں اور پران والو کے باہر روک دیئے جانے پر جب تک اپان وائو کا اُدے نہیں ہوتا تب تک جو لوپدن سم

ہوتی ہے۔ ایسے بابیہ کمبھک کہتے ہیں (۴۹-۵۰)

عرصہ دراز تک دھیان کا ابھیاس کرتے رہنے پر جب اہنکار وِنشٹ ہو جاتا ہے اور منو برتی برہماکار میں پرواہت ہونے لگتی ہے۔ تب اُسے سمپرگیات سمادھی کہتے ہیں۔ جب چت کی ساری برتیاں شانت ہو جاتی ہیں۔ اُس سمے پرمانند پردان کرنے والی اسمپرگیات نام کی سمادھی ہوتی ہے، جو یوگیوں کو بہت پریہ ہے۔ اِس سمادھی اوستھا میں کچھ بھی بھان نہیں ہوتا، سو بھی کیسے؟ اُس استھتی میں من اور بدھی کا استتو تک نہیں رہتا، کیول چت سوروپ اوستھتی ہوتی ہے۔ اِس سمادھی میں چت نرالمب ہو کر کیولیہ استھتی میں رہتا ہے، منی لوگ اِس سمادھی کی بھاونا کرتے ہیں۔ اِس سمادھی میں اوپر، نیچے، اور بیچ میں ــــ سروتر شیو روپ پورن برہم ہی انوبھوت ہوتے ہیں، یہ سمادھی پرمارتھ ارتھات موکش سوروپ ہے اور ساکشات برہما کے مکھ سے اُپدشٹ ہوئی ہے (۵۱-۵۴)

درڑھ بھاونا کے دوارا پوروَ اپر کا وچار چھوڑ کر چت جو پدارتھ کے سوروپ گرہن کرتا ہے۔ اُس چت وِکار کو واسنا کہتے ہیں۔ کبھی سرلشٹ! آتما چت کے تیبر سنویگ سے جیسی بھاونا کرتا ہے۔ دوسری واسناؤں سے مُکت ہو کر وہ شیگھر ویسا ہی بن جاتا ہے۔ اِس پرکار پُرش واسنا کے وشی بھوت ہو کر جو کچھ دیکھتا ہے، اُسی کو سب وستو (یتھارتھ) جان کر موہ کو پراپت ہوتا ہے۔ واسنا کے ویگ کی وبھنتا کے کارن چت اپنے واسنا تک سوروپ کو نہیں چھوڑتا۔ ایک واسنا کے چھوڑتے چھوڑتے دوسری واسنا میں رمنے لگتا ہے، جس پرکار نشے کے کارن منشیہ کی وویک بدھی نشٹ ہو جاتی ہے۔ اُسی پرکار وہ دُر بدھی بھرانت ہو کر سب کچھ دیکھتا ہے، واسنا دو پرکار کی ہوتی ہے، شُدھ اور ملین، ملین واسنا آواگمن میں ڈالتی ہے شُدھ واسنا منشیہ کو جنم مرن سے چھڑاتی ہے، گیانی جن کہتے ہیں کہ ملین واسنا تیبر اہنکار اور گھن اگیان سوروپ ہوتی ہے۔ وہ پُنر جنم پردان کرتی ہے (۵۵-۶۰)

جس پرکار بیج کے اچھی طرح بھُن جانے پر اُس سے اَنکُر اُتپن نہیں ہوتا۔ اِس پرکار سنسار واسنا نشٹ ہو جانے پر پُنر جنم نہیں ہوتا۔ اِس لئے جلے ہوئے بیج کے سمان استھتی ہونی چاہئے، وایو نندن! اچھی طرح پکنے کو جاننے کے سمان نانا شاستروں کی ویرتھ آلوچنا سے کیا لابھ؟ پریتن ہونا چاہئے بھیتری پرکاش کو کھوجنے کے لئے، کپی شارڈول! ادرشن اور اوسترشن ارتھات ست کھیاتی اور است کھیاتی کو چھوڑ کر جو سوئم کیولیہ سوروپ میں استھت رہتا ہے، وہ برہم وِد (برہم کو جاننے والا) ہی نہیں بلکہ سوئم پربرہم شیو روپ ہی ہے چاروں ویدوں اور انیک شاستروں کا ادھین کر کے بھی جو برہم سوروپ کو نہیں جانتا۔ وہ پرم آنند سے اُسی پرکار ونچت رہتا ہے، جیسے کڑچھی بھوجن کے پدارتھوں میں رہتی ہوئی بھی اُن کے رس کو نہیں جانتی، جس کا اپنے شریر کی اپوتر گندھ کو پرتیکش کر کے بھی اُس سے ویراگ پیدا نہیں ہوتا۔ اُسے ویراگ پیدا کرنے والا دوسرا کونسا اُپدیش دیا جا سکتا ہے؟ (۶۱-۶۴)

شریر اتینت ملن یکت ہے اور آتما اتینت نرمل۔ دونوں کے بھید کو جان کر کِس کی شچتا (پاکیزگی) کا اُپدیش کیا جائے، جو واسنا سے بندھا ہے وہ بدھ ہے۔ واسناؤں کا ناش ہی موکش ہے، اِس لئے واسناؤں کا سمیک روپ سے پریتیاگ کر کے موکش پراپتی کی واسنا کا بھی تیاگ کر دیجئے مانسی واسناؤں کا تیاگ کر کے وشے واسناؤں کا بھی تیاگ کرو، اور موکش آدی کی شُدھ (نرودوش) واسناؤں کو گرہن کرو اِس کے بعد اِن کو بھی چھوڑ کر۔ یا اِن بھیویہ واسناؤں کو ویوہار میں رکھتے ہوئے بھی بھیتر سے شانت ارتھات سب پرکار کی واسناؤں سے مُکت ہو کر سب کے پرتی سمان سنیہہ رکھتے ہوئے بھی ایک ماتر چت شو روپ میں اپنی واسنا لگاؤ۔ مارُتی! پھر اِس چت واسنا کو بھی من اور بدھی کے ساتھ پریتیاگ کر کے انجام کار تم مجھ میں پورے طور سے سماہت ہو جاؤ، جو شبد رہت سپرش رہت، روپ رہت، رس رہت اور گندھ رہت ہے جو کبھی وِکار کو پراپت نہیں ہوتا، جس کا کوئی نام ہے اور نہ کوئی گوتر ہے اور جو سب پرکار کے دکھوں کو ہرنے والا ہے۔ پون تنے!

تم اس پرکار میرے سروپ کا بھجن کرو (۶۵ - ۷۰)

" ہنومان! جو سا کشی شو روپ ہے، آکاش کے سمان انت ہے، جسے ایک بار جان لینے پر کچھ بھی جاننا باقی نہیں رہ جاتا۔ جو اجنما، ایک، ادوتیہ، الیپ، سرب ویاپی اور سرب شرلشیٹھ ہے جو آکار، آکام، مکار روپ کلاؤں سے رہت اور سمپورن کلاؤں سے ومکت ادویہ تتو ہے۔ یہ ادنکار روپ اکشر، ادناشی برہم میں ہی ہوں، میں درشٹا ہوں، شدھ شو روپ ہوں کبھی وکار کو پراپت نہیں ہوتا اور میرے سوا کوئی دوسرا پدارتھ نہیں ہے جو میرا وشے بنے، ارتھات میرا درشٹا پن بھی کہنے کے لئے ہی ہے۔ میں آگے، پیچھے، اوپر، نیچے، سروتر ہری پورن ہوں، میں بھوما ہوں، مجھ میں کسی پرکار کی کمی نہیں ہے، اے ہنومان! تم میرے اس شو روپ کا چنتن کرو۔ میں اج ہوں امر ہوں، اجر ہوں، امرت ہوں، سوئم پرکاش ہوں، سرب ویاپی ہوں، ادویہ ادناشی ہوں، میرا کوئی کارن نہیں — میں سوتنتر ہوں۔ سمست کاریہ کلا سے پرے میں شدھ شو روپ ہوں، نرنتر تریپت ہوں۔ اس پرکار تم چنتن کرو۔ اس پرکار چنتن کرنے کرتے جب کال وشش پراپت ہوگا، تب وائو کے سپندن کے سمان تم جیون مکت پد کا بھی پریتاگ کر کے نروان مکتی — ودیہہ مکتی کی اوستھا میں پہنچ جاؤگے، یہی بات کہی گئی ہے جو آکاش میں تیجوسے سوریہ منڈل کی بھانتی پرم ویوم میں تیج سے پرکاش دورا سب طرف ویاپت ہے بھگوان وشنو کے اس پرم دھام کو ودوان اپاسک سدا ہی دیکھتے ہیں۔ سادھنا میں سدا جاگرت رہنے والے نشکام اپاسک برہمن یہاں پہنچ کر اس پرم دھام کو اور بھی ادیپت کئے رہتے ہیں، جسے وشنو کا پرم پد کہتے ہیں۔ وہ پرم پد نشکام اپاسک کو پراپت ہوتا ہے۔ جو اس پرکار جانتا ہے۔ وہ اکت پھل کا بھاگی ہوتا ہے، یہ مہا اپنشد ہے"

اوم شم

عارف

از مہاتما گنیش داس جی پورن

زندگی کی زندگی اور جان کی بھی جان ہوں
منبع حق ہوں اگرچہ صورت انسان ہوں

جز سرور و علم و ہستی حق نہیں ہے اور کچھ
میں سرور و علم و ہستی کی بھی اعلیٰ شان ہوں

ہے نہیں مجھ علم و ہستی کے سوا کچھ بھی جہاں
میرا ہی مظہر ہے سب کچھ میں ہی یکتا ان ہوں

یہ غلط ہے میں مقید ہوں جو در نام و صور تو
مجھ سے قائم نام و صورت میں ہی انکی جان ہوں

کسوت اسم و صور سے ہر جگہ آراستہ
نہ ہیں سبھی میں ہی اپنی ذات سے تابان ہوں

بھولنا مت ظاہری پوشاک سے مجھ آپ کو
ظاہر و باطن خیالوں کی میں اصل جان ہوں

اختلاف ظاہری مجھ کو نہ ہرگز چھو سکے تو
زیوروں میں جوں طلا میں ایک ہی یزدان ہوں

جلوہ گر ہوں میں بہ کثرت عین مانند خواب کے
عکسی کثرت سے منزہ واحد الایمان ہوں

دنیا ہے موج لطیف مجھ بحر وحدت میں عزیز
بلبلوں لہروں سے ظاہر بحر بے پایان ہوں

مہر و ماہ ہیں نور میرے کہیں عشر عشیر
مجھ سے ہی گوہر یہ نکلے ہیں ہی انکی کان ہوں

دل میں ہے مسکن میرا گو ہر جگہ پورن ہوں میں
دید والے دیکھنے واں مہر ماں تابان ہوں

سنت کا انوبھو

از مہاتما گنیشا داس جی پورن

کیولیہ اپنشد کے آدھار پر

خواب اور بیداری گہری نیند ظاہر جس سے ہوں
برہم ہوں میں گیان گھن سب قید سے آزاد ہوں
بھوکتا اور بھوگیہ تینوں حالتوں میں جو بھی ہیں
سب کا ساکشی ہیں سدا شوگیان روپ اور شاد ہوں
مجھ میں پیدا مجھ میں قائم مجھ میں ہوتے سب فنا
ایسا ہوں میں سچدانند سب کا انت اور آدھ ہوں
چھوٹے سے چھوٹا بھی ہوں میں اور بڑے سے ہوں بڑا
وشو ہوں آشچریہ ہوں میں حاضر و بے بعد ہوں
ہیں پراتن پرش اور ایشور شو کلیان روپ
جگمگاتی جوت زندہ سب جگہ آباد ہوں
ہاتھ پاؤں ہیں پر سب سے زور آور ہوں میں
بے زباں ہوں پر زباں میں گفتگو ارشاد ہوں
آنکھ میری ہے نہیں پر دیکھتا ہر چیز ہوں
کان بن سنتا ہوں سب کچھ دور تا بن پاد ہوں
جاننا اور کرم کرنا سب ہیں مجھ چیتن سے ہے
مجھ کو کوئی بھی نہ جانے میں ہی ان کا آدھ ہوں
جاننے لائق ہوں میں ہی رگ یجو اور سام سے
وید کا وبیتا ہوں میں ادویت کا استاد ہوں
پاپ پن نیکی بدی سے ناش میں ہوتا نہیں
جنم بدھی دیہہ نہ مجھ میں ہیں نہ زر کس زاد ہوں
میں نہ بھومی جل ہوں اگنی اور نہیں آکاش ہوا
بلکہ ہوں پرماتما اور سب کی میں بنیاد ہوں
ایسا نشکل ایک پورن سب کی بدھی میں ہوں میں
سب کا ساکشی شدھ نرمل چیتنیہ پرماد ہوں

〰〰〰

سنت بننے کا طریقہ

از مہاتما گنیشداس جی پورن

پرماتما ہی میرا اپنا آپ ہے۔ اس گیان کے پرتی بادھک (۱) مل (۲) وکشیپ (۳) آورن ہیں جو کہ بالترتیب (۱) نشکام کرم (۲) نشکام اپاسنا (۳) ویدانت واکیوں کے شرون منن ندھیاسن سے دور ہو جاتے ہیں بعد میں سادھک اپنے آپ کو برہم روپ انوبھو کرتا ہے۔ یہ سب کچھ گورو دیو کے چرنوں میں پیار ہونے سے ہوتا ہے جیسا کہ ذیل میں درج ہے

شری ست گورو کے چرنوں میں نیر اگر پیار ہو جاتا
انادی نیند کی غفلت سے تو بیدار ہو جاتا

مل کی نورتی:- چلن اپنا بناتا نیک کرم نشکام کرتا سب
خودی کو بھینٹ کر دیتا تو بیڑا پار ہو جاتا

وکشیپ کی نورتی:- بہاتا یاد ایشور میں کہیں ایکانت میں آنسو
مصفا دل کا شیشہ تیرا اے یار ہو جاتا

ممکشتا:- تڑپ اٹھتی پتہ لینے کی اپنی اور پربھو کی بھی
شہنشاہی کے اصلی تخت کا حقدار ہو جاتا

گورو پراپتی:- شری گورو دیو سے اپنا، پربھو کا بھی پتہ لیتا
اصل میں کون ہیں "میں" "وہ" ذرا ہشیار ہو جاتا

شرون:- تجھے گورو دیو سمجھاتے مہا واکیوں کی رمزوں کو
"وہ تو ہے" سنتے ہی تجھ کو پربھو دیدار ہو جاتا

منن:- منن ایکانت میں کرتا شری ستگورو کے واکیوں کا
تجھے برہم روپتا اپنی میں استقرار ہو جاتا

ندھدھیاسن:- وجاتی خیال گر اٹھتے دباتا سروپ چنتن سے
سجاتی خیال کا بہاؤ جوں گنگا دھار ہو جاتا

ساکھشات کار:- نشچے جیون سپھل ہوتا گورو سیوا سپھل ہوتی
سبھی سادھن سپھل پورن تو برہماکار ہو جاتا

〰〰〰

شری نِتائی

از قلم
لالہ جگن ناتھ جی کھنہ بی اے بی ٹی

کہتے ہیں کہ جس طرح شری کرشن اور بلرام جی نے برج منڈل میں لیلا کی تھی۔ اسی طرح سے مہاپربھو گورنگ کے روپ میں سری کرشن اور شری بلرام جی نتیانند جی کے روپ میں کلجگ میں پرگٹ ہوئے کیول بھگتوں کے ادھار تھ، کیونکہ وہ بھی پراوکٹ سمے تھا۔ اور دھرم کی رکشا اور پریما بھگتی کی ستھاپنا کلجگ کے جیووں کے کلیان کے لئے اتی اوشیک تھی،

مہاراج پربھو نتیانند ماہ جون میں نودویپ تشریف لائے جب کہ نمائی ارتھات مہاپربھو گورنگ کا پراگٹیہ (ظہور) ہو چکا تھا۔ ان کا جنم ضلع وربھوم کے ایکچا کا نام کے گاؤں میں ہوا تھا اور بارہ سال کی عمر میں انہوں نے دنیا سے کنارہ کشی کر لی، کہتے ہیں کہ ایک دن ایک سادھو مہاتما اُن کے گھر پدھارے اور کچھ سمے کے لئے ان کے پتا کے اگرہ سے (یعنی پرارتھنا) پر وہیں ٹھہر گئے، ان کی سیوا میں نیانند جی کے ماتا پتا نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ جب اُن کے وہاں سے وداع ہونے کا وقت آیا تو انھوں نے بڑی نمرتا پوروک اُن سے ان کا لڑکا (نتیانند) بطور تحفہ یا اپہار کے مانگا۔ یہ سوال تو بڑا ٹیڑھا اور انوکھا تھا پرنتو اس کو پورا کرنے والے بھی کوئی معمولی ستسادی جیو نہیں تھے، انہوں نے اس کے سویکار کر لینے میں ہی اپنی بھلائی دیکھی اور اپنے جگر کے ٹکڑے نتیانند کو ان کے حوالے کر دیا، ماں کا کومل ہردے اس سے پیڑت تو بہت ہوا۔ پرنتو اب کوئی چارہ نہیں تھا۔ اب اس بچے کے ویوگ میں ہی انہوں نے شکھ مانا۔ اُس دن سے نتیانند اُس سادھو کا مستقل ساتھی بن گیا، بعضوں کا خیال ہے کہ وہ سادھو نمائی کے بڑے بھائی وشوروپ ہی تھے جو چھوٹی عمر میں ہی اپنے ماتا پتا اور گھر بار کو چھوڑ کر تارک الدنیا ہو گئے تھے، لیکن اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سادھو حقیقت میں وشوروپ ہی تھے، نتیانند جی بیس سال تک اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے رہے اور بیشمار تیرتھ استھانوں کی یاترا کرنے کے بعد آخر برندابن کی پوتر بھومی میں آپہنچے ان دنوں برنداپن سب جنگل ہی جنگل تھا۔ کوئی بستی نہیں تھی۔ جنگل میں ہی کبھی کوئی مہاتما آ جاتا تو اِدھر اُدھر گھوم کر اس منوہر ستھان کے پراکرتک (قدرتی) درشیہ سے پربھاوت ہو کر کچھ سمے کے لئے وہیں باس کر لیتا اور بھکشا کے لئے اُسے ضرور دور دور کے گاؤں اور بستیوں میں جانا پڑتا، اس طرح سے گھومتے ہوئے ایک دن نتیانند جی کی ایک مہاتما سے بھینٹ ہو گئی، وہ تھے شری ایشور پوری جی جنہوں نے گیا کے ستھان پر مہاپربھو گورنگ کو دیکشت کیا تھا (اپدیش دیکر چیلا بنایا تھا) ایشور پوری جی نے نتیانند کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ کسی دشیش تتو کی کھوج میں ہے۔ اس لئے پریم وش ہو کر انھوں نے نتیانند سے کہا کہ تم کس کی کھوج میں پھر رہے ہو، شری کرشن تمہیں یہاں نہیں ملیں گے۔ انہوں نے نودویپ میں شچی کے ہاں جنم لیا ہے اگر تم ان کی تلاش میں سرگرداں ہو یا مارے مارے پھرتے ہو تو ندیا جاؤ اور وہاں اُن کے درشنوں سے کرتارتھ ہو، ان ایام میں آمدورفت اتنے آسان نہیں تھے، جیسے آج کل اکثر سفر پیدل ہی طے کرنا ہوتا تھا، اور راستہ میں کئی کٹھنائیوں کا سامنا ہوتا تھا۔ لیکن نتیانند جی نے یہ سنتے ہی ندیا جانے کا پکا ارادہ کر لیا اور پرستھان کر دیا اور آہستہ آہستہ وہ لمبا سفر پیدل طے کر کے آخر ندیا پہنچ گئے، جو اُن کا منزلِ مقصود تھا۔ وہاں پہنچ کر ادھر اُدھر کا چکر کاٹنے لگے۔ اتفاق سے انہیں سری نندن آچاریہ جی کے جو ایک بھگوت پریمی برہمن تھے درشن ہو گئے، آچاریہ جی نے بھانپ لیا کہ یہ کوئی اوچیہ کوٹی کا بھگت ہے، اس لئے اسے اپنے ہاں لے جا کر اس کی خوب خاطر تواضع کی، اور

آپنے ہاں ہی ٹھہرا لیا ہے کہتے ہیں کہ نتائی کے وہاں پہنچنے سے تین چار روز پہلے نمائی نے اپنے انویائیوں یا بھگتوں کو کہہ دیا تھا، کہ ایک بہت بڑی دیکتی (ہستی) تو وہ بپ آ رہی ہے اور جس روز نتیانند صبح کے وقت وہاں پہنچا نمائی نے اپنے ساتھیوں کو بتا دیا کہ وہ مہاتما جس کی بابت کئی روز پہلے میں نے تمہیں بتایا تھا، وہ نتیا آ چکے ہیں، جاؤ اور ان کی تلاش کرو، میرے خیال میں وہ بلرام جی کا اوتار ہیں۔ یہ الفاظ ابھی نمائی کے منہ میں ہی تھے کہ ان کے شریر میں بلرام جی کا آویش ہو گیا۔ اب نمائی کی زبان سے بلرام جی نے اونچی آواز سے کہا "میرے لئے شراب لاؤ"، یہ کہتے کہتے نمائی کی آنکھیں سرخ ہو گئیں، اور وہ اس لہجہ میں بولے جس میں بلرام جی ہی بول سکتے تھے، یہ سنکر نمائی کے ساتھی ہکے بکے رہ گئے۔ کیونکہ شراب لانے کی بات انہیں بالکل انوکھی معلوم ہوئی۔ سب کے سب حیرت زدہ ہو گئے اور اس کا اتر نہ دے سکے۔ آخر سری باس نے ساہس کیا اور اس طرح سے بولا "آپ کا جس مدیرا (شراب) کی طرف اشارا ہے، ارتھات "کرشن پریم" وہ تو آپ کے ہی پاس ہے، ہمارے پاس نہیں، لیکن اس کے فوراً بعد نمائی نے ہوش سنبھال لی، اور انہوں نے اپنا سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے پرارتھنا کی کہ سب لوگ شہر میں جا کر نتائی کی تلاش کریں، میں اسے ملنے کے لئے ادھیر ہو رہا ہوں، یہ سنکر مراری، سری باس، مکند اور نارائن آدی سب بھگت نتائی کی تلاش میں شہر کے چاروں طرف نکل پڑے انہوں نے سارے شہر کا چکر لگایا، اور اپنی طرف سے شہر کا پتہ پتہ چھان مارا مگر بے سود، گوہر مقصود ان کے ہاتھ نہ آیا۔ اور وہ اپنا سا منہ لے کر لوٹ آئے۔ ان کو اتیانت اداس اور مایوس دیکھ کر مہا پربھو جی نے انہیں اپنے پاس بلایا اور مسکرا کر بولے: "کوئی بات نہیں، آؤ ہم خود اس کی تلاش کریں"، یہ کہہ کر نمائی اپنی مترمنڈلی کے ساتھ نتائی کو ڈھونڈنے کے لئے نکلے اور سیدھے نندن آچاریہ کے گھر پہنچے، اور انہوں نے وہاں پہنچ کر دیکھا، کہ گھر کے بیرونی حصے میں ایک مہاتما براجمان ہیں، قد لمبا، چہرہ گندمی، کنول کی طرح نیتر اور عمر لگ بھگ تیس بتیس سال کی، نمائی کے متروں نے مہاتما جی کو نمسکار کیا اور پھر اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ نمائی اور نتائی نے ایک دوسرے کو غور سے دیکھا، گویا کہ وہ پہلے سے ہی ایک دوسرے کے واقف تھے،

اور ان کی پرانی متراتھی، انہوں نے اپنے منہ سے ایک شبد بھی نہ نکالا، تاہم ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ کہ نتائی مور چھت ہو رہے ہیں، واستو میں مہاپربھو گورنگ اس غریب پر اپنی جاذبانہ نگاہیں ڈال کر اسے مسحور کر رہے تھے، اس طرح سے اس کے رگ و ریشہ پر نمائی نے قبضہ کر لیا۔ اور وہاں سے نتائی کو ایک قیدی کی طرح جو اپنی رضامندی سے چل رہا ہو، سری باس کے گھر پہنچایا گیا۔ وہاں نمائی نے نتائی اور دیگر حاضرین کے سامنے اپنی الوہیت (ایشورتو) کا اظہار کیا اور آپ بھگوان کے سنگھاسن پر براجمان ہو گئے، نتائی جو بیس سال سے سری کرشن کی تلاش میں سرگرداں پھر رہا تھا۔ آخر کار آج اُن کے درشنوں سے کرتارتھ ہو گیا۔ اور اس نے وہاں ایک اشچریہ جنک درشیہ بھی دیکھا۔ یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے، کہ اوتار اور نبی دنیا میں دھرم کی بڑھوتی کے لئے آیا کرتے ہیں نہ کہ اسے نشٹ کرنے کے لئے، اس سے پہلے بھارت ورش میں رام اور کرشن کی بطور ایشور کے اوتاروں کے پوجا ہوتی تھی، سری رام چندر جی جگت میں بطور ایک ویر یودھا کے وکھیات ہوئے جن کے اوتار دھارن کرنے کے ادیش پرتھوی کو اسروں کے بھار سے مکت کرنا تھا، بھگوان سری کرشن چندر جی دنیا کو یہ دکھلانے کے لئے پرگٹ ہوئے کہ پریم کیا وستو ہے اور کیسے کیا جا سکتا ہے اور وہ خود کتنے پیار کرنے کے یوگیہ تھے، آخر میں سری گورنگ مہاپربھو لوگوں کے ہردوں کو موم کر دینے کے لئے اوتار ہوئے اور اپنے قول اور فعل سے یہ دکھلانے کے لئے کہ کرشن پراپتی کیسے ہو سکتی ہے، اس لئے سری رام چندر جی کو دھنش دھاری کے روپ میں اور سری کرشن جی کو بنسی بجاتے ہوئے اور گورنگ کو ڈنڈ اور کمنڈل دھارن کئے ہوئے دکھلایا جاتا ہے جو دراصل ایک سادھو کے چنہ ہیں، جس نے دنیا سے کنارہ کشی کر لی ہو، اور وِرکت ہو گئے ہوں، یہ بات بھی یہاں قابل ذکر ہے کہ سری گورنگ مہاپربھو نے نتائی سے ملاپ ہونے کے چند مہینے بعد ہی سوسائٹی اور سماج کو تلانجلی دے دی تھی، اور ایک تپسوی کی طرح رہنا شروع کر دیا تھا، جس کی کٹھور تپسیاؤں اور ریاضت نے منشیہ ماتر کو حیرت میں ڈال دیا، اور سخت سے سخت دل بھی موم کر دیئے۔ نتائی نے جس گورنگ کے درشن کئے وہ چھ بھجاؤں والا دکھائی دیتا تھا۔ پہلے دو ہاتھوں میں دھنش اور تیر اور دوسرے دو ہاتھوں

سے بنسی تھامے ہوئے اور تنبیرے جوڑے میں ڈنڈا اور کمنڈلو دھارن کر رکھا تھا۔ اس قسم کے ظہور سے اُس نے نتائی کو یہ دکھلایا کہ وہ رام ہے وہی کرشن ہے اور وہی سرو شکتیمان بھگوان ہے، جونہی کہ نتائی نے اس چھ بھجاؤں والے دیوتا کے درشن کئے وہ خود رچھت ہو گیا، کئی دنوں تک اس پر ایک طرح کے روحانی سرور کی حالت طاری رہی، نتائی کے پاس بھی بوجہ ایک سنیاسی ہونے کے ڈنڈا اور کمنڈلو موجود تھے لیکن اُسی رات کو اُنہیں توڑ ڈالا، نمائی حیرت میں اس کا اس طرح ورنن ہے بارہ سال کی عمر میں سنیاس دھارن کر کے نتائی کرشن کی تلاش میں نکلا، کچھ عرصہ کے لئے وہ برندابن میں پھرا لیکن اُس ہستی کو پراپت نہ کر سکا، جس کا تتو یا اصلیت کیول پریم ہی پریم ہے، نودویپ میں اُس کی مہان آتما سے بھینٹ ہوئی۔ جو اُس کی آتما کا دھن اور جیون کا دھیہ تھا۔ اس لئے اب اسے سادھو کے کمنڈلو کو اپنے پاس رکھنے کی کیا ضرورت تھی، چنانچہ اس نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے،

اگر دیکھا جائے تو ڈنڈ، کمنڈلو ایشور پر پورن وشواس یا پراتما کے چنہہ یا علامتیں ہیں، وہ نتیہ آنند کو اس لئے نتیانند کہلاتا تھا، وہ بلرام جی کا اوتار تھے اور ہر ایک پہلو میں وہ اُن کی نمائندگی کرتے تھے جیسا کہ شری بھاگوت میں ورنن ہے، اُن کے دل میں بھگتی کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور کرشن پریم سے نہ صرف وہ خود ہی مست اور بے خود ہو رہے تھے بلکہ وہ تمام آدمی بھی جو اُن کے تعلق میں آتے اسی مستی سے عالم بے خودی میں ناچنے لگتے جب نتائی اس چھ بھجاؤں والے دیوتا کو دیکھ کر بے ہوش اور بے سدھ بدھ ہو گیا تو مہاپربھو نے اُسے چھو کر کہا، اُٹھئے تمہاری سب منورتھ اور کامنائیں پوری ہو چکی ہیں اور اب تم پریما بھگتی کے سرچشمہ بن چکے ہو۔ تم جہاں جاؤ گے یہ سمپتی تمہارے ساتھ جائے گی۔ اپنی مرضی اور اچھیا انوسار اُنہیں جس طرح چاہو بانٹو، اگر کوئی انہیں گرہن کرنے سے انکار کر دے تو اُس کی منت سماجت کر کے یہ دان دو اور نتائی کی سب سے بڑی کامنا ہی کیا تھی، سوائے اس کے کہ منشیہ ماتر کی مکتی ہو، اور اس طرح سے نوجوان نمائی اور نوجوان نتائی دونو بھائی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہو گئے جس طرح کرشن اور بلرام نے اپنے کال میں منشیہ ماتر کو دکھوں سے چھڑانے کے لئے کیا تھا۔

اگلے ہی روز نمائی نتائی کو اپنے گھر لے آیا اور اُس کے اندر دھر سے ماتا شچی بھی باہر نکل آئی، ماتا یہ تمہارا دوسرا پتر ہے، اُس نے کہا، یہ میرا بڑا بھائی ہے۔ اسے آج سے وشو روپ سمجھو۔ شچی نے نتائی کی طرف دیکھا اور وہ، اُسے اُس کا بڑا لڑکا وشو روپ ہی دکھائی دیا، واستو میں وشو روپ کی آتما نتائی میں پرویش کر چکی تھی، شچی، اپنے دل میں کہنے لگی۔ کیا یہ میرا وشو روپ ہے، میرا کھویا ہوا دھن، پھر وہ نتیانند سے مخاطب ہوئی، بیٹا نمائی کہتا ہے تم وشو روپ ہو، کیا یہ ٹھیک ہے، آؤ، بیٹا آؤ، پھر اس نے اس کے سر کو چوما۔ اور خوشی سے وہبل ہو کر رونے لگی، پھر اُس نے نتائی کے کان میں کہا، آج تک میرا بھولا بھالا نمائی اکیلا ہی رہا ہے، پرنتو اب اُس نے تمہیں پا لیا ہے، بیٹا، اب تم نے اس کی رکشا کرنا، اپنے چھوٹے بھائی کی۔ اس واسطے اب مجھے کوئی چنتا نہیں رہیگی، اس کے بعد نتائی اور نمائی کا چولی دامن کا ساتھ ہو گیا۔ اور جو لیلائیں اس کے بعد ظہور میں آئیں۔ اس میں نتائی سب سے اگرسر ہوتے تھے، وہ مہاپربھو کے پرمکھ بھگت تھے۔ اس لئے پریما بھگتی کے پرچار کا کام بھی سب سے بڑھ کر ان کے حصے میں آیا، اس کا وشیش کارن یہ تھا کہ نتائی کی سہن شیلتا اتلنیہ تھی، وہ عجز انکساری کا پتلا پرچار کے مہان کاریہ کے لئے وہ اتینت دین بھاو سے پریرنا کرنے میں وہ ادوتیہ (لاثانی) تھا، کرودھ تو انہیں بھول کر بھی نہیں آتا تھا، خواہ انہیں کتنا ہی اشتعال کیوں نہ دیا جاتا، وہ ہر پرستھتی میں شانت چت رہتے اور ہری نام اور کرشن پریم کے پرچار میں ان کو بڑی کٹھنائیوں کا سامنا کرنا پڑا پرنتو وہ گھور اپمان سہنے پر اپنے لکش اور مارگ سے چیت نہ ہوئے، یہی ایک سنت کے لکشن ہیں۔ وہ اوچیہ کوٹی کے سچے ویشنو تھے، جن کی یہ وشیشتا ہوتی ہے کہ وہ کیول اپنے ویوہار اور آچار (عملی زندگی) سے ہی اپنے سمپرک میں آنیوالے نر ناریوں کے اندر تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں، یاد رہے کہ سچے ویشنو مہانو بھاو عام پرچارکوں کی طرح وکترتا (لیکچر بازی) اور یوگیتا کے پردرشن سے کام نہیں لیتے۔ انہیں اُسکی ضرورت ہی نہیں پڑتی، کیونکہ وہ تو گھور سے گھور پاپ آتما کو بھی ایک آدھ بار ملنے ماتر سے ہی شدھ کر دینے کی کشمتا رکھتے ہیں۔

(باقی پھر)

ایشور بھگتی کی چوبیس ۲۴ شرائط

از
سوامی نتیانند جی بھارتی شاستری

ہر ایک پرانی یہ چاہتا ہے۔ کہ میں کسی نہ کسی کا پیارا بنوں، کوئی نہ کوئی میرا پیارا بنے جس کسی سے پریم کروں۔ اور کوئی مجھ سے پریم کرے تاکہ وہ میرے کام آوے اور میں اُس کے کام آؤں، بچے کی طرف نظر کیجئے، وہ پریم کرنا چاہتا ہے۔ ہاتھ بڑھا کر گود میں آنا چاہتا ہے عورت یہ چاہتی ہے کہ میں اپنے پتی کی پیاری بنوں، پتی یہ چاہتا ہے کہ میں پتنی کا پیارا بنوں، مالک یہ چاہتا ہے کہ نوکر مجھ سے محبت کرے نوکر یہ چاہتا ہے کہ مالک ہم سے محبت کرے۔ راجہ کی اِچھیا ہے کہ پرجا مجھ پر خوش رہے، پرجا یہ چاہتی ہے کہ راجہ ہم پر پرسنّ رہے۔ زیادہ کیا کہئے اور گائے، بیل بھی یہ چاہتے ہیں۔ کہ کوئی ہم سے محبت کرے اور ہماری پیٹھ پر ہاتھ پھیرے۔ اس طرح جب ہر ایک پرانی پریم کرنا چاہتا ہے تو اب وچار کرنا چاہئے کہ کس سے پریم کرنا لابھ دائیک ہے، امانی ہوئی بات ہے۔ کہ دُنیا اور دُنیاوی چیزوں سے محبت کرنا موت کے وقت نہایت دُکھ کا کارن ہے۔ اس لئے اگر محبت ہی کرنا ہے اور محبت کے بغیر ہم زندگی کو خوبصورت نہیں بنا سکتے۔ تو ایسی ہستی سے محبت کی جاوے جس کی جُدائی سے دُکھ نہ ہو، چونکہ پرمیشور ہی محبت کا سرچشمہ ہے پریم کا آدی سروت ہے، آنند کا ساگر ہے۔ اس لئے وہی محبت کا پاتر ہے، اُس کی موجودگی سے محبت کا ظہور ہوا ہے۔ پرمیشور کے ہونے سے ہی پرانیوں میں پریم کا بھاو دکھائی دیتا ہے۔ اور چونکہ وہ ہر ایک پرانی کا انتر آتما ہے۔ اس لئے دُنیاوی پدارتھوں کی طرح پرمیشور کی جُدائی کبھی نہیں ہو سکتی، جب جُدائی نہیں ہو سکتی تو اس سے پریم کرنا دُکھ کا کارن بھی کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے اگر پیارا بننا ہو تو پرمیشور کے پیارے بنو۔ اور پیارا ہی بنانا ہو تو پرمیشور کو پیارا بناؤ، پریم کرپالو بھگوان شری یوگیشور کرشن چندر جی نے پرم پوتر گیتا کے بارھویں ادھیائے میں بھگت جنوں کو اُپدیش دیا ہے، کہ جو شخص پرمیشور کا پیارا بننا چاہتا ہے۔ اور سچے دل سے پرمیشور کی پراپتی کرنا چاہتا ہو وہ کمربستہ ہو کر میری طرف آوے، اور اِن چوبیس شرطوں پر عمل کرے جس شخص میں ان میں سے ایک بھی گُن نہیں وہ پرمیشور کا پیارا نہیں بن سکتا۔ بلکہ وہ دُنیا کا غلام ہے،

پہلی شرط۔ کسی بھی پرانی سے نفرت نہ کرو، دُنیا میں جو بھی جاندار ہے، اُس کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو، اور نہ ہی اُس کو مارنے اور نقصان پہنچانے کا ارادہ کرو۔ بلکہ جہاں تک ہو سکے ہر ایک جاندار کو زندہ رہنے میں مدد دو، کیونکہ جو بھی جاندار دُنیا میں پیدا کیا گیا ہے، وہ اپنے کرموں کے پھل بھوگنے کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص اُس کو مارے گا یا تکلیف دے گا۔ تو وہ اُس پر ناجائز طور پر ظلم کرے گا، جس کا نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ ظالم ظُلم کرنے سے اپنے لئے گہری خندق کھود دے گا۔ جس میں بڑا دُکھ بھوگا کرے گا، اور جس جانور نے اپنی جُونی بھوگ اچھی جُونی کی طرف جانا تھا، وہ غریب اپنی باقی بھوگ بھوگنے کے لئے پھر اُس جُونی میں پیدا ہو کر کشٹ اٹھائے گا، نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ جانور ظالم کی جان کو روئے گا، اور ظالم کی مُکتی نہ ہو سکیگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی جانور کو مارنا پرمیشور کے خلاف بغاوت کرنا ہے۔ پرمیشور کے باغ میں انیک پرکار کے پرانی آنند لینے آئے ہیں، جو آدمی اِن پرانیوں کو مار کر پرمیشور کا باغ خراب کرتا ہے۔ وہ پرمیشور کا مجرم بنتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں غیر مفید جانوروں کو مار کر باغ کی حفاظت کرتا ہوں اس لئے پرمیشور مجھ پر خوش ہو گا۔ تو اس کا یہ کہنا بالکل فضول ہے۔ کیونکہ اُس ظالم کے پاس کوئی مختار نامہ یا غریبوں کے مارنے کا لائسنس نہیں ہے۔ کسی کو مارنا پیدا کرنا پرمیشور کا کام ہے۔ نہ کہ کسی آدمی کا۔ اگر تم غریب جانوروں کو مارنے کے لئے تیار رہتے ہو یا اُن کی موت کا دعوے رکھتے ہو۔ تو اُس کو پیدا کر کے بھی دکھاؤ پیدا تو کر نہیں سکتے، کسی کو زندگی بخش نہیں سکتے۔ اور مارنے کے لئے تم بنتے ہو۔ یہ سراسر ناانصافی ہے۔ اس لئے اگر پرمیشور کے پیارے

بننا چاہتے ہو، تو پرمیشور کے باغ کو خراب مت کرو، اور کبھی بھی جاندار کو حقیر یا غیر مفید مت خیال کرو۔ بلکہ اُس کی رکشا کرو، جو شخص دُوسرے کی ہستی کو غیر مفید سمجھ کر اس کو مارنا چاہتا ہے، وہ خود اپنی ہستی کو غیر مفید ثابت کرتا ہے۔ اس لئے ہر ایک پرانی سکھ دُکھ محسوس کرتے ہیں اُس کی پوری پوری مدد کرو۔ اور اُس کے کشٹ کو دیکھ کر تڑپ اُٹھو۔ اور یہ سمجھو کہ یہ تکلیف مجھ کو ہو رہی ہے۔ اور اس کو راضی یا تندرست کرنے میں پوری پوری مدد کرو۔ اس لئے پہلی شرط یہ ہے کہ پرانی کو حقیر مت سمجھو، ہر ایک پرانی کے ساتھ پریم کرو، اور اس کے حال پر رحم کرنا سیکھو۔

دُوسری شرط:۔ یہ ہے کہ کسی چیز کو اپنی مت مانو، تمہارے گھر بار، بھائی بندھو، دھن، دولت، بیوی، بچے جو کچھ بھی ہیں، یہ تمہارے نہیں بلکہ پرمیشور کے ہیں، یہ تمام رشتہ دار اور پیارے، جن کو تم میرا میرا کہتے پھرتے ہو۔ ان کو اپنا مت خیال کرو، یہ سب پرمیشور کی ملکیت ہے، اگر تمہارے ہی ہوتے تو شادی سے پہلے یہ بیوی بچے کس کے تھے؟ مرنے کے بعد کس کے ہوں گے۔ اگر تمہارے ہی ہوتے تو پہلے بھی ہوتے اور مرنے کے بعد بھی ساتھ رہتے، مگر ایسا ہرگز نہیں ہے، البتہ پہلے بھی پرمیشور کے پاس تھے، اور بعد میں بھی پرمیشور ہی کے پاس رہتے ہیں۔ پھر انسان فضول ہی پرائی چیزوں کو میرا میرا کہہ کر دل اپنی گردن مصیبت لیتا ہے، تمہارا جسم بھی تمہارا نہیں ہے اس کو میرا کہنا سخت غلطی ہے، کیونکہ اگر یہ میرا ہوتا تو ہمیشہ سے میرا ہوتا۔ اور ہمیشہ تک میرا رہتا، مگر یہ جسم ہمیشہ سے نہیں ہے اور نہ ہی ہمیشہ رہے گا۔ بلکہ پانچ تتوں کا بنا ہے۔ اور پرمیشور کی مرضی سے بنا ہے، اس لئے اگر پرمیشور کے پیارے بننا چاہتے ہو، تو سیدھی نیت سے سب کچھ پرمیشور کے حوالے کر دو۔ اور اپنی ملکیت سے دستبردار ہو جاؤ، سمجھو پرمیشور کی امانت میں خیانت کرنا بھلے آدمی کا کام نہیں ہے، جو لوگ برا ادھ کرتے اور ہر ایک چیز کو میری میری کہتے رہتے ہیں یاد رکھو زندگی میں وہ تکلیف پاتے ہی ہیں، مرتے وقت دُنیا سے روتے پیٹتے، اور ایڑیاں رگڑتے جاتے ہیں۔

تیسری شرط:۔ یہ کہ ابھمان مت کرو، اہنکاری مت بنو، ابھمان کو پاپ کا باپ کہا گیا ہے، کیونکہ جب انسان اپنے آپ کو بُرا ماننے لگتا ہے، تو دُوسروں کی زندگی اُس کی نظروں میں تنکے جیسی بھی دکھائی دیتی ہے۔ وہ ہر بات میں اپنے جذبات اور خیالات کا ہی خیال کرتا ہے، دُوسرے لوگوں کو کسی کام کا نہیں سمجھتا۔ دُوسروں کے ارادوں کا کچلنا اُس کے بائیں ہاتھ کا کرتب سمجھا جاتا ہے۔ ابھمان کے نشہ میں دُوسروں کی زندگی اُس کا سوچھا ڈبن جاتا ہے، پرائی بہو بیٹی پر بُری نظر ڈالنے کرنے اور دُراچار کرنے سے اُس کو رتی بھر بھی شرم نہیں آتی جھوٹ بولتے وقت اُس کو کسی سے خوف نہیں ہوتا، اس لئے جو آدمی ابھمان کرتا ہے۔ وہ سب قسم کے پاپ کرتا ہے ہرنا کشیپ نے یہ مان کیا کہ اپنے آپ کو ایشور مان بیٹھا اور اپنے لخت جگر پر سخت سے سخت ظلم کرنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا، اُس کو کٹھن ڈنڈ بھوگنا پڑا۔ راون نے ابھمان کیا تو رام کے ہاتھوں سزا پائی۔ ابلیس نے ابھمان کیا۔ تو ہمیشہ کے لئے نرک میں سڑنے کو ڈھکیلا گیا۔ انسان پانی کا بلبلہ ہے۔ اور اس کی زندگی چار دن کی زندگی ہے، کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ وہ جسم میں آنے سے پہلے کیا تھا۔ اور مرنے کے بعد کہاں جائے گا۔ اور کیا بنے گا۔ ایسی کمزور اور ناچیز ہستی اگر ابھمان کرے۔ اور اپنے آپ کو کچھ کا کچھ مان کر اترانے لگے تو سمجھو آپ ہی غور کریں، کہ اُس کا انجام کتنا خوفناک ہوگا اس لئے اگر پرمیشور کا پیارا بننا چاہتے ہو، تو اپنے اندر سے خودی کی بو نکال ڈالو۔ اور اپنے آپ کو برا بھمان ہو کر سچے دل سے پرمیشور کے چرنوں میں ڈال دو۔ آپ کی نمرتا پر پرمیشور ضرور خوش ہوگا،

چوتھی شرط:۔ یہ ہے کہ سُکھ دُکھ میں سمان رہو، جب انسان کو کسی قسم کا سُکھ پراپت ہوتا ہے تو اُس کے دماغ میں ایک ہل چل سی پڑ جاتی ہے اور وہ سُکھ کی طرف جھک جاتا ہے اور چاہنے لگتا ہے۔ کہ یہ حالت ہمیشہ بنی رہے، پر چونکہ سُکھ کی حالت پیدا شدہ ہے جیسا کہ اس سے پہلے نہیں تھی۔ اس لئے بعد میں بھی نہیں رہ سکتی، اور کچھ کال کے بعد بدل جاتی ہے اور بدل جانا لازمی ہے اس لئے سُکھ کی حالت بدلتے ہی دُکھ آ جاتا ہے، دُکھ کے آتے ہی دماغ کے پردے سکڑ جاتے ہیں۔ اور ان میں کمزوری واقع ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اس حالت سے دشمنی کرنے لگتا ہے، دیکھا جاوے تو سُکھ دُکھ میں سے کوئی بھی ہمیشہ رہنے والا

بھی نہیں ہے۔ کبھی یہ مت سمجھ رکھیے کہ میں ہمیشہ سکھی رہوں گا۔ اور مجھے دکھ نہ ہوگا دکھی بھی یہ مت سمجھے کہ میرے دکھ کا کبھی خاتمہ نہ ہوگا۔ سکھ کے بعد دکھ اور دکھ کے بعد سکھ آنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ دن کے بعد رات، رات کے بعد دن کا آنا جب یہ پرمیشور کا نیم ہے۔ تو فضول میں سکھ کے پیچھے پڑے رہنا اور دکھ سے ڈرتے رہنا انسانیت نہیں ہے یہ دکھ کا نتیجہ سکھ دائیک ہے۔ اگر ہم اس بات پر وچار کریں تو دماغ اور خیالات کا توازن قائم رکھ سکیں گے۔ اس لئے جو شخص پرمیشور کا پیارا بننا چاہتے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دکھ کو دکھ نہ سمجھے اور سکھ کو سکھ نہ سمجھے بلکہ سکھ دکھ کو بدلنے والی حالتیں خیال کرے اور ہمیشہ نہ بدلنے والی پرمیشور کی شرن میں پڑا رہے،

پانچویں شرط۔ یہ ہے کہ کشما شیل بنو، اگر کوئی تم کو کسی قسم کی تکلیف دے تو اس تکلیف کو برداشت کرو، یہ خیال مت کرو، کہ اس نے مجھے گالی دی ہے میں اس کا سر پھوڑ دوں گا۔ یا اس نے مجھے پتھر مارا ہے میں اس کو جان سے مار ڈالوں گا یاد رکھو کمزور آدمی کبھی سہن نہیں کر سکتا۔ برداشت کرنا اور معاف کرنا پرلے درجے کی بہادری اور عقلمندی ہے، جو آدمی برائی کا بدلہ برائی سے دینا چاہتا ہے، وہ دنیا میں برائی کو بڑھاتا ہے اور برائی کو بڑھانا پرمیشور کو پسند نہیں ہے۔ اس لئے پرمیشور کا پیارا بننے کے لئے سہن شیل ہونا نہایت ضروری ہے۔ اگر آپ کبھی برے شخص کو ڈنڈ بھی دینا چاہتے ہو۔ تو بھی آپ کا فرض ہے کہ آپ برداشت کریں۔ اور اس کو پرمیشور پہ چھوڑ دیں۔ تاکہ پرمیشور اگر ضرورت سمجھے تو ڈنڈ دے۔ اس کا دیا ہوا ڈنڈ آپ کے ڈنڈ سے زیادہ موزوں ہوگا، یہ بھی خیال رکھیں۔ کہ برداشت نہ کر کے کسی کو سزا دینا پرمیشور کے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا ہے کیونکہ سزا دینا پرمیشور کا کام ہے آپ کا کام نہیں۔ اگر آپ پرمیشور کا حق خود استعمال کرتے ہیں۔ تو پرمیشور کے مجرم ٹھہرتے ہیں۔

چھٹی شرط:۔ ہمیشہ خوش رہو، چہرے پر پرسنتا بنی رہے شوک یا دکھ کے نشانات ظاہر نہ ہونے پائیں۔ آنند مورتی بھگوان کا بھگت وہی ہو سکتا ہے، جس کے چہرے پر نحوست اور مایوسی نہ ٹھہر سکے

ساتویں شرط۔ یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہمیشہ قابو میں رکھو من اور اندریوں کو بے لگام مت جانو۔ یہ آپ کے غلام ہیں۔ نہ کہ آپ ان کے غلام ہو۔ اس لئے من اندریوں کو نیم میں رکھو تو پرمیشور کے پیارے بن سکو گے، کیونکہ جو شخص اندریوں کے بھوگوں کے پیچھے پیچھے بھاگا پھرتا ہے یا من کی منوربات پورا کرنے میں لگا رہتا ہے، وہ پرمیشور سے غافل ہے۔ غافل اور بھلانے والا پریمی نہیں کہلایا جا سکتا،

آٹھویں شرط یہ ہے کہ اپنا نشچہ پکا رکھو پرمیشور کے پیارے بننے کا جو شبھ سنکلپ دھارن کیا ہے۔ اس پر ہمیشہ قائم رہو۔ دل کو روزمرہ یاد کراتے رہو کہ تم نے دنیا کا پیارا نہیں بلکہ ایشور کا پیارا بننا ہے، تیرا بھلا بھی اسی میں ہے۔ کہ ایشور کا پیارا بنے اس میں رتی بھر بھی بھلائی نہیں کہ تو دنیا کے پیچھے مارا مارا پھرے۔ یاد رکھو پرمیشور کو بھلانے کا ڈنڈ تم آج تک بھوگ رہے ہو۔ اگر آئندہ بھی پرمیشور سے بے مکھ رہے۔ تو انیک جنم جنمانتر کا بھٹکنا نہیں چھوٹے گا۔ اسی طرح سے انیک پرکار سے من کو سمجھاؤ۔ اور اپنے ارادے پر کاربند رہو،

نویں شرط۔ یہ ہے کہ اپنے من اور بدھی کو پرمیشور کے ارپن کر دو۔ من سے اگر کچھ سوچو پرمیشور کا سروپ سوچو، سنکلپ وکلپ کرو تو پرمیشور کو پانے کا۔ بدھی میں اگر خیال اٹھے یا یقین ہو تو پرمیشور کی پراپتی کا، سبھنواں جس من اور بدھی سے آج تک دنیاوی عزت اور دولت وغیرہ کی پراپتی وغیرہ کا کام لیتے رہے ہو۔ اب اس من اور بدھی کو پرمیشور کی پراپتی میں وقف کر دی۔ اب اگر من بدھی سے کوئی [illegible] سوچی جاوے۔ تو یہی سوچی جاوے کہ میرا موکش کیسے ہوگا۔ میں پرمیشور کو کیسے پا سکوں گا۔ ابھی تک سمجھ کیا آتم ساکشات کار کیوں نہیں ہوا۔ مجھے پرمیشور نے درشن کیوں نہیں دیئے وغیرہ، آئندہ اپنے من بدھی سے دنیاوی چیزوں کی پراپتی کو مت سوچنا۔ اس پرکار جو شخص پرمیشور کا بھگت ہے وہ پرمیشور کا پیارا ہے،

دسویں شرط یہ ہے کہ اپنے آپ کو ایسا بناؤ۔ کہ لوگ یا کوئی جاندار تمہارے برتاؤ سے تکلیف محسوس نہ کریں۔ اور تم خود بھی کسی کے برتاؤ سے تکلیف محسوس نہ کرو۔ بلکہ ہمیشہ ایسے رہو، کہ خوشی، رنج اور خوف کے حملوں سے آزاد ہو۔ ارتھات دنیا کی اچھی سے اچھی چیز تمہاری خوشی کا کارن نہ بنے دنیا کی کسی

کسی چیز کو تم شانتی کا رادھن نہ سمجھو، بلکہ ہر ایک چیز کو دکھدائی خیال کرو، کرودھ اور شوک کے حملوں سے اپنے ہوش کو خراب مت کرو، اور دُنیا کی کسی چیز سے خوف مت کھاؤ۔ اس لئے اگر پرمیشور کے پیارے بننا چاہتے ہو۔ تو نہ کسی کی شکایت کرو۔ اور نہ ہی کسی کو موقعہ دو۔ کہ وہ تمہاری شکایت کرے سنسار کے سکھ بھوگوں سے ہمیشہ ویراگیہ رکھو، کسی پر کرودھ نہ کرو اور نہ ہی کسی سے خوفزدہ ہو۔

گیارھویں شرط:۔ یہ ہے کہ اپنی ضروریات اتنی مختصر کرو کہ کسی دوسرے شخص کا محتاج نہ ہونا پڑے، کھانا کپڑا رہنا سہنا ایسا معمولی ہو، کہ امیر یا بڑے آدمیوں کی خوشامد نہ کرنی پڑے بلکہ غریبوں پر بھی بوجھ نہ پڑے۔ بیمار پڑ جاؤ تو سیوا اور تیمار داری کی ضرورت نہ رہے۔ مطلب یہ ہے کہ سوائے پرمیشور کے اور کسی شخص کے مدد کی توقع مت کرو، اپنی زندگی اور موت پرمیشور کے حوالے کر دو، اپنے آپ کو اچھی طرح سمجھا دو کہ سوائے پرمیشور کے سنسار میں تیرا اور کوئی نہیں ہے، وہ سرب شکتی مان ہے اُس سے بڑھ کر کوئی طاقت ور نہیں، وہی تیرا رکھشک ہے اسی طرح جب دُنیا سے مُنکھ موڑ کر پرمیشور کے دوار پر اپنے آپ کو ڈال دو گے تب ہی پرمیشور کے پیارے بن سکو گے۔

بارھویں شرط یہ ہے کہ اندر باہر سے شدھ ہو، جسم بھی صاف ہو اور دل بھی صاف ہو، اوپر سے جسم پر ایسی نشانیاں دھارن مت کرنا، کہ جس سے سادھو یا مہاتما یا بھگت معلوم ہو (کپڑے رنگ لئے بال بڑھا لئے، یا مونڈن کرا لیا تلک یا مالا ڈال لی یا مندر مسجد میں ماتھا گھسانے لگا) اور دل میں پاپ کی گھنڈی لگا رکھی، اور ایک پرکار کی ٹھگ ودیا چلاتے رہے تو سمجھو یہ کپٹ ہے۔ یہ دھوکا ہے، دُنیا کا دھوکا دیکھ کر بیچے مہاتماؤں کا مان گھٹانا مہا پاپ ہے، اس لئے جو پرمیشور کا پیارا بننا چاہئے، وہ اندر باہر سے سچا اور صاف رہے،

تیرھویں شرط یہ ہے کہ سادھان ہو کر چلو پرمارتھ مارگ میں کام کرودھ لوبھ، موہ وغیرہ زبردست ڈاکو بیٹھے ہیں۔ یہ ڈاکو مالا جپتے ہیں۔ کہ کوئی عقل کا اندھا ملے تو اُس کا بیڑہ غرق کریں، جو لوگ ان دشمنوں سے بے خبر ہو کر یوگ کرتے اور بھگتی میں دل لگاتے ہیں، وہ بہت بُری طرح مارے جاتے ہیں اور اُن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے جو پرمیشور کا پیارا بننا چاہے اُس کا فرض ہے کہ نہایت ہوشیاری کے ساتھ پرمارتھ کی سڑک پر چلے اور ہمیشہ چوکنا رہے۔ اور بھول کر بھی ابھمان نہ کرے۔ کہ مجھے کام نہیں گرا سکتا میں لوبھ میں نہیں پھنس سکتا، وغیرہ، کیونکہ جہاں ابھمان آیا فوراً یہ ڈاکو اُس کو دبا لیتے ہیں،

چودھویں شرط یہ ہے کہ کسی طرح یکش پات مت کرو بلکہ سب قسم کے بحث مباحثے اور لڑائی جھگڑے سے پرے رہو، کسی پارٹی سوسائٹی جماعت مذہب سے سمبندھ مت رکھو۔ کیونکہ ایک سے سمبندھ رکھنے سے دوسرے کو بُرا کہنا سوبھاوک ہے۔ ایک پرمیشور کو ہی اپنے لئے کافی سمجھو۔

پندرھویں شرط یہ ہے کہ اپنے آپ کو نا اُمید مت کرو، نراش مت ہو نراش ہونا پرمیشور و شواش کے خلاف ہے البتہ دُنیا اور دُنیاوی لوگوں سے کسی قسم کی اُمید مت رکھو، لیکن پرمیشور پر ضرور اُمید بنائے رکھو، کیونکہ پرمیشور ہی انسان کی آخری اُمید ہے۔ اگر اس پر بھی وشواش نہ رہے، تو مایوسی میں موت کا ہو جانا ناممکن نہیں ہے۔ اسواسطے یاد رکھو کہ پرمیشور کا بھگت اور پیارا وہی ہو سکتا ہے، جو کشٹ پر کشٹ سہن کرے۔ لیکن اُس کے دربار سے اور اُس کی رحمت سے مایوس نہ ہو،

سولھویں شرط یہ ہے کہ جو بھی کام کرو پرمیشور کی پرسنتا کے لئے کرو، پرمیشور کی پرسنتا کے لئے دھرم اور پُن کرم ہی کئے جا سکتے ہیں۔ پاپ کرموں سے بھگوان ہرگز پرسن نہیں ہوتے اس واسطے ہمیشہ شُبھ کام کرو۔ اور شُبھ کام ہی بھگوان کے ارپن کرو، جب ایک معمولی افسر یا عزیز دوست کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وہی کام انسان کرتا ہے جو کہ افسر یا عزیز کو پیارے ہوں۔ تو پرمیشور کی پرسنتا کے لئے بھی ایسے ہی کرم کرنے ضروری ہیں، جن سے پرمیشور خوش ہو، اس واسطے اگر پرمیشور کے پیارے بننا چاہتے ہو۔ تو ہمیشہ شُبھ کرم کرو، اور

شبھ کرم بھی بغیر کسی معاوضہ یا پھل کی کامنا کے کرو، تاکہ پرمیشور یہ نہ سمجھے کہ میرے ساتھ دوکانداری کرنا چاہتے ہیں، اور نقات بھلائی کرو، اور بھول جاؤ۔

سترھویں شرط یہ ہے کہ نہ خوش رہو۔ نہ رنجیدہ رہو۔ اور نہ ہی کسی چیز کی خواہش کرو۔ بلکہ ان کا مول کامن جو شبھ اشبھ کرم ہیں۔ اُن سے بھی پرے رہو، ذراسی بات پر خوش ہو جانا، ذراسی بات پر سر پیٹنے لگنا عقلمند شخص کا کام نہیں ہے۔ بلکہ مورکھ لوگوں کا سبھاؤ ہے کیونکہ اس قسم کے لوگ ہی اچھے بُرے کاموں سے خوش اور رنجیدہ ہوا کرتے ہیں، پرمیشور کے پیارے سے پاپ کبھی نہیں ہو سکتا، اور شبھ کرم کے پھل کی اچھا نہیں کرتا۔ اس لئے ایسے شخص کو قدرتی طور پر نہ خوشی ہوتی ہے نہ رنج اور نہ ہی کسی قسم کی خواہش ہوتی ہے اگر پرمیشور کے علاوہ کسی چیز کی اُس کو خواہش ہے۔ تو پرمیشور کا پیارا نہیں ہے، جو پرمیشور سے پرمیشور ہی کو مانگتا ہے، اور پرمیشور کو ہی چاہتا ہے، وہی پرمیشور کا بھگت ہے اور وہی پرمیشور کا پیارا ہے،

اٹھارہویں شرط یہ ہے کہ شترو اور متر کے لئے سمان رہو مان اپمان میں سمان رہو، گرمی، سردی سکھ دُکھ میں سمان رہو، مطلب یہ ہے کہ دشمن اور دوست کو ایک نظر سے دیکھو دل میں یہ خیال بھی نہ آنے دو کہ فلاں شخص میرا دشمن ہے اور فلاں دوست ہے اگر کسی نے بے عزتی کردی تو دُکھی مت ہو کیونکہ دشمنی اور دوستی عزت اور بے عزتی جسم کی ہی ہوا کرتی ہے، اور یہ جسم تین کال میں بھی آتما نہیں ہے، اس لئے اگر آتم گیانی ہو تو شریر کے مان اپمان پر گرمی سردی پر اور دُکھ سُکھ پر دھیان مت دو۔ بلکہ اُن کو آگم پائی (آنے جانے والا) سمجھو۔ اگر ایسا سمجھو گے تو پرمیشور کے پیارے بنو گے۔

انیسویں شرط یہ ہے کہ اسنگ رہو کسی چیز سے اور کسی شخص سے بھی کسی قسم کا تعلق مت رکھو، تعلق رکھو گے تو اُس کے سُکھ دُکھ میں شریک ہونا پڑے گا، اس لئے پرمیشور کا پیارا بننا ہو، تو اکیلے رہو اور ایکانت میں رہو تب ہی ایک کے پیارے بن سکو گے،

بیسویں شرط یہ ہے کہ نہ کسی کی تعریف کرو۔ اور نہ کسی کی نندیا کرو، نندیا استتی دونوں سے پرے رہو۔ اگر کسی کی تعریف کرو گے تو جس شخص کی تعریف کرو گے تو اُس شخص کے دشمن تم کو اپنا دشمن سمجھیں گے کیونکہ تم ایسے شخص کی تعریف کر رہے ہو، جو اُن کا دشمن ہے اس طرح اگر کسی کی نندا کرو گے تو وہ تم کو اپنا دشمن خیال کرے گا۔ اس لئے نندا استتی دونوں ہی خطرناک ہیں، البتہ دونوں حالتوں میں خاموشی بہتر ہے اور خاموشی نیم رہنا،

اکیسویں شرط یہ ہے۔ کہ چُپ چاپ رہو اور جہاں تک ہو سکے بات چیت کا سلسلہ کم رکھا جاوے، اور اس طریقہ پر رکھا جاوے کہ کسی کے ساتھ دوستی یا دشمنی یا سمبندھ ظاہر نہ ہونے پاوے، مطلب یہ ہے کہ پرمیشور کا پیارا بننا ہو تو دل ہی دل میں پرمیشور سے باتیں کیا کرو، اور سوائے پرمیشور کے کسی سے بولنا اچھا نہ سمجھو۔

بائیسویں شرط یہ ہے کہ ہر حالت میں پرمیشور کا دھنباد کرو، اور جس بھی حالت میں رہو، ہر حال خوش رہو، کبھی پرمیشور سے شکوہ شکائیت نہ کرو، بلکہ یہ سمجھو کہ پرمیشور جو کچھ کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے اور ہماری بہتری کے لئے ہی کرتا ہے،

تئیسویں شرط یہ ہے کہ بے ٹھکانہ ہو کر رہو۔ اس دار فانی میں کسی گھر کو اپنا گھر مت سمجھ لینا بلکہ ہمیشہ بے ٹھکانہ رہنا، اگر ٹھکانہ ہی بنانا ہو، تو پرمیشور کے پاس بنانا، اور مکان بھی بنانا ہو تو دنیاوی زمین پر مت بنانا۔ بلکہ لامکان کے مکان میں بنانا۔ اس لئے جو شخص پرمیشور کا پیارا بننا چاہتا ہے، اُس کو چاہئے کہ کسی گھر کو اپنا گھر نہ سمجھے بلکہ پرمیشور ہی کو اپنا اصلی ٹھکانہ سمجھے اور دن رات سوتے جاگتے چلتے پھرتے کھاتے پیتے ہمیشہ ہی سوچا کرے کہ اپنے ٹھکانے کب پہنچوں گا۔ کب پرمیشور کے درشن ہوں گے،

چوبیسویں شرط یہ ہے کہ اپنا دماغ درست رکھو اور عقل کو قائم رکھو سچ جھوٹ میں تمیز کرنا سیکھو، نفع نقصان کا خیال کرو موکش اور بندھن کے کارنوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھو اور اپنی زندگی کی قدر محسوس کرتے ہوئے ہمیشہ ٹھیک راستہ پر چلنے کا یتن کرو، اس طرح جو شخص بھگتی مان ہے وہ پرمیشور کا پیارا ہے۔ ان چوبیس شرطوں میں سے ایک بھی جس شخص نے دھارن کی ہو، وہ بھی پرمیشور کا پیارا بن جاتا ہے۔ لیکن اگر آپ یہ چاہتے ہوں کہ آپ کا نام اُن لوگوں کی فہرست میں لکھا جاوے، جو کہ پرمیشور کو نہایت ہی پیارے ہیں، تو ان چوبیس شرطوں پر

حق کے پیارے

شری نوبت رائے جی شوخ

فنا فی اللہ ہیں جنکی ہستیاں جو حق کے پیارے ہیں
فضائے قدس میں نورِ بقا سے وہ پیارے ہیں

رضائے حق سے جب یہ صفحۂ عالم پہ آتے ہیں
تو اُن سے بھٹکے ہوؤں گمراہ انساں فیض پاتے ہیں

یہ ایسی بجلیاں رکھتے ہیں پوشیدہ نگاہوں میں
کہ جن سے آگ لگ جاتی ہے عاصی کے گناہوں میں

دِلوں میں رحمت و حیرت کی بھر کر پاک تنویریں
بدل دیتے ہیں فیضِ حق سے انسانوں کی تقدیریں

زہے وہ جس کے دِل میں پڑ گئی وحدت کی چنگاری
نظر میں رہ گئی پھونک کر فضائے ماسوا ساری

سُرورِ معرفت دل سے نگاہوں میں اُبھر آیا
جدھر آنکھوں نے دیکھا جلوۂ جاناں نظر آیا

جدھر دیکھا، اُدھر کثرت میں وحدت کا نظارا ہے
اُسی اِک جانِ عالم کی جھلک عالم یہ سارا ہے

وہی وہ ہے، نہیں اُس بِن جہاں میں دوسرا کوئی
لبوں پر مُہرِ خاموشی لگا دیتی ہے حق گوئی

دِل اُس کا آئینہ بن کر خدا کے کارخانے میں
کِسی سے دشمنی ہرگز نہیں رکھتا زمانے میں

منور ایسا دِل ہوتا ہے رنگِ آشنائی سے
لبھاتا ہے اُسے ہر ذرّہ شانِ کبریائی سے

عجب عالم میں رہتا ہے محبت کا وہ دیوانہ
فقط اللہ ہی اللہ ہے، نہ اپنا ہے، نہ بیگانہ

زہے وہ جس نے پایا فیض ایسے حق کے پیاروں سے
جو مر کر بھی ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اشاروں سے

اوم شری گنیش آئنمہ

دھرو بھگت

از قلم
پنڈت
آسانند
جی شرما معدوم

(۱)

لگا اپنا سامنہ لے کر وہ لوٹنے۔ پکڑ کر ہاتھ جب سُرچی نے اُسکا
اُتارا باپ کی گودی سے کہنے۔ ابھی اسکے تو نا قابل ہے بیٹا
یہ ہے مخصوص اُوتم کیلئے جا۔ پسر تو ہے سُنیتی سوتیا کا
جسے ہیں دیکھ کر کُڑہتی ہوں دلمیں۔ نہیں جسکو میرا کچھ بھی ہے بھاتا
ہیں اپنے بس تلک کچھ اسکو اوپر۔ قسم بھگوان کی لگنے نہ دونگی
ہے تو اخر اُسی ناگن کا بیٹا۔ یہ کب تک دیکھتی کڑھتی رہوں گی
کہ اُوتم سے تو درجے پا کر۔ کرے ٹھنڈا سُنیتی کے جگر کو
رہوں بیں دیکھتی آنکھوں سے اپنی۔ کہ تو اُونچا کرے کمبخت سر کو
کرادوں سب منتشر نظام شاہی۔ لگادوں آگ بھی اس راج گھر کو
کسی نے سُرم کو بدلا ہے گھر۔ حماقت سے اُٹھا کر اپنے سر کو
تو باز آ اس خیال خام سے تو، وگرنہ وہ حشر ہوگا تمہارا
نہ لینے کے لئے رونے زمین پر، رہیگا نام کچھ باقی تمہارا
چڑھے مغرب کو سورج چرخ دیکو۔ رہے گر گوہر انجم لٹاتا
بدل دے آگ اپنی خاصیت کو۔ تیم کو چھوڑدے اپنے نہ دھاتا
سمندر میں نہ موجیں پھر اٹھائیں۔ نہ ہو ظاہر اگر پورب سے پرانا
نہیں ممکن مگر اپنا ارادہ۔ بدل سکتی کنور اُوتم کی ماتا
تمنا ہے کہ میں راضی ہوں تم پر، تو جا تپ کر رجھا پرماتما کو
جنم لے کر بطن میرے سے پھر تو، کریگا تر پت میری آتما کو
چلا دھرو دم بخود ہو کر وہاں سے۔ لئے ننھے سے دلمیں درد بھاری
بہائے اشک ظالم آسماں نے۔ فضاؤں میں بھی چھائی سوگواری
زمیں لرزا اٹھی ننھی سی جاں پر۔ کری جب دیوتوں نے اشکباری
بلکھ کر رو پڑا جاتے ہی دُکھئے۔ کہا ماتا نے میں صدقے میں واری
ہوا کیا! کیا کسی نے کچھ کہا ہے؟ کہو نگی میں ابھی جا کر
کہو، کس دُشمن کی شامت ہے آئی میرے بچے کا نازک دل دکھا کر

کیا لکچر جو سُرچی نے وہ سارا۔ کنور دھرو نے شروع سے کہہ سنایا
وہ رہ گئی گھونٹ پی کر آنسوؤں کا، اندھیرا سامنے آنکھوں کے چھایا
محبت سے مگر دل میں ضبط کر، اُٹھا بچے کو چھاتی سے لگایا
کہا منہ چوم کر میرے دلارے۔ نہیں تو جانتا ایشور کی مایا
تیری ہی بہتری کیواسطے یہ۔ بہانے سے کہا اُس نے کہ جانے
بنوں میں کر بڑی بھاری تپسیا۔ سُروں کی تو امر پدوی کو پانے

(۲)

نہ کیونکہ اس جہاں فانی میں کوئی۔ رہا پہلے نہ کوئی اب رہیگا
شہنشاہ و گدا ہاتھوں سے خالی۔ چلینگے کچھ نہ بس انکا چلیگا
یہ تخت و تاج معدوم ہونگے ایسے۔ نشاں باقی نہ کچھ جنکا ملیگا
یہ ہیں سب رابطے جینے کے ناداں۔ نہ واں کوئی کسی کا ساتھ دیگا
بشر جس نے پربھو کی بندگی میں۔ بشر کی زندگی اُس نے کمایا
نہیں تو عیش و عشرت کے نشہ میں۔ سبھی کچھ جان کر اُس نے گنوایا
چلا جا نام لے کر ایشور کا۔ میرے ادلاڈلے اب تو آج بن کو
تمہیں میں اسکے سہارے چھوڑتی ہوں۔ لگا بھگوان کے چرنوں میں من کو
لگانا اسطرح پورن سمادھی۔ کبھی جنبش نہ آنے پائے تن کو
سدا من میں رہیں تم دیدہ و دل کے۔ بٹھا کر دیکھنا رادھا رمن کو
تو ناداں ہے ابھی جو کچھ سکھاؤں، وہ شاید تمکو آئے یاد آئے
مگن رہنا فقط دن رات دل سے، لگا کر رٹ تمہارا انتہا نائے
ہوا رخصت جھکا کر سیس ماں کو۔ تپسیا کیلئے وہ گھور بن میں
ہے ننھی جاں مگر کیا عزم راسخ۔ خطر جسکو نہیں دشت و دمن میں
بھٹک جاتا ہے گر منزل میں بکثرت۔ تو راہ پاتا ہے آشا کی کرن میں
رُلائی کچھ نہیں اسکو رُلاتی، کہ ہے پردیس میں یا کہ وطن میں
لگا اک جا پہ پتھر کی شلا پر۔ پدم آسن سمادھی بس لگا دی
ہوا ایسا مگن بھگتی میں اکدم۔ کہ سنسار تال سب پرتھوی بُھلا دی

چلے گھبرائے سب بیکنٹھ پور کو۔ پورندر کو کئے تب دیو آگے
درس پا شیام سُندر کے منوہر۔ بیکدم بجھے دلوں سے سب بھاگے
بھنت کی اُستتی تب کھیر شائی۔ پربھو جی یوگ کی نندرا سے جاگے
پربھو ! دھرو کو درس دو دیو بولے۔ کہ وہ اپنی تپسیا کو تیاگے
وگرنہ ہے بپا اب حشر ہوتا، سہا جاتا نہیں دھرو کا تپوبل ہے
رسائل میں دھنسی جاتی ہے پرتھوی، بچی بھاری ہے سب گونج ہیں ہلچل
گدا و پدم اور شنکھ و سدرشن۔ لئے پہنچے چتربھج روپ دھاری
وہ عابد تھا جہاں محوِ عبادت۔ تھی جس پہ اک وجد کی نہر طاری
کہا بیٹا اُٹھو میں آگیا ہوں۔ نہ لیکن آنکھ تک اُس نے اُگھاری
نہ پھر بھگوان کے کہنے سے جب وہ۔ اُٹھا حیرت ہوئی تب اُنکو بھاری
کیا مایا نے آخر کام ایسا، اُٹھالی مورتی مندر سے من کے ہے
تڑپ کر آنکھ جب کھولی تو اُس نے، درس پایا پربھو آنند گھن کے
لیا آغوش میں دھرو کو اُٹھا کر۔ محبت سے گلے اُسکو لگایا
تپسیا دیکھ کر ننھی سی جاں کی۔ نہ آنسو رُک سکا آنکھوں میں آیا
کہا شاباش ! اس بچپن میں تو نے۔ تپسیا میں ہے من ایسا لگایا
کہ تیرا تین لوکوں میں اب یش۔ رہیگا حشر تک ہر سمت چھایا
تو بنکر اوج پر روشن ستارہ، رہیگا جگمگاتا آسماں کی ہے
کرے گا دمبدم تو رہنمائی، بیاباں میں بھٹکتے کارواں کی
تیری پوجا کرینگے اندر آدی ہے، جھکا کر سیس اپنا دیو سارے
رہینگی سدھیاں اور ندھیاں سب۔ سدا کر باندھ کر تیرے دوارے
بر آئیں گی تیری سب اُمیدیں۔ سدا اشرد عائیں تو جن سے تمہارے

سپھل ہوئیں تیری سب کامنائیں، چلو درشن کرو ماتا کے جاکر
تڑپتی ہے محلوں میں جو گھل گھل تیرے غم میں سدا آٹھوں پہر
وہ نورانی چمک سے جگمگاتا۔ محلوں میں مہاراجہ کے پہنچا
شتابی کے ہوئے دکھ دور سارے، تپسوی دھرو کو جب آن بخشا ہے
مہارانی و رانی بھی ملے پر۔ ندامت سے کیا سر کو نہ اونچا
متانت سے کہا تب دھرو نے اُنسے۔ اُنہیں یوں جان کر کھویا ہوا سا
تمہیں نے تو میرا انکو کھویا، لگا دی ڈوبتی کشتی کنارے
مجھے اکیانی یہ کر، اُدیکار اتنا، کلانی ہے یہ کیا من میں تمہارے
میرے دل میں نہ کچھ باقی تمنا ہے۔ رہی ہے راج شکھ کے بھوگنے کی
نہ تخت و تاج کو میں چاہتا ہوں۔ نہیں کچھ بات دُنیاوی ہے بھاتی
محلوں میں بسے آباد آو تم ہے۔ بنے راجہ کرے سیوا پرجا کی
جہاں میں نام پائے سرخرو ہو۔ پربھو اس پہ کریں کرونا کی درشٹی
مزا جیسا کہ پایا تماکی، مجھے گودی میں جس نے ہے آیا
ملے گا سکھ نہ وہ مجھکو یہاں پر یقین کرکے ہے میں نے آزمایا
اُسی دم دیوتا لوگوں نے آکر سمن برسائے اُسپر آسماں سے
لگے گندھرب کنیر گان کرنے۔ دکھنی ویدوں نے کی اپنی زباں سے
لگیں سب رقص کرنے اپسرائیں، ہوئیں شیدا دھرو پر دل و جاں سے
جہاں تھا جو غرق فرطِ خوشی میں، نہ کچھ بھی ہل سکا اپنے سنگھاسن سے
چڑھا رتنوں کے سنگھاسن پہ آخر، وہ سارے وشنو میں سمان پائے
اُڑا آکاش میں انجم سے اوپر، لگا اپنی چمک سے جگمگانے

اتی شُبھم

تُلسی کرت رامائن (معہ دوہے چوپائیاں و ارتھ) اُردو میں۔ (باتصویر)
مضبوط جلد، سفید دیسی کاغذ، لکھائی چھپائی دیدہ زیب۔
قیمت رعایتی ۸/۸/- روپے۔ علاوہ ڈاک خرچ ۱۲/- روپے
ملنے کا پتہ:- دفتر رسالہ "اوم" بازار اجمیری گیٹ دہلی

ہر قسم کی دھارمک کتابیں منگوانے کے لئے ہمیں یاد فرماویں۔
دفتر رسالہ "اوم" بازار اجمیری گیٹ دہلی

گوسوامی تلسیداس جی

از
پنڈت ہردے نارائن جی دلگیر

زندگی میں حادثوں پہ حادثے آتے ہیں دوست
سوچ کر رکھنا قدم اس زندگی کی راہ میں
بے تکلف تجربے جب ساتھ دیتے ہی نہیں
زندگی بھی ختم ہو جاتی ہے ان کی چاہ میں

گوسوامی تلسی داس جی کا نام بھارت کے ان مایہ ناز سپوتوں میں شمار ہوتا ہے، جنہوں نے اپنی زندگیاں بھگوان کے چرنوں میں ارپن کر کے بھگتی مارگ کا پرچم بلند کیا۔ گوسوامی تلسیداس جی نے ہندی ادب کی جو خدمات کیں وہ کسی تشریح وتعارف کی محتاج نہیں ان کی بے شمار تصانیف ان کے ذوق شاعری اور پرجوش بھگتی کا پتہ دیتی ہیں خصوصاً رامائن کی تصنیف نہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام عالم میں ایک اہم پوزیشن لئے ہوئے ہے، یہ تصنیف ہندو جگت کے لئے ایک ناقابل فراموش احسان ہے جس میں بھگوان رام کے پوتر جیون چترا اور ہندو مریادا کو پوری وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اس تصنیف پر تمام ہندو ماتر عقیدت سے خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور شردھا سے سربسجود ہیں، رامائن کی اس بے مثال تصنیف نے وہ نمایاں پوزیشن حاصل کی کہ آج گھر گھر تلسی کرت رامائن کی کتھائیں سنی جاتی ہیں۔ ہندی ادب کی خدمت میں گوسوامی جی کی اعلیٰ قابلیت اور ذوق شاعری بلند مرتبہ رکھتی ہے۔ ہندو جگت میں ہر خورد وکلاں کی زبان پر تلسی داس جی کی چوپائیاں رقص کرتی نظر آتی ہیں، بھگتی کی عظمت کا جھنڈا ان کے ایک ایک نکتے میں لہراتا ہے، شری ہنومان چالیسا کی تصنیف بذات خود گوسوامی جی کی پرجوش بھگتی کی ایک زندہ مثال ہے جس کے جاپ سے آج اس کلجگ میں بھی انسان اپنی منوکامنائیں پوری کرتا ہے۔ رام بھگتی میں سنت تلسیداس جی کا اعتقاد ایک عجیب وغریب شان رکھتا ہے،

تیرے جلوؤں کو اپنے دل میں مہماں کر لیا میں نے
ہر اک داغ جگر کو مہر تاباں کر لیا میں نے
حرم اور دیر کے جھگڑوں سے فرصت مل گئی مجھکو
تصور میں طواف کوئے جاناں کر لیا میں نے
بہا کر اشک خوں اے نجم پیہم جوش وحشت میں
بیاباں کو بھی جب چاہا گلستاں کر لیا میں نے

سنت تلسیداس جی کا جنم بھی ایک گہری دلچسپی اور تعجب وسراسیمگی کا موجب ہے، کیونکہ روز پیدائش سے ہی ماں باپ نے اس کی پرورش سے انکار کر دیا بلکہ جنم دینے والی ماں کے ممتا بھرے دل نے بھی اسے اپنی آغوش مادری سے محروم کر دیا۔ اس کی پیدائش کچھ قدرت کا عجیب کرشمہ لئے ہوئے تھی،

گوسوامی تلسیداس جی کا جنم پریاگ کے نزدیک راجہ پور نامی ایک گاؤں میں پنڈت آتمارام دوبے کے ہاں ہوا، سنت جی کے روز ولادت کے متعلق مصنفین کی مختلف رائیں ہیں۔ ان کی ماتا کا نام شریمتی ہلسی تاتے ہیں۔ ان کی ولادت کا دن ساون کے مہینے میں سمت ۱۵۵۴ بکرمی کو تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ ماتا کے گربھ میں بارہ مہینے رہے پیدا ہوتے ہی تلسیداس عام بچوں کی طرح نہیں روتے بلکہ ان کی زبان سے رام نام شبد نکلا۔ تعجب کی بات ہے کہ ان کے دہن میں پیدا ہوتے ہی بتیس دانت صحیح سلامت تھے اور ان کے جسم کی لمبائی عام تولد ہونے والے بچوں سے کہیں زیادہ تھی اور یہ اپنے قد وقامت کے لحاظ سے پانچ سال کے بچے کے برابر تھے۔ اس قسم کے عجیب وغریب بچے کی پیدائش کو ماں باپ نے منحوس تصور کیا وہ ایسے نحوست خیز بچے کی پیدائش سے خائف ہو گئے۔ اس وجہ سے انہوں نے نو تولد بچے کو اپنی آغوش شفقت سے محروم کر دیا۔

اِن کی پرورش کا بوجھ چنیا نامی ایک داسی نے اُٹھایا۔ وہ اولاد نرینہ سے محروم تھی۔ ساڑھے پانچ سال متواتر چنیا نے اِن کی پرورش کی لیکن شومئی قسمت سے ملک الموت نے چنیا کو پیغام اجل دیا اور وہ اِس لاوارث بچے کو اکیلا چھوڑ کر پرلوک سدھار گئی۔ اب تلسیداس بالکل یتیم و لاچار ہو کر رہ گئے اور در در کی ٹھوکریں کھاتے اور بھیک مانگتے تھے،

قدرت کو اِن کی زندگی سے کچھ اور کام لینا تھا۔ قادرِ مطلق کا غیبی ہاتھ اِن کی امداد کے لئے آگے بڑھا۔ پربھو بھگت اور ایشور پریمی شری اننتا نند کے شاگرد شری نرہریانند نے اُنہیں اپنی گود میں لے لیا۔ اُنہوں نے سمت ۱۵۶۱ بکرمی کو تلسیداس جی کا یگیوپوِت سنسکار کیا اور رام نام کا منتر اِن کے کانوں میں پھونکا ؎

بہو مدت سنی، بہو مدت پرانی جہاں نہال جھگڑو سو
گرو کہیو رام بھجن نیکو موہی لاگت راج ڈگر سو

کچھ عرصہ کے بعد گرو سوامی جی کاشی میں آ کر مقیم ہو گئے اور پچیس سال تک اُنہوں نے ویدوں کی تعلیم حاصل کی اور تعلیم ختم ہونے کے بعد گورو سے رخصت لے کر واپس اپنی جنم بھومی کو آ گئے۔

اِن کے ماتا پتا کا دیہانت ہو چکا تھا۔ اُنہوں نے یہاں آ کر والدین کی مرتیو سُن کر اِن کا شرادھ کیا۔ اور یہیں پر رہنے لگے، کافی عرصہ کے بعد سمت ۱۵۸۶ بکرمی میں اِن کی شادی بھاردواج گوتر کی ایک خوبصورت اور سوشیل لڑکی رتناولی سے ہو گئی،

تلسیداس جی اپنی دھرم پتنی کے حسن آذر پر فریفتہ ہو گئے وہ ایک لمحہ بھی اِس کی جدائی گوارا نہ کرتے، پتنی کو بھی اِن سے دلی پریم تھا، عابد و معبود ایک روح اور دو قالب جان پڑتے تھے،

ایک دن اتفاق سے تلسیداس جی کی غیر موجودگی میں رتناولی اپنے میکے چلی گئی، شام کو تلسیداس جی جب گھر پہنچے تو رتناولی کو نہ دیکھ حواس باختہ ہو گئے۔ اِن کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی پڑوسیوں سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے میکے چلی گئی ہے۔

بس پھر کیا تھا تلسیداس جی بھی پاپیادہ آمادۂ سفر ہوئے رات کی تاریکی پھیل چکی تھی۔ شب دیجور کی سیاہ زلفوں نے اپنے دامن پھیلائے ہوئے تھے، وہ اِس اندھیری سیاہ رات میں سسرال کو چل دیئے، کافی مسافت طے کرنے کے بعد وہ مقام مقصود پر پہنچے، آدھی رات گزر چکی تھی، مکان کے سب دروازے بند تھے۔ اندر جانے کو کوئی سا دھن نظر نہ آیا۔

آخر دروازہ کھٹکھٹایا۔ کمرے میں رتناولی سوئی ہوئی تھی۔ . . . . وہ بے تاب ہو کر اُٹھی دیکھا تو پتی دیو سامنے تھے، وہ ششدر رہ گئی۔ پوچھا۔ آپ کہاں؟

تلسیداس جی عالم بیتابی میں پتنی سے لپٹ گئے ؎

رہا نہ ضبط تحمل تیرے تغافل سے۔ مگر نہ شوقِ محبت میں کی کمی ہم نے
وفا کے پھول چڑھائے رہ محبت میں، قدم قدم پہ تری یاد خوب کی ہم نے

رتناولی نے حیران ہو کر پوچھا "آپ یہاں کیسے پہنچے!"

"تلسیداس جی بولے: تیری محبت مجھے یہاں کھینچ لائی۔"

رتناولی نے تلسیداس جی کو خوب پھٹکارا اور محبت کے اندھے کی آنکھیں کھولتے ہوئے کہا: "میرے اِس ہڈی اور مانس کے بنے جسم پر عاشق ہونے کی بجائے اگر آپ نے بھگوان سے رابطہ اتحاد محبت قائم کیا ہوتا تو آپ کا بیڑا پار تھا۔"

سوشیل براہمن خاندان کی اِس پوتر و پاک دیوی نے تلسیداس جی کی کایا پلٹ دی۔ اِن الفاظ میں نہ معلوم کیا جادو بھرا تھا کہ یکایک تلسیداس جی کے خیالات میں ایک انقلاب کی لہر اُٹھی۔ اور اُنہیں قدموں وہ واپس لوٹے۔ اُنہوں نے گرہست تیاگ دیا۔ دُنیا سے موہ ممتا چھوڑ دی، صرف بھگوان رام کے پریم ساگر میں ایک ایسی ڈبکی لگائی کہ آج سنسار اِن کی عقیدت

کا شیدائی ہے۔ تلسی داس خود اپنی سوانحِ عمری میں لکھتے ہیں ؎

"ہم تو چاکھا پریم رس پتنی کے اُپدیش"

یہ سنت تلسی داس جنھوں نے اپنی زندگی کے نشیب و فراز میں کئی قسم کے اُتار چڑھاؤ دیکھے۔ ایک برہمن خاندان میں جنم لے کر غربت کی تاریک وادیوں میں ٹھوکریں کھائیں۔ ازدواجی زندگی کے لطف سے ہمکنار رہتے ہوئے بھی اس کی تلخی کا مزہ لوٹا۔ غیر تعلیم یافتہ اور بالکل گنوار ہونے ہوئے بھی سنیاسیوں اور عالم فاضل براہمنوں کی صحبت میں رہ کر اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور مختلف پرانوں کا مطالعہ کرتے ہوئے دُنیا کے سود و زیاں سے واقف ہوگئے اور سماج کی نبض پہچانی اور اپنے پربھو پریم کے رنگ میں دُنیا کو رنگ دیا۔ ؎

غمِ حیات کے ماروں نے کروٹیں بدلیں ۔ جگر خراش نظاروں نے کروٹیں بدلیں
چہار سمت صداقت کا خون جب دیکھا ۔ تو اشکبار کناروں نے کروٹیں بدلیں
دیا دلبر نے نہ انقلاب کا پیغام ۔ کہ جس کو سُن کے ہزاروں نے کروٹیں بدلیں

گوسوامی تلسی داس جی کا جنم اس زمانہ میں ہوا جب بھارت کی حالت ناگفتہ بہ تھی - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - ایسے وقت میں دیش کی جنتا کی توجہ طاقت اور جفاکشی سے ہٹ کر محض بھگوان کی شکتی اور کرم نوازی کے بھروسے پر رہ گئی، دیش میں مایوسیوں، نا اُمیدیوں اور بے کسی کے ساتھ غلامی کی آہنی زنجیریں مضبوط ہو چکی تھیں۔ دیش کے باشندے غربت، جہالت اور جملہ اقسام کی امراض میں مبتلا ہو کر آزار ہو چکے تھے۔ اس زمانہ میں فرقہ وارانہ فضا پورے زوروں پر تھی،

شرتی سمت ہری بھگتی پتھ سنجوت برتی ووبیک
ہتی پری ہری وموہ بس کلپ ہیں پنتھ انیک
آشرم ورن دھرم ورہت جگ لوک دید مریاد گئی ہے
پرجا پتت پاکھنڈ پا پرت اپنے اپنے رنگ رہ گئی ہے

دیش میں اس وقت ایسے مہاتما پُرش بھی تھے جو ایشور بھگت اور خدمتِ خلق کے حامی تھے۔ ان میں خودداری کا جذبہ نمایاں تھا۔ کیونکہ جہالت اور غربت کی بے پناہ ٹھوکروں سے ایسے مہاپُرشوں میں جاگرتی آچکی تھی، لیکن ساتھ ہی دکھ اس امر کا تھا کہ ادھیاتمک سادھنا سے دُور کئی چند ایک مغرور اور متعصب لوگ براہمنوں کی برابری کا دعویٰ کرتے تھے۔ ان کا مقولہ تھا ؎

بادہیں شودر دویجن سن ہم تم تے کچھو گھاٹی
جانہیں برہم سو بپروَر آنکھ دکھاویں ڈانٹی

ان دنوں گیانیوں اور پنڈتوں کا سماج کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔ تمام ملک بھر میں بے اتفاقی، نفرت اور باہمی بدگمانی کی ہوا پھیل رہی تھی۔ لوگوں کے چال چلن اور اخلاق میں کمزوری آچکی تھی، اس زمانہ میں کسی ایسے آدمی کی ضرورت تھی، جو باہمی منافرت کو یک جہتی کی مالا میں پرو سکے تو قدرت نے دیش کی اس حالت کو سدھارنے کے لئے گوسوامی تلسی داس جی کو جنم دیا اور اس کام کا بوجھ ان کے مضبوط کندھوں پر چھوڑا جسے گوسوامی جی نے بوجہ احسن نبھایا ؎

خدمتِ خلق خدا سے بھی ملا دیتی ہے ۔ ہے عرفاں سے سرشار بنا دیتی ہے
خدمتِ خلق سے تلسی نے وہ پائی عزت ۔ ساری دُنیا میں مسلّم ہوئی اسکی عظمت

گوسوامی جی کو شاستروں کے مطالعہ کرنے اور ان کے گیان حاصل کرنے میں پوری کامیابی ہوئی، "رام چرت مانس" (رامائین) کی تصنیف اس بات کی مکمل شہادت ہے کہ انہوں نے اپنے قلم کے زور سے دیش کی جہالت اور اگیانتا کا اندھکار ہٹا دیا۔ انہوں نے بھگتی اور گیان، نرگن اور سگن، برہمن اور چنڈال اور کتھا اور تتو گیان کے امتیاز کو اس رامائین کی تصنیف میں واضح طور پر سمجھایا، اس تصنیف سے گوسوامی جی نے بھگوان کے سروپ کا صحیح عکس کر بیان کرتے ہوئے انسانی فرائض کی خوب تشریح کی، انہوں نے اپنی اس بے نظیر اور بلند پایہ تصنیف کی چھاپ راجہ، بھکاری امیر، غریب، بیوقوف، دانشمند، گنوار اور عالم فاضل کے دل و دماغ میں لگا دی،

ہندو خواہ کسی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو، کسی مذہب میں بھی اس کا اعتقاد ہو وہ رامائین کی چوپائیوں میں بھگوان رام کو ہر جگہ اور ہر شکل میں دیکھتا ہے، مصیبت ہو یا آسائش، دولت مندی ہو یا غریبی، دُکھ ہو یا سُکھ، جنگل ہو یا آبادی، میدان جنگ ہو یا کسی تحریک کا آغاز ہو ہر شعبہ میں ہندو بھگوان رام کا جلوہ دیکھتا ہے

گوسوامی جی کے ایک ایک لفظ میں قدرت کی وہ کشش نمایاں ہے جس کے چھونے سے زندگی میں ایک نیا لطف محسوس ہوتا ہے ان کے کلام کے تاثرات سے آج بھی ہندو جگت موقعہ کے مطابق بھگوان رام کے سنہری چرتر اور مہارانی سیتا کی پاکدامنی کی رنگین تصاویر میں منہمک ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، رامائین کے ایک بار کے مطالعہ سے ہر انسان کے دل میں گوسوامی جی کے لئے پوری شردھا اور عزت کی بھاونا پیدا ہوتی ہے اور ساتھ ہی بھگوان کے شیل کیریکٹر پر وشواس رکھتے ہوئے مشکلات میں حوصلہ افزائی کی لہر دوڑتی ہے ایک ظالم دل ایک ناستک قلب گوسوامی جی کے کلام کے تاثرات سے رحم اور عقیدت سے بھر جاتا ہے، اس میں نفرت بغض وحسد اور کینہ پروری کا جذبہ عنقا ہو جاتا ہے، غرضیکہ ہر انسان کو رامائین کے مطالعہ سے انسانی زندگی کی عظمت کا احساس ہونے لگتا ہے،

گوسوامی جی کی زندگی پر طائرانہ نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کس شخصیت کے مالک تھے، اتنے قابل ساہتیہ کار ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اپنے متعلق کبھی خوشنا خاتی سے بھرے الفاظ استعمال نہیں کئے بلکہ وہ اپنے آپ کو ہمیشہ حقیر اور ناچیز ہی تصور کرتے رہے انہوں نے خود اپنے بارے میں لکھا ہے سے

کوی نہ ہوں نہیں چتر پردینا - سکل کلا سب ودیا ہینا
کوت وویک ایک نہیں مورے - ستیہ کہوں لکھی کاگد کورے
جوں اپنے اوگن سب کہیوں - باڑھی کتھا پار نہیں لہیوں

سنت تلسیداس جی کو کسی سے مخالفت نہ تھی، ظالم سے ظالم، کرودھی سے کرودھی انسان کو بھی وہ گلے سے لگا لیتے تھے انہوں نے اپنی زندگی بھر میں کسی سے بدلہ لینے کی آرزو نہیں کی اور نہ ہی کسی کو پریشان کرنے کی کوشش کی، انہیں اگر نفرت تھی تو دھوکہ اور فریب سے تھی. صداقت اور انصاف کے حامی تھے، وہ بُروں کو بھی اپنا رفیق سمجھتے، انہوں نے خود لکھا ہے سے

سدھا سُر اسم ساد ھو ساد ھو - جنک ایک جگ جلدھی اگدھ جھو

وہ ڈھونگ رچنے والوں، اور بنے ٹھنے باتوں پر اعتبار نہیں کرتے تھے۔ وہ حق اور ناحق کا امتیاز جانتے تھے، ایک بار انہوں نے کسی سادھو کو "الکھ الکھ" کی پکار کرتے سنا تو بولے سے

"تلسی الکھ ہی کا لکھے رام نام جپ نیچ"

بھگوان رام سے انہیں پوری شردھا تھی، سوائے رام نام کے ان کی زبان سے اور کوئی شبد نہ نکلتا۔ ایک بار وہ متھرا میں گئے اور بانکے بہاری کے مندر میں زیارت کی، مندر میں ایک طلائی سنگھاسن پر بھگوان کرشن کی مورتی دیکھی، مورتی بہت آراستہ و پیراستہ تھی، مندر کی شوبھا اس مورتی سے دوبالا ہو رہی تھی، تلسیداس جی نے مورتی دیکھی تو عش عش کر اٹھے، لیکن مورتی کے آگے سر نہیں جھکایا، وہ ایک ٹک بھگوان کا جلوہ دیکھتے رہے۔ لیکن ان کا سر بھگوان کرشن کے آگے نہ جھکا، کیونکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ اگر یہ مورتی رام کے روپ میں بدل جائے تو عقیدت سے سر جھکاؤں۔ اس پر وہ بولے سے

دیکھی چھبی بھگوان کی بھلے بنے ہو ناتھ
تلسی مستک تب نے دھنش بان ہو ہاتھ

اتنی ہی دیر میں بھگوان کرشن کی مورتی رام کی مورتی میں بدل گئی، منوہر بنسری کی بجائے بھگوان کے کندھے پر دھنش بان نے جگہ لے لی، گوسوامی جی کی اس اگادھ شردھا پر لوگ محو حیرت ہو گئے، ان کی نگاہوں میں وہ جذبات بسیو تھے جو دھرم اور بھگتی کو مضبوط نہیں بناتے، گوسوامی جی کا کیریکٹر براہمن جگن کے لئے ایک آدرش ہے، وہ رام بھگتی میں مکمل طور منہمک ہو چکے تھے، وہ بھگتی ضرور کرتے تھے لیکن خوشامد سے کوسوں دور تھے، وہ سمجھتے تھے، کہ بھگتی سے مراد خوشامد نہیں ہے، خوشامد کرنے سے بھگوتی سرسوتی کا گلا گھٹتا ہے، وہ ایسا کرنا نہیں چاہتے تھے سے

کیہنے پراکرت جن گن گانا - سر دھنی گرا لاگی پچھتانا

سنت تلسیداس جی کی زندگی میں مریادا کا احساس ملتا ہے رام کے ساتھ ان کا گہرا سمبندھ تھا پھر بھی وہ ان سے بڑے ادب و احترام سے گفتگو کرتے تھے۔ انہوں نے بھگوان رام سے کلجگ کی برائیوں سے حفاظت کی مانگ کی۔ ان کی شبھ کامناؤں میں سنسار کا کلیان ہے انہوں نے کھلے دربار اور بھرے سنسار میں رام کے وِرش کے تلسی داس جی نے اپنی "ونے پتر کا" لچھمن کے ذریعے بھگوان رام سے منظور کرائی اور گوسوامی جی خوف دہراس سے نجات پا گئے کہتے ہیں کہ سمت ۱۶۸۰ بکرمی میں سنت تلسیداس جی سورگ سدھار گئے

ان کے متعلق ایک دوہا مشہور ہے ؎

سمت سولہ سو اسی۔ اسی گنگ کے تیر
ساون شکلا تیج شنی تلسی تجیو شریر

وہ براہمن جگت کی شہرت کے مینار تھے۔ انہوں نے صحیح معنوں میں براہمنوں کی راہنمائی کی تلسی جینتی کا تہوار ہر برہمن کو فرائض منصبی کا پیغام دیتا ہے۔ ان کی پاکیزہ زندگی براہمنوں کا آدرش ہونا چاہئے ؛

سنت نابھاجی !

"بھگتی دہرم اور پریم میں جیون کا ہے سار"

از قلم شری گوبند رام جی ٭ ٭ ٭

نابھاجی ہنومان بنس میں تھے یہ قوم پورب میں دہرم کار بھی کہلاتی ہے۔ اور اُن کو کوئی نہیں چھوتا جب آدمی مرجاتے ہیں۔ یہ اُن کے جلانے کے لئے آگ دیا کرتے ہیں۔ یہ اُن کا کام ہے،

نابھاجی اندھے تھے ملک میں قحط پڑا اُن کا باپ بچپن کے زمانہ میں بھیک مانگنے کے لئے نکلا تھا۔ راہ میں مرگیا، ماں نے بے دردی سے اُن کو ناکارہ سمجھ کر جنگل میں ڈال دیا، عمر زیادہ نہیں تھی، مگر یہ صاحب کمال شخص کسی خاص مشن کے لئے قدرت کی طرف سے مامور ہوا تھا بے کسی کی حالت میں ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ مالک کو اُس کی حفاظت اور سلامتی منظور تھی، . . . . سادھوؤں کا اُدھر سے گزر ہوا۔ اُس کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔ تو کون ہے ؟ انہوں نے کہا تم کیا پوچھتے ہو اگر شریر کی نسبت تمہارا سوال ہے۔ تو وہ چھن بھنگر ہے، آج ہے کل نہ ہوگا وہ پانچ تتوں کا بنا ہے، جب بگڑے گا۔ تتو اپنے اپنے بھنڈاروں میں جائیں گے اُس کی نسبت میں کیا جواب دوں۔ اور اگر آتما کی نسبت سوال ہے تو اُس کی ذات پات نہیں ہے نہ اُس میں نام اور روپ ہے یہاں بھی تمہارے سوال کا کیا جواب دیا جائے سادھو اس جواب کو سنکر حیران ہوگئے۔ سمجھے کوئی بہت بڑا سنسکاری جیو ہے،

لوگوں سے اُس کی قومیت کا حال دریافت کیا معلوم ہوا یہ قوم کا ڈوم ہے، مگر یہ ولشنو جماعت تھے، رامانند اور کبیر کے تصوف کی لہریں ملک میں ہر جگہ زور وشور سے پھیل رہی تھیں، یہ اُن کے زیر اثر تھے، لڑکے کو اپنے ساتھ لیا، غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس کی آنکھوں کے پوٹے ملے ہوئے ہیں۔ اگر ان کو شگاف دیا جائے تو کیا عجب یہ دیکھنے لگ جائے، چنانچہ آنکھیں کھول دی گئیں، آنکھوں میں پانی چھڑکا گیا، وہ دیکھنے لگے اور آہستہ آہستہ قوت بصارت جو دبی پڑی تھی، عود کر آئی یہ اُن کو اپنے ساتھ لائے۔ اور اُن کو گو چیلا تو بنا لیا، مگر گلتاجی واقع امبر میں جو جے پور کے علاقہ میں ہے مندر کے باہر جھاڑو دینے کا کام سپرد کر دیا۔ اور نارائنا اُس نام رکھا۔ اور وشنوؤں کے جھوٹے تل کی بچی کھچی ہوئی خورش اُن کو کھانے کے لئے ملنے لگی، نابھاجی قسمت پر راضی ہو گئے۔ اور وہاں رہ کر فقیروں کی خدمت کرتے، جھاڑو لگاتے اور سنتوں کے سیوت پرشاد پر قانع ہوکر زندگی بسر کرتے اس طرح اُن کو ست سنگ کا بھی موقع مل گیا۔ اور بھگتی کے سنسکار پیدا ہونے لگے،

ایک دن کا ذکر ہے، یہ مندر کے باہر جھاڑو دے رہے تھے۔ اگرداس جی چبوترہ پر بیٹھے ہوئے دھیان میں تھے اُن کو یہ

معلوم ہوا کہ ان کے کسی شاگرد پر آفت آئی ہے۔ اور اُس کی کشتی دریا میں ڈوب رہی ہے۔ اُن کو دل ہی دل میں دکھ ہوا۔ اسیوقت نابھاجی بول اٹھے، مہاراج! آپ ایشور کا دھیان کیجئے کشتی بچ نکلی، ڈوبی نہیں، مالک نے خیر کی۔ اُس کے ڈوبنے کا خوف نہیں رہا یہ سنکر اگرداس جی کی آنکھیں کھل گئیں۔

کوئی اس قسم کے واقعہ کو غلط نہ سمجھے جیسے خواب کی باتیں کبھی کبھی صحیح ثابت ہوتی ہیں، ویسے ہی دھیان کے وقت بھی اکثر زندگی کے واقعات کا من پر صحیح عکس پڑ جاتا ہے، جو دل کے صاف ہیں، اور جن کے من کا آئینہ شدھ ہے، وہ اُن کو اچھی طرح انبھو کر سکتے ہیں، آتم ودیا کے جاننے والے اس کو بعید از قیاس نہیں جانتے ایسے واقعات معمولی آدمیوں پر بھی گزرتے رہتے ہیں، مہان آتماؤں کا تو کہنا ہی کیا ہے، اور یہ دنیا کی تمام قوموں میں عام ہیں جو تصوف کی دولت سے محروم ہیں۔ وہ ان کو غلط سمجھتے ہیں مگر یہ اُن کی عقل و ذہنی طاقت کا قصور ہے، لوگی کی دیبہ شکتی سب کوئی جانتا ہے اور اس لئے اس پر زیادہ بحث کرنا فضول ہے۔

اگرداس متحیر ہوئے، اور دل میں خوش ہو کر کہنے لگے ابیٹے تیرے اندر کی آنکھیں کھل گئیں، جا اب جھاڑو دینے کے کام سے اب تم کو آزاد کیا، اور اس وقت سے عام فقیروں کی طرح اُن کے ساتھ سلوک ہونے لگا،

رفتہ رفتہ نابھاجی کی حالت بدل گئی۔ تصوف کا رنگ اس قدر گہرا چڑھا کہ بیان سے باہر ہے۔ اور ہنومان بنس کا لڑکا اب عزت اور ستکار کا پاتر بن گیا۔

ست سنگ میں مدتیں گزر گئیں، نابھاجی کو بھگتوں کی کہانیاں سننے سنانے کا بڑا شوق تھا چونکہ گمتا جی میں اُنہوں نے لکھ پڑھ لیا تھا۔ اور رامانند کی سمپردا کی وجہ سے ذات پات کی جڑ کٹ گئی تھی۔ اور کبیر صاحب کے گھنگھور شبد کی صدائیں ہر جگہ گونج رہی تھیں۔ یہ بھجن وغیرہ بھی کہنے لگے، اور جس وقت اپنے بھجن گانے لگتے۔ ایک سماں بندھ جاتا تھا گورو نے یہ حالت دیکھی خوش ہو کر کہنے لگے۔ نرائین داس کیا ہی اچھا ہوتا اگر تم بھگتوں کے چرتر گا کر سناتے۔ نابھاجی بولے پربھو بھگتوں کی مہما اور شیش بھی بیان نہیں کر سکتے، میری کیا طاقت ہے جو جرأت کروں، گورو نے کہا مالک تمہاری مدد کرے گا۔ اور تم اپنے دیو چکھشو سے آکاش منڈل میں بھگتوں کے چرتر کے نقشہ دیکھو گے جگت کے آدھار کے لئے سنسار کے اُپکار کے لئے اور بھگت جنوں کی بھگتی بھاؤ کے آئین کرنے کے لئے اس کام کو ہاتھ میں لو۔ تم سے بہتر اور کوئی آدمی اس کام کے قابل نظر نہیں آتا۔ نابھاجی نے گورو کو نمسکار کیا اور یہ مشکل کام اپنے ذمہ لیا۔

نابھاجی ہندی بھاشا کے عالم تھے، کبیر صاحب کے کلام بالخصوص اُن کی زبان پر چڑھ رہے تھے، مگر جہاں کبیر صاحب کی زبان عام فہم اور دیہاتیوں کی بولی میں تھی، اُن کا کلام شستہ، پاکیزہ اور ذرا مشکل تھا۔ اور انہوں نے محنت شاقہ کر کے اس کو کر ہی لیا۔ کتاب بن کر تیار ہو گئی۔ اور انہوں نے گورو کو دی کی، جس نے سنا تعریف کی واہ واہ کی صدا بلند کی۔ اور کتاب بھگت مال کے نام سے مشہور ہوئی،

جب کتاب تمام و کمال ختم ہو گئی۔ اُس وقت نابھا جی اپنے گورو کے ساتھ بنارس میں آئے وہاں کئی جگہ بھگت مال کی کتھا سنائی گئی، جنہوں نے سنا عش عش کر گئے، پھر یہ صلاح ٹھہری کہ تمام ویشنو سادھوؤں کو اکٹھا کر کے اُن سے اُس کے مکمل کرنے کی رائے لی جائے اس ارادہ سے سادھوؤں کا بھنڈارا کیا۔ اور سب کو نوید دے کر بلایا گیا، سب نے آنا منظور کیا مگر سوامی تلسیداس جی نوید پا کر ہنسنے کہنے لگے ڈوم کے بھنڈارے میں کیسے جاؤں۔ یہ خبر نابھاجی کو ملی،

بھنڈارہ کا وقت آ گیا، ویشنوؤں میں بالخصوص جو رامانند اور کبیر صاحب کے پنتھیوں میں تھے، ذات پات کا اتنا خیال نہیں کیا جاتا، جوق در جوق سادھو شریک ہونے کے لئے آئے جب گوسوامی تلسیداس جی نے دیکھا کہ سب بھنڈارے میں جا رہے ہیں۔ اُن کو غیرت آئی سوچنے لگے بھگتی مارگ میں ذات کا ابھمان بُرا ہے۔ میں بڑا نالائق ہوں، جو سخت کلامی کر کے نہیں گیا، دل میں شرمندہ ہو کر سب کے پیچھے یہ بھی پہنچے سادھو پنگت میں بیٹھ چکے تھے جگہ نہیں رہی تھی، یہ وہاں بیٹھے جہاں جوتے

اُناد دے گئے تھے۔ روٹی تو ہاتھ میں لے لی، دال کے لئے برتن یا دونا نہیں تھا۔ نابھاجی کا جوتا پڑا تھا۔ اُس میں دال لے لی، جب کھانے کا وقت آیا، اور سب نے لکشمی نارائن کہا، گوسوامی جی نے جوتے میں کھانا چاہا۔ کہتے ہیں دو لقمے کھا لئے ابھی تنیر الفمہ عنہ کی طرف لے جا رہے تھے، کہ نابھاجی کی نگاہ پڑ گئی۔ ہاتھ پکڑ لیا، تلسی تم دھنیہ ہو، بس ساری بھگتی تم کو ہی لینی چاہئے، اوروں کے لئے بھی کچھ چھوڑ دو، تلسی داس جی کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، سیر نیچے تھا۔

خیر بھنڈارہ ہو گیا، بھگتوں نے بھگت مال کی کتھا سنی کچھ کمی بیشی کی گئی۔ اور دیکھو نابھاجی نے تلسی داس کو اس مالا کا سومیر بنا دیا۔ اور اُن کی بھگتی بھاؤ کی ایک دُنیا قائل ہے۔

بھگت مال نابھاجی کی زندگی میں ہی مقبول عام ہو چکی تھی سینکڑوں برس اُس کا چرچا رہا۔ کروڑوں پُرش اُس کی برکت سے بھوساگر تر گئے۔ اس زمانہ میں اُن کی شاعری کم آدمیوں کی سمجھ میں آتی ہے۔ اس حالت کو دیکھ کر سوامی پریا داس جی نے اس کی شرح لکھی اس کی شرح بعد میں لالہ لعل جی داس کائستھ نے ۱۲۵۸ ہجری میں کی، ترجمہ صاف اور واضح ہے، تنیسرا ترجمہ لالہ گمانی لال جی کائستھ ساکن رہتک نے ۱۸۹۸ء میں ختم کیا۔ اور ایک آدھ صاحب نے بھی فارسی اور اُردو میں کچھ کچھ لکھا، آخری مرتبہ لالہ تلسیداس صاحب اگروال نے اس کو مکمل حالت میں ترتیب دی۔ اور وہ کثرت سے پڑھی جاتی ہے،

نابھاجی کی شاعری بڑی میٹھی اور سُریلی ہے، بھگت مال کے چھند کے نمونے تو یہاں میں نہیں دیتا اُن کی کتاب موجود ہے لوگ خرید کر پڑھ لیں۔ اُن کے خیالات کے تصوّف کی جھلک دکھانے کے لئے ایک شبد یہاں نقل کئے دیتا ہوں،

نابھا نیچ کھیلا، کنول کیل سُریلا

درین نین سین من، مانجا، لاجا الکھ اکیلا، تل بہ دل، دل اوپر وامتی جوت میں ہوا جیلا
اندا یار سا لکھ سُرت، بنی، بنسن بسہیلا، چڑھ گئی جاتے دھاگے گڑھ اور شبد سُرت بھیا میلا
یہ سب کھیل ایل ایلا، ستیہ ہنڈ میلا، جل جل دھار سادہ جیسے نہیں گورو نہیں چیلا

پرم سنت شری سوامی گوبند آنند جی مہاراج

از
مہاتما دولت رام جی

ان بڑے پنجاب کے اُس حصہ میں جو کہ آج کل پاکستان میں مغربی پنجاب کے نام سے موسوم ہے، ضلع گوجرانوالہ کی تحصیل حافظ آباد کے قصبہ "رام پور تارڑ" میں ایک شدھ اور بھگوت پریمی معزز گھرانے کے رکن لالہ سنجر چندجی کے گھر میں بسیاکھ سمت ۱۹۲۰ یعنی اپریل ۱۸۶۳ء میں ایک دشیش وبھوتی سمپن پوتر آتما نے جنم دھارن کیا، گھر میں اس نوزائیدہ بچے کی آمد سے ہر طرف چہل پہل اور خوشی اور آنند کے ترانے بجنے لگے، نزدیک و دور کے لوگ اس کے پتا کو مبارک اور ودھائیاں دینے لگے، لوگوں میں شیرینی اور محتاجوں کے لئے خیرات کے دروازے کھول دیئے گئے، غریب اور امیر ہر گھر میں بچے کے پیدا ہونے پر خوشی منائی ہی جاتی ہے اور ہر ایک اپنی توفیق کے مطابق محتاجوں کو خیرات بھی دیا ہی کرتا ہے، مگر اس الوکک بچے کی پیدائش پر کچھ آنند کا اور ہی سماں بندھ رہا تھا اور اس خوشی کے ساتھ ساتھ کچھ مانسک شانتی اور روحانی سرور بھی لہریں مار رہا تھا۔

ان کی سوبھاگیہ وتی پوجیہ ماتا جی اور پوجیہ پتا لالہ سنجر چند جی کے آنند کی تو سیما ہی نہ پائی جاتی تھی۔ اگرچہ ان سے پیشتر پربھو نے ایک بالک بھی دے رکھا تھا جو کہ اب پانچ برس کا ہو چکا تھا۔ اور کافی ذہین اور ہوشیار تھا مگر ایک ہی ماں کی پوتر کوکھ سے جنم لے کر اس بالک نے دنیا میں کچھ اور ہی پارٹ ادا کرنا تھا جو کہ کسی دوسرے کے حصہ میں نہ تھا۔ یہ بھائی عمر میں گو چھوٹا کہا جائے گا، مگر ان کے آدرش جیون نے اُن کو اس بڑے بھائی ہی نہیں سبھی بزرگوں کا پوجیہ بنا دیا، چنانچہ ان کے بڑے بزرگ اور بھائی اگلی عمر میں پہنچ کر ان کے برابر بھی کبھی نہیں بیٹھے۔ اونچے آسن پر بیٹھنا تو کجا۔ ان کو اوپر اور اونچی جگہ پر آسن دے کر خود نیچے بیٹھتے

میں اپنا ستکار اور فخر سمجھتے تھے۔ اور ان کا نام تھا لالہ گنڈارام جو کہ بعد میں محکمہ تعلیم میں مدرس اور ساتھ ہی ساتھ اعلیٰ پایہ کے یونانی حکیم بھی ہوتے اور دور دور تک ان کی مشہوری ہو رہی تھی۔

بعد میں ان کی تین ہمشیرہ اور ۲ بھائی بھی پیدا ہوئے جن میں ایک بھائی لالہ ٹھاکر داس اور دوسرے لالہ بھگوان داس جو سب سے چھوٹے تھے اب بھی زندہ ہیں جو راقم کے پوجیہ پتا ہیں اور ایک ہمشیرہ کرم دیوی بھی موجود ہیں جو اب بہت بردھ ہو چکی ہیں۔ لالہ بھگوان داس جموں میں اور ہمشیرہ گوجرہ ہر سہائے ضلع فیروزپور میں موجود ہیں جن کے بیٹے سردار مان سنگھ اب وہاں ڈاکٹری کا کام کرتے ہیں۔ لالہ ٹھاکر داس کے فرزند لالہ رام سرن داس سونی پت میں موجود ہیں۔

ابھی یہ نوزائیدہ بچہ جس کا نام "گورو داس" رکھا گیا تھا گھر میں کھیلتا ہی تھا کہ ان کے مستک کے نور اور چہرے کو دیکھ کر پڑوس کی عورتیں خاص طور پر اسے دیکھنے آتیں اور ان کے درشن سے سرور محسوس کرتیں اور فرطِ محبت سے انہیں اٹھا کر پیار کرنے لگتیں اور انہیں یہ بھول جاتا کہ ان کا اپنا بچہ گھر میں بھوک سے بلبلا رہا ہے اور کسی تکلیف میں مبتلا ہے، بہرحال وہ ان کے ہر روز درشن کر کے پھر گھر میں جا کر کام کیا کرتیں اور اگر کسی وجہ سے صبح نہ آسکتیں تو دن میں کسی وقت بھی اُن کے درشن کو ضرور پہنچتیں۔

ان کے پتا جی یا ماتا جی قصبہ کے گوردوارہ یا مندر میں صبح جب جاتے تو ان کو ساتھ لے جایا کرتے، وہاں یہ بچہ بھی اُن کے ساتھ بیٹھ کر خوب ہمہ تن گوش ہو کر گرنتھ صاحب



Shri 108 Swami Gobind Anand ji Maharaj.

کا پاٹھ سُنتا۔ اور جب کسی مہاتما کی سنگت میں ماتا پتا جاتے تو بھی اُنہیں ساتھ لے جاتے اور یہ بچہ وہاں منگسمر کی مورتی کی طرح شانتی سے اُن کے اُپدیشوں کو سُنا کرتا، چنانچہ اِن کے یہ اطوار دیکھ کر مہاتما لوگ کہتے کہ یہ بالک خاص رُوحانی پوزیشن کا مالک بنے گا اور سنسار کا اُدھار کرے گا۔

اب یہ بچہ چار سال کا ہوگیا، سنتوں کے اُپدیش ابھی ہی اِس کے ہردے میں اُترنے لگے۔ ویدانت کے سدھانت کے بیج جو کہ جنمانتر سے لے کر آیا تھا۔ وہ اب پھوٹنے لگے، چنانچہ مہاتماؤں نے ایک دفعہ ان سے پوچھا بتاؤ تم کون ہو؟ تو اِس بھولے بچے نے جواب دیا کہ "میں رَبّ ہوں"۔ اب اِس دن سے اُن کو "پرملیشور جی" "رب جی" کے نام سے پکارا جانے لگا، جب گوردواس آٹھ برس کے ہوئے تو اُس وقت ویدانت کی تعلیم بذریعہ اُپدیش زبانی و بذریعہ پُستک ہائے دینی شروع کر دی جس میں اِن کی نہایت رغبت اور توجہ دیکھ کر مہاتماؤں نے بھی اِس کھیتی کو پانی دینا شروع کر دیا۔

چنانچہ مہاتما سنت رام سنگھ جی نرملے مہاتماؤں نے انہیں پہلے پہل ویدانت کی تعلیم باقاعدہ طور پر گرنتھوں اور زبانی اُپدیشوں کے ذریعہ دینی شروع کی۔ اب یہ مہاتماؤں کی سبھا میں "پرمیشور" اور "رب" کے نام سے پکارا جانے لگے۔

مگر ویدانت کی تعلیم اُن مہاتماؤں کے چلے جانے سے رُکی نہیں اور پندرہ سال کی عمر میں مہاتما سنت سردول سنگھ جی نے اُن کو ویدانت پرکریا کے کئی گرنتھ اور ویدانت سدھانت کا باقاعدہ عملی اُپدیش۔ سنت مذکور اِن کو کچھ عرصہ تک وہاں رہ کر ہی دینے لگے۔ اور اِن کی سیوا میں بھی گوردواس جی اور اِن کے والدین نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور اُن دودھ بستر اور دیگر ضروریات بلاناغہ مناسب وقت پر پہنچاتے اور ہر طرح کی دیگر سیوا کا بھی خیال رکھتے اور کبھی کسی طرح اُن کو تکلیف نہ ہونے دیتے۔ سیوا کرنے میں یہ اسم بامسمّیٰ گوردواس تھے اِن کو اِس چھوٹی عمر میں ہی اِن انوبھوی مہاتماؤں کے ذریعہ شری گورو گرنتھ صاحب کو ارتھ سہت روزانہ پاٹھ کرنے کا سوبھاؤ

ہو گیا۔ بلکہ سکھمنی صاحب اور کیرتن سوہلا کا روزانہ زبانی پاٹھ بھی ہر فرصت میں چلتا رہتا۔ اور ساتھ ہی ساتھ سہسر نام اور مہما سنوتر کا سنسکرت پاٹھ بھی بلاناغہ ہوا کرتا۔ اور پرانوں کے ذریعہ سوہنگ کا اجپا جاپ کرنے کا اِن کو خاص ابھیاس ہو گیا۔ اور بلا یتن ہوتا رہتا۔ یعنی اِن کے جیون کا ایک خاص انگ بن گیا۔

اب اِن کی عمر بارہ سال سے کچھ اوپر ہو چکی تھی۔ اور اِس وقت تک اپنے گاؤں کے مدرسہ میں اردو فارسی کی تعلیم میں کافی دسترس حاصل کر چکے تھے۔ اور گورمکھی اور ہندی میں آپ کو خاطر خواہ ابھیاس تھا۔ اور جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے، وشنو سہسر نام اور مہما سنوتر کے پاٹھ میں آپ کا خود بخود چت لگتا تھا۔ اور کچھ پُستکیں ہندی اور فارسی اردو میں ویدانت میں مہاتما سردول سنگھ جی کے دوارا آپ دیکھ چکے تھے اور آپ کو اب ویدانت پرکریا پر کافی عبور حاصل تھا۔ اِس وقت اُن کی آیو پندرہ برس کے لگ بھگ ہو گی۔ آپ کے والدین نے زمانہ کے رواج کے مطابق بالکل چھوٹی عمر میں ہی اِن کی سگائی کر دی تھی اور اب نوجوانی آنے پر آپ کو شادی کرنے کے لئے مجبور کیا جانے لگا۔ کیونکہ لڑکی والے اب لڑکی کو جوان ہوتا دیکھ کر زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مگر آپ نے شادی سے صاف انکار کر دیا۔ بلکہ اِن کا وِرودھ کرنے کے لئے بطور پروٹسٹ گھر سے بھاگ کھڑے ہوئے اور عام لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ گوردواس سادھو ہو کر چلا گیا ہے۔ مگر آپ مہاتما سردول سنگھ جی کی شرن میں پہنچے، اور اُنہوں نے اِن کو اپنے آشرم میں کئی دن تک چھپا رکھا اور آٹھ دن تک کی متواتر تلاش کے بعد جب اِن کے والدین نے مہاتما جی مذکور سے پرتگیا کی کہ وہ اِن کی خلاف مرضی کوئی قدم نہیں اُٹھائیں گے تو اُن کو مہاتما جی نے ماتا پتا کے سپرد کر دیا اور اُنہوں نے جا کر لڑکی والوں کے گھر صاف صاف کہدیا کہ وہ شادی نہیں کرنا چاہتے لہذا لڑکی کی شادی کسی دوسری جگہ کر دی گئی اور والدین نے اِن کو لاہور میں اِن کے بھائی کے پاس ... بھیج دیا جو کہ اِس وقت نارمل ٹریننگ کے لئے وہاں نواس کر رہے تھے،

بعدازاں آپ کو جموں میں اپنے چچا لالہ امیر چند جی کے پاس بھیج دیا گیا جو کہ ایک اچھے کاروباری تاجر تھے، اور جن کا کاروبار جموں اور کشمیر میں راجوں اور جاگیرداروں کے ساتھ تھا،

جموں میں آپ کو مزید تعلیم دلانے کے لئے سکول میں داخل کرانے کے لئے چچا صاحب لے گئے مگر چونکہ ابتدائی سکول سے زیادہ واقفیت رکھنے کے سبب مڈل سکول میں بعد امتحان و پڑتال داخل کئے گئے، امتحان میں گلستان اور بوستان فارسی اور ریاضی کے تحریری دقیق سوالات پوچھے گئے جو انہوں نے گلستان کے مختلف اشعار کی تشریح کے ساتھ اور ریاضی کے جملہ سوالوں کے صحیح حل کے ساتھ پاس کیا۔ چنانچہ ہیڈ خلیفہ صاحب نے جسے آج کل ہیڈ ماسٹر کہا جاتا ہے ان کو اپنی اعلیٰ ترین کلاس میں داخل کر کے کلاس میں خصوصی عزت افزائی کی اور جماعت میں نائب خلیفہ کا کام چلانے کے لئے مانیٹر کی شکل میں مقرر ہوئے۔ بلکہ اپنے ہیڈ خلیفہ صاحب کے رخصت پر جانے کے بعد باقاعدہ اُن کی جگہ کام کرتے رہے، دریں اثنا سری مہاراجہ رنبیر سنگھ جی آنجہانی سکول کا معائنہ کرنے کے لئے تشریف لائے اور آپ کو اور آپ کے ایک ساتھی کو بہترین طالب علم سمجھ کر دفتر حاکم اعلیٰ صاحب میں برائے ٹریننگ بھیج دیا، اور کچھ عرصہ کے بعد ہی ان کو سرکاری نوکری میں لے لیا گیا۔ چنانچہ کسٹم محکمہ تجارت وغیرہ میں آپ نے میرپور بھمبر وغیرہ میں نہایت ایمانداری اور جانفشانی سے منصبی کام کو سرانجام دیا۔

مگر اب پھر والدین نے ان کو باروزگار دیکھ کر دوبارہ شادی کے لئے مجبور کر دیا اور ۲۰ سال کی عمر میں آپ کی شادی کسی اور جگہ ہوگئی۔

گرہست:۔ ان کی شادی سمت ۱۹۲۴ء بکرمی ماہ ساون میں ہوئی اور دوران گرہست میں آپ نہایت سنیم اور ویراگ سے رہا کرتے تھے۔ ان کے ہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکا چھوٹی عمر میں ہی سورگباش ہوگیا اور لڑکی کی کم عمری میں ہی ان کی دھرم پتنی کا دیہانت صرف ۹ سالہ گرہستی رہنے کے بعد ہوگیا، لڑکی کو اس کی نانی برائے پرورش اپنے ہمراہ لے گئی اور اس نے ان کی ویرکتی (ویراگ) کی اوستھا دیکھ کر اس لڑکی کے ناطہ شادی وغیرہ کا سارا بوجھ اپنے کندھوں پر لیا۔ مگر ان سے وچن لے لیا کہ کنیا کے دان سے پہلے آپ سادھو ہرگز نہ بنیں گے،

ان کے گرہست میں سب سکھ ہوتے ہوئے بھی ان کو یہ فکر دامنگیر رہا کرتا تھا کہ یہ گرہست بندھن کیسے ٹوٹے گا اور اس کے لئے وہ راتوں رو رو کر پربھو سے پرارتھنا کیا کرتے اور کبھی ان کی پتنی ان کو دیکھ لیتی تو اس کو گول مول باتوں میں ٹال دیتے تاکہ اس کا دل نہ دکھے۔ پھر بھی وہ ان کے اندرونی دکھ کو بھانپ گئی اور پوچھتی کہ مہاراج آپ تو گرہست میں بھی سنیاسیوں کے سمان آزاد ہیں اگر میرے نمت سے کوئی سیوا میں کمی محسوس ہوتی ہو تو آپ کو دکھ ہو تو بھی صاف صاف بتلائیں مگر آپ اس کی نشکام سیوا کی عزت قدر کرتے ہوئے وقت بیداری کبھی اس سے پیٹھ موڑ کر بھی نہ بیٹھتے تاکہ اُس کے دل کو ٹھیس نہ لگے، چنانچہ پربھو نے ان کی سن لی اور نو سال کے اندر ہی ان کا گرہست بندھن ٹوٹ گیا، اور یہ آزاد ہو گئے،

اپنی روزی کے لئے اب یہ صرف آٹھ آنہ کے پیسے بذریعہ عرائض نویسی کمانے لگے کیونکہ ملازمت تو مہاراجہ رنبیر سنگھ جی کے سورگباش ہونے اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ جی کے گدی نشین ہونے وقت تخفیف میں آچکی تھی۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ آٹھ آنہ کی بھی پرواہ ختم ہوگئی اور وہاں عدالت میں جا کر بیٹھتے ہی یہ اپنے سمادھی ابھیاس میں محو ہو جاتے، سائل آ آ کر مڑ جاتے اور کئی بار یہ خالی ہاتھ ہی گھر لوٹتے،

آخر پر بھولیلا سے یہ واقعہ ہوا کہ کام کاج کی زیادتی اور باہمی کشش اور ان کی بے پروائی سے دیگر عرائض نویساں نے ایک صندوقچی ان کے پاس لا کر رکھ چھوڑی جس میں ہر ایک سائل اس میں مزدوری کی رقم چھوڑ کر کسی بھی عرضی نویس سے کام کرا لیتا، اور شام کو سب کو اپنا اپنا حصہ مل جاتا اور ان کو بنا کچھ کئے ہی شام کو اپنی حصہ کی رقم وہ مجبوراً دے دیا کرتے، یعنی یہ ان عرضی نویساں کی کمیٹی کے نام نہاد خزانچی تھے۔ تھوڑے دن بعد انہوں نے جموں سے باہر ضلع کٹھوعہ قصبہ بسوہلی میں جا کر کچھ دن کام کیا مگر

اب من تو اوہی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ اس کام کو آخر بند ہی کرنا پڑا اور جموں میں واپس آکر آپ مہاتما نرنجن داس جی کی کتھا شرون کرتے اور باقی وقت اپنے سروپ چنتن میں گذارا کرنے اور کئی کئی گھنٹے دریائے توی کے کنارے ایکانت میں گزارنے لگے۔ ان کی پوتر سنگت سے بہت سے لابھ اٹھانیوالے سجنوں میں سردار بھوپ سنگھ جی اور لالہ ہر کشنداس جی خاص مشہور تھے۔ سردار بھوپ سنگھ جی تو ایک سیدھ یوگی پُرش مانے گئے ہیں، جن کے دماغ کے درست نہ رہنے کے باوجود دورہ ہٹ جانے پر اُن کے اندر سے سیدھ یوگیوں اور گیانوان پُرشوں جیسی اعلیٰ ترین وچار دھارا کا انیک سجنوں نے انوبھو کیا ہے۔ اور اُن کی واک سدھی کے تو ہزاروں لوگ قائل تھے اور یقین رکھتے تھے کہ وہ مست اور مجذوب ہیں پاگل نہیں۔ انہی دنوں مہاتما سروانند جی جموں میں پدھارے ہوئے تھے جن سے سردار صاحب موصوف اور کئی دوسرے سجن شاستریک بھاشیہ یعنی برہم سوتر پڑھتے اور وچارتے تھے۔ اور سوامی جی بھی اُن کے ساتھ عملی روحانیت کے میدان میں برابر کے حصہ دار تھے اور باقاعدہ اس ست سنگ میں شریک ہوتے تھے اور ہر مشکل بات کو بھی نہایت آسانی سے ادا کر سکتے تھے اسی زمانہ میں سوامی رام تیرتھ جی جو کہ ابھی بھگوے بستروں میں نہ ہونے کے کارن گو سوامی تیرتھ رام کے نام سے مشہور تھے جموں پدھارے جن کے ویاکھیان سن کر ست سنگی جنتا عام طور پر اور اُس وقت کے لالہ گوردداس جی بالخصوص مستفیض ہوئے وہیں لگھوشنکا سے واپس آتے (پیشاب کرنے) کے بعد سوامی رام کی سیوا میں لالہ گورو داس جی جب جل لیکر ہاتھ دھونے کے لئے حاضر ہوئے تو ہاتھ دھونے کے فوراً بعد جو مختصر مگر کایا پلٹ کرنیوالی بات چیت ہوئی وہ لالہ گورو داس جی کے جیون کو بدل دینے والی ہے لہٰذا یہاں لکھنی ضروری ہے،

رام :- پیارے! رام کو بھی کوئی سیوا کرنے کا موقعہ دیجئے،

لالہ گورو داس، مہاراج! میرے اہو بھاگیہ اگر آپ کرپا کرنا چاہیں تو زہے قسمت!

رام۔ کہئے میں کس لائق ہوں۔

لالہ گورو داس۔ بھگون! آتما تو خود وناشی ہے اور اس کی سیوا حسب ضرورت پراربدھ کے ذریعے قدرت ہر وقت کر ہی رہی ہے اس کے لئے کوئی سیوا درکار نہیں۔ اور آتما تو آپ کا اور میرا سدا ہی آنند سروپ ہے وہ کسی بھی وستو کا محتاج نہیں۔ فقط....

رام۔ ہاں کہئے پھر رام آپ کی سیوا کس طرح کر سکتا ہے اور کیسے وچن پالن کر سکتا ہے،

لالہ گورو داس۔ بھگون! اگر آپ مہربانی کریں تو ایک بخشش کر دیجئے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس رنگ میں رام کا ہردیہ رنگا ہے، اُسی رنگ میں یہ ہردے بھی رنگ دیجئے۔

رام :- یہ سیوا رام کو بسر و چشم منظور ہے۔ اور رام آپ جیسے پاتر کی ہی تلاش میں درحقیقت جموں آیا ہے، آپ رام کے پاس لاہور چلے آیئے۔ رام یہ سیوا ادشیہ کرے گا۔

بس پھر کیا تھا لالہ گورو داس کے نیتروں سے جل کی دھارا بہہ نکلی۔ اور فوراً اُن کے قدموں میں گر کر اپنا آپ اُن کے حوالے کر دیا۔ اور رام نے اُنہیں اٹھا کر گلے سے لگا لیا۔ یہ نظارہ دیکھ کر تمام حاضرین فرطِ حیرت میں چشم پُرنم کھڑے تھے۔ اور بھگوان کی اپار کرپا کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اور ان کے بھاگیہ کی سراہنا کر رہے تھے، چنانچہ چند دِنوں بعد ہی آپ سوامی جی کی سیوا میں لاہور پہنچ گئے۔ اور آپ کو صرف دس دن تک دن رات اُپدیش کر کے کرتارتھ اور کرت کرتیہ کر دیا۔ اور رہی سہی کمی کو پورا کر دیا۔

اصل میں لالہ گورو داس جی تو پہلے ہی کامیابی کے دروازے پر کھڑے تھے آتم چنتن اور دھیان قوم دنوں سے چل ہی رہا تھا کچھ تھوڑا دیریت بھاونا ہی باقی تھی جو کہ رام کی نظرِ شفقت سے دور ہو گئی۔ اور اپرورکش ساکشات کار کی اوستھا ایکا ایکی دھیان میں بیٹھے بیٹھے وارد ہو گئی۔ اور اب تو آپ اسی مستی میں ہر وقت جھوما کرتے رام بادشاہ سے اجازت لے کر آپ لقایا مگر برائے نام سنساری ذمہ داری سے فورت ہو کر جموں آ گئے۔ اور یہاں آکر سنساری کاروبار کو بالکل تلانجلی دیدی اور سفید کپڑوں میں ہی رہتے ہوئے بان پرستی کے روپ میں وچرنے لگے،

اب ادھر لڑکی بھی جوان ہو چکی تھی۔ اور اُس کے دِواہ

تک بھگوا وستر نہ لینے کا وچن دے چکے تھے۔ لبوقت شادی یہ اپنے سسرال میں پہنچ کر گوردوارے میں ہی رات بھر رہے اور کنیادان کے سمیہ پہنچ کر اُس کا سنکلپ یعنی کنیادان کر کے واپس لوٹ آئے اور پھر سوامی رام کی سیوا میں اُپستھت ہو گئے۔

رام جی بھی ویراگیہ کے جوش میں آکر پروفیسر کی آسامی کو لات مار چکے تھے اور لاہور سے ہمالیہ میں جانے والے تھے، ادھر لالہ گوروداس جی پہلے ہی اس سے لبرت ہو کر آزاد گھوم رہے تھے، اور سوامی جی کے ساتھ ہی ہمالیہ جانے کا سنکلپ کر رہے تھے، اس اثنا میں سوامی جی کے سادھو ہو جانے کی افواہ جموں میں لالہ گورو داس جی نے سُن لی اور دوسرے دن ہی ہردوار کا ٹکٹ لے کر روانہ ہو گئے۔ اور راستہ میں احتیاطاً لاہور اتر کر اُن کی جائے رہائش پر پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سوامی رام بالکل تیار ہیں اور ست سنگی لوگ اُن کو الوداع کہنے کے لئے جمع ہو کر کیرتن میں محو ہیں۔ یہ بھی ایک کونہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ اب کیرتن سماپت ہوتے ہی اُن کی قدم بوسی کے لئے حاضر خدمت ہوئے۔ تو اُنہوں نے فرمایا کہ رام تو ہردوار کے لئے تیار بیٹھا ہے، جواباً اُنہوں نے عرض کی آپنے بھی تو جموں سے سیدھا ٹکٹ ہردوار کا لے کر اور فارغ ہو کر ہی آپ کے ہمراہ جانے کے لئے حاضر ہوئے۔ چنانچہ سوامی رام تیرتھ، لالہ گوروداس، نارائن اور ہری اوم جی شوگھن آچاریہ اور سوامی جی کا پریوار سب کو لاہور کے ست سنگیوں نے بڑے جوش و خروش اور عقیدت سے الوداع کہی، یہ واقعہ یکم ساون سمت ۱۹۵۷ بکرمی کا ہے یعنی جولائی ۱۹۰۰ء کا۔

جب یہ تمام منڈلی ہردوار سے آگے بڑھی اور رشی کیش سے دیو پریاگ میں پہنچ کر کچھ عرصہ کے لئے قیام کیا تو آپ کا شریر جو پہلے ہی کئی دنوں سے بگڑا ہوا تھا۔ زیادہ بیمار ہو گیا اور ٹیڑھی پہنچنے پر ہسپتال میں داخل کرانا پڑا۔

سوامی رام بہ نفسِ نفیس ان کی دیکھ بھال کے لئے ہسپتال میں آیا کرتے۔ اور اب صحت ہونے پر پھر اپنے اُپدیشوں سے کرتارتھ کرنے لگے، سوامی رام کا پریوار تو واپس وطن روانہ کر دیا گیا کیونکہ اب سوامی رام کا ارادہ بھگوا کر لینے کا تھا اور اس میں پریوار کی موجودگی حائل تھی صرف سوامی رام کے ہمراہ نارائن شوگھن آچاریہ اور لالہ گوروداس ہی تھے جو کہ سب بان پرست کی حالت میں تھے، خود سوامی رام نے اپنے بھگوا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور آپ کو بھی سفید یا بھگوا وستر کچھ بھی ہو اس میں حسب مرضی رہنے کا ارشاد کیا۔ اور فرمایا کہ آپ آج سے سنیاسی ہیں۔ اور بوجہ کمزوری شریر جب آپ کو واپس پنجاب جانے کا حکم بخشا تو ہردوار پہنچ کر اُنہوں نے بھی اپنے آپ کو خوب جانچ پڑتال کر کے سوامی جی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اُن کی مورتی کا دھیان کر کے بھگوا دھارن کر لیا۔ اور آج سے گوروداس سے سوامی گوبند آنند بن گئے۔ آپ کا سنیاس وِدوت سنیاس تھا جو کہ گیان ہو چکنے پر ہی ہو سکتا ہے۔

سوامی جی نے ٹیرھی سے وداع ہوتے وقت تین باتیں خاص طور پر عمل میں رکھنے کے لئے ارشاد کی تھیں۔

۱۔ آپ آج سے ہمیشہ کے لئے سنیاسی ہو چکے چاہے آپ بھگوے میں وچرن کرو یا سفید وستروں میں۔ اندر سے آپ کو سنیاس کا کبھی نہ اُترنے والا رنگ چڑھ چکا۔

۲۔ اوم شبد کا خاص طور پر اندر باہر اُچارن یا چنتن عملی طور پر سدا بہار ہے،

۳۔ یہ نشچہ کرو کہ جو کچھ ہوتا ہے بھلے کے لئے ہوتا ہے اور اس لئے کسی بھی حالت میں کبھی گھبراہٹ سامنے نہ آنے دو۔

چنانچہ آپ کا ان ہدایات پر پوری طرح عمر بھر عمل رہا۔ اندر باہر سے سنیاس کا دھرم پالن کرتے رہے۔ اوم کا دھیان اور چنتن ہمیشہ شاملِ حال رہا اور کسی جسمانی سخت کشٹ آنے پر بھی کبھی گھبرائے نہیں۔

بھگوا وستر لینے کے بعد آپ پہلے پہل امرتسر میں آکر رہے اور بھکشا درتی شروع کر دی۔ بعد ازاں امین آباد میں پہنچ کر آپ باہر گیان گودڑی نام کی کٹیا میں آسن رکھ کر بستی میں بھکشا لینے کے لئے نکلے تو اتفاقاً اُس دن کافی دیر ہو جانے کے کارن سات گھر بھکشا مانگنے پر بھی بھکشا نہ ملی اور آپ واپس اُس کٹیا میں آکر چٹائی پر پڑ کر اور کواڑ لگا کر سو رہے۔ اور اسی میں

شکر منانے لگے ،

مگر پیٹ میں بھوک خوب لگی تھی ۔ اور آپ کی آزمائش اور امتحان کا وقت تھا ۔ ادھر پربھو بھی یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور انہیں بھوکا سُلانا نہیں چاہتا تھا ۔ آپ ابھی آسن بچھا کر لیٹے ہی تھے کہ کسی نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا اور سوامی جی سوامی جی کر کے پکارنے لگا ۔ آپ نے کواڑ کھولا تو دیکھا کہ ایک سردار صاحب بھوجن کی تھالی اور لسی کا گلاس لئے کھڑے ہیں ۔ سوامی جی کو بھوجن گرہن کرنے کے لئے انہوں نے مجبور کیا ۔ مگر آپ نے کہا کہ کس غلطی میں آپ مجھے یہ بھوجن پیش کر رہے ہو ، کہئے آپ کس کے لئے بھوجن لائے ہیں ، جب اُس نے بتلایا کہ وہ روٹی کھا کر جب آرام کرنے کے لئے سو گیا تھا تو اُس کو خواب میں سری گورو نانک دیو نے آپ کے درشن کرائے اور آپ کے لئے بھوجن پہنچانے کا حکم بار بار کیا ہے لہٰذا وہ اُن کے لئے بھوجن لایا ہے چنانچہ انہوں نے اسے ایشور کا پرشاد سمجھ کر گرہن کر لیا اور یہ نتیجہ نکالا کہ روزی رساں کو ہر جیو کی روزی کا فکر ہے اور ہر حال میں اپنی مخلوق کو روزی پہنچاتا ہے ۔

آپ اس کے بعد گھومتے پھرتے اپنے جنم استھان رام پور میں پہنچے اور پہلا کام وہاں پہنچ کر یہ کیا کہ اپنی ماتا جی کے پاس بھکشا کرنے پہنچ گئے اور کواڑ پر جا کر نارائن ہری پکار کر بھکشا مانگی ۔ ماتا نے ان کو بھگوے بستروں میں پہچانا تو نہیں مگر آواز سنتے ہی سمجھ گئی کہ اُن کے لخت جگر ہیں اور اندر سے باہر آکر مجبور کیا کہ اندر تشریف لا کر بھوجن کریں ، ابھی رسوئی تیار کر لی جاتی ہے ۔ مگر آپ نے سنیاسی کے دھرم میں دھبہ نہ لگنے دیا ۔ اور باہر ہی نیچے کچھ بھوجن کا ٹکڑہ لینا سو بیکار کہا ، اور ماتا نے اُن کو رات کا بچا کھچا بھوجن اُن کے مجبور کرنے پر دینا پڑا ۔ ایسا ہی تمام رشتہ داروں تینوں ہمشیرہ اور تینوں بھائیوں کے پاس جا کر بھکشا گرہن کی بلکہ اپنی کنیا کے گھر میں بھی ایسا ہی بھکشا گرہن کر کے سنیاسی کے دھرم کی مریادا کو پالن کیا ۔ اور جہاں جہاں جانے بھکشا کر کے ہی نروا کرتے ،

اور جب سوامی رام پہاڑوں سے میدان میں جلسہ صدارت کے لئے بلائے گئے تب انہوں نے آپ کو بذریعہ بابو ہرلال پیغام بھیج کر منظر ایس بلایا ، اور آپ کو اپنے ساتھ دیگر ممالک میں ہمراہ چلنے کے لئے کہا مگر اُس وقت سوامی جی نے رام بادشاہ سے عرض کی کہ شاہ برک او سنفا دیکھ کر جو حکم دیں اس کی تعمیل بسر و چشم منظور کریں گے اور رام بادشاہ نے بھی ایسا ہی مناسب سمجھا کہ روگی حالت میں انہیں بدیش نہ بھیجا جائے ورنہ اِن کا ارادہ یہ تھا کہ انہیں ایران افغانستان وغیرہ میں بزبان فارسی پرچار ویدانت کرنے بھیجا جاوے کیونکہ آپ فارسی زبان میں خوب مہارت رکھتے تھے

آپ اُن کی آگیا پالن کرتے ہوئے اپنے دیش میں ہی خاص کر پنجاب کے علاقہ میں اور ہندوستان کی کئی دوسری جگہوں میں جا جا کر ویدانت کا پرچار کرنے لگے اور اِن کا پرچار سے پنجاب ہلکہ دوسرے علاقوں میں … آور اور سنگار رہا

لوگ اِن کے اپدیشوں سے فیض یاب ہوتے تھے ۔ لاہور ، شیخوپورہ ، راولپنڈی ، پشاور ، چوہڑکانہ منڈی ، گوجرانوالہ ، سیالکوٹ ، جموں و کشمیر اور سرگودھا ، کرنی کیتھل ، سہارنپور ، انبالہ ، دہلی وغیرہ میں اِن کے ہزاروں کئی معتقد رہا کرتے تھے ، مگر اب پاکستان بن جانے کے سبب ہندوستان میں مختلف جگہ پر ہاتش پذیر ہیں ،

جب آپ سوامی رام جی کے ارشاد کے مطابق منتظر رہا رہے تھے تو اُن کو راستہ میں سوامی جی کے درشن مظفر گڑھ میں ریلوے سٹیشن پر ہی ہو گئے تو اس وقت اُن کی بھینٹ کے لئے آپ کے پاس کچھ نہ پا کر اُسی وقت ایک کنڈلیا چھند رچ کر اور پنسل سے کاغذ پر لکھ کر اُن کی سیوا میں ارپن کیا اور اس کے علاوہ اپنا ایک تصنیف شدہ گرنتھ بزبان اردو پنجابی جو کہ ابھی قلمی نسخہ کے طور پر ہی موجود تھا گورو دیو کے ارپن کیا جو کہ بطور بھینٹ و نمسکار سوامی رام جی نے قبول فرمایا ۔

نمسکار کا کنڈلیا حسب ذیل ہے ،

میں نا ہیں نہ جگت ہے نہیں تیرا اور
ایکا ایکی رام تو نہیں دویت کی ٹھور
نہیں دویت کی ٹھور ہو وے کیا بھیٹا تیری
اور کرے پھر کون نہیں جب میں یا میری
تو جگ پوجا روپ سب دھارے نہیں
تیری بھیٹا تو ہی نہیں کچھ میرا میں

اس پر سوامی جی نے پرسن ہو کر اس کنڈلیا کو گوبند لہر میں شامل کرنے کا حکم فرمایا اور گوبند لہر کے لئے حسب ذیل ارشاد قلمی لکھ کر دیا۔ اور فرمایا کہ جو اس تحریر کو دیکھے گا وہ ہی اس گرنتھ کو چھپا دیوے گا۔

ارشاد حسب ذیل ہے۔

ارشاد منجانب الف بنام الف

بھگوان! گوبند جی کی آنند لہریں ملاحظہ سے گذریں۔ رسالہ الف کے ہمرکاب لہرانے کے لائق ہیں۔

نوجیں ہجوم عشق سے بل کھائے جاتی ہیں
موجیں وفور جوش سے لہرائے جاتی ہیں

"رام"

چنانچہ اس تحریر کو دیکھ کر لاہور میں مسٹر لوپن اور سوامی شوانند جو شوگھن آچاریہ نام سے پہلے پرسدھ تھے اس کتاب کو گوبند لہر کے نام سے چھپوا دیا اور بعد ازاں اس کے ساتھ سوامی جی کی دیگر تصانیف گوبند بحر، جلوہ گوبند، گوبند لیلا، غم کی دوائی، گوبند وچار اور گوبند چمن اس کے ساتھ بڑھا کر گوبند پرکاش کے نام سے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں اور جس کو آج بھی ہزاروں ست سنگی بڑے شوق اور غور سے مطالعہ کر کے لابھ اٹھاتے ہیں۔

ان میں سے کسی ایک کنڈلیا چھند کی تشریح راقم (دولت رام سجدیو) کی قلم سے رسالہ "ادوم" میں چھپ چکی ہے جو کہ سوامی جی مہاراج نے اپنی زندگی میں تصدیق کی تھی۔ اس طرح گوبند پرکاش میں سے چند خاص حصے کرنل پربھی سنگھ کوٹہ ریاست کے سابق کمانڈر انچیف کی خواہش سے ...... گوبند پولس کے نام سے ہندی اور گورمکھی میں چھپ چکی ہے۔ اس کے علاوہ سوامی جی خطوط جو راقم کے نام اکثر آتے رہے "خطوط گوبند" کی شکل میں ایک سی حرفی بقلم رام "گیان وبراگ" کی شکل میں ان کی تعلیم کے مطابق چھپ کر ست سنگی صاحبان کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہے۔

راقم الحروف کو اس بات کا واجبی فخر حاصل ہے کہ شاہ برک طور پر ان کے حقیقی برادر خورد لالہ بھگوانداس کا لڑکا ہونے کے علاوہ ان سے عین شروع عمر میں ہی روحانی لابھ بھی اٹھانے کا موقعہ ملا، چنانچہ جب یہ شریر ابھی دو سال کا کم بھگ کی عمر کا تھا تو بقول سوامی جی گوجرانوالہ میں راقم کے پوجیہ پتا اور ماتا سوامی جی کے درشنوں کے اس شریر کو لے کر پہنچے اور آپ اس وقت چارپائی پر براجمان تھے تو اس شریر نے ان کی طرف بازو پھیلا کر ان کی گودی میں جانا چاہا۔ مگر اس وقت انہوں نے فرمایا کہ ابھی کچھ دیر انتظار کرو آخر ادھر ہی تو آنا ہے۔ اس بات کی تصدیق بھی ماتا پتا سے بھی آ کر کی تو یہ امر فی الواقعہ درست نکلا اور بعد میں انہوں نے اس داس ...... اپنے چرنوں کا داس سو بکار کر لیا چنانچہ اس شریر کی چھ سات سال کی عمر میں زبیر البتو رمندر جموں میں سوامی جی ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس وقت ان کی طرف سے گورمنتر دیا گیا اور گیارہ بارہ برس کی عمر میں جو پرانا تھا خاص طور پر کرپا کر کے اس شریر کی پرارتھنا پر لکھ کر بھیجی گئی وہ گوبند پرکاش کے حصہ گوبند چمن میں چھپی ہوئی ہے ازاں بعد ۱۴ سال کی عمر کے لگ بھگ ویدانت کی پرکریا کے خاص خاص پرکرن سوامی جی نے جموں میں آ کر سمجھانے شروع کر دیئے تھے۔ اور اس کے بعد ایک بار چوہڑ کانہ سیال کوٹ، جموں سردار وغیرہ میں اپنے ساتھ رکھ کر اور خطوط کے ذریعہ جملہ شکوک کو دور کر کے کرتارتھ کرتے رہے یہ خطوط اب خطوط گوبند نام سے چھپ چکے ہیں۔ آپ جب یہاں یا چوہڑ کانہ میں ہوتے اور راقم ان کی سیوا میں حاضر ہوتا تو اودھوت گیتا، اور اشٹاوکر گیتا اپروکش انوبھوتی برہم گیان آولی اور وویک چوڑامنی آدک گرنتھوں کے خاص خاص شلوک چن کر ان کو کمرے خاص میں لگانے کے لئے حکم دیا جاتا اور یہ ایسے سدھاشت گرنتھوں کا ابھیاس ان کا بہ تعمیل ارشاد شری سوامی رام تیرتھ جی مہاراج سدا چلتا ہی رہتا تھا۔ (باقی پھر)

بے ثباتیٔ دُنیا

از پنڈت آسانند جی معدوم

فصلِ گُل میں یہ نہالانِ چمن کا بانکپن ‏/ باعثِ فخرِ گلستاں یہ گلوں کی انجمن
طائرانِ خوش گلو کے تازہ تر شیریں سخن ‏/ صبحِ کاذب کی رنگینی کا یہ مستانہ پن
ایک دن مٹ جائیگی سب رونقِ فصلِ بہار
نغمۂ بلبل، نہ ہوگی یہ نسیمِ خوشگوار

یاں نہ بحرِ بیکراں مستی میں پھر لہرائے گا ‏/ نے کوئی جھونکا ہوا کا باغ میں اٹھلائے گا
ابرِ چرخِ اخضری پر پھر نہ گھر کر آئے گا ‏/ نغمۂ شیریں نہ پی پی کا پپیہا گائے گا
الغرض مٹ جائے گا سب کچھ بجز ذاتِ خدا
زندگی ہے چند روزہ آئے گی آخر فنا

ہو چلی ہم سے ہمیشہ کیلئے رخصت بہار ‏/ پھر نہ آنے پائے گا باغِ جوانی میں نکھار
کر رہی ہے موت صورت میں خزاں کی انتظار ‏/ کوچ کر جائیں گے جب آ جائے گی اپنی پکار
کچھ نہ رہ جانے کی صورت اس گھڑی بن آئیگی
مادرِ گیتی ہمیں آغوش میں بٹھلائے گی

دسترس احباب اپنے کی جہاں کچھ بھی نہیں ‏/ راکھ مٹی کے سوا جس جا مکاں کچھ بھی نہیں
جس جگہ کوئل کی کو راحت رساں کچھ بھی نہیں ‏/ جھونکا بادِ صبا آرام جاں کچھ بھی نہیں
ایسے ویرانے میں ہم کو چھوڑ جائیں گے عزیز
بعد مرنے کے رہے گویا نہ ہم اُن کے عزیز

اب نہ چہرے پر جوانی کا رہا باقی نشاں ‏/ بڑھ چلی ہے دمبدم پیری میں یہ عمرِ رواں
بانکاپن سب ہی گیا اینٹھ نکل سب استخواں ‏/ ہو گئے ہیں جسم کے اعضا بھی سارے ناتواں
جان پڑتا ہے اجل کا آ گیا ہے اب پیام
کوسِ رحلت بج گیا اپنا بھی یارو! والاسلام

ہے تمنا اتنو بس سجدہ میں جھک جایا کریں ‏/ بندگی میں روز و شب حق کی دُعا گایا کریں
دین و دنیا کے نہ جھنجھٹ میں کبھی آیا کریں ‏/ بیٹھ کر خلوت میں اپنے دل کو سمجھایا کریں
اس طرح دنیائے فانی سے چلیں کر کے گزر
اجل سے مطلق نہ پل بھر کیلئے ہوں بے خبر

سنت چرن داس جی

پریم بھگتی بن سادھو اسب ہی تھوتھا دھیان

از قلم : شری گور بخش رائے جی

چرن داس جی کا اصلی نام رنجیت سنگھ، اُن کے باپ کا نام مرلیدھر اور ماں کا نام کنجو تھا۔ یہ قوم کے ڈھوسر بنیا تھے ان کی پیدائش سمت ۱۷۶۰ بکرمی میں بھادوں شدی تیج بتائی جاتی ہے، یہ بزرگ لڑکپن ہی سے نیک دہرماتما تھے۔ فقیروں سے بہت بڑا پریم تھا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی سادھو مہاتما گھر میں آجاتے تو یہ گھنٹوں اُس کے پاس بیٹھ کر خاموشی و سکوت کے ساتھ اُس کی بات سُنا کرتے تھے، یہ معمول تھا کہ صبح کو کبھی کبھی جنگل میں چلے جایا کرتے۔ راجپوتانہ میں ان دنوں لڑکوں کی پرورش ذرا سختی کے ساتھ ہوتی تھی تاکہ وہ جفاکش اور محنتی ہوں، یہ راجپوتانہ کے ڈھیرا نامی گاؤں میں پیدا ہوئے تھے گو ذات کے بنیا تھے مگر پھر بھی راجپوتی جرأت مزاج میں موجود تھی پرلے درجے کے بے خوف اور آزادی پسند تھے۔ ایک دن یہ سات برس کی عمر میں جنگل میں چلے گئے اور واپس نہیں آئے ماں باپ نے تلاش کی کچھ پتہ نہ چلا ایک جگہ اُن کے کپڑے پھٹے پڑے نظر آئے۔ یہ سبب نہیں معلوم ہوا کہ یہ کیوں اس وقت گھر سے بھاگ گئے، ممکن ہے ان کی فقیرانہ زندگی کی ابتدا ماں باپ کو بُری معلوم ہوتی ہو۔ اور اُن کی بے پرواہی کی وضع دیکھ کر وہ درہم برہم ہوتے ہوں۔ یہ برداشت نہ کر سکے ہوں۔ اور وہاں سے بھاگ کر جنگل میں کپڑے رکھ کر روپوش ہو گئے ہوں، تاکہ لوگ اُن کو مردہ سمجھ کر تلاش نہ کریں۔ اور پھر تکلیف نہ دیں۔ یہ باتیں محض خیالی ہیں۔ کون جانے کیا صحیح ہے کیا غلط ہے،

ان کی ننھیال دہلی میں تھی۔ جب یہ اس طرح چھپ کر جنگل میں پھر رہے تھے۔ اُن کے نانا سے ملاقات ہوئی وہ دہلی سے ڈھیرہ کی طرف آرہے تھے۔ ان کو دیکھا ساتھ لے کر دہلی چلے آئے۔ اور وہ بارہ برس تک دہلی میں اپنے نانا کے پاس رہے۔ مگر طبیعت اُداس رہتی تھی۔ دل کو کسی بات کی تلاش تھی، وہ ہاتھ نہیں آتی تھی۔

وہ زمانہ واقعی نہایت جور و سختی کا تھا، اورنگ زیب کے ظلم کی داستان سب کو یاد ہے پھر طوائف الملوکی کا زمانہ آیا، محمد شاہ رنگیلے کی زنانہ حکومت کا عہد شروع ہوا، نادر شاہ، مصیبت کی طرح دہلی میں پہنچا، لوگوں پر قتل و غارت اور سختیاں شروع ہوئیں۔ لوگ زہر کھا کھا کر خودکشی کرنے لگے۔ قتل عام ہوا۔ اور جب وہ واپس گیا۔ اپنے پیچھے قحط و وبا اور طرح طرح کے جور و ستم کے سامان چھوڑ گیا۔ یہ وہ وقت تھا۔ جب جان و مال و آبرو کی حفاظت کا کہیں بھی سامان نہیں تھا۔ انگریز آچکے تھے، مگر دہلی کے ارد گرد اُن کا کوئی بھی رسوخ نہیں تھا۔ اور سارا ملک الامان الامان پکار رہا تھا۔

دُنیا میں مہاتماؤں کے پرگٹ ہونے کا یہی وقت ہوتا ہے، تواریخ کے صفحے اُلٹ کر دیکھو ہر جگہ اسی حقیقت کا اعادہ نظر آئے گا، خواہ وہ کسی قوم اور ملک کی تاریخ ہو،

چرنداس جی ایسے ہی نازک وقت میں پرگٹ ہوئے جب
انیس ۱۹ برس کے ہوئے ایک دن جنگل میں چلے گئے۔ دل میں
انوراگ اور پریم تھا۔ ویراگ نے عملی جامہ پہن رکھا تھا۔ تنہائی کی
جگہ پا کر مالک کی استتی گانے لگے۔ اور پریم کے جذبات ابھرنے
پر زور سے ڈھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ ؎

تجھے پاؤں کہاں تو بتا دے ہمیں تیرا ہم کو کہیں بھی نشان نہ ملا
نہ سراغ بتایا کسی نے کبھی نہ مقام ملا نہ مکان ملا
نہیں گیانی کو دھیانی کو تیرا پتا نہیں جوگی جتی کو ہے تیری خبر
نہ کسی کو ملا تو نہ درشن ہوا نہیں دھیان ملا نہیں گیان ملا
تیری ذات ہے کیسی تو کیا ہے بھلا تو فرشتہ ہے جن ہے کہ حور و ملک
تیرا نام ہے کیا تیرا وصف ہے کیا تیرا نام ملا نہ نشان ملا

روتے روتے ہچکیاں آنے لگیں طبیعت میں بیقراری آ گئی۔ اس
وقت شکدیو جی نامی سادھو کا ادھر سے گزر ہوا،

برہ جلتی دیکھ کر سائیں آئے دھائے
پریم بوند سوں چھڑک کر جلتی لئی بجھائے

پپیہا پی پی کر رہا تھا۔ سواتی کی بوند نے برس کر اس کی پیاس
کو بجھا دیا۔ اندھیرے سے پریشان ہو کر پروانہ بیقرار تھا، چراغ
جلا اور وہ اس کا طواف کرنے لگا۔

گورو اور چیلے میں بات چیت ہوئی، شکدیو منی نے ان کو
گیان یوگ کا ابھیاس بتایا۔ وہ گھر سے آئے شغل میں مصروف ہوتے
پھر ست سنگ جاری کیا اور مالک کے پریمیوں کے ادھار کا راستہ
نکالا یہ سلسلہ عرصہ تک جاری رہا اور کئی زبردست آتماؤں نے اس
کو تقویت دی، جن میں سہجو بائی اور دیا بائی کا نام خاص طور پر بیان کرنے
کے لائق ہے، چرنداس جی ۷۹ سال کی عمر تک یہ کام برابر کرتے رہے
اور آخر سمت ۱۸۳۹ بکرمی میں دہلی میں ہی چولا چھوڑا ان کی سمادھ وہاں اب
تک موجود ہے۔ ان کی بانی میں سے بطور نمونہ چند ایک شبد درج کئے
جاتے ہیں۔

گورو سمان تیہو لوک میں اور نہ دیکھے کوئے
نام لئے پاتک نسے دھیان کئے ہری ہوئے
تم داتا ہم منگتا تیری شکدیو دیال ۶ ۶

بھگتی دیتی بیادھا گئی مٹے جگ جنجال
ڈھوسر کے بالک رہے بھگتی بناں کنگال
گورو شکدیو کرپا کری ہری دھن کیو نہال
جب سے گورو کرپا بھئی درشن دینے موہے
روم روم میں وہ رمے چرنداس نہیں کو ئے
پریم برابر جوگ نہیں پریم برابر گیان ؟
پریم بھگتی بن سادھنو اسب ہی تھوتھا دھیان
پریم چھڑاوے جگت سے پریم ملاوے رام
پریم کرے گتی اور ہی لے پہنچے ہری دھام
گدگد بانی کنٹھ میں آنسو ٹپکے نین ؟ ؟
وہ تو برہن رام کی تڑپت ہے دن رین
سادھن کی سیوا کرو چرنداس چت لائے
جنم مرن بادھن کٹیں جگت بیادھ چھوٹ جائے

شبد

سادھو ٹیک ہماری ایسی
کوئی جتن کر چھوٹے ناہیں ، کوڈ کرو اب کیسی
یہ پگ دھرو سنبھال اچل ہوتے بول نکسے سو ہی بولے
گورو مارگ میں لین بھئیو ہے اب ات آن نہیں ڈولے
جیسے سور رتی اور داتا پکڑی ٹیک نہ ٹاری
تن کر دھن کر مکھ نہیں موڑیں دھرم نہ اپنا ہاریں
پاوک جاوے جل میں بورو لوک ڈوک کر ڈارو
سادھ سنگت ہری بھگتی نہ چھوڑوں جیون پران ہمارو
پیچ نا ہاروں داغ نہ لاگے ٹیک نہ اترے لاجا
چرنداس شکدیو دیا سے سب بدھی سدھریں کاجا

سنت انک ماہ جنوری فروری دو ماہ کا پرچہ تصور
کیا گیا ہے۔ ماہ فروری میں کوئی علیحدہ پرچہ شائع
نہ ہوگا، ناظرین نوٹ فرما دیں۔

(مینیجر)

سنت رویداس

ایڈیٹر کے قلم سے

سنت رویداس راما نندجی کے چیلے اور کبیر صاحب کے ہمعصر تھے اُن کا جنم اچھوت چمار جاتی میں ہوا۔ لیکن بھگوان سے اپنے انتہاء پریم اور آتم انوبھو کے کارن اُن کی مہانتا برہمنوں سے بھی زیادہ بڑھ گئی، ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کے مصداق بچپن میں ہی آپ کا رحجان ہری بھجن اور سنت سیوا کی طرف تھا، آپ کے باپ کی مالی حالت اچھی تھی، آپ کو جو کچھ گھر سے ہاتھ لگتا خدا یاد لوگوں کو کھلا دیتے۔ باپ کو یہ وطیرہ ناگوار گذرا اُس نے ناراض ہو کر علیحدہ کر دیا۔ اور انہیں ہوش سنبھالنے پر ہی اپنے لئے آپ روٹی کمانے کا فکر کرنا پڑا شادی چھوٹی عمر میں ہی ہو چکی تھی۔ اس لئے ایک جھونپڑی میں ڈیرہ لگا دیا، اور جوتیوں کو بنانے اور گانٹھنے سے اپنا نرباہ کرنے لگے۔

رویداس جی عموماً اپنے خیال میں محو رہتے تھے، اُن کے ہاتھوں سے کام ہوتا تھا، مگر اُن کا من ہمیشہ ہی بھگوان کی یاد میں غرق رہتا تھا۔ اُن کے خیال میں جو کچھ جاگرت اوستھا میں نظر آتا یا جو باتیں عالم خواب میں دکھائی پڑتی ہوں، سب ہی بھگونت روپ تھیں۔ انہیں زندگی میں ہی ستیہ کی پراپتی ہو چکی تھی، وہ شودہم کی اپاسنا کرتے ہوئے ہر ایک گھٹنا میں بھلائی ہی دیکھتے تھے اور اُن کی نگاہ میں اِس جگت میں اُس لیلا مئے بھگوان کی خوبصورتی اور سندریہ کے دریا بہتے تھے۔ اُن کی آتم ستھتی کچھ عجیب ہی تھی، شانتی اور دھیرج کے تو وہ مجسّمہ تھا ایک دن ایک شخص اُن کے پاس آیا اور کرخت سی آواز میں کہنے لگا۔ او چمار! یہ پیسہ لو اور میری جوتی گانٹھ دو مجھے اِس وقت ایک ضروری کام ہے۔ ابھی واپس آتا ہوں میرے آنے تک جوتی تیار ہو، چلا گیا، رویداس جی نے جوتی اُٹھا کر آگے رکھ لی۔ اور ہاتھ کا کام ختم کر کے جوتی کو گانٹھا، تھوڑے عرصہ میں وہ شخص واپس آ گیا، پوچھا جوتی تیار ہے؟ جواب میں رَوِداس جی نے جوتی آگے رکھ دی اور کہا حضور تیار ہے، وہ جوتی پہن کر چلا گیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد پھر اُسی طرح کی ٹوٹی جوتی لے کر واپس آ گیا، اور کہنے لگا تم بڑے خراب آدمی ہو۔ ایسا کچا کام کرتے ہو۔ کہ تمہاری مرمت نے ایک گھنٹے بھی نہ نکالے، مزدوری پہلے لے لیتے ہو اور کام کی پروا نہیں ہے، غرضیکہ اُس نے بہت ہی سخت سُست کہا، رَوِداس نے جواب میں صرف یہ کہا۔ کہ اچھا مہاراج پھر گانٹھ دیتا ہوں، دھاگا کچا رہ گیا ہوگا۔ قصہ کوتاہ رَوِداس نے اب کی دفعہ اِس جوتی کو زیادہ مضبوطی سے گانٹھا۔ اور گراہک کے حوالے کی۔

مگر گراہک ہے کہ پیچھا چھوڑنے میں ہی نہیں آتا۔ وہ دوسری دفعہ جوتی پھر توڑ کر لے آیا۔ اور اب کے بہت ہی بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا، حتّے کہ گالی گلوچ سے بھی فرق نہ کیا، دھیان میں مست رَوِداس جی نے کہا، مہاراج ناراض نہ ہوں میں پھر گانٹھ دیتا ہوں، گراہک نے کہا اچھا جلدی کر تم نے بڑا وقت ضائع کیا ہے، رَوِداس پھر اُس جوتے کو گانٹھنے لگ گئے۔ اور تیسری دفعہ مکمل کر کے دیا، مگر گراہک تو کوئی معمولی نہ تھا وہ شاید رَوِداس سے دھیرج اور شانتی کی پریکشا کرنے آیا تھا۔ نہ اُسے ایک پیسہ دے کر بار بار غریب موچی کو تنگ کرنے میں کوئی تامل وہ گھوڑچڑھوں کی طرح اُسی رعب اور داب سے پھر آ دھمکا۔ اور پہلی دو باروں سے بھی زیادہ سُست کہا۔

رَوِداس جی اپنے رنگ میں محو اِن سب گھٹناؤں کو بھگوان کی لیلا جانتے ہوئے آنندت تھے وہ اسے اپنے پریتم کی لیلا کا خیال کئے ہوئے تھے، جب تیسری بار اُس سے مخاطب ہوئے تو ہنس کر کہا تیر یاں توڑیاں کون گانٹھے یعنی وہ اُس وقت بھگوان سے مخاطب ہو رہے تھے، کہتے ہیں کہ اُسی وقت

شخص انہیں بھگوان کے روپ میں پرگٹ دکھائی دیا۔ اور اُس کے بعد فوراً ہی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

اِس گھٹنا سے رَوداس جی کو ساکار روپ میں پہلی بار بھگوت درشن ہوئے اور پھر اُن کے پریم کی گاڑھتا میں اور بھی اور ترقی نمودار ہونے لگی،

رَوداس گو ایک نہایت ہی اونچے پایہ کے بھگت تھے، وہ اپنے اندر باہر ہر جگہ بھگوان کو دیکھتے تھے، وہ ہر روپ میں اُنہی کا درشن کرتے تھے، ہر آواز میں اُسی کی بانی سُنتے تھے، اور اُن کا کھانا پینا، لیٹنا، سونا اور نمسکار سب کچھ ہی سمادھی تھا، مگر پھر بھی ابھمانی لوگوں کی نگاہ میں وہ اچھوت تھے۔ انہیں مندر جانے کی اجازت نہ تھی اور مندر میں جاکر بھگوان کی مورتی کے درشن نہ کرسکتے تھے، اِس لئے انہوں نے اپنے جھونپڑے میں ایک چمڑے کی مورتی تیار کر کے رکھی، اور اُسی سے اپنا ظاہری نِت کرم کا کام چلانے لگے، مگر دُو جاتی لوگوں کو اِس پر بھی صبر نہ آیا۔ اور انہوں نے چمڑے کی مورتی کے خلاف ایک زبردست اندولن پیدا کرنے کی کوشش کی۔ رَوداس جی اُن مہاپُرشوں میں سے تھے۔ کہ جو نِربھے اور دھیریہ وان ہوتے ہیں جو کسی دُکھ اور مصیبت سے نہیں ڈرتے جنہیں اپنی نِندا اور اپمان کی ذرا پرواہ نہیں ہوتی بلکہ جو اپنی نِندا اور اپمان کو اپنے اہنکار کے علاج کے لئے شوق سے استعمال کرتے ہیں، حتّےٰ کہ جنہیں موت بھی اپنے گھر کا دروازہ معلوم ہوتی ہے اِس لئے ایسی فضول حرکات کا اِن پر کیا اثر پڑ سکتا ہے، شرارتی لوگوں نے خود ہی یہ غوغا اُٹھایا، اور خود ہی کچھ عرصہ بعد جھاگ کی طرح بیٹھ گئے،

رَوداس جی کی آمدنی کا ذریعہ صرف جوتوں کی تیاری اور مرمت تک ہی محدود تھا۔ اور اِس میں سے جب کبھی اُن کو کوئی عابد خدا مِل جاتا۔ تو اُسے پہننے کے لئے جوتی کا جوڑا مفت دیتے۔ اِس لئے مالی حالت عموماً خراب رہتی تھی۔ لیکن اِس کی پرواہ کب تھی۔ وہ تو اور ہی دھن سے مالا مال ہو رہے تھے،

اِس تنگدستی کے عالم میں ایک خدا رسیدہ بزرگ اُن کے پاس آیا۔ آپ نے اُس کے کھانے پینے کا انتظام کیا۔ اور جہاں تک ہو سکتا تھا۔ اُس کی خدمت تواضع کی۔ اُس شخص نے آپ کو سنگِ پارس نذر کیا۔ اِس کے اوصاف بتائے۔ اور کہا کہ اِسے احتیاط سے رکھنا۔ رَوداس جی نے کہا کہ مجھے اِس کی کیا ضرورت ہے، میری دولت اور جائداد سب کچھ پربھو کا نام ہے، جب اِس بزرگ کو معلوم ہوا۔ کہ رَوداس لالچ سے ہونہار نہیں۔ تو اُس نے اصرار کے ساتھ اُن سے کہا۔ کہ میرے کہنے پر ہی اِسے اپنے پاس رکھ لو، ممکن ہے کسی وقت کام آجائے، مجبور ہو کر رَوداس جی نے کہا کہ اچھا میرے چھپر میں ٹانک دو، جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ جنس مجھے قبول نہیں۔ تیرہ ماہ کے بعد جب وہ بزرگ واپس آیا تو رَوداس جی کو بدستور سابق تنگدست ہی پایا۔ اُس نے دریافت کیا کہ سنگِ پارس کا کیا ہوا۔ آپ نے جواب دیا جہاں رکھ گئے تھے وہیں ہوگا، چنانچہ اُس شخص نے وہ پتھر وہاں سے اُسی طرح پڑا پایا۔ اور اپنی راہ لی۔

گو رَوداس جی اتنے تیاگی تھے، کہ تیرہ ماہ گھر میں پارس پڑا رہا۔ اور اِس کی طرف دھیان بھی نہ گیا، لیکن پراربدھ کے بھوگ بھی بڑے پربل ہوتے ہیں۔ ایک دن کوئی شخص اُن کی پوجا کی چیزیں رکھنے والی ٹوکری میں اشرفیاں ڈال گیا۔ وہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے، کہ یہ کون ڈال گیا، بہترا سوچا کچھ سمجھ نہ آئی آخر خواب میں اُنہیں بھگوان کی طرف سے بشارت ہوئی، کہ اگرچہ تمہیں دولت کی کوئی پرواہ نہیں۔ لیکن اِس دولت کو قبول کرلو، یہ میں نے تجھے خود بخشی ہے، رَوداس جی نے اِسے قبول کر لیا، اور اِس روپیہ سے مفادِ عام کے لئے ایک سرائے تعمیر کرائی، جس میں سادھو سنتوں کی سیوا ہونے لگی، سرائے کے ساتھ ہی ایک خوش نما مندر بنوایا۔ اُس پر سونے کی چھتری لگوائی۔ اور اُسے خوب آراستہ کیا۔

لیکن رَوداس جی کو اُسی تکلیف کا سامنا ہوا، جو کہ ایک مالدار بننے والے کو پیش آتی ہے۔ براہمنوں نے حسد سے بنارس کے راجہ سے شکایت کی کہ شاستروں میں یہ اجازت نہیں، کہ ایک موچی الیشور کی مورتی بنائے۔ راجہ نے رَوداس کو طلب کیا انہوں نے بڑی بے خوفی سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اور راجہ صاحب اُن کی دلائل سے کیسے متاثر ہوئے کہ حاسد براہمنوں کی کوئی پیش

نہ گئی۔

آب اُن کے یش اُور کیرتی کی خوشبو اُور بھی پھیل گئی، چتوڑ کی رانی جھالی نے آپ کی شہرت سنی تو وہ آپ کے درشنوں کو حاضر ہوئی۔ اُور آپ کی چیلی بن گئی۔ اُور اس پر اُس کے براہمن خدام بہت ناراض ہو گئے۔ اُور کہا کہ رانی کی عقل جاتی رہی ہے، وہ چلے گئے اُور رانا سے جو اُس کا خاوند تھا، شکایت کی اُس نے بھگت جی کو بلوایا اُور برہمنوں نے لگاتے ہوئے الزامات سُنے جنہوں نے ذات پات کی فضیلت پر زور دیا۔ اُور کہا کہ یہ مناسب نہیں۔ کہ موچی کو اس طرح کا رُوحانی اُور سپیشل اعزاز حاصل ہو، رُوداس جی نے جواب میں کہا، کہ ایشور کو تو جو چیز عزیز ہے وہ بھگتی ہے وہ جات پات کا خیال یا لحاظ نہیں کرتا۔ اس پر براہمنوں نے ویدوں کے پرمان نکالے۔ تین گھنٹے وید منتر پڑھتے رہے، لیکن وہ راجہ کو قائل نہ کر سکے برخلاف اس کے رُوداس جی کی رُوحانی شان نے راجہ کے دِل کو ہر لیا۔ اُور وہ اعلیٰ الاعلان اسی جلسہ میں اپنی رانی کی طرح رُوداس جی کا معتقد بن گیا۔

اس کے بعد رانی جھانسی نے چتوڑ پہنچ کر بھگت رُوداس جی کی شردھا میں ایک شکرانہ کی تقریب منائی اس موقع پر رانی نے بہت کچھ خیرات کی اُور ریاست کے بڑے بڑے پنڈتوں کو بلایا، مگر براہمنوں کے اندر سنگتا کا وہی جذبہ تھا۔ اُنہوں نے کہا یا کہ رانی کا پکا ہوا کھانا نہ لیں۔ بلکہ کچی رسد لے کر اپنا کھانا پکائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، مگر مہاپُرشوں کی عظمت بھی چھپائے نہیں چھپ سکتی۔ وہ جس زمین پر قدم رکھتے سونا ہو جاتی شہنشاہوں کے تاج اُن کے قدموں کی خاک میں لڑھکتے ہیں، : لوگ اُن کا درشن پا کر اپنے آپ کو پرم سوبھاگیہ وان خیال کرتے ہیں، جونہی سب براہمن کھانا کھانے بیٹھے، (تو) دیکھتے ہیں کہ ہر دو براہمنوں کے درمیان بھگت رُوداس براجمان ہیں۔ بس پھر کیا تھا۔ سب براہمن اُن کے پاؤں پر گر پڑے اُور اُن کے چیلے بن گئے۔

سنت پیپاجی

از لالہ کانشی رام جی چاولہ

سنت کون ہوتا ہے وہ جس کی آتما شانت ہو، جس کا من شانت ہو، سب اندریاں شانت ہوں، سنت کی آتما نرمل ہو جاتی ہے۔ ایسے برہم کے سوائے کسی بھی دیگر چیز کی یاد نہیں آتی اور نہ اسے بھگوان کے بغیر کسی اور چیز کی خواہش ہی رہ جاتی ہے۔ دنیا کی سبھی چیزوں میں اور سبھی حالتوں میں اس کا سم بھاو ہو جاتا ہے، پرالبدھ ہی سنت ہمیشہ چندن کی مانند اپنے جسم کو گھستے ہیں۔ اس بارہ میں وہ سورج، چاند اور بادلوں کی طرح ہوتے ہیں۔ کیوں کہ یہ جو کچھ سنسار کا کلیان کرتے ہیں اس کے معاوضہ کی توقع کبھی نہیں رکھتے۔ سنتوں کا خاص گن اہنسا ہوتا ہے، جب وہ خود ہی سنسار کا روپ بن جاتے ہیں تو وہ کس کے لئے کسی کی ہنسا کریں، سنت اپنے اندر ہی سکھ اور سوتنترتا کا انوبھو کرتے ہیں۔ ان میں ابھیمان، کرودھ، دویش اور لوبھ نہیں ہوتا، وہ سونے اور مٹی کے ڈھیر کو ایک سمان سمجھتے ہیں، سنسار انہیں چاہے پاگل سمجھے ان کا دھیان سدا بھگوان میں رہتا ہے، لیکن سنتوں کو پاگل سمجھنے والے حقیقتاً خود پاگل ہوتے ہیں، کوئی تو دھن کے لئے پاگل ہو رہے ہیں اور کوئی استری اور سنتان کے لئے کوئی ناموری اور شہرت کے لئے باولے ہو رہے ہیں لیکن سنت ان سب چیزوں کو حقیر اور بے حقیقت سمجھ کر صرف بھگوان کو پانے کے لئے پاگل ہوتے ہیں،

راجپوتانے میں اروَلی پربت سے گھرا ہوا ایک قلعہ ہے جسے گاگرون کہتے ہیں، فوجی نقطۂ نگاہ سے اس قلعہ کی بڑی اہمیت ہے، دشمن کو تھکانے اور اس کے منصوبوں کو خاک میں ملانے کے لئے اس قلعہ کا شمار بہت اونچا ہے، بہتیرے مسلمان بادشاہ اور سپہ سالار ہمیشہ یہاں سے مایوس ہو کر لوٹے ہیں۔ کم سے کم ان کی جنگی ہوشیاریاں اس جگہ ناکام رہی ہیں۔ یہاں کا منظر بڑا دلکش اور دلفریب ہے۔ قلعہ چاروں طرف سے ندیوں سے گھرا ہوا ہے، یہاں کے کئی مقامات قدرتی نگاہ سے بے مثال ہیں، وہاں ایک جگہ گھوگدھر نامی ہے جو ہندوستان کے دو چار اعلیٰ ترین مقامات میں سے ایک ہے، یہاں کی بیلوں اور پھلواڑیوں کا نظارہ ایک ناستک کو بھی آستک بنانے والا ہے،

راجکمار پیپاجی اسی دلاویز مقام کی پیدائش ہیں۔ اگرچہ راج گھرانے میں پیدا ہوئے تھے تاہم بچپن سے ہی ان کے دل میں دھارمک بھاونا کا انکور پھوٹ نکلا تھا۔ راج سنگھاسن پر بیٹھ جانے پر بھی ان کی یہ بھاونا کم نہیں ہوئی۔ بلکہ دن بدن بڑھتی ہی گئی یہاں تک کہ اس وقت کے عیش و عشرت کے سامان بھی ان کو دھرم مارگ سے ہٹا نہ سکے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کا زیادہ تر وقت دھرم کے کاموں میں لگتا۔

پیپاجی اپنے خاندان کی رسم کے مطابق ابتدا میں شکتی کے پوجاری تھے۔ لیکن ایک کیرتن منڈل کے آنے پر وہ ویشنو بن گئے اس تبدیلی کا دلچسپ قصہ اس طرح ہے،

ایک بار کچھ ویشنو لوگ پیپاجی کے مہمان ہوئے لیکن چونکہ وہ خود ویشنو نہ تھے اس لئے ان لوگوں کی مہمان نوازی اس خوبی سے نہ ہو سکی جس خوبی سے ہونی چاہئے تھی رات کو پیپاجی کو ایک دویہ درشن ہوئے اور آدیش ہوا کہ یہ تمیز کیوں، یہ بھید بھاو تو بھگتوں کا طریق نہیں۔ اس سے پیپاجی کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں سادھو سیوا میں کمی رہنے کا بڑا افسوس ہوا۔ اور اس دن سے ان کے دل سے بھید

بھاؤ مٹ گیا۔ بعد ازاں ان کا پریم ویشنو دھرم سے بڑھنے لگا اور انجام کار وہ اس زمانہ کے مشہور و معروف بھگت شرومنی آچاریہ شری سوامی رامانند جی کی شرن میں ویشنو دھرم کی دیکشا لینے کے لئے کاشی گئے۔ جب یہ کاشی جانے لگے تو ان کے ناطی، درباری، افسر اور ساری رعایا کے لوگ گھبرا اٹھے اور انہیں خوف ہو گیا کہ مہاراج ضرور سادھو بن جائیں گے۔

جب پیپا جی مہاراج کاشی پہنچ گئے اور سادھو سماج کے سرتاج سوامی شری رامانند جی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی بدسلوکی دیکھ کر بڑے رنجیدہ خاطر ہوئے، ساتھ ہی سوامی جی کے یہ الفاظ سنکر وہ اور بھی گھبرا گئے کہ: "بھائی! ہم تو سنیاسی ہیں ہمارے ہاں بھوگ کے پتلے راجاؤں کا کیا کام، ہمیں تو سادھو کے لباس میں آنے والے آدمیوں کی ضرورت ہے"

پیپا جی سوامی جی کے یہ کلمات سن کر بڑی سوچ میں پڑ گئے کہ اب کیا کرنا چاہئے لیکن وہ دھن کے "پکے" تھے دوسرے دن سادھو کا لباس پہن کر ان کی خدمت میں پہنچے۔ ان کو اس طرح سادھو کے لباس میں دیکھ کر اور ان کی سچی لگن دیکھ کر سوامی جی بہت خوش ہوئے اور ان کی بڑی تعریف کی۔ لیکن پھر بھی جب وہ سامنے آئے تو ان کی مزید پریکشا کے لئے فرمایا کہ اگر تمہاری ایسی ہی سچی لگن ہے تو جاؤ کنوئیں میں چھلانگ لگا دو وہیں تم کو بھگوان کے درشن ہوں گے یہ سن کر پیپا جی کنوئیں کی طرف تیزی سے بڑھے لیکن سوامی جی سے اشارہ پا کر سوامی جی کے چیلوں نے انہیں راستہ میں ہی روک لیا۔

اس طرح پیپا جی کی ایسی زبردست ایشور لگن اور پربھو پریم دیکھ کر گورو مہاراج نے ان کو منتر کا اپدیش دیا اور اپنا ششیہ بنا لیا، پیپا جی کچھ دن گورو چرنوں میں رہے۔ اور پھر جب آگیا لے کر واپس جانے لگے تو گورو جی کو پرارتھنا کی کہ آپ کبھی گاگرون گڑھ میں پدھارنے کی کرپا کریں تب سوامی جی نے فرمایا: اے راج ادھیراج پیپا جی! اگر تمہاری شردھا ایسی ہی رہی اور تمہارے ایسے ہی پریم کی رپورٹ ہم کو ملتی رہی تو ہم ضرور ایک دن اپنی ششیہ منڈلی کو لے کر وہاں آئیں گے۔

اس طرح شری پیپا جی گاگرون گڑھ آگئے اور ایشور آرادھنا میں پوری لگن سے اپنا دھیان لگانے لگے اور ان کی یہ باتیں سوامی جی تک پہنچتی رہیں، کچھ عرصہ کے بعد پیپا جی نے شری سوامی جی کی سیوا میں گاگرون گڑھ میں تشریف فرما ہونے کے لئے عریضہ بھیجا، اس پر سوامی جی مہاراج پیپا جی کی سچی شردھا اور نشٹھا دیکھ کر اور ان کے سچے پربھو پریم کو جان کر پیدل اپنے چیلوں سمیت روانہ ہو گئے اور راستہ میں آنیوالے دیہات اور قصبات میں لوگوں کو درشن دیتے ہوئے اور اپنی بانی سے ان کے کانوں کو پوتر کرتے ہوئے کئی مہینوں میں وہاں جا پہنچے۔ اس وقت ان کے ہمراہ کبیر جی اور رئی داس وغیرہ چالیس بڑے بڑے ششیہ تھے،

جب پیپا جی کو گورو مہاراج کے تشریف لانے کی خبر ہوئی تو وہ پھولے نہ سماتے اور ان کی سیوا کے متعلق طرح طرح کی تیاریاں کرنے لگے اور روزانہ اپنے گورو جی کے اوصاف کا ذکر کرنے لگے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کے سبھی لوگوں کے دلوں میں گورو مہاراج اور ان کے ششیوں کے درشن کے لئے اشتیاق بڑھ گیا، اور پیپا جی خود تو بہت زیادہ ادھیر ہو اٹھے،

جب آچاریہ شری جی گاگرون گڑھ پہنچے تب پیپا جی نے ان کا بڑے شاہی ٹھاٹھ سے استقبال کیا۔ سارے راجیہ اور راجپوتانہ میں ان کی تشریف آوری کی خبر پھیل گئی۔ اور چاروں طرف سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ درشنوں کے لئے گروہ در گروہ آنے لگے، یہ دیکھ کر جو خوشی اور مسرت پیپا جی کو محسوس ہوئی وہ بیان سے باہر ہے،

کہتے ہیں کہ پیپا جی کی زور دار عرض پر سوامی جی مہاراج ایک ماہ کے قریب وہاں مقیم رہے اور پیپا جی کے سادھو سوبھاؤ ان کی شردھا اور بھگتی بھاؤ کو دیکھ کر مہاراج بڑے پرسن ہوئے یہی وجہ تھی کہ جب سوامی جی نے پیپا جی سے دوارکا جانے کیلئے وداع مانگی تو پیپا جی بہت اداس ہو گئے اور گورو جی سے عرض کی کہ وہ ان کو بھی ہمراہ چلنے کی اجازت بخشیں۔ سوامی جی نے آگیا دے دی، تب پیپا جی اپنے شاہی ٹھاٹھ باٹھ کو خیرباد کہہ کر سادھو کے لباس میں گورو جی کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے۔ لیکن اس وقت ایک سوال پیدا ہو گیا، پیپا جی کی بارہ رانیاں تھیں وہ بھی ہمراہ جانے کے لئے ضد کرنے لگیں، پیپا جی نے کہا کہ اگر ساتھ چلنا ہے

تو بالکل ننگی ہو کر چلنا ہوگا۔ رانیوں نے یہ بات سنی تو گیارہ تو خاموش ہو گئیں لیکن بارہویں رانی نے ایسا کرنا بھی منظور کر لیا۔ یہ رانی بڑی پربھو بھگت تھی۔ اس کی ایسی بھگتی کو دیکھ کر سینکڑوں لوگوں کے دلوں میں پربھو پریم جاگ اٹھا۔ اس رانی کی ایشور بھگتی کے واقعات اور ان کی پاکیزہ زندگی کے حالات تو اتنے زیادہ ہیں کہ وہ علیحدہ لکھے جانے کے قابل ہیں۔

چنانچہ وہ رانی بھی ساتھ گئی وہ بھی سنیاسی ویش میں رہتی تھی، دوارکا جی پہنچ کر یہ سادھو منڈلی خوب ایشور، ارادھنا کا آنند لینے لگی۔ گورو جی تو کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے واپس لوٹ آئے لیکن پیپا جی اس سادھو رانی سمیت لمبے عرصے بھی کچھ مدت وہاں رہے، وہاں رہ کر انہوں نے اپنی ایشور آرادھنا اتنی بڑھائی کہ وہیں ان کو ایشور ساکشات کار ہوا۔ پھر وہ واپس اپنی راجدھانی میں آ گئے اور ایک گپھا میں رہنے لگے۔ اب تک وہاں ایک مندر بنا ہوا ہے، وہ گپھا ددی ندیوں کے سنگم پر ہے۔ اور اب بھی پوتر دنوں میں وہاں میلا لگتا ہے اس مندر کے ساتھ ایک جاگیر لگی ہوئی ہے، ایک گوشالہ قائم ہے،

پیپا جی نے اپنی زندگی میں ہزاروں ناستکوں کو آستک بنایا اور اسادھوؤں کو سادھو سبھاؤ میں بدل دیا، کئی نردھن کنگالوں کو اپنی پرارتھنا سے مالا مال کر دیا۔

پیپا جی کا پربھو پریم اتنا زیادہ تھا کہ انہوں نے راج گدی کے سکھ کو اس آنند کے مقابلہ میں ہیچ سمجھا اور انجام کار وہ پرم آنند کے بھاگی بنے۔

(بولو بھگوان کے بھگتوں اور بھگوان کی جے)

سنت رگھوناتھ داس جی

از پنڈت ہردے نارائن جی دلگیر

شمع امید ڈھونڈھتا ہوں میں زندگی کی اداس راہوں میں
یوں مجھے کیا نظر نہیں آتا ہیں دو عالم میری نگاہوں میں

کرشن چندرا اپنے علاقہ بھر میں ایک مشہور ہستی تھے، وہ غربا کے غمخوار اور ہر کس و ناکس کے مددگار تھے۔ ان کی خوش خصالی اور بے مثال فیاضی کے چرچے زبانِ زد خلائق تھے، ان کے دل میں ایشور کا خوف اور پریم نمایاں طور پر ظاہر تھا۔ ان کا زمینداری وسیع پیمانہ پر چلتا۔ گھر پر گائے بھینسیں بندھی تھیں، اناج کے انبار اور دولت کے خزانے بھرپور تھے، ان کی غیر معمولی فیاضی سے لاکھوں زندگیاں پرورش پاتی تھیں،

ایک بار ان کے علاقہ میں قحط کے بھوت نے اپنے خونناک جبڑے میں ایشور کی ہزارہا مخلوق کو دبوچ لیا، قحط نے تباہی و بربادی کے وہ المناک مناظر پیش کئے جس میں ہزاروں زندگیاں بھوک اور فاقہ کشی کی قہر آلود آتش میں جھلس کر مر گئیں۔ اس قحط سالی اور بدحالی میں کرشن چندر نے ان بھوکی اور بلکتی ہوئی زندگیوں کو بچانے کے لئے اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا۔ اپنی جائدادیں دیش کے غربت زدہ مزدوروں اور محتاجوں کی آتش شکم بجھانے کے لئے فروخت کر دیں، دولت اور اناج کے انباروں کو بھوکی اور سسکتی جانوں پر قربان کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے سر پر ہزاروں روپیہ کا قرضہ ہو گیا، اس قرضہ سے نجات نہ پا سکنے کے باعث ان کی صحت منعل ہو گئی، قرضخواہوں کی بدسلوکی اور بے رخی کے تفکرات سے ان کی زندگی اجیرن ہو گئی۔ ایسی حالت میں بھی وہ جب کبھی دکھی دل کی آہیں سنتے تو ان کا قلب زار زار تڑپ کے رہ جاتا۔ سے

کانٹا چبھے کسی کو تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

دن رات کی چنتا و فکر نے ان کا خرمن صحت برباد کر کے رکھ دیا۔ روز افزوں بخار کی شدت نے خون کو بھاپ بنا کر اڑا دیا، چارپائی پر لیٹے لیٹے ایک عرصہ گزر گیا۔ بیماری موت کا پیغام بن کر آئی، قسمت نے ساتھ چھوڑ دیا اور دواؤں نے اپنی تاثیر بدل لی، وہ موت کی گرفت میں اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہے تھے، اچانک کھانسی کے دورہ نے غلبہ پایا اور یہ کھانسی موت کا بہانہ بن کر رہ گئی۔ انہوں نے کھانستے ہوئے اپنے بیٹے رگھوناتھ سے کہا:-

"برخوردار! میری زندگی کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے، میرے مرنے کے بعد میرا قرضہ بیباق کرنا تمہارا فرض ہوگا۔"

مریض کی کھانسی بڑھتی چلی گئی، دورہ اس شدت سے بڑھا کر بیچارے مریض کو سانس لینا بھی دوبھر ہو گیا۔ انہوں نے ایک لمبی سانس کھینچی اور اپنے بیٹے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامتے ہوئے پھر کہا: "میری ...... آتما ...... کو ...... تبھی ...... شانتی ہوگی ......"

مریض نے کچھ آگے کہنا چاہا کہ یک لخت حالت بگڑ گئی، چہرے کی رنگت اور آنکھوں کی روشنی نے موت کو نزدیک بلا لیا، سانس گھٹنے لگا، مریض نے اپنے بیٹے کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور بڑی شدت سے آواز ان کے حلق سے نکلی ...... "میرے لال ...... اُف! ...... دین ...... بندھو ......"

مریض نے دم توڑ دیا۔ رگھوناتھ اپنے مرنے والے پتا کی آغوش سے چمٹ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بوندیں ساون کی گھٹا بن کر برسیں، رگھوناتھ کے لئے دنیا تاریک ہو گئی، کرشن چندر کی موت کے ساتھ ہی ان کی بیوی تپی کی چتا میں ستی ہو گئی، ایک ہی منحوس وقت میں رگھوناتھ ماتا پتا کے لاڈ پیار سے محروم ہو گیا۔ یہ اندوہگیں صدمہ رگھوناتھ کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ ماں باپ کی اچانک موت سے رگھوناتھ کا دل مغموم ہو کر دنیا سے بیزار ہو گیا۔ اس کے دل میں دنیا والوں سے ایک نفرت سی پیدا ہو گئی۔ وہ ماتا پتا کی المناک موت سے پاگل ہو اٹھا،

آدمی کا جسم کیا ہے جس پہ شیدا ہے جہاں،
ایک مٹی کی عمارت ایک مٹی کا مکاں
خون کا گارا ہے اس میں اور اینٹیں ہڈیاں
چند سانسوں پہ کھڑا ہے یہ خیالی آسماں
موت کی پر زور آندھی اس سے جب ٹکرائیگی
دیکھ لینا یہ عمارت ٹوٹ کر گر جائے گی

رگھوناتھ نے باپ کی بچی کچھی جائداد فروخت کر کے قرضہ ادا کر دیا۔ اس کا دل دنیا کی محفلوں سے اُکتا چکا تھا۔ اس نے بیوی کو دم دلاسہ دیا اور گھر بار چھوڑ کر نکل پڑا۔ اسے چاروں طرف بادل اور تاریکی دکھائی دے رہی تھی، وہ دنیا کی بیگانہ روی سے سخت بیزار تھا ؎

نہ سر کے تاج نہ نقش قدم کسی کے ہوئے
نہ بت پرست نہ نذاہل صنم کسی کے ہوئے
ایسے نصیب برگشتہ کم کسی کے ہوئے
ہوا نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے ہوئے

بیوی اپنے منہ پر پرشاں کی گھر میں اکیلی رہ گئی ـــــ رنج و غربت کی ٹھوکریں کھانے کے لئے ...... تفکرات کی جلتی آگ کی لپٹوں میں جھلسنے کے لئے،

رگھوناتھ کے سسرال والے بہت مالدار آدمی تھے مگر انتہائی درجہ کے کنجوس۔ رگھوناتھ نے امداد کے لئے ان کے آگے ہاتھ پھیلانا گوارا نہ کیا۔ اس نے فقیرانہ زندگی اختیار کی اور کچھ عرصہ گداگری سے دربدر کی ٹھوکریں کھائیں مگر اس کی غیرت نے اس ذلت آمیز پیشہ کو بھی قبول نہ کیا۔ اس نفرت بھرے طریقہ سے زندگی کے دن کاٹنے کی بجائے اس نے ایشور بھگتی کو ترجیح دی،

تھک گئے ہیں قدم تو غم کیا ہے
راہ میں بھی ہیں خم تو غم کیا ہے
اے مسافر! اگر ترے دل میں
عزم ہے تازہ دم تو غم کیا ہے

وہ ایشور کے بھجن کرنے کی نیت سے جنگل کو چل دیا۔"

بہت دُور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دُنیا کے ساحل سے بہت دُور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نیلاچل پوری کو چل دیا۔ ایک شو مندر کی چوکھٹ پر اس نے دھونی رما دی اور گڑگڑا کر بھگوان شنکر سے بنتی کی، درد و غم کے ملے جُلے جذبات سے اس کی آنکھوں سے گنگا جمنا بہ نکلیں۔ اس کے دل کی گہرائیوں سے ایک درد بھری پکار نکلی ـــ " اے مہا دیو پرم پتا! تو غریبوں اور دُکھیوں کا ہمنوا ہے تیرے ہی سہارے تمام کائنات زندگی کے سانس لیتی ہے، مَیں ایک گنہگار تیرے چرنوں کا سہارا لے کر یہاں آیا ہوں، اے دیالو پتا! اگر مجھ گنہگار پر نظرِ کرم ہو جائے تو مَیں ہمیشہ کے لئے یتیمی اور غربت کے حوادثات سے نجات پا سکوں، چاروں اطراف سے رنج و غم کی آندھیاں اور آفات حوادث کے طوفانوں سے گھِرا جا رہا ہوں، فقط تیری نظرِ فیض سے نجات مِل سکتی ہے، مَیں نیم جاں اور خستہ حال تیرے در کا بھکاری رحم و کرم کی بھیک مانگتا ہوں، میری داستانِ غم سننے والا کوئی نہیں ؎

نہیں منت کشِ تابِ شنیدن داستاں میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری
ہوئی ہے سرمہ آواز گو لذتِ خموشی کی
نگہ نگہ بن بن کے آنکھوں سے نکلتی ہے فغاں میری

رگھوناتھ کی خاموش پکار سے دشت و بیاباں میں ایک سناٹا چھا گیا۔ چاروں طرف غم و یاس کی لہریں دوڑ گئیں۔ اس کی پکار سے کائنات عالم کا ہر ذرہ غم میں ڈوب کے رہ گیا، خس و خاشاک جنگل میں ایک ہُو کا منظر تھا۔

بھگت نے سچے دل سے بھگوان کو پکارا :-

" دین بندھو! آپ کے درشنوں کے لئے میری پیاسی نگاہیں گھوم رہی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فقط تیرا اشارہ پانے کی تمنا ہیں ؎

نظر سے سنا سکتے افسانۂ غم — تو شاید زباں کی ضرورت نہ رہتی
میرا انداز مضطر میرا ساتھ دیتا — تو آہ و فغاں کی ضرورت نہ رہتی

عالمِ بے خودی میں رگھوناتھ داس کو ایسا محسوس ہوا گویا اس کی پکار کا جواب دینے کے لئے خود مہا دیو کیلاش سے اُتر کر اس کے قریب آ رہے ہیں، اور مہارانی پاربتی بھی ہمراہ ہیں، رگھوناتھ نے نگاہیں اُونچی کیں، بھگوان شو کی مورتی کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اسے ایسا محسوس ہوا کہ مہاراج اس کی پکار کے جواب میں کہہ رہے ہیں " بھگت! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

رگھوناتھ کے کانوں میں ایک سُریلی آواز کا احساس ہوا بھگوان کی مورتی سے ایک تیز جیوتی نکلی جس کی روشنی میں ایک خاص چمک نمایاں تھی، بھگوان نے آشیرباد کا ہاتھ اوپر اُٹھایا اور بڑے پریم سے اپنے بھگت کو مخاطب ہوتے " ہم تیری معصومیت اور بھگتی پر خوش ہیں، تم یہاں رہ کر ہمارے پرشاد کا بھوجن کرو اور بے خوف ہو کر ہمارے چرنوں میں زندگی کے دن گزارو،

رگھوناتھ نے مہا دیو کی مورتی کو پرنام کیا اور مندر میں ہی اپنا ڈیرہ ڈال دیا۔ اس نے اپنا تن من اور سروسیہ بھگوان کے چرنوں میں ارپن کر دیا۔ اسے تمام دُکھ درد کے واقعات بھول گئے وہ بھگوان کی بھگتی میں سرشار زندگی کے دن گزارنے لگا۔ اس جیون میں اسے نیا لُطف اور نئی زندگی مل رہی تھی، بھگوان اور بھگت کا رشتہ پریم اور عقیدت کی مضبوط لڑیوں میں بندھ رہا تھا ؎

بھگوان کی دیا نے زندگی سنوار دی
جنموں کی میل روح سے اُس کی اُتار دی
گرمی دی اُس کو جذبوں کی اور پا سُپیدا دی
مایا دی اُس کو گیان کی اور بیشمار دی

وقت کی رفتار میں ساغر نے چلتے رہے اور خم بھگتی کے دور بڑھتے رہے۔ ایک دن صبح شام خاور کی نورانی کرنوں کے ساتھ جب رگھوناتھ بھگوان کے مندر میں داخل ہونے ہی لگا تھا کہ اچانک اس کے دل میں کیا خیالات اُمڈ رہے تھے اور وہ بھگوان کے پریم میں محو نیم وا آنکھوں سے بھگوان کا جلوہ دیکھ رہا تھا کہ اچانک کسی اجنبی نے اس کے ہاتھ میں آگے بڑھ کر کاغذ کا ایک پرزہ تھما دیا۔

رگھوناتھ کی توجہ بدل گئی۔ اس نے بیقراری سے کاغذ کو کھولا۔ اس میں کچھ ٹیڑھی سیدھی سطور لکھی تھیں اس کی بے قرار نگاہیں ان سطور پر گھوم گئیں، کاغذ میں لکھا تھا :-

" پران ناتھ! مجھے برہ کی آگ میں جھلسنے کے لئے آپ مجھے

اکیلا چھوڑ کر چل دیئے۔ نہ معلوم مجھ سے کیا خطا ہوئی کہ آج تک آپ کے درشنوں کے لئے میری نگاہیں بے تاب ہیں میری کشتیِ حیات بحرِ تفکرات کی متزلزل موجوں میں ہچکولے کھاتے جا رہی ہے، میری تمناؤں کا خون ہوتا جا رہا ہے۔ ارمان دل میں مچلتے ہیں لیکن میں اس وجہ سے ان کا غم نہیں کرتی کہ مبادا پردیس میں آپ کے قلبِ حزیں کو پریشانی نہ ہو اور میرا پریم آپ کے مقاصد میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کر سکے۔ میں اس وجہ سے آنسو نہیں بہاتی کہ میری یاد میں آپ بے چین ہو کر اپنی منزل سے منحرف نہ ہو جائیں اور میرا پریم توہینِ محبت کے مترادف نہ ہو ورنہ میری آنکھوں سے اشک ہائے غم کا ایک ایک قطرہ دریا بن جانے کے لئے تڑپتا ہے ؎

قسمت ہی سہی اپنی یہ مگر قسمت کی شکایت کون کرے
دل ہارے شکوے بھول گیا فرقت کی شکایت کون کرے
دل چاہے جتنا گھبرائے گھٹتا ہے اگر دم گھٹ جائے
ہم بھی تو تمہارے ہیں آخر ہم پہ عنایت کون کرے

آپ نے جاتے ہوئے مجھے دلاسا دیا تھا اور پریم بھری نگاہوں سے دیکھا تھا مگر میں آج تک ایک کنجوس مالدار کی طرح آپ کے پریم اور پیار کو اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہوں، آپ جہاں بھی ہوں بھگوان آپ کے محافظ ہوں،

پیارے پریتم! آج میں جس دکھ بھری داستان کا ذکر کرنے لگی ہوں۔ اس کا ایک خفیف تصور بھی مجھے پریشان کئے دیتا ہے دل و جگر آنکھوں کی راہ آتشِ غم سے پگھل پگھل کر بہ نکلنے کو بیقرار ہے۔ آخر میں یہ داستانِ غم آپ کے سوا اور کسے سنا سکتی ہوں۔

میرے ماتا پتا، آج میرے خلاف ایک سازش کا جال بچھا رہے ہیں، میری یہ لاج، یہ عصمت، میرا حسن و شباب، میرا یہ تن بدن جو انہوں نے اپنے ہاتھوں آپ کے چرنوں میں بھینٹ کیا تھا۔ آپ کی غیر موجودگی میں دوسرے کے حوالے کر رہے ہیں مجھے بیکس اور بے نوا دیکھ کر یہ سارا پرپنچ اور ناپاک ڈھونگ مجھے اور آپ کو تباہ کرنے کے لئے کھیلا جا رہا ہے ؎

دل کے داغوں سے میں سینے کو سجاؤں کب تک
دل تو دل ہی ہے کوئی بزمِ چراغاں تو نہیں
دولتِ درد سلامت رہے راحت نہ سہی
گھر جو آباد نہیں کیا ہوا، ویراں تو نہیں

ان کی سازش مکمل ہو چکی ہے، میرے ماتا پتا لالچ میں آ کر مجھے یہاں کے راج منتری کے لڑکے کے وحشت دانہ... دوزخ میں دھکیل دینا چاہتے ہیں۔ میں اس وقت اپنے ماتا... کے ہاں ایک قیدی کی حیثیت میں گرفتار بلا ہوں، میری شادی کا دن مقرر ہو چکا ہے ...... پھاگن شکلا پنچمی کا دن ...... میری تباہی اور بربادی کا دن ...... آپ کے قدموں سے میری جدائی کا دن ......

بھگوان نے دروپدی کی لاج بچانے کے لئے کیا کچھ نہ کیا۔ میں آپ کے درشنوں کی تڑپتی ہوئی آرزو لئے ہوئے آپ سے امداد کی خواستگار ہوں، اگر آپ نے وقت پر پہنچ کر میری حفاظت نہ کی تو میں خودکشی کرنے پر مجبور ہو جاؤں گی

آپ کی غم نصیب
"ان پورنا"

چٹھی کے الفاظ نے رگھوناتھ کے دل و دماغ میں ایک ہلچل سی مچا دی۔ وہ بے چین ہو کر تڑپ اٹھا۔ فرطِ غم سے کاغذ کا پرزہ اس کے ہاتھوں سے گر گیا۔ دھرم تپنی کے اس مصیبت کے طوفان کے تصور میں وہ بے حال ہو رہا تھا۔ دور دراز کا سفر ...... پورے ایک ماہ کی منزل ...... اور شادی کی تاریخ میں آج پورے دس دن باقی رگھوناتھ اس چنتا میں مستغرق تھا۔ اتنے طویل... کو طے کرنے کو پریشانی سے سوچ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں کی کھلی رہ گئیں۔ چاروں طرف سے مایوسی ہی مایوسی نظر آتی تھی۔ ان پورنا کی مصیبت اسے بے چین کئے جا رہی تھی۔ اس نے بھگوان مہادیو کا سہارا لیا، مورتی کے سامنے سر بسجود ہو کر امداد کی پرارتھنا کی،

"بھولے شنکر! یہ میرے امتحان کا پہلا وقت ہے اپنی شکتی دیکھئے ...... ایسی شکتی، جس سے میں ا...

دُکھی ابلا کے دُکھ درد کا نوارن کر سکوں۔

پربھو آپ کے سہارے میرا اور میری دھرم پتنی کا جیون نربھر ہے۔ ایسی شکتی اور بل دیجئے کہ میرے ہاتھوں ایک ابلا کی لاج بچ سکے۔ ؎

اُٹھا ساغر بدل دے وقت کی تقدیر اے ساقی
میرے دل کی طرح ہر چیز ہے دلگیر اے ساقی
خفا ہے ان دنوں کچھ گردشِ تقدیر اے ساقی
میری یہ زندگی ہے درد کی تصویر اے ساقی
غمِ دُنیا کو باہر میں اکیلا چھوڑ آیا تھا
یہ میرا منتظر ہوگا نہ کرنا دیر اے ساقی

رگھوناتھ بے بسی کے عالم میں بھگوان کے سامنے رو رہا تھا۔ اس کی پُرنم آنکھوں سے پانی کی بوندیں ساون کی گھٹا بن کر برس رہی تھیں، نہ معلوم وہ اس بے تابانہ عالم میں کتنی دیر تک بلکتا رہا،

یکایک اس پر غنودگی کا عالم طاری ہوا، وہ بھگوان کے دھیان میں کھو گیا۔ اسے اپنی کچھ سُدھ بُدھ نہ رہی، مورتی سے ایک نہایت تیز چمکدار کرن نکلی، رگھوناتھ کی آنکھیں اس نورانی کرن سے چندھیا گئیں۔ اس نے اس چمک کی تاب نہ لا کر آنکھیں بند کر لیں، بھگوان کی قدرت نے اس روشنی کے ذریعے اس میں ایک دیو شکتی بھر دی، لیکن رگھوناتھ اس غائبانہ امداد سے قطعی لاعلم تھا،

ایکا ایک وہ مندر سے باہر نکلا اور کسی خیال سے اس نے سرپٹ بھاگنا شروع کر دیا، وہ پوری قوت سے بھاگا جا رہا تھا...... آندھی کے زبردست ریلے کی طرح ...... بجلی کی رَو سے بھی زیادہ تیز ...... اس کے اندر ایک غیر معمولی دیو شکتی کام کر رہی تھی،

رگھوناتھ کی حالت اس موقعہ پر دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی وہ سراسیمگی کی حالت میں بے تحاشہ بھاگا جا رہا تھا لیکن وہ بھگوان مہا دیو کے اگادھ پریم میں سرشار تھا۔ اسے بذاتِ خود بھاگنے کا احساس تک بھی نہ ہو رہا تھا، اس کی آنکھوں کے سامنے سوائے بھگوان کی مورتی کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا، جس حالت میں وہ بھگوان کے سامنے اپنے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی پرارتھنا کی پکار سے کر بیٹھا وہ سمادھی کی حالت اب بھی اس پر بدستور طاری تھی، سمادھی کے وقت جو مورتی اس کی نگاہوں میں جلوہ گر تھی بالکل وہی مورتی اسی حالت میں اس کی باطنی آنکھوں کے سامنے جلوہ افروز تھی، بھگوان کی اس لیلا کا بھید اس کے دماغ میں بھی نہ آ رہا تھا ؎

عطا کیا پربھو نے اُسے آتما کا بل ۔ ایک ہی لمحہ میں کر دیا اسکا جنم سپھل
رموزِ معرفت کی دکھا کر نہ رہ عمل ۔ کاٹا بھگت کی زلیست کا بالکل ہی بادل

بھگت کے دل میں بھگوان کی بابرکت امداد سے دور ہی منزل اور تنگی وقت کی قید کا جھنجھٹ ختم ہو چکا تھا دوست اور دشمن کی تمیز کی تفاوت اس کے دل سے قطعی مٹ چکی تھی اس کے اندر بھگوان کی مایا اپنا کام کر رہی تھی، وہ سسرال کی جانب ایک پُرزور طوفان کی مانند بڑھتا جا رہا تھا لیکن تعجب اس امر کا تھا کہ بھگوان کی اپار کرپا سے یہ تمام درکمال جلوہ۔ یہ سارا روحانی منظر، یہ عجیب و غریب حالت ان تمام کیفیتوں میں قدرت کا راز نہاں تھا۔

اس کا جسم بجلی کی رَو کی طرح بھاگا جا رہا تھا وہ خس و خاشاک جنگل کی منزلیں نہایت تیزی سے طے کر رہا تھا اس کی آنکھیں بھگوان کے جلووں میں بند تھیں۔ ان کی جسمانی عقل و دانش اس غیر ارضی جلوہ میں منہمک تھی اور سمادھی کی حالت میں اس کی تمام گیان اندریاں اور قوتیں اپنی ہستی کھو چکی تھیں، تو پھر اس کی رہنمائی کون کر رہا تھا؟ اس کے پاؤں کو راستہ کون دکھا رہا تھا؟

ایک گہری نیند کی حالت میں جب خواب کی دُنیا کو بیدار کرنے والی شکتیاں مفقود ہو جاتی ہیں تو اس حالت میں کوئی غیر معمولی غیر مرئی یا غیر مادی شکتی جاگرت رہتی ہے جو اس نیند کے آنند کی خبر دیتی ہے آج رگھوناتھ کے دل میں وہی شکتی اور ہر حالت میں بیدار رہنے والی قوتِ ایزدی اس کا ساتھ دے رہی تھی اور یہی قدرتی شکتی رگھوناتھ کی راہنمائی کر رہی تھی، (باقی پھر)

نام کی مہما

از شری نوبت رائے جی شوخ

نام کی مہما اَپرَ مپار
نام کے تینوں اکھشر جان ؎
کام جو لائے ناشے کرودھ
نام چھڑائے مایا پھند
نام سے من کا کالی کپل
شیش ناگ کو نام آدھار

نام نوا جے لاکھ ہجار
اگنی ، سورج ، چندر سمان
نام جگائے آتم بودھ
دور رہے جمراج کمند
نام سے وِشنو ،شو کنٹھ کا نیل
سر پر دھرتی ، جیبھ ہجار

نام نے اگنی چندن کین
نامی آپ بھی نام آدھین

بیج منتر ہے جگ کو نام
نام پربھ کے لاکھ کروڑ
سہنسر نام نہ کیول مان
تیرے من جو لاگے نیک

روپ کا نام بنا کیا کام
جوڑ سکے جو چت سے جوڑ
نام کی گنتی بے حد جان
نام وہی ہے جپنا ٹھیک

جاگو سمرن تیرے پران
نام وہ سب سے اُتم جان

نام بھی سمرن کے آدھین
من کے منکے لاکھ ہجار
من کا ہر ہر منکا پھیر
مالا سمرن کے آدھین
نام سے چت کو ایسا باندھ
نام نہ بسرے بھی بسرائے

تیرے ناہ کنول ہیں بین ؎
کرے نہتی چت کے تار
درشن ہوت نہ لاگت دیر
سمرن مالا بس ہیں کین
جیسے جیشو لے مایا باندھ
ایسا سمرن جا کو آئے

واکو آپ دھیائیں رام
شوخ نپٹ بسرائیں رام

سنت تکارام جی

ایڈیٹر کے قلم سے

رُوحانیت کی راہ پر چلنے والے لوگوں کو دُنیاوی مشکلات سے عام لوگوں کی نسبت عموماً زیادہ واسطہ پڑتا ہے، اور سچ پوچھو تو یہ مشکلات ہی ہیں، جو ان کی رُوحانیت کو چمکاتی ہیں اور اُن کی طاقت کو بڑھاتی ہیں۔ اس لئے کہ بہت ہیں رستے ہوئے جو شخص اس راستہ پر چلنے کے خواہش مند ہوں اُنہیں مہاتما تکارام جی کے مندرجہ ذیل حالات سے ڈھارس اور سبق حاصل ہو سکتا ہے۔ (ایڈیٹر)

سنت تکارام جی کی پیدائش بمبئی کے مشہور شہر پونہ سے سولہ میل کے فاصلہ پر ایک دیہو نامی گاؤں میں ۱۵۸۸ء میں ہوئی، آپ کا جنم ایک شودر گھرانے میں ہوا، اور آپ کا آبائی پیشہ مہاجنی یا موزہ فروشی تھا۔ آپ تین بھائی تھے، ایک بڑا اور ایک چھوٹا، باپ چھوٹی عمر میں گزر گیا۔ اب گھر کا کام بڑے بھائی ساؤجی کو سنبھالنا چاہئے تھا لیکن ساؤجی کی طبیعت زیادہ تر پوجا پاٹھ کی طرف مائل تھی اور وہ دُنیاوی مشاغل میں اپنے آپ کو نہیں لگانا چاہتا تھا۔ اس لئے تکارام جی کو اپنی زندگی کے تیرھویں سال ہی گھر کا تمام کاروبار سنبھالنا پڑا۔ اس کام کو انھوں نے شروع شروع میں بہت اچھی طرح سنبھالا۔ مگر بعد میں وہ اس دُنیاداری کے جھمیلوں میں بہت بُری طرح پھنسے ان کی دو بیویاں تھیں۔ ایک کا نام رکھمو بائی اور دوسری کا جیجا بائی۔ لیکن پہلی بیوی آپ کی عمر جب بیس سال کی ہوئی تو ہمیشہ کے لئے داغِ مفارقت دے گئی۔ اور اس کے بطن سے جو لڑکا ہوا تھا وہ بھی ساتھ ہی چل بسا۔ بڑے بھائی کی بیوی بھی چل بسی، بڑے بھائی نے اب بالکل ہی منہ توڑ دیا۔ اور تارک الدنیا ہو کر تیرتھ یاترا کو روانہ ہو گیا۔ بدبختی سے اس سال قحط نے بھی وہ ہیبتناک شکل دکھائی کہ لینے والی تمام جگہوں سے نہ کچھ وصول ہوا اور نہ ہی دینے والے مقامات پر کچھ ادائیگی ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے دُنیاوی رنج کا پیالہ لبریز ہو گیا اور سوائے اس کے کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ اپنے کاروباری سلسلہ کا دیوالہ نکال کر کہیں گوشہ نشین ہو جائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تکارام جی نے دنیا کے کاروبار سے بیزار ہو کر گوشہ نشینی اختیار کی۔ اور دیہو میں ہی وٹھوبا (دیوتا) کی پرستش میں دن رات محو رہنے لگے۔

(۲)

وہ اپنے کلام میں ایک جگہ ان مصائب کا یوں ذکر کرتے ہیں، ماں باپ کی وفات کے بعد مجھے کٹھن مصیبتوں سے واسطہ پڑا۔ بھائی نے ساتھ چھوڑ دیا، قحط نے اتنا ستایا کہ سب آبرو پر پانی پھر گیا، جو کچھ پاس تھا خرچ ہو گیا، میری ایک بیوی جان بحق ہو گئی، شرم کے مارے لوگوں کے سامنے نہیں ہوتا تھا۔ ان مصیبتوں نے میری کمر توڑ دی، دیو جو پار میں گھاٹا ہی گھاٹا پڑنے لگا۔ اور خانگی معاملات اُلٹے پلٹے ہونے سے مجھے بہت تکالیف اُٹھانی پڑیں۔ آخر میں نے مولیشی چرانے شروع کئے، مگر میری گذران اور بھی محال ہو گئی۔ اور میں سب کچھ چھوڑ کر مندر میں ڈیرہ لگانے کے قابل ہو گیا، بھگوان اچھا ہوا کہ میرا دیوالہ نکل گیا۔ اچھا ہوا کہ قحط نے مجھے ستایا۔ ان باتوں نے مجھے بہت دُکھی کر کے تمہاری یاد کو میرے دل میں تازہ رکھا۔ اور دُنیاوی مشاغل سے میرا دل کھٹا کر دیا۔

لیکن اس طرح برداشت کی طاقت ہونے پر بھی اُن کو سُکھ کا سانس لینا نصیب نہ ہوا وجہ یہ تھی، کہ ان کی بیوی جو ابھی زندہ تھی، وہ بھی آتش کا پرکالہ اور ان کیلئے سخت وبالِ جان تھی، بڑی لڑاکی زبان دراز اور دُرشت کلام تھی۔ وہ انہیں مندر میں بھی جا کر گالیاں سُناتی اور تنگ کیا کرتی، اس کے متعلق بھی انہوں نے اپنے دوہوں یعنی کلام میں واقفیت دی ہے اور لکھا ہے کہ ہر روز مندر میں آ کر پیچھے سے

یوں مخاطب ہوتی تھی۔ کہ تیرا یہ تیاگ نرا ڈھکوسلہ ہے۔ اور مجھے مصیبت میں پھنسانے کے لئے تارک بن بیٹھے ہو، میں کس کی لونڈی بن کر گھر کا نرباہ کروں، گھر کے دکھ میں کب تک روتی رہوں گی، بچے بھوک سے بے تاب ہیں اور مجھے کھانے کو دوڑتے ہیں اور میرے پاس کیا رکھا ہے، جو میں اُن کو کھانے کو دوں، اچھا ہوتا اگر سب کے سب مرگئے ہوتے، نہ معلوم تیرے جیسا کیوں میرے پلے پڑگیا، تُو تو کسی جنم کا میرا بیری ہے، جو اس جنم میں خاوند بن کر بدلہ لے رہا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی زور زور سے ماتھا اور چھاتی پٹینا شروع کر دیتی۔ اور مندر کے دیوتا کو کہتی کہ اے وِٹھل تیرا ستیاناس تجھ سے کب مجھے یا میرے گھر کو فائدہ پہنچا، پھر بچے کو مخاطب ہوتی اور اس کے منہ پر ہاتھ پھیر کر چھاتی سے لگاتی ہوئی مایوسانہ انداز میں کہتی بچے اب تیرے لئے کیا ہو رہا ہے، تیرا باپ اب گھر بار چھوڑ کر اب مندر میں رہنے لگا ہے، وہ اب اپنے بال سنوارتا ہے۔ اور گلے میں پھولوں کی مالا پہنتا ہے، روزی کمانے کا خیال تو اُس نے بالکل ترک کر دیا ہے مگر اس سے اُسے کیا۔ اُسے اپنے کھانے پینے کے لئے تو اچھال جاتا ہے، بستر سے اُٹھتے ہی ہاتھ میں جھانجا لیتا ہے۔ اور چیلے چاٹوں کو ساتھ لے کر شور مچانا شروع کر دیتا ہے۔ وہ زندہ ہے مگر مُردوں سے بدتر شرم و حیا ساری گھول گھال کر پی گیا ہے۔ اس سے تو میں رانڈ ہو جاتی۔ تو زیادہ بہتر تھا کیونکہ ایک دن ہی سارا رونا رو لیتی، مگر اب تو دن رات کا رونا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بھی بھگتی بھاؤ کو دل میں لے کر ان سے ملنے آتا تو کہتی لوگ ہمارے گھر آتے ہیں۔ کیا سب ہی دُنیا سے گئے گذرے ہیں۔ اور انہیں اپنا کوئی کام نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح ہر ممکن طریقہ سے استری کے تنگ کرنے سے تکارام جی کے دل میں اگر دُنیاوی حالات سے کچھ تھوڑی بہت آسکتی تھی بھی تو وہ بالکل ہی کمزور ہو گئی۔ لیکن یہ ناممکن ہوتا ہے کہ مہاپُرشوں کے خلاف اس طرح کا طوفان بدتمیزی مسلسل طور پر قائم رہے، ایک وقت آتا ہے کہ ایسے گھٹا ٹوپ حالات میں سے روشنی کی شعاع نمودار ہوتی ہے، جب ایک دن تکارام جی کے بڑے لڑکے کو پتھری کا عارضہ لاحق ہوا۔ اور ماں کے تھوڑا بہت علاج کرنے پر اُسے افاقہ نہ ہوا، تو ماں اُسے گھر سے مندر میں اُٹھا لائی۔ اور ایک کونے میں بٹھا کر تکارام جی سے بولی لو یہ تمہارا بیٹا ہے، کئی دن سے بیمار ہے میں کیا کروں، اچھا اگر مرنا ہے تو یہیں مرے اور اس کے ساتھ ہی بڑبڑاتی ہوئی مندر سے چلی گئی، تکارام جی بہت حیران ہوئے اور دیر تک لڑکا وہیں پڑا رہا۔ اُسے پیاس لگی تو تکارام جی نے گھڑے سے ٹھنڈا پانی پلایا، پھر پیاس لگی پھر وہی پانی دے دیا، تھوڑی دیر کے بعد اُسے پیشاب کی حاجت معلوم ہوئی، اور کرنا بھگوان کا یہ ہوا۔ کہ پیشاب کے ساتھ پتھری کے کئی ذرے بھی نکل گئے۔ اور لڑکا صحت یاب ہو کر کھیلنے لگا۔

لوگوں نے اس واقعہ کو ایک معجزہ قرار دیا، استری کے دل پر بھی خاص اثر پڑا۔ اور اُس کا نقطہ نگاہ بالکل بدل گیا۔ اور اُس دن کے بعد اُس نے پھر کبھی تکارام جی کو کبھی تنگ نہ کیا۔ بلکہ صبر اور دھیرج سے اپنے دن گذارتی رہی۔

(۳)

ان گھٹناؤں نے تکارام جی کے ویراگ کی گاڑھتا کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا، اور اب ان کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ کئی کئی دن مندر سے متواتر غائب اور غیر حاضر رہنے لگے، اور کھوج کرنے والوں نے انہیں کئی بار پہاڑوں میں محویت کی حالت میں پایا۔ لیکن وہ اپنے اعتقاد کے لحاظ سے ابھی تک کچھ ڈانواں ڈول حالت میں تھے مگر غیب سے ایک ایسا واقعہ ظہور میں آیا جس نے اُن کے اعتقاد کو ہمیشہ کے لئے پختہ کر دیا۔ اور وہ ایک خواب کی شکل میں ظہور پذیر ہوا۔ یعنی تکارام جی نے دیکھا کہ گنگا پر نہانے جا رہے ہیں۔ اور راستہ میں ایک مہاتما نے درشن دیئے۔ اور سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے صاف ہو جاؤ، شک و شبہ کو دل سے نکال کر رام، کرشن اور ہری کا جاپ کیا کرو، کیا تم نہیں جانتے کہ کئی سادھو سنت اس نام کی بدولت اس بھوساگر سے تر گئے تکارام جی اپنے کلام میں کہتے ہیں۔ کہ مجھے یہ واقعہ ایسا معلوم ہوا جیسے جاگرت اوستھا میں ہوا ہے اور میں نے پختہ ارادہ کر لیا، کہ جان چلی جائے تو بھی پرواہ نہیں، مگر اب بھگوان کے سوا کسی کا آسرا نہیں لوں گا، اب تکارام جی مست رہنے لگے۔ اور ان کی اس اوستھا کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی کیرتی اور یش کا عالیشان محل بننا شروع

ہو گیا۔ اور باوجود آپ کی نیچ جاتی کے ہونے کے اونچی جاتی کے کئی بھلے لوگ آپ کے آگے ڈنڈوت کرنے لگے، براہمنوں کو اس بات سے بڑی خار پیدا ہوئی، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس عزت کے صرف وہی ادھیکاری ہیں، دوسرا کوئی نہیں، اور یہ گروہ تھی ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے پر تل پڑے، ممباجی نامی ایک براہمن گوسائیں جو ان براہمنوں کا لیڈر تھا نے چھیڑ خانی کے لیے ایک دن مندر کی پرکرما کا تمام راستہ کانٹے دار جھاڑیوں سے روک دیا، تاکہ کوئی یاتری مندر میں گھس سکے اور نہ ہی پرکرما کر سکے، تکا رام جی نے اسے معمولی بات سمجھ کر تمام جھاڑیوں کو اپنے ہاتھ سے الگ تھلگ کر کے راستہ صاف کیا۔ اس پر ممباجی آگ بگولہ ہو کر ان پر لپکا اور انہی جھاڑیوں سے انہیں بری طرح زدوکوب کیا۔ مگر انہوں نے بڑی شانتی سے اس زدوکوب کو برداشت کیا۔ اور کینہ کا خیال تک اپنے دل میں نہ آنے دیا۔ اور اس واقعہ کے متعلق اپنے بھگوان سے مخاطب کرتے ہوئے اپنے کلام میں یوں لکھا۔

"بھگوان میں تیرے چرنوں کی شرن نہیں چھوڑوں گا۔ نہیں چھوڑوں گا، نہیں چھوڑوں گا، خواہ کوئی شستر دھاری میرے جسم کے سو ٹکڑے بھی کر دے، اچھا ہوا، اچھا ہوا، اچھا ہوا، بھگوان تو نے جو کچھ کیا اچھا کیا، تم نے یہ سمجھ کر کہ اس کے اندر کھشما کا بھاو جگانا چاہئے مجھے خاردار جھاڑیوں سے خوب پٹوایا، گالیوں کی بوچھاڑ سے خوب رسوا کروایا، مگر میں خوش ہوں، خوش ہوں، میری خوش قسمتی سے ایسا ہوا۔ اب میں بولوں تو کیا بولوں، مجھے کسی نے مارا ہی نہیں، تیری کرپا سے میرا دل کدورت سے صاف ہو گیا ہے" اس غیر معمولی برداشت کی طاقت اور عالی حوصلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ممباجی بہت نادم ہو کر ان کا ثناخواں بن گیا۔

(۴)

مگر اس پر بھی تکا رام جی کی مصائب کا خاتمہ نہ ہوا، اور شیطان سیرت لوگوں نے اکٹھے ہو کر ایک براہمن کے ذریعے تکارام جی کے خلاف حاکم ضلع کی عدالت میں یہ دعوے دائر کرا دیا۔ کہ ایک جاہل شودر دھرم سے پتت ہو کر مندر کی عظمت کو بگاڑ رہا ہے اسے دیہو سے نکال دو، چنانچہ حاکم ضلع کی طرف سے دیہو کے پٹیل کے نام ایک حکم جاری ہو گیا۔ کہ تکا رام کو دیہو سے نکال دو، اس واقعہ سے تکا رام کو ایک خاص صدمہ پہنچا، چنانچہ اس واقعہ سے متاثر ہو کر بھگوان کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں، بھگوان اب میں کیا کروں کہاں جاؤں، کس کی پناہ لوں اور تیرے استھان کو چھوڑ کر کدھر جاؤں، اچھا اب میں رامیشور بھٹا کے پاس جاتا ہوں اس سے معافی مانگ لوں گا۔ کہ وہ مجھے یہاں سے نہ نکالے، چنانچہ تکا رام جی اس کے پاس گئے۔ اس نے جواب دیا۔ کہ تم اپنی کتھا میں ویدوں سے اپدیش کرتے ہو، شودر کے لئے ایسی کتھا کہنا پاپ ہے۔ بلکہ ایسی کتھا جو لوگ سنتے ہیں، وہ بھی پاپی بن جاتے ہیں۔ اس لئے تم اگر دیہو میں رہنا چاہتے ہو۔ تو آئندہ کے لئے کتھا وغیرہ کرنا بند کر دو اور جو بھجنوں کی کتابیں تم نے آپ بنا رکھی ہیں، وہ سب دریا میں بہا دو۔ رامیشور بھٹ کو اس بات کا وعدہ دیکر آپ دیہو میں آئے، وٹھوبا کے حضور میں اپنی رام کہانی سنائی۔ اور اپنے بھجنوں کے گرنتھ اندرایتی ندی میں جو دیہو کے نزدیک بہتی ہے۔ بہا دیئے۔ مگر شرارتی لوگوں کے ارمان اب بھی پورے نہ ہوئے، انہوں نے اب دوسرے طریق سے نوک جھونک کرنی شروع کر دی، اور تمسخراً کہتے کہ اپنے حساب کتاب کے قیمتی کاغذ دریا سپرد کر کے دنیا کا دھن دولت ضائع کر کے تم پہلے ہی کنگال ہو گئے تھے۔ اب پرماتما کا دھن بھی تم نے ضائع کر دیا، تمہاری جگہ کوئی دوسرا ہوتا۔ تو کبھی کا اپنی جان پر کھیل جاتا۔ اس قسم کی طعنہ زنی نے تکارام کو بہت ہی افسردہ کر دیا۔ اور آپ کا کھانا پینا چھوٹ گیا اور وٹھوبا کے مندر کے دالان میں ایک پتھر پر لیٹے رہتے۔ حتّٰی کہ تیرہ دن گزر گئے۔ اس حالت میں انہیں ایسا معلوم ہوا۔ کہ خود بھگوان بال روپ میں ظاہر ہو کر ان سے بغلگیر ہوئے۔ اور انہیں تسلی دی۔ کہ تمہارے گرنتھ تلف نہیں ہوئے۔ اور اس کے ساتھ گرنتھ پانی پر تیرتے ہوئے پائے۔ لوگ انہیں نکال کر تکا رام جی کے پاس لے آئے۔ یہ تکا رام جی کی عظمت کا دوسرا معجزہ تھا۔ مگر گرنتھ دیکھ کر وہ رو پڑے۔ اور بھگوان سے مخاطب ہو کر کہا۔ میں نے بڑا قصور کیا جو تمہیں اس قدر آزمایا۔ لوگوں کی طعن و تشنیع

سے تنگ آکر تمہیں تکلیف دی مہر نیچ کم ذات نے تیرہ دن آنکھیں موند کر تمہیں دکھ دیا۔ نہ کچھ کھایا نہ کچھ پیا، مر جاتا تو ہماری بلا تمہارے گلے تھوپی جاتی، کاغذوں کی تم نے پانی میں حفاظت کی اور مجھے لعب المیر کر کے میرے دل کو مطمئن کیا۔ لوگ چاہے میرا گلا کاٹ ڈالیں، تیرا دل چاہے مجھے ستائیں ہیں آپ ایسی کوئی بات نہیں کروں گا جس سے تم کو تکلیف پہنچے۔ ایک دفعہ تو مجھ سے جنڈال سے غلطی ہوئی پال اپنی کتابوں کی حفاظت کے لئے تمہیں کھڑا رکھا کوئی چھپر لے کر میرے سر پر کھڑا ہوا تھا، اور نہ میری پیٹھ پر کسی نے حملہ کیا تھا پھر تیں نے کیوں رامشیور بھٹ کے کہنے پر تیرے دشواش پر لغزش کھائی۔ کرپا سے بھگوان تیرے برابر کوئی داتا نہیں۔ ماتا سے بڑھ کر تم مہربان ہو چاند سے بڑھ کر شیتل ہو، جل سے بڑھ کر شفاف ہو، پریم کی اونچی لہر ہو۔ میں تمہاری تشبیہ تمہارے سوا کس سے دوں۔ مدت مدید تک کی سادھن اوستھا میں رہنے کے بعد آخر وہ وقت آیا جب انہیں دائمی وصال حق نصیب ہوا اور اس وقت ان کے کلام سے معنی ذیل حقائق کی خوشبو آنے لگی،

جب ایک ہی حقیقت سب جگہ جلوہ افروز ہے۔ ایک ہی چت یعنی علم کے اندر سب کچھ ظہور پذیر ہو رہا ہے اور ایک ہی سُر ور سے سب جاندار اور بے جان چیزیں پیاری لگتی ہیں۔ تو پھر غیریت اور دوئی کہاں۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ جگت برہم کے گیان میں نمودار ہوا ہے، اس واسطے برہم روپ ہی ہے۔ پس ہر بات میں شانت من رہنا چاہئے۔ اور ادھیاتم ہی دیکھنا چاہئے۔ ظاہر بین لوگوں کو اشیا کی اندرونی حالت نظر نہیں آسکتی۔ وہ صرف ان کا رنگ، شکل، ذائقہ اور بو وغیرہ ہی دیکھتے ہیں۔ انہیں وحدت پرستی سے لطف کیا؟ جو برہم گیانی کیلئے ست روپ پر برہم کے دَرشن کے سوا اور کیا بھی بلا کسی ہو سکتا ہے اس پرم آنند کے حصول کا آرزومند کوئی عقلمند دنیا کی ہیچ پوچ اور منٹ منٹ میں رد و بدل ہونے والی چیزوں کی طرف کب توجہ دے گا، جب آسمان پر چودھویں کا چاند درخشاں ہو تو تصویر کے چاند کی کسے پرواہ ہوتی ہے،

سنتوں کی جیونی

از شری لوکناتھ جی ڈِل

(۱)

جو سنت ہیں جگ میں پنتھوں پر — اُپکار کیا کرتے ہیں سدا
ہر جیو میں ہری کو دیکھ، جیو — کو پیار کیا کرتے ہیں سدا
نر پکش ڈولتی نیّا کو، — بھو پار کیا کرتے ہیں سدا
کرُونا کٹ سش سے جیوؤں کا — اُدھار کیا کرتے ہیں سدا

(۲)

جو سنت ہیں ورکھشوں کے سادرش — جیون کو بتایا کرتے ہیں
کوئی پتھر بھی مارے تو — پھل سوئم گرایا کرتے ہیں
کوئی سنتپت دھوپ سے ہو — یہ شیتل چھایا کرتے ہیں
وانی ورشا سے ہردیہ کسُم — جنتا کے کھلایا کرتے ہیں

(۳)

جیسے دیپک جل جل کے سوئم — جگ میں جیوتی پھیلاتے ہیں
ایسے ہی سنت کشٹ پاکر — اوروں کو سکھ پہنچاتے ہیں
کرتے ہیں کٹھن تپیا اور — سمادھی سدا لگاتے ہیں
آنند وہاں جو پاتے ہیں — وہ جنتا پر برساتے ہیں

(۴)

سنتوں کے پاس آ جانے سے تو — من شانت مئے ہو جاتا ہے
دُکھ کی بھٹی کو تپا گیا ہے — شیتلتا میں کھو جاتا ہے
شتوؤں کی شتیا چھوڑتا ہے — تو سنتوں پر سو جاتا ہے
سنتوں کا واک ہردیہ کھیتی میں — پریم بیج بو جاتا ہے

(۵)

سنتوں کے من کا کیا کہنا — نونیت سا کومل ہوتا ہے
گنبھیر سندھو سا ہوتا ہے — گنگا سا نرمل ہوتا ہے
اگنی کی طرح پوتر سدا — چندن سا شیتل ہوتا ہے

پراتہ کی طرح شانت ہوتا ہے ششی سا اُجوّل ہوتا ہے

(۶)

سنتوں کی جیونی سے من میں اِک جوت جگائی جاتی ہے
اُس کے اُجیالے میں جھانکی پریتم کی پائی جاتی ہے
سنتوں کے جیون سے من میں شکتی اُپجائی جاتی ہے
نیرس پھلواری جیون کی جس سے سرسائی جاتی ہے

(۷)

سنتوں کی پد رج یگ یگ سے مستک پہ چڑھائی جاتی ہے
سنتوں کی سکھشا سدا سدا ہردیہ میں بسائی جاتی ہے
سنتوں کی وانی سُن سُن کر شردھا سے گائی جاتی ہے
سنتوں کی جیونی گا گا کر جگ میں پھیلائی جاتی ہے

(۸)

سنتوں کی جیونی سے جنتا جیون پتھ سلجھا لیتی ہے
سنتوں کی اُجول وانی سے اِک جیوتی سی پا لیتی ہے
سنتوں کے لیکھوں کو پڑھ کر کچھ من کو سمجھا لیتی ہے
سنتوں کے پرم چرتروں سے یگ یگ سے شکھشا لیتی ہے

(۹)

جو سنت ہیں اُن کے رُوم رُوم سے مدھر سگندھی آتی ہے
کچھ نکٹ بیٹھنے والوں کے من اُپ وَن کو مہکاتی ہے
سنتوں کی رس بھینی وانی اِک امرت رس برساتی ہے
جس سے پتھ کے ویرانے پر سُندر بہار آ جاتی ہے

ست سنگت

از قلم
شری تسکین جی

مہاتماؤں کی سیوا یا سنگت کر کے یہ خواہش نہ کرو کہ میری فلاں مراد پوری ہو جائیگی۔ اور اگر کوئی مراد پوری ہو بھی جائے، تو یہ خیال نہ کرو کہ یہ مہاتما کی کرپا سے ہوئی ہے، سچے مہاتما کی کرپا کا پھل بہت بڑا ہے، جو کہ حق اور ہمیشہ رہنے والی شے کے حصول ہوتا ہے، فانی اشیا کی طرف مہاتماؤں کا خیال نہیں ہوتا،

یہ بات نہیں ہے کہ مہاتماؤں کی کرپا سے دُنیاوی فائدے حاصل نہیں ہو سکتے، لیکن سچے مہاتماؤں کی کرپا سے اپنے دُنیا کے کام چلانا پارس کے داموں سے گنہ گی خریدنے جیساہے۔ بلکہ اس سے بھی ادنے درجہ کا کام ہے

بُری نیند، گندے خیالات نیز اونے خواہشات کی بیخ کنی مہاتماؤں کی صحبت سے ہو جاتی ہے۔ اور اُن کی پناہ لینے سے ہمیشہ رہنے والی خوشی میسّر ہوتی ہے، جس کے پانے کے بعد اور کچھ پانے کی خواہش نہیں رہتی،

سچے مہاتماؤں کی صحبت میں رہنے والے نیز اُن کے پیروؤں میں پاکیزہ چال چلن ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا آفتاب کے سر پر ہونے سے روشنی اور گرمی کا، اگر ایسی بات نہ ہو، تو سمجھ لو کہ تم ٹھیک طور پر اُن کا سنگ نہیں کر رہے ہو، یا اُن کی پیروی نہیں کر رہے ہو،

سنگی وہی ہے جو مہاتما کے چال چلن کی پیروی کرتا ہے اور اُن کے کہنے کے مطابق چلتا ہے، یہ دو نوباتیں ہونے پر بھی اگر اخلاق میں پاکیزگی نہ آئے، تو سمجھ لو کہ مہاتما کے مہاتم پن میں کمی ہے

لیکن اس میں شک کی گنجائش ہے، بہت سے اصحاب اپنے تئیں ست سنگی اور پیرو کہتے ہیں، مگر مہاتما کا کہنا نہیں مانتے نہ ہی اُن پاکیزہ چال چلن کا عکس اپنے اوپر ڈالتے ہیں۔ اور نہ ہی ایسا کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے نام کے ست سنگی مہاتماؤں کی کرپا سے محروم رہ جاتے ہیں،

بناوٹی مہاتماؤں کی بھی کمی نہیں، مہاتما وہ ہے جو بھگوان سے مُتحد ہوتا ہے، جس کا سب کچھ بھگوان کی نظر ہو چکا ہے، جو اطمینان، رحم، فراخ دلی، سادگی، سنجیدگی، عفو، برداشت اور صداقت کی تصویر ہے، جن کا دل جھگڑے، رنج، خوف، چالاکی، کام، غصّے، موہ، غرور، وغیرہ بُرائیوں سے الگ رہتا ہے جو رنج و راحت، تعریف، ہجو، دوستی، دُشمنی اور محبت اور نفرت سب سے بالاتر رہتا ہے،

سچ تو یوں ہے، کہ ایسے مہاتما کا سنگ تو دور رہا، شردھا کے ساتھ اُن کے چرن سپرش اُن کا درشن کرنا اُن کا خیال کرنا، اُن کی تعریف کرنا، اُن کا نام لینا، یا اُن کی تعریف سنتے ہی یہ جسم پوتر ہو جاتا ہے، اُن کی خاکِ پا چھونے سے من کی میل دُور ہو جاتی ہے، اس لئے مہاتماؤں میں آپ کی سچی شردھا ہونی چاہئے، اُن کا ستسنگ کرو اور اُن کے سچے پیرو ہو، پھر تم بھی مہاتما ہو جاؤ گے، لیکن مہاتما کہلانے کی خواہش کبھی نہ کرو، مہاتماؤں کے چرنوں کا پیچھا کرو، اُن کے نقش قدم پر چلو، مہاتما ہو، مگر دل میں یہ خواہش نہ کرو، کہ لوگ تجھے مہاتما جانیں، یا مانیں، لوگوں کے جاننے یا ماننے کے کچھ دام نہیں، اصلی دام تمہارے پاکیزہ اور اعلیٰ چال چلن کے ہیں۔

تمہارے اندر کوئی کمزوری ہے تو اُسے چھپانے کی کوشش نہ کرو، ظاہر ہوتی ہے تو ہونے دو، ہاں اپنی خوبیوں کو چھپانے کی کوشش کرو، اُن کے ظاہر ہونے میں ہچکچاؤ، اپنے ہی منہ سے اپنی تعریف کرنے کو موت کی مانند خیال کرو۔

دوسروں کی زبان سے اپنی تعریف سننے کی کوشش نہ کرو، اُسے زہریلی مٹھائی خیال کرو، انسان کو اپنی تعریف بہت

پیاری لگتی ہے، مگر جہاں وہ اس کے چکر میں پڑا، وہاں پھر سے رہائی کا خیال دور ہو جاتا ہے، تعریف کا سُننے والا سدا تعریف کے سُننے کا ہی بھوکا ہو جاتا ہے، اگر اُس کی کوئی کمزوری یا غلطی یا کمی ہجو کی شکل میں اُس پر ظاہر ہو، تو وہ اُسے بھی برداشت نہیں کر سکتا، نتیجہ یہ کہ وہ زندگی بھر اپنی تعریف کے ہی پیچھے لگا رہتا ہے اس دُنیا میں تعریف اُس کی ہوتی ہے، جو دُنیا کے ترازو پر بھاری اُترتا ہے، لیکن دُنیا کے ترازو میں زیادہ تر باٹ لذاتِ دنیاوی میں پھنسا دینے والے ہوتے ہیں، جس سے کہ انسان اس دُنیا میں پھنس جاتا ہے، سنو تو حوصلہ کر کے ہجو سنو، ہجو سے گھبراؤ نہیں۔ اور شاستر نیز آتما (ضمیر) کی آواز کے خلاف کوئی کام تم ہرگز نہ کرو، مہاتما تو نندا اور تعریف سے بالاتر ہوتے ہیں، لیکن مہاتماؤں کی پیروی کرنیوالے کو پہلے تعریف سے دور ہونا پڑتا ہے؛ ہجو سے اُلفت پیدا کرنی پڑتی ہے، تبھی وہ آگے چل کر مہاتما کا درجہ حاصل کرتے ہیں۔

لیکن جس سے ہجو ہو، تمہاری لوگ بُرائی کریں۔ وہ کام کبھی نہ کرو، پاپ کرم کرنیوالا کبھی مہاتما نہیں بن سکتا، اچھے کام کرو، سچے مہاتماؤں کو تلاش کرو، پھر اُن کی آگیا کے مطابق چلو، مہاتما نہ ملیں تو کم سے کم ایسے اشخاص سے بچتے رہو، جو دوسرے کی عورت دوسرے کی دولت اور دوسرے کی نندا کے پریمی ہیں، اور اُن لوگوں کی صحبت بھی ترک کرو، جو بھوگ بلاس میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور بھگوان کی باتیں چھوڑ کر دُنیا کی باتیں کرتے ہیں، جو بحث مباحثہ میں وقت کھوتے ہیں۔ اندریوں نیز جسم کو راحت پہنچانے کے لیے ہمیشہ کوشش میں لگے رہتے ہیں؛ لذیذ غذا کے ہمیشہ خواہشمند رہتے ہیں، اور تعریف چاہتے ہیں؛ کبھی کسی کی خامیوں سے نہیں کیا، اپنے تئیں اچھے چال چلن والا نیز تیاگی سمجھ کر غرور نہ کرو، نہ ہی کسی سے حسد کرو، جہاں تک ہو سکے اپنا وقت بھجن میں بھگوت بھگتوں کی صحبت میں بھگوان کی طرف لگانے والی پُستکوں کے مطالعہ میں اور سچے سادھو مہاتماؤں کے نقشِ قدم پر چلنے میں، اور تکبر کو ترک کر کے اپنے گرہست کے کام کاج چلانے میں لگاؤ،

بہت خبردار ہو کر عورت، دولت اور تعریف کے متعلق باتوں سے بچتے رہو، کم بولو، سچ بولو، حلیمی سے بولو اور دوسروں کے لیے مفید بات کرو، ایسا کوئی کام نہ کرو، ایسی کوئی بات نہ کرو جس سے کہ آگے چل کر تمہیں کسی دوسرے کے سامنے جھوٹ بولنے کی ضرورت لاحق ہو، بغیر سوچے سمجھے کوئی بات ایسی منہ سے نہ نکالو جس کی وجہ سے تمہیں نیچا دیکھنا پڑے یاد رکھو جو دوسروں کو نیچا دکھانا چاہتا ہے، اُسے کبھی نہ کبھی نیچا دیکھنا پڑتا ہے،

سمرتھ گورو رامداس جی کا اپدیش

از
شری آنند بہاری
ایم ، اے

" تو آپ آخر آہی پہنچے " سمرتھ گورو رامداس نے مہاراج شیواجی کو پہلی بار دیکھ کر کہا ،

شیواجی سمرتھ گورو کے چرنوں سے لپٹ گئے ، سمرتھ نے انہیں چھاتی سے لگا لیا ، بہت دیر تک دل کی باتیں ہوئیں ، مہاراج شیواجی نے اپنے آپ کو گورو کی بھینٹ کر دیا ، سمرتھ نے شیواجی کو اپنا ششیہ بنانا سویکار کر لیا ۔ پریم بیج اور کھشاتر تیج کا سندر پھل ہوا ۔ جب شیواجی چلنے لگے تب سمرتھ نے پرساد کے روپ میں یہ چیزیں اُن کو دیں ، شری پھل ، مٹھی بھر مٹی ، دو مٹھی گھوڑے کی لید اور چار مٹھی کنکر ، اس کا ارتھ مہاراج جی سمجھ گئے " اناج بھومی ، گھوڑے اور قلعے ، یہ چیزیں تمہارے پاس بہت ہوں گی ، اور سدا ہی وجے ہو گی "

سمرتھ رام داس نے بعد میں بڑی محنت کر کے " داس بودھ " نام کی کتاب لکھی ، اس میں جو باتیں درج ہیں ۔ اُن کو سمجھنے کے لئے بدھی کی ضرورت ہوتی ہے ، لیکن جس طرح مہاراج شیواجی نے تھوڑی سی محنت کر کے اپنے گورو کے تحفے کا ارتھ سمجھ لیا تھا ، اُسی طرح سمجھدار پاٹھک بھی " داس بودھ " کے ان واکیوں کا ارتھ سمجھ سکتے ہیں

جب تپ کے ذریعہ من کو سچا بنا لیا گیا ہو تب جو بات من میں آتی ہے وہ سِدّھ ہو جاتی ہے ، بھگوان جب کرپا کرتے ہیں ، تب اُس کا پتہ چلتا ہے ، رگھوناتھ رام کے بھجن سے گیان بڑھا ، رگھوناتھ کے بھجن سے ہی مہتو پراپت ہوا ، اس لئے پہلے بھگوان کا بھجن کرو ، جو بھی کام ہو اُس کو شروع کرنے سے پہلے بھگوان کا سمرن کرو ، اس طرح وہ جھٹ سِدّھ ہو گا ، یہ ہمیشہ یاد رہے کہ رام ہی کرتا ہے ، کرتا رام ہے ، میں نہیں ، نرگن میں لین ہو کر آدمی نرگن ہو جاتا ہے نرگن کا گیان ہونے پر بھی سگن سے منہ نہ موڑو ، ایسا کرنے والے ادھر سے بھی گئے اور اُدھر سے بھی ،

اُدیوگ (محنت) میں بڑا بل ہے ، جو کوئی بھی اُدیوگ [illegible] بلوان اور بدھیمان بن جاتا ہے ، لیکن ایسا کرتے ہوئے بھگوان [illegible] سمرن کرتے رہنا چاہئے ، چھوت اچھوت جو کوئی بھی ملے اُ [illegible] کا من پرسن رکھیں ، یہی بھجن ہے ، کوئی چھوٹا ہو یا بڑا ، کسی کو [illegible] نہ دینا چاہئے ، ہر ایک کی انتر آتما کو پہچاننا چاہئے ، جو اس طر [illegible] ہر ایک ویکتی کو جانتا اور پہچانتا ہے ۔ وہی سجن ہے ،

" ہے بھگوان ، تیرے ساتھ میرا یوگ ہر حالت میں [illegible] یہ شریر تیرے ہی کام میں لگ جائے ، ہے بے انت ، اب تو میر [illegible] طرف سے لاپرواہی نہ کر ! "

ہے رگھونائیک ، یہی تجھ سے میری ایک ماتر پرارتھنا ہے ، دھرموں میں پرم دھرم ہے ، آتم سروپ میں مگن ہونا [illegible] نکھیہ دھرم ہے ،

جیسے اپنے پرانوں کا بھے ہو وہ کھشاتر دھرم چھوڑ دے اور کوئی دوسرا کام کر کے اپنا پیٹ بھرے ، کھشتری وہ ہے جو مارتے مارتے مرے اور اُتم گتی پراپت کرے ، یا جیت کر لوٹے اور مہا بھاگیہ لابھ کرے ،

موت کی پکار سے کوئی بچ نہیں سکتا ، بچانے سے بھی [illegible] نہیں بچتا ، اس لئے گیان سے جان لو کہ کیا کرنا چاہئے ، بھگوان کے بھگتوں کی وجے ہو گی ، اس میں ذرا بھی [illegible] نہیں ہے

بھگوان کو مستک پہ رکھو اور دھرم پر درڑھ رہو ، جو کچھ ہے اُس کی پورے جتن سے رکھشا کرو ۔ اپنے راجیہ کو بڑھا [illegible] سب جگہ مہاراجیہ پھیلا دو ۔

پرپنچ میں سادھان رہنے والا آدمی ہی پرمارتھ کی سادھنا کر سکتا ہے ۔ پرپنچوں میں جو جھوٹا ہے وہ پرمارتھ [illegible]

سمجا نہیں ہو سکتا، ساودھان آدمی ہی سکھی رہتا ہے ساودھان نہ رہنے والا دکھ اٹھاتا ہے، کئی جنموں کے بعد منش جنم پراپت ہوتا ہے۔ اسے پاک نیتی اور نیائے سے برتو،

جو جس کا کام ہے اُس میں وہ ساودھان رہے نہیں تو بچہ بھی اُسے دھوکہ دے سکتا ہے،

اکھنڈ ساودھانتا کا لکھشن یہ ہے کہ ایک پل بھی بیکار نہ جائے، اپنے پربھو کا گیان وہ بڑھاتا ہی رہے،

کشٹ کئے بنا کچھ نہیں ملتا، دکھ اٹھائے بنا راجیہ نہیں ملتا، کام کئے بنا اس لوک میں کچھ بھی ہاتھ نہیں لگتا، ساودھان رہے نیتی سے مریادا کو قائم رکھے، اور ایسے کام کرے جنہیں بدھیمان لوگ پسند کریں، نہ ہی نارائن ہے، دانائی سے سب کام کرے اور من کو بس میں رکھے،

آلس سے کام بگڑتا ہے، جتن سے آہستہ آہستہ کام بن جاتا ہے جتن کو آدمی بھگوان جانے، آدمی نیم پوروک بھگوان کی اُپاسنا، اچھے کرم، ست سنگ اور اپنے دھرم پر آچرن کرے، استھار میں بھید بھاو پیدا نہ کرے، اپنا دھرم نہ چھوڑے اور جھوٹا ابھیمان نہ کرے،

گیانی لوگ ہی ہر ایک وستو کے تتو جانتے ہیں، اگیانیوں کے کرم کھوٹے ہوتے ہیں، دھرم اور ادھرم کو جاننے سے سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے،

کرم کئی قسم کے ہیں، اُتم، مدھیم، ادھیم، سوگم (آسان) اور دُرگم (مشکل) اس جگت میں یہ سب نیم پوروک ہو رہے ہیں، دھرم ستھاپنا کا حوصلہ اُنہی میں ہوتا ہے، جو اُتم کرم کرتے ہیں، گرہستھ آشرم سب آشرموں سے بڑا ہے بشرطیکہ گرہستھ میں کرم، دھرم، اور دیا ہو،

جس آدمی سے جو بنے سو کرے اور لوگوں سے کرا دے لیکن بھگوان کا بھجن نہ چھوڑے، بھجن چھوڑنا دھرم نہیں ہے،

دھرم ستھاپنا کرنیوالے پُرش ایشور کے اوتار ہوتے ہیں، ایسے پُرش پہلے ہو چکے ہیں۔ اور آگے ہوں گے۔ یہ ایشور کی کرپا سے پیدا ہوتے ہیں۔

دیش بھگت سنت

از
کوی
لوک ناتھ جی
ول

شہنشاہ اکبر کے دربار میں جب دیش بھگت درباری شاعر نے خط سنا تو پرتاپ کی بزدلی پر اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی، پہلے اُس نے تدبیر سے اکبر کو سمجھایا اور پھر پرتاپ کو پیغام بھیجا کہ غلامی کی زندگی سے آزادی کی موت ہزار درجہ اچھی ہے، اگر تو جھک گیا تو میواڑ کی چھاتی پر ہمیشہ کے لئے مغل کا جھنڈا لہرائے گا،

۱- جب کہا اکبر نے خط پڑھ کر سُنانے کیلئے
تن کے وہ پڑھنے لگا انعام پانے کیلئے
تنگ ہے پرتاپ رانا دانے دانے کیلئے
آج کل تیار ہے وہ سر جھکانے کیلئے
سُنتے ہی اکبر کے رُخ پر ایک سُرخی آگئی
کامیابی کی لہر بن کر تبسّم چھا گئی

۲- اور ادھر درباری شاعر بات دل میں پا گیا
زخم خوردہ سانپ کی مانند سنبل کھا گیا
جھک گئیں مونچھیں وہیں سر خم ہوا شرما گیا
دانت پیسے جوشِ غیرت سے بدن تھرا گیا
اور بولا شاہ سے چاندی نہیں سیماب ہے
جو حقیقت آپ سمجھے ہیں وہ ذہنی خواب ہے

۳- چل کے خود پرتاپ یوں قدموں میں آئے جھوٹ ہے
کچھ بھی ہو دربار میں وہ گڑگڑائے جھوٹ ہے
بچوں کی مانند وہ آنسو بہائے جھوٹ ہے
وہ بہادر کراُٹھے یوں ہائے ہائے جھوٹ ہے
جس نے خط لکھا ہے وہ پرتاپ ہو سکتا نہیں
اور کوئی ہو تو ہو وہ آپ ہو سکتا نہیں

۴- داغ بدنامی کا ماتھے پر لگا سکتا نہیں
تیغ اُٹھا سکتا ہے وہ کاسہ اُٹھا سکتا نہیں
بھوکھا مر سکتا ہے وہ بندہ کہا سکتا نہیں
ٹوٹ سکتا ہے لچک لیکن وہ کھا سکتا نہیں
اُس کے شانوں پہ ہے سر اُس سر میں عظمت ہے ابھی
اُس کے سینے میں ہے دل اُس دل میں غیرت ہے ابھی

۵- بجلیوں کی چھاؤں میں بھی مسکرا سکتا ہے وہ
خنجروں کے سان پر بھی گیت گا سکتا ہے وہ
شمع کی طرح سے جلکے جگمگا سکتا ہے وہ
موت کی دیوی سے بھی پنجہ لڑا سکتا ہے وہ
غربت و افلاس سے یوں تنگ آ سکتا نہیں
سر اُٹھا سکتا ہے اُونچا پر جھکا سکتا نہیں

۶- ایسے جھونکوں سے لرز سکتا نہیں اُس کا بدن
زینتِ پاپوش ہو سکتی نہیں مہ کی کرن
دل پہ چھا سکتے نہیں اُسکے کبھی رنج و محن
راجپوتی خون ہے رگ رگ میں اُس کی موجزن
کھیل تو سکتا ہے ہنستے ہنستے اپنی جان پر
بھول مشکل ہے چڑھائے آپکے فرمان پر

۷- اور پھر پرتاپ کو سمجھا دیا تدبیر سے
نام کرنا ہے اگر تو زورِ ہمت شمشیر سے
نوجواں لیتے ہیں ٹکر بڑھ کے چرخِ پیر سے
ہاتھ بندھواتے نہیں ہیں غیر کی زنجیر سے
جی سکے تو شان سے جی، ورنہ مر جا غم نہیں
سر مگر اکبر کے آگے تو نے کرنا خم نہیں

شری گورو نانک دیوجی

از لالہ کانشی رام جی چاولہ

دسوں گوروؤں صاحبان کے حالات

سکھوں کے دس گورو ہیں، کہنے کو یہ سکھوں کے گورو کہے جاتے ہیں لیکن حقیقت میں سبھی ہندو بھی اُن کو اتنی ہی تعظیم اور ادب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، یہ ایک بدقسمتی ہے کہ راج نیتی کے پھیر میں پڑ کر سکھوں اور ہندوؤں کے دلوں میں باہمی تفرقہ پیدا ہو گیا ہے، ورنہ جو اُپکار گوروؤں نے ہندو جاتی پر کئے ہیں، ہندو دہرم کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچانے کے لئے اور ہندو سنسکرتی کی حفاظت کے لئے جو تکالیف گوروؤں نے اٹھائی ہیں۔ ان کی وجہ سے ہندوؤں کا سر احسان کے بوجھ سے جھکا ہوا ہے اور وہ اُن احسانات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے،

گورو نانک دیو دسوں گوروؤں میں سے پہلے گورو تھے، وہ بچپن سے ہی شانت سبھاؤ کے تھے۔ اور خلوت میں بیٹھنا اُن کو زیادہ پسند تھا۔ اُن کا جنم تلونڈی گاؤں میں بیدی کالو چند پٹواری کے گھر ہوا۔ اُن کی نیک ماتا کا نام شری ترپتا جی تھا۔ اُن کا مبارک جنم ۱۵ اپریل ۱۴۶۹ء مطابق ۲۰ بیساکھ سمت ۱۵۲۶ بکرمی کو ہوا، اُس وقت بھارت ورش میں مسلمانوں کی حکومت تھی اور وہ ہندو دہرم پر مختلف قسم کے ظلم ڈھا رہے تھے، گورو نانک نے اُن صاحب حکومت کے اتیاچاروں کو بڑے منجھلے لفظوں میں بیان کیا ہے، وہ پرماتما کے اتنے وشواسی تھے کہ کسی راجہ یا حاکم کا بھی خوف اُن کے نزدیک نہ پھٹکتا تھا۔ گورو نانک صرف یہی نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان ہندوؤں پر ظلم نہ کریں بلکہ وہ سب کو انسانیت کا سبق پڑھانا چاہتے تھے۔ اُنہیں جاتی کا بھید بھاؤ ہرگز نہیں بھاتا تھا۔ اور اُن کی پوتر بانی پڑھنے سے یہی دکھائی دیتا ہے کہ جو بھی انسان ایشور کا بھگت ہوگا اور نیک اعمال کمائے گا وہی پرمیشور کا پیارا بنے گا، خواہ وہ براہمن ہو یا چنڈال باہمی لڑائی جھگڑا یا فساد [illegible] وہ دہرم کے خلاف سمجھتے

گورو نانک دیو جی [illegible] بڑی اچھا تھی کہ میرا بالک بھی دوسرے بچوں کی طرح باہر جا کر اچھلے کودے اور وقت" تو تنا [illegible] کرنے کی تلقین [illegible] تھیں چنانچہ ماتا سے مجبور کئے جانے پر ایک دن وہ دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل میں گئے لیکن اُن سے کہا کہ میں تمہیں ایک نیا کھیل سکھاؤں گا، چنانچہ اُنہوں نے سب بچوں کو ایک گول دائرہ میں بٹھا کر پدم آسن لگوایا اور کہا کہ سبھی چُپ چاپ بیٹھ کر آنکھیں میچ کر "سَتیہ کرتار ستیہ کرتار" کہتے چلو، چنانچہ کتنی دیر تک سبھی بچے اُسی سمادھی اوستھا میں رہے ماں بڑی خوش تھی کہ آج میرا بچہ کھیلنے گیا ہے، چنانچہ وہ اپنے بچہ کو دیکھنے گئی لیکن یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ بجائے خود کھیلنے کے اُس نے دوسرے بچوں کو بھی چُپ چاپ بٹھایا ہوا ہے،

گورو نانک دیوجی کے پتاجی نے سمت ۱۵۳۲ بکرمی میں گوپال پنڈت کے پاس ہندی پڑھنے کے لئے بٹھایا۔ سمت ۱۵۳۵ بکرمی میں برج لال پنڈت کے پاس سنسکرت ودیا پڑھنے کے لئے اور سمت ۱۵۳۹ بکرمی میں مولوی قطب الدین کے پاس فارسی پڑھنے کے لئے بٹھایا۔ لیکن تینوں اُستادوں کو گورو جی نے اپنے آتمک بل کے ذریعہ اپنا معتقد بنا لیا۔ اور اس طرح سے بجائے شاگرد بننے کے وہ خود اُستاد بنے۔

گورو نانک جی ہمیشہ ہری چنتن میں محو رہتے تھے۔ اور کسی کاروبار کی طرف دھیان نہیں دیتے تھے۔ ان کے پتا کی یہ زبردست خواہش تھی کہ گورو نانک کسی کام میں لگیں۔ ایک بار انہوں نے کچھ روپے دے کر ان کو باہر بھیجا کہ کوئی بڑھیا سودہ خرید کر لائیں۔ ان کو راستہ میں سادھوؤں کا ایک ٹولہ مل گیا کہ جنہوں نے کھانا نہیں کھایا تھا چنانچہ گوروجی نے وہ روپے ان کے کھانے پینے کی رسد خرید کرنے میں خرچ کر دیئے۔ گھر لوٹ کر پتا کو سب حال سنایا اور کہا جو سودہ آج میں نے خریدا ہے اس سے بڑھ کر اور "کھرا اور سچا سودا" سچا سودا خریدا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ سن کر ان کے پتا بڑے غصہ میں آ گئے اور ان کو مار پیٹ بھی کی۔ اس سے ان کی بہن نانکی جی کو بڑا دکھ ہوا کیونکہ وہ اپنے بھائی کو ایشور مورتی مانتی تھی۔ اس لئے سمت ۱۵۴۱ بکرمی میں نانکی جی اپنے پتی جے رام جی سے کہہ کر اپنے بھائی کو اپنے گھر سلطانپور میں لے آئی۔ یہاں سب لوگوں کے کہنے پر سمت ۱۵۴۲ میں گوروجی نے دولت خاں لودھی کے مودی خانہ کی خدمت سنبھال لی،

سمت ۱۵۴۴ میں ۲۴ جیٹھ کو آپ کا بیاہ شری مول چند جی کی سپتری سلکھنا دیوی کے ساتھ ہوا، جس سے آپ کے دو پتر بابا شری چند اور بابا لکشمی چند پیدا ہوئے،

اگرچہ گوروجی کام تو مودی خانہ میں کرتے تھے مگر ان کا دل ایشور کی طرف ہی لگا رہتا تھا، کئی دفعہ کافی سامان آپ مفت بانٹ دیا کرتے تھے۔ لیکن حیرانی اس بات کی ہوتی تھی کہ ان کا حساب کتاب ہمیشہ ٹھیک نکلتا تھا۔ سمت ۱۵۵۴ میں ایک بار آٹا تولتے ہوئے وہ ایک دو، تین گنتے ہوئے جب بارہ کے بعد تیرہ پر پہنچے تو سب گنتی شمار بھول کر "تیرا"، "تیرا" کہتے ہی سارا آٹا تول ڈالا۔ اس دن سے انہوں نے مودی خانہ کی خدمت چھوڑ دی۔ اور مختلف مقامات پر جا کر گمراہ دنیا کو سیدھے راستہ پر لگانے کے لئے اپنی میٹھی بانی سنانے کا تہیہ کر لیا۔ انہوں نے دنیا بھر کے مختلف ممالک کا سفر کیا لیکن ان کے چار سفر زیادہ مشہور ہیں، جن کا مختصر ذکر یہاں کیا جاتا ہے،

۱۔ پہلی یاترا میں گوروجی ایمن آباد گئے۔ اور وہاں کے ایک بڑھئی بھائی لالوجی کے گھر میں چھوت چھات کا وہم دور کیا پھر ہردوار دہلی، کاشی، گیا وغیرہ مقامات میں دھرم کا پرچار کیا اور جگن ناتھ پوری پہنچے،

۲۔ دوسری یاترا گوروجی نے دکشن دیش کی اور کوہ آبو، رامیشور سنگلا دیپ وغیرہ میں پرچار کیا،

۳۔ تیسری یاترا میں آپ نے سرمور، گڑھوال، ہیم کوٹ، بھوٹان، تبت وغیرہ میں بھگتی کا راستہ دکھایا،

نمبر ۴۔ چوتھی یاترا مغرب کی جانب کی۔ بلوچستان ہوتے ہوئے مکہ پہنچے اور بجائے مغرب کے دوسری طرف منہ کرکے ست کرتار کی نماز پڑھ کر وہاں کے لوگوں کو جتلایا کہ وہ پرمیشور سب طرف موجود ہے، کسی خاص جانب میں اس کا مقررہ مقام نہیں ہے، پھر روم، بغداد، ایران وغیرہ میں گھومتے ہوئے، قندھار، کابل کے لوگوں کو ایک پرمیشور کی اپاسنا بتلائی،

گورو نانک دیو جی کے اپدیش کا ڈھنگ نرالی قسم کا تھا، وہ ایسے طریقہ سے اپدیش کرتے تھے کہ اس کا فوری اثر ہوتا تھا، اور لوگوں کے دلوں میں ان کی سیدھی سادی لیکن اثر بھری بات جم جاتی تھی،

سمت ۱۵۷۹ بکرمی میں ۲۵ برس گھومنے کے بعد گوروجی کرتارپور میں رہنے لگے۔ یہ شہر انہوں نے خود ہی سمت ۱۵۶۱ میں آباد کیا تھا، اس جگہ وہ روزانہ کرتار کے نام کا پرچار کرتے تھے اور ساتھ ساتھ انہوں نے کھانے کا لنگر بھی جاری کر دیا، یہیں گوروجی کے ماتا پتا کا انتقال ہوا۔ رام نام کی مہما بیان کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا ہے " نہ وہ مرے نہ ٹھاگے جاہیں، جن کے رام بسے من ماہیں، رام نام جو کریں وچار، سو دھن ونت دھنی سنسار" رام نام کے بغیر جو انسان کی حالت ہو سکتی ہے وہ انہوں نے اس طرح بیان کی ہے "رام نام سنگ من نہ راتا، جو کینا سو انیتا، من کہا لیا یو رام نام نب دے تسے یم سو پر یو کام، رام نام بن یا سنکٹ میں کو اب ہوت سہائی"

یہ سدھ کرنے کے لئے کہ آچاریہ پدوی کا ادھیکاری

ایک قابل انسان ہی ہو سکتا ہے، گورو جی نے اپنی گدی اپنے کسی پتر کو نہیں دی۔ بلکہ اپنے ایک لائق شاگرد انگد جی کو دی۔ اور ۲۲ ستمبر ۱۵۳۹ء مطابق ۲۳ راسوج سمت ۱۵۹۶ بکرم کو پرلوک گمن کیا آپ نے ۷۰ برس چار مہینے اور تین دن کی عمر پائی۔

آپ نے خلق خدا کو پریم اور محبت سے رہنے کا سبق دیا ہے یہی وجہ ہے کہ سب مذہبوں کے لوگ ان کا نام ادب سے لیتے ہیں۔ ان کا اُپدیش ہمیشہ یہی ہوتا کہ نیک ہو اور اچھے کرم کرو تاکہ پرمیشور کے دربار میں سرخ روی حاصل ہو،

جس وقت گورو جی کا سورگباش ہوا تب ان کا ساراقبیلہ اور بہت سے معتقد سکھ موجود تھے تو اُن کے شریر کو نہلا دُھلا کر اور کفن پہنا کر تیار کیا گیا۔ اور جنازہ کو اُٹھا کر مرگھٹ کی طرف لے گئے اور چتا پر رکھ کر آگ لگانے کا وقت آیا تو مسلمان معتقد جن میں بہت سے افغان تھے چلا اُٹھے کہ بابا صاحب مسلمان تھے اس لئے ہم ہندوؤں کے طریقہ کے مطابق اُن کے شریر کو آگ کے سپرد نہیں کریں گے۔ ایک شخص کہنے لگا کہ لاش کے دو ٹکڑے کر لو اور اپنی اپنی رسم ادا کرو۔ لیکن جب چادر اُٹھائی گئی تو کہا جاتا ہے کہ وہاں سے لاش غائب تھی۔ اور صرف پھولوں کا ایک ڈھیر تھا جو ہندو اور مسلمانوں نے آدھا آدھا بانٹ لیا اور رسم ادا کی۔

پنجاب ایسے مہاپُرشوں کو پیدا کرنے پر سچے معنوں میں فخر کر سکتا ہے، گورو جی نے اپنے وحدت کے راگ سے ساری دُنیا کو گونجا دیا۔

شری گورو انگد یو جی :- سکھ دھرم کے دوسرے گورو

شری گورو انگد جی ہوئے ہیں۔ ان کا پہلا نام لہنا تھا۔ بھائی لہنا جی کا جنم ایت وار کے دن لب کھ بدی ایکم سمت ۱۵۶۱ بکرمی مطابق ۳۱ مارچ ۱۵۰۴ء کو پھیرو مل کھتری کے گھر ماتا کو مری کے بطن سے موضع متے کی سرائے ضلع فیروزپور میں ہوا، سمت ۱۵۷۶ بکرمی میں آپ کی شادی موضع سنگھر میں شری دیوی چند کھتری کی ستری بی بی کھیوی جی کے ساتھ ہوئی، جس سے آپ کے ۲ دو پتر داسو جی اور داتو جی اور ۲ دو پتریاں بی بی امرو اور بی بی انوکھی جی نے جنم لیا۔

بابر کی چڑھائی کے وقت متے کی سرائے کا گاؤں بھی لوٹ لیا گیا تھا اس لئے بھائی لہنا جی نے اپنی رہائش وہاں سے ہٹا کر کھڈور صاحب میں رکھ دی، اسی جگہ آپ کے والد بزرگ وار کا انتقال ہو گیا، جس سے مرحوم کی دکان اور کاروبار کا سارا بوجھ اب بھائی لہنا سنگھ کے سر پر آ پڑا۔ اُنھوں نے اپنی دکان کا کام نہایت خوش اسلوبی سے چلایا، چونکہ وہ اپنے کاروبار میں پوری ایمانداری اور سچائی سے کام لیتے تھے۔ اس لئے سب لوگ اُن کا اعتبار کرتے تھے اور اپنی کئی قسم کی امانتیں بھی اُن کے پاس رکھ دیتے تھے،

بھائی لہنا سنگھ جی اپنے والد مرحوم کی طرح دیوی کے اُپاسک تھے اور اپنے نیک خیالات اور نیک اعمال کے باعث سارے دیوی اُپاسکوں کے پردھان بن گئے تھے، آپ ہر سال دیوی کے درشنوں کے لئے سفر کیا کرتے تھے سمت ۱۵۸۱ میں جوالا پوری کی یاترا کو جاتے وقت کرتارپور میں آپ کو شری گورو نانک دیو کی ملاقات کا فخر حاصل ہوا۔ گورو جی کے درشن کرتے ہی بھائی لہنا جی کے من پر ایک خاص قسم کا نیک اثر ہوا۔ گورو جی کے اُپدیش سُن کر وہ اُنہی کے معتقد ہو گئے۔ اور اپنے کاروبار سے اُن کا جی اُچاٹ ہو گیا،

بھائی لہنا جی تھوڑے عرصہ بعد ہی اپنی دکان کا کام بند کر کے شری گورو نانک دیو جی کی سیوا میں کرتارپور میں ہی رہنے لگے گورو جی آپ کی سیوا اور بھگتی سے اتنے خوش ہوئے کہ اُنہوں نے ۱۷ ہاڑ سمت ۱۵۹۶ کو آپ کا نام لہنا سے بدل کر انگد رکھا اور اپنی گورو گدی پر اُن کو اپنے دونوں بیٹوں کو چھوڑ کر باقاعدہ طور سے متمکن کر دیا۔

شری گورو انگد دیو جی گورو نانک دیو جی مہاراج سے اتنا پریم کرتے تھے کہ اُن کو اُن کی جدائی بڑی رنجیدہ محسوس ہوتی تھی، شری گورو نانک کے پرلوک سدھارنے کے بعد آپ کھڈور صاحب واپس چلے گئے اور اپنے آپ کو ایک کوٹھڑی میں بند کر کے ہمیشہ کرتار کے چنتن میں محو رہنے لگے، سکھوں کو آپ کا درشن کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ اور جب کافی عرصہ اسی طرح نکل گیا تو سکھ سنگت اپنے گورو کے درشنوں کے لئے بہت شائق ہو اُٹھی

انجام کار ایک بڑے پیارے اور معتقد سکھ بھائی بڈھا جی کے عرض کرنے پر گورو انگد دیو نے اپنی گورو کی محبت اور جدائی کی سمادھی کو چھوڑا اور اپنی زبان مبارک سے یہ فرمایا :-

جس پیارے سیوں نہ تیں آگے مر چلیے
دھرگ جیون سنسار تاکہ پاچھے جیونا

اور پھر کہا

"جو سر سائیں نہ نویں سو سر دیجے ڈار
نانک جس پنجر میں برہا نہیں سو پنجر لیئے جار

شری گورو انگد جی نے اب گورو یائی کا کام بڑی خوبی کے ساتھ سنبھال لیا اور گورو نانک دیو جی کے سدھانتوں کا پرچار شروع کر دیا، سب سے پہلا اور اعلیٰ کام جو انہوں نے کیا وہ شری گورو نانک دیو جی کے کلام اور اُپدیشوں کو اکٹھا کرنا تھا۔ یہ کلام چونکہ زیادہ تر پنجابی بولی میں تھا۔ اس کو تحریر میں لانے کے لئے انہوں نے گورمکھی الفاظ سمت ۱۵۹۸ میں رائج کئے، سمت ۱۶۰۱ میں آپ نے گورو نانک دیو جی کی سوانح عمری لکھوائی جو اب بھائی بالے کی جنم ساکھی کے نام سے مشہور ہے،

ہمایوں بادشاہ شیر شاہ سے ہار کھا کر ادھر اُدھر گھوم رہا تھا اسے کوئی جائے پناہ نہ ملتی تھی اور گھبراہٹ بھی حد سے زیادہ تھی۔ اور کوئی سہارا نہ پاکر ہمایوں نے سوچا کہ اسی خدا پرست بزرگ کی دُعا اپنی حالت کی بہتری کے لئے حاصل کرنی چاہئے، اُن دنوں گورو انگد دیو کی عبادت اور خدا پرستی کی کافی دھوم مچی ہوئی تھی، اس لئے ہمایوں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا، قاعدہ ہے کہ انسان پرماتما کی طرف اُسی وقت جھکتا ہے، جب اُسے اور سب جانب سے مایوسی کا منہ دیکھنا پڑے۔ اسی لئے بھگت ایشور بھگت سکھ کے مقابلہ میں دُکھ کو ترجیح دیتے ہیں۔ تاکہ دُکھ کی حالت میں بھگوان کو بھول نہ جائیں اور اُن کی یاد کی طرف سے غفلت نہ ہو،

جس وقت ہمایوں گورو صاحب کی سیوا میں پہنچا۔ وہ یادِ الٰہی میں پوری طرح محو تھے، اس لئے انہوں نے ہمایوں کے آنے کی کچھ بھی پرواہ نہ کی۔ بلکہ اُس کی طرف توجہ ہی نہ دی اور بدستور اپنے مالک کی یاد میں مگن بیٹھے رہے، ہمایوں کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی دُنیاوی انسان اس طرح پیش آئے۔ اُسے اپنی بادشاہت کا گھمنڈ تھا، بیشک وہ گورو جی سے دُعا خیر حاصل کرنے گیا تھا لیکن پھر بھی اُمید تھی کہ گورو جی اُس کے ساتھ بادشاہ ہونے کی وجہ سے نہایت ہی ادب اور تعظیم کے ساتھ پیش آئیں گے لیکن جو نہی وہاں پہنچا ہی اُس وقت کہ جب گورو جی شہنشاہوں کے شہنشاہ مالک کل کے ساتھ اپنی تار جوڑ کر بیٹھے تھے اس لئے اُس کی طرف توجہ نہ ہو سکی۔ اس بدسلوکی کے باعث ہمایوں کو بہت غصہ آیا اُس نے عصیاں سے تلوار کھینچ لی اور چاہا کہ گورو مہاراج کا سر اُڑا دے لیکن اُس بیچارے کو کیا معلوم تھا کہ تلواروں اور توپوں کی طاقت سے بڑھ کر بھی ایک اور طاقت ہوتی ہے جسے آتم بل یا پرماتم بل کہتے ہیں ہمایوں نے تلوار نکال تو لی لیکن، اُس کا ہاتھ کانپنے لگا اور تلوار کا وار نہ چل سکا، یہ دیکھ کر گورو جی مسکرائے اور فرمایا "اے بزدل! شیر شاہ سے شکست کھا کر اب تو فقیر پر تلوار اُٹھانے آیا ہے، جا اگر تجھے اپنا تخت واپس لینے کی آرزو ہے تو پہلے اپنے سابق وطن کی طرف لوٹ جا"

شری گورو انگد دیو جی نے بارہ سال نو مہینے اور تیرہ دن گورو گدی پر براجمان رہ کر ۳ بدی چیت سمت ۱۶۰۹ مطابق ۲۹ مارچ ۱۵۵۲ کو پرلوک گمن کیا۔ اُس وقت آپ کی عمر ۴۷ سال گیارہ مہینے دن کی تھی،

آپ میں یہ ایک خاص خوبی تھی کہ آپ نے عمر بھر برائی نہیں کی، کسی کے ساتھ بدکلامی نہیں کی۔ آپ کی زندگی کا اصول تھا "اپنی برائی اور گورو کی بڑائی"، گورو انگد جی بڑے سخی تھے۔ آپ نے کبھی خیرات کا روپیہ اپنے گھر کے کام میں نہیں لگایا۔ دھرم کا روپیہ بڑے تدبر سے دھرم کے کاموں میں لگایا جاتا تھا آپ نے اپنے لڑکوں کو ہدایت دے رکھی تھی کہ خبردار کرنا، ہمیشہ بازو کے دھرم کی کمائی حاصل کرو اور اُس سے اپنے عیال کا پالن کرو، دھرم کے لئے آیا ہوا روپیہ گرہستیوں کے لئے زہر کی مانند ہوتا ہے۔ یعنی دان کا پیسہ ہرگز استعمال نہیں کرنا۔ آپ خود لنگر سے کھانا کھانے سے بھی گریز کرتے دن میں صرف ایک بار ہی کھانا کھاتے تھے جو اُن کی دھرم

کرتی تھی، باوجود اِس کے سینکڑوں آدمی سیوا کے لئے حاضر رہتے تھے، لیکن اُن کی پتی ورتا استری کھانا بناتی تھی،

دونوں وقت صبح اور شام دربار لگتا تھا ہزاروں آدمی اکٹھے ہوتے تھے۔ آپ کی فراخ دلی کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ روپیہ پیسہ آتا تھا وہ غریبوں میں بانٹ دیتے تھے،

آپ نے کسی کا من نہیں دُکھایا۔ اُن کی بانی میں سدھی تھی آپ کی بانی میں بڑا رس تھا اور اُپدیش بہت سبق آموز اور دل کو بہت سکون دینے والے ہوتے تھے۔ ایک جگہ آپ نے رام کلی کی وار میں فرمایا ہے،

نانک چنتا مت کرو، چنتا تِس ہی ہے
جل میں جنت اپائین تنہا بھی روزی دے
اوتھے ہٹ نہ چلئے نہ کو کرس کرے
سودا مول نہ ہوئی نہ کو لئے نہ دے
جیاں کا آہار جیا کھانا ایہو کرے
وِچ اُپائے سائرا تنہاں بھی سار کرے
نانک چنتا مت کرو چنتا تِس ہی ہے

گورو انگد دیو بچپن سے ہی بڑے دھیر اور گمبھیر تھے لڑکوں میں کھیلنا کم پسند تھا، چھوٹی عمر میں ہی وہ بڑے بزرگوں کے ساتھ بیٹھنا پسند کرتے تھے، سادھو مہاتماؤں میں آپ کی بڑی شردھا تھی، کھڈور صاحب میں آپ کی سمادھی بنی ہوئی ہے اِس سمادھی کو آپ نے اپنے سامنے ہی بنوایا تھا۔ سال میں دوبار وہاں میلہ لگتا ہے،

شری گورو امرداس جی

شری گورو امرداس جی کا جنم بیساکھ شدی ۱۴ سمت ۱۵۳۶ بکرمی مطابق ۵ مئی ۱۴۷۹ء کو باسر کا نام گاؤں میں ہوا تھا، آپ کے پتا کا نام تیج بھان اور ماتا کا نام سلکھنی تھا۔ سمت ۱۵۵۹ بکرمی کی ۱۱ ماگھ کو آپ کی شادی شریمتی منسا دیوی کے ساتھ ہوئی جس کے بطن سے آپ کے ہاں دو لڑکیاں بی بی دانی اور بی بی بھانی ہوئی اور دو بیٹے بابا موہن جی اور بابا موہری جی کا جنم ہوا گورو امرداس سکھوں

کے تیسرے گورو ہوتے ہیں۔ بچپن سے ہی آپ دھرم سے پریم رکھتے تھے ہر سال گنگا اشنان کے لئے ہردوار جایا کرتے تھے، کہتے ہیں آپ نے ۲۰ بار ننگے پاؤں پیدل جا کر گنگا اشنان کیا تھا آپ کی سادھوؤں میں بڑی شردھا تھی۔ لیکن ۶۲ سال کی عمر تک آپ نے کسی کو گورو نہیں بنایا۔ سمت ۱۵۹۷ میں ایک دن علی الصبح اُن کے کانوں میں ایک بڑی دلکش آواز پڑی۔ اِس آواز نے اُن کے دل پر جادو کا اثر کیا۔ اور انہوں نے یہ جاننے کی خواہش کی کہ یہ کلام کس کا ہے اور کون اِس کو گا رہا ہے۔ وہ آواز آپ کے بھائی کی نوشادی شدہ بہو بی بی امرو جی شبد گا رہی تھی۔ آپ نے جھٹ بی بی امرو دیوی سے جا کر پوچھا کہ یہ شبد کس کا ہے، بی بی نے جواب دیا کہ وہ شبد گورو نانک دیو جی کا ہے، جن کی گدی پر اِس وقت میرے پتا شری گورو انگد دیو جی براجمان ہیں، امرداس جی نے بی بی جی کو کہا کہ مجھے اپنے پتا جی کے پاس لے چلو، چنانچہ بی بی امرو جی امرداس جی کو کھڈور صاحب میں اپنے پتا کے پاس لے گئیں، وہاں پہنچ کر امرداس جی، گورو انگد دیو جی کے چیلے بن گئے۔ اور اُن کی خدمت بجا لانے میں اپنا وقت گذارنے لگے،

آپ نے اِس بڑی عمر میں قریباً ۱۲ سال تک بڑی زبردست سیوا کی، اور باقی کاموں کے علاوہ، آپ ہر روز سورج طلوع ہونے سے پیشتر ندیا سے بیاس سے پاکیزہ پانی کا ایک گھڑا بھر کر گورو جی کو غسل کرانے کے لئے لایا کرتے تھے۔ اِس سے آپ کو قریباً چھ میل روزانہ آنا جانا پڑتا تھا کیونکہ دریائے بیاس کھڈور صاحب سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ اِس طرح ایک دن آپ پانی اُٹھائے جا رہے تھے کہ رات اندھیری ہونے کی وجہ سے ایک جولاہے کے گھر کے سامنے آپ کا پیر پھسل گیا۔ آپ کے اور گھڑے کے زمین پر گرنے سے دھماکا ہوا۔ اِس سے جولاہے کی نیند کھل گئی۔ اور اِس نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ ایسی اندھیری رات میں بھلا یہاں کون گرا ہے، عورت بولی "کہ یہ وہی ہو گا بےگھرا امرو اور کون ہو سکتا ہے، اُس کا نہ گھر ہے نہ گھاٹ اِسی لئے اُسے نہ رات کی ہوش ہے اور نہ دن کی۔"

اِس واقعہ کی اطلاع شری گورو انگد دیو جی کو بھی پہنچ

گئی، اُنہوں نے امر داس جی کو اپنی چھاتی سے لگا، اُس دن خود اُنہوں نے اُس پانی سے غسل نہیں کیا بلکہ اپنے دستِ مبارک سے امرداس جی کو غسل کرایا۔ اور سب سکھوں کے سامنے سورب اکھ سمت ۱۶۰۹ کو گوریائی کی گدی شری امرداس جی کو دے دی، بھرے دربار میں گورو انگد دیو جی نے اس واقعہ کا حال بیان کرتے ہوئے کہا "کہ یہ اُمرو بے گھرا نہیں ہے بلکہ یہ آج سے شری گورو امرداس جی کے نام سے بے گھروں کی جائے پناہ ہوں گے، بے گھروں کا گھر ہوں گے، بے سہاروں کا سہارا بنیں گے اور بے آسروں کا آسرا"

گورو گدی پر متمکن ہو کر شری گورو امرداس جی نے سکھ دھرم کا بڑا اعلیٰ پرچار کیا، شری گورو انگد دیو جی کے صاحب زادوں بھائی داسو اور بھائی داتو جی کی مخالفت کے خوف سے آپ نے اپنی رہائش کھڈور صاحب سے ہٹا کر گوندوال میں بنالی، لیکن یہاں بھی وہ دونوں نوجوان اُن کو چین سے نہ رہنے دیتے تھے، ایک موقعہ پر جب بھائی داتو جی گوندوال پہنچے تو وہ شری گورو امرداس جی کو اپنے سکھوں میں باعزت طور پر بیٹھے دیکھ کر برداشت نہ کر سکے اور بھائی داتو جی نے گورو جی کو اپنی لات مار کر اُن کی جگہ سے نیچے گرا دیا، وہ عمر رسیدہ گورو جی اس فضول حرکت پر غصے میں نہیں آئے بلکہ بڑی عاجزی سے کہنے لگے۔

"مہاراج معاف کیجئے گا آپ کے نرم پیروں کو میری سخت ہڈیوں کی وجہ سے چوٹ آگئی ہوگی"۔ اسی طرح کی انکساری اور عاجزی کا اُپدیش آپ اپنے سکھوں کو بھی کیا کرتے تھے۔

جن دنوں آپ گنگا اشنان کے لئے ہر سال پیدل سفر کرتے ہوئے ہردوار جایا کرتے تھے اُن دنوں کا ذکر ہے کہ ایک موقعہ پر آپ کو ایک برہمچاری ملا۔ وہ اُن کے جلال کو دیکھ کر بولا کہ آپ کو تو راجہ ہونا چاہئے تو آپ نے جواب دیا کہ جیسی مالک کی رضا ہوگی وہی ہوگا۔ اس کے بعد اُس برہمچاری نے کہا، مجھے پیاس لگی ہے۔ ذرا پانی تو پلاؤ۔ تب سری امرداس جی نے بڑے پیار سے اُنہیں پانی پلایا۔ اس کے بعد اُس برہمچاری نے اُن سے پوچھا کہ آپ کا گورو کون ہے، اُنہوں نے کہا کہ میں نے ابھی کوئی گورو نہیں بنایا یہ جواب سنکر برہمچاری بڑے جوش میں آگیا اور غصے سے کانپتا ہوا کہنے لگا کہ میں نے بڑا پاپ کیا کہ ایسے آدمی کے ہاتھ سے پانی پی لیا جس نے کوئی گورو نہیں بنایا، برہمچاری کے ان الفاظ کا اُن کے دل پر بڑا گہرا اثر ہوا اُنہوں نے اس سے معافی مانگی اور اپنے دل میں پکا ارادہ کیا کہ اب کوئی گورو ضرور بنانا چاہئے۔ اُن دنوں ہندو اور مسلمان دونوں کے اندر سینکڑوں فقیر تھے، گورو جی سب کے پاس گئے اور بڑے اعتقاد اور بھروسے کے ساتھ اُن سے مل کر بات چیت کی، لیکن کسی سے بھی آپ کے دل کی تسلی نہ ہوئی اور نہ ہی اُن کے شکوک رفع ہوئے، چنانچہ مایوس اور مجبور ہو کر گھر چلے گئے لیکن گورو بنانے کا ارادہ اُن کا ویسا ہی قائم رہا، بھگوان بڑے دیالو ہیں وہ سب کی نیک اور زبردست خواہش ضرور پوری کرتے ہیں، چنانچہ اس کے جلدی بعد ہی اُنہوں نے اپنے بھتیجے کی بیوی شری امرو جی کا شبد سُن کر شری گورو انگد دیو جی کو اپنا گورو بنا لیا

(باقی صفحہ ۸۴ پر)



جس جگہ جولاہے کے گھر کے سامنے شری گورو امرداس کو پانی کا گھڑا لے جاتے ہوئے ٹھوکر لگی تھی اُس جگہ کو خرید کر بڑا بھاری گورو دوارہ بنایا گیا جو اب تک موجود ہے، گورو امرداس جی نے گوندوال میں لنگر بھی جاری کر دیا تھا۔ اور کیا امیر اور کیا غریب سبھی اِس سے فائدہ اُٹھاتے تھے، سب کو کھانا ملتا تھا اور لوگ اُسے متبرک سمجھ کر نوش کرتے تھے،

گورو امرداس جیسے سچے مہاتما دُنیا میں بہت کم دکھائی دیتے ہیں، قریباً سو برس کی عمر ہو جانے پر بھی آپ گھنٹوں پرماتما کا بھجن کرتے تھے، لنگر کا انتظام کرتے تھے اور اُپدیش دیتے تھے، آپ کبھی چارپائی پر نہیں سوتے تھے، آپ کی خوشبو دُور دُور تک پہنچی اور ہزاروں کی تعداد میں ہندو اور مسلمان آپ کے درشن کرنے آتے تھے

آپ کے روزانہ پروگرام میں ایک اور بات بھی لکھنے کے قابل ہے جس سے آپ کی جفاکشی اور ہمت کا پتہ ملتا ہے جب آپ گوندوال جا کر رہنے لگے تب آپ کا یہ دستور ہو گیا کہ روزانہ گوندوال سے چل کر کھڈور صاحب جاتے اور اپنے گورو دیو کے ڈیرے کے درشن کر کے آتے۔ آپ بہت کم کھاتے تھے، کبھی تھوڑا سا دودھ پی لیتے تھے یا تھوڑے سے چاول کھا لیتے تھے۔ ایک بار آپ ہردوار جا رہے تھے تو راستہ میں گھاٹ کے کسی ٹھیکیدار نے آپ سے محصول مانگا تو آپ نے کہا بابا سادھوؤں کے پاس کیا دھرا ہے، جو تم کو دیا جائے، ہم سے تو دھرم راج بھی کچھ وصول نہ کر سکے گا، یہ کہہ کر آپ وہیں ٹھہر گئے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُسی جگہ ڈیرہ ڈال دیا، اکبر بادشاہ آپ کا بڑا معتقد تھا، جب اُس کو خبر ملی کہ گورو جی کو دریا سے پار نہیں کیا گیا تو اُنہوں نے اُسی وقت پیغام بھیجا، کہ گورو صاحب اور اُن کے ساتھیوں سے کچھ بھی محصول وصول نہ کیا جائے۔ یہ خبر سُن کر جتنے اور بھی لوگ وہاں بیٹھے تھے وہ گورو جی کے چیلے بن کر اُن کے ساتھ ہو گئے اور ٹھیکیدار کو اُن سب لوگوں کو مفت پار لے جانا پڑا، آپ کے کلام میں بڑا زور ہوتا تھا۔ اُن کے پڑھنے اور سُننے میں بے حد لُطف آتا تھا۔ اُن کا کلام گورو گرنتھ صاحب میں شامل ہے جسے بھی خواہش ہو، وہاں سے پڑھ کر لُطف اندوز ہو سکتا ہے،

سمت ۱۶۲۲ میں چتوڑ کو فتح کرنے کے بعد اکبر گوندوال میں گورو صاحب کی زیارت کے لئے آیا اور بہت سے بیش بہا تحفے گورو صاحب کی خدمت میں پیش کئے اور ساتھ ہی عرض کی کہ بارہ گاؤں کی جاگیر لے کر مجھے ممنون کیجئے، اِس پیش کش کا جواب جن الفاظ میں گورو صاحب نے دیا وہ سُننے کے قابل ہے آپ نے کہا، "ہم پھنسانے نہیں آئے بلکہ چھڑانے آئے ہیں، ہم کسی کو غلام نہیں بناتے بلکہ ہم آزادی کی تلقین کرتے ہیں، گورو گھر آزادی کا معتقد ہے، جاگیردار بن کر اُس کی حیثیت ماتحت اور مجبور کی ہو جائے گی اور اِس سے ہمارا کام بگڑ جائے گا۔ آپ تو محض بادشاہ ہو کر ہماری خبر گیری کرتے ہو لیکن ہم تو شہنشاہ ہیں۔ اِس لئے ہمیں ایسی جاگیر سے کیا سروکار ہے"

یہ کہہ کر اُنہوں نے جتنے تحفے آئے تھے وہ بھی غریب لوگوں کو بانٹ دیئے، گورو امرداس سمت ۱۶۳۱ کی بھادوں شری پورنماشی کو منگل وار کے دن اِس فانی شریر کو چھوڑ کر پرم دھام کو پدھارے

شری گورو رامداس جی

شری گورو رام داس جی دسوں گوروں میں سے چوتھے گورو ہوئے ہیں، اِن کا پہلا نام بھائی جبیٹھا جی تھا، اِن کا جنم ۲۶ اسوج سمت ۱۵۹۱ مطابق سال ۱۵۳۴ء میں لاہور شہر کی چونے منڈی میں سوڈھی ہری داس کھتری کے گھر ہوا، اِن کی ماتا کا نام دیا کنور تھا۔ آپ ابتدا سے ہی سادھو سبھاؤ کے تھے۔ آپ بازار میں اُبلے ہوئے چنے بیچا کرتے تھے، کیونکہ آپ کے پتا کا دیہانت اِن کی چھوٹی عمر میں ہی ہو گیا تھا، آپ کو سادھو درشن کا بڑا شوق تھا۔ ایک دن آپ چنے بیچ رہے تھے کہ ایک سادھو نے آ کر آپ سے چنے مانگے آپ نے ایک مٹھی بھر کر دے دی، سادھو نے اور مانگے آپ نے تین چار مٹھی اور دے دیں، اِس پر بھی جب سادھو نے اور مانگے تو بھائی جبیٹھا جی نے سارے کے سارے چنے سادھو جی کو دے دیئے، اِس پر وہ سادھو بھائی جبیٹھا پر بڑے خوش ہوئے اور دعا میں خیر دیتے ہوئے چلے گئے۔ اِس واقعہ کے بعد پھر بھائی جبیٹھا نے بھی

بیجنے کا روزگار نہیں کیا۔

بھائی جیٹھا جی کا لواہ پھاگن سمت ۱۶۱۱ کو شری گورو امرداس جی کی سپتری بی بی بھانی جی کے ساتھ ہوا، اور آپ کے ہاں تین بیٹے پرتھوی چند، مہادیو اور ارجن دیو پیدا ہوئے، شادی کے بعد بھائی جیٹھا جی گوندوال میں ہی شری گورو امرداس جی کے پاس ہی رہنے لگے، بطور داماد کے نہیں رہے تھے بلکہ اُن کا چیلا بن کر دن رات اُن کی خدمت گذاری میں اپنا سارا وقت لگاتے تھے، سمت ۱۶۱۶ میں جب شری گورو امرداس جی ایک باولی بنا رہے تھے تو بھائی جیٹھا جی نے بھی مٹی کی ٹوکریاں اپنے سر پہ اٹھا کر خدمت کی، اس پر لاہور سے آئی ہوئی سنگت نے بُرا منایا اور گورو امرداس جی سے شکایت کی کہ آپ کو اپنے داماد سے ایسا کام لینا مناسب نہیں ہے، گورو جی نے سب کی شکایت سُن کر جواب دیا "بھائیو آپ کو تو یہ دکھائی دیتا ہے کہ بھائی جیٹھا مٹی کا ٹوکرا اُٹھاتے جا رہے ہیں، لیکن آپ بھول رہے ہیں وہ مٹی کا ٹوکرا نہیں وہ تو دین اور دُنیا دونوں کی حکومت کا تاج سر پر پہنے ہوئے ہیں۔

شری گورو امرداس جی نے اپنے لنگر میں سب کو پاس پاس اکٹھے ایک ہی قطار میں بیٹھ کر کھانا کھانے کا رواج جاری کیا تھا، اس پر لاہور کے بہت سے براہمن اور کشتریوں نے مل کر اکبر بادشاہ کے پاس شکایت لکھ بھیجی کہ گورو امرداس لوگوں کا دھرم بگاڑ رہے ہیں اور اس سے بدامنی پھیلنے کا خطرہ ہے، اکبر بادشاہ نے گورو صاحب کو اس معاملہ کے متعلق اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے لاہور بلوا بھیجا، گورو صاحب خود تو نہیں گئے لیکن بھائی جیٹھا جی کو اس کام کو نبھانے کے قابل سمجھ کر اُنہیں اپنی جگہ بادشاہ کے پاس بھیج دیا، بھائی جیٹھا جی نے جب اکبر کے دربار میں پہنچ کر سکھ مذہب کے مطابق انسانی نسل کی محض ایک جماعت ہونے کا اصول سمجھایا تو اکبر بادشاہ بہت خوش ہوئے، بلکہ اتنے زیادہ خوش ہوئے کہ وہ خود گورو امرداس جی کے درشن کرنے کے لیے گوندوال پہنچے، چنانچہ اُسی موقعہ پر یعنی سمت ۱۶۲۲ میں اکبر نے بارہ گاؤں کی زمین بھینٹ کی،

سمت ۱۶۲۷ میں گورو امرداس جی کے حکم سے بھائی جیٹھا نے شری امرت سر کے تالاب بنوانا شروع کیا، ۱۲ اسوج سمت ۱۶۳۱ کو خوش ہو کر گورو امرداس جی نے بھائی جیٹھا جی کا نام شری رامداس رکھا، اور اُنہیں گوروائی کی گدی بخشی، گورو رامداس جی کچھ عرصہ تک گوندوال ہی رہے اور ہری نام کی ورشا کرتے رہے

گورو رامداس کی شادی گورو امرداس جی کی بیٹی سے ہونے کا واقعہ بھی بہت دلچسپ ہے، لڑکی کا نام بی بی بھانی تھا قدرتی طور پر اُس کی ماتا کو لڑکی کی شادی کے متعلق بڑا فکر رہتا تھا، ایک دن گورو صاحب جب محل میں بیٹھے ہوئے تھے اور اُس وقت گورو پتنی اور کل پروہت بھی موجود تھے، تو بی بی بھانی کی شادی کے متعلق ذکر چھڑ گیا، گورو صاحب نے اپنی پتنی سے کہا اچھا تم یہ تو بتاؤ ۔ ۔ ۔ ۔ کہ تم کو لڑکا کس قسم کا چاہیئے، ماتا جی نے جواب دیا کہ جیسا آپ کا سیوک بھائی جیٹھا ہے بس اسی عمر اور ایسی ہی خوبیوں کا لڑکا مجھے پسند ہے یہ سُن کر گورو جی مسکرا کر بولے کہ کیا معلوم ودھاتا نے اسی کے ساتھ سنجوگ ملا دیا ہو، پھر زیادہ فکر کرنے کی ضرورت کیا ہے، گورو جی نے بھائی جیٹھا کو بلا کر اُن کے خاندان کا حال دریافت فرمایا تب اُنہوں نے بڑی انکساری سے جواب دیا کہ مہاراج میرے والد کا تو کافی عرصہ سے انتقال ہو چکا ہے میری عمر اُس وقت بہت چھوٹی تھی، البتہ میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ہم سوڈھی کھتری ہیں، گورو صاحب نے یہ سُن کر فرمایا کہ یہ ناطہ ٹھیک رہے گا، چنانچہ بھائی جیٹھا جی کی ماتا کو اس امر کی اطلاع بھیج دی گئی اور اس کے تھوڑے عرصہ بعد ہی شادی کر دی گئی،

ایک دن کا ذکر ہے کہ گورو امرداس جی نے اپنے دو بیٹوں کو فرمایا کہ اگر تم ایک چبوترہ بنا دو تو اچھا ہو تاکہ بیٹھنے کی آسانی ہو جائے، اپنے چیلوں کو بھی ایسا ہی حکم دیا، چنانچہ دونوں نے علیحدہ علیحدہ چبوترے بنائے، لیکن گورو صاحب نے دونوں کو ناپسند کیا اور گرا دیا۔ اور دوبارہ چبوترے تیار کرنے کا ارشاد فرمایا، چنانچہ اُنہوں نے پھر چبوترے بنائے لیکن پھر بھی وہ منظور نہ ہوئے اور گرا دیئے گئے، اسی طرح گورو جی بار بار حکم دیتے اور بننے پر ناپسند کر کے گرا دیتے کبھی نے دو بار کسی نے چار بار کسی

نے دس بار چبوترے بنائے لیکن گورو جی نے ہر دفعہ اُن کو ناپسندگی کا اظہار کر کے گروا دیا، انجام کار سب تھک کر اور رنجیدہ ہو کر بیٹھ گئے، کوئی کوئی تو یوں بھی کہنے لگے کہ بڈھے کے ہوش ٹھیک نہیں رہے گورو صاحب کے کانوں تک بھی یہ الفاظ پہنچے اور وہ سُن کر ہنس دیئے لیکن ان کے چیلوں میں سے بھائی جیٹھا جی نے ہمت نہیں ہاری اور چبوترے کے بار بار بنانے کا کام نہیں چھوڑا۔ اسے اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ ہر دفعہ کی محنت ضائع جا رہی ہے، آخر کار گورو جی نے اُن سے پوچھا کہ بھائی باقی سب تو اپنا کام چھوڑ کر بھاگ گئے لیکن تم اس کام میں ابھی تک لگے ہوئے ہو اس کی کیا وجہ ہے؟ بھائی جیٹھا جی نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ ہے کرپاسا گر! سیوک کا کام تو سیوا کرنا ہے۔ وہ جتنی سیوا کرے گا، مَن اتنا ہی زیادہ پاکیزہ رہے گا۔ اُس کی بھلائی محض خدمت بجا لانے میں ہے۔ مَیں نے تو آپ کا ارشاد بجا لاتا ہے اور مَیں اسی کو اپنا دھرم اور کرم سمجھتا ہوں اگر آپ عمر بھر بھی مجھ سے یہی خدمت لیتے رہیں تو بجائے تکلیف محسوس کرنے کے مجھے از حد راحت ہوگی۔“ گورو صاحب اپنے اس چیلے کا یہ جواب سُن کر خوش ہو گئے، پیار سے اُس کو اپنی چھاتی سے لگا لیا، اور اُسی دن سے اُس کو گورو گدی کا وارث ٹھہرا دیا،

گورو رامداس جی کچھ عرصہ گوندوال رہنے کے بعد امرتسر کے تالاب اور ہری مندر کو مکمل کرنے کے شری امرت سر جا پہنچے، سکھوں کو بھی گورو جی نے وہیں آ کر اپنا مکان تیار کر کے رہنے کا حکم دیا، اس کے علاوہ ۵۲ قسم کے بیوپاریوں کو وہاں لا کر بسایا جن بازار میں اُنہوں نے دوکانیں کھلوائیں وہ اب بھی گورو کا بازار کہلاتا ہے، گورو رامداس جی نے امرت سر بنانے کے بعد اپنا وقت بھجن میں لگانا شروع کر دیا، دربار میں ہزاروں آدمیوں کو اُپدیش دیتے تھے خود خلوت میں بیٹھ کر بھجن کرتے تھے اِن کی گورو یائی کے زمانہ میں پنجاب بھر میں کوئی ایسا مقام نہ رہ گیا تھا کہ جہاں گورو جی کے چیلے نہ بن گئے ہوں، خواہ ہندو ہو خواہ مسلمان جو بھی اِن کے درشنوں کو آتا تھا اِن کا معتقد ہو جاتا تھا، نیک اعمال کرنا اور آزادی سے رہنا اِن کی

تعلیم کا لُب لباب تھا، زر و مال کی یہ حالت تھی کہ ہزاروں روپے آتے تھے . . . . لیکن جو کچھ آتا لنگر خانہ میں اور مفلس غریبوں کی ضروریات کو پورا کرنے میں خرچ کر دیا جاتا تھا، گورو صاحب کی کرپا امیر و غریب سب پر یکساں تھی۔ اُن کے دربار میں سب کو ایک ہی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

آپ بڑے فراخ دل واقع ہوئے تھے، ایک دن کا ذکر ہے کہ کسی مہاجن نے سونے کا ایک جڑاؤ کنٹھا گورو جی کی نذر کیا اتفاق سے اُسی وقت ایک سادھو منگل نامی آ نکلا اور اُس نے کچھ خیرات مانگی، گورو صاحب نے وہی کنٹھا اُٹھا کر اُسے دیدیا۔ یہ دیکھ کر مہاجن کے دل میں کچھ رنج پیدا ہوا گورو صاحب جی بھانپ گئے اور فرمایا ”دیکھو بھائی! تم یہ کنٹھا پیش کر کے ہمیں خوش کیا ہم نے اس سادھو کو دے کر مالک کو خوش کیا، اس سے تم کو کئی گنا پھل زیادہ ملا، تمہارا کنٹھا بھی مبارک ہے جو ہماری سب کی بھلائی کا باعث بنا۔ یہ بات تمہیں کبھی نہ بھولنا چاہیے کہ یہ کنٹھا ایک جگہ ہمیشہ نہیں رہ سکتا، دُنیاوی چیزوں کا خاصہ ہی یہ ہے کہ وہ چلتی پھرتی رہتی ہیں، مورکھ لوگ جو اُن کو پکڑ کر ایک جگہ رکھنا چاہتے ہیں وہ رنج اُٹھاتے ہیں، مایا ہمیشہ اپنا روپ بدلتی رہتی ہے، جو اس راز کو سمجھ جاتے ہیں وہ اس کے جال میں نہیں پھنستے“ یہ سُن کر مہاجن نے اپنا سر جھکا لیا،

سمت ۱۶۲۳ بکرمی میں اکبر بادشاہ گورو جی کے درشن کو گیا، اور بہت سے تحفے تحائف پیش کئے اور جاگیر بھی نذر کی،

اِس وقت تک گورو گدی محض اُس کو ملتی تھی جو گورو جی کو اپنی سیوا سے خوش کرتا تھا، لیکن ایک موقعہ پر گورو جی کی لڑکی بی بی بھانی نے اُن کے لئے اپنے زانوں میں زخم کرا لیا تب گورو جی نے خوش ہو کر پوچھا کہ تم کوئی چیز مانگ لو اِس پر بی بی نے پہلے تو انکار کیا لیکن پھر کہا کہ اگر آپ اتنے ہی خوش ہیں تو یہ گورو گدی اب میری نسل میں رہے، گورو جی چونکہ

رہ گئے۔ لیکن اُن کو ہاں کہنی پڑی،

بھادوں شدی ایکم سمت ۱۶۳۸ بکرم کو اپنے چھوٹے پتر شری ارجن دیو کو گوریائی دی اور پھر سمت ۱۶۳۸ میں پرلوک سدھارے

شری گورو ارجن دیو جی

شری گورو ارجن دیو سکھ سمپردایہ کے پانچویں گورو ہوئے آپ چوتھے گورو شری گورو رامداس جی کے چھوٹے سپتر تھے آپ کا جنم گوئندوال میں ۱۹ ا بیساکھ سمت ۱۶۲۰ بکرم مطابق ۱۵ ار اپریل ۱۵۶۳ء کو بی بی بھانی جی کے بطن سے ہوا بی بی بھانی نے گورو امرداس جی سے سدا کے لئے گورو نانک کی گدی کو اپنے ونش میں رکھنے کا وعدہ لے لیا تھا،

گورو ارجن صاحب کی پہلی شادی سودھی چندن داس کی لڑکی سے ہوئی تھی، لیکن پہلی استری کے سورگ باس ہو جانے پر دوسری شادی کرشن چند کی لڑکی گنگا دیوی کے ساتھ سمت ۱۶۶۴ بکرمی میں ہوئی، گورو ہرگوبند جی کا جنم اسی دیوی کے بطن سے ہوا تھا، گنگا دیوی جی کے پتا موضع مئو میں رہتے تھے، گورو ارجن دیو جی کی پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہیں تھی، دوسری سے بھی چھ سال تک کوئی اولاد نہیں ہوئی، اس لئے گنگا دیوی بہت متفکر رہتی تھی لیکن اس کی خواہش ہمیشہ یہی تھی کہ اگر اولاد ہو تو بہت لائق اور باعقل ہو، ماتا کی اس نیک اور زبردست خواہش کا ہی نتیجہ پھل تھا کہ انہوں نے گورو ہرگوبند جی جیسے لائق اور اعلیٰ پایہ کے بچہ کو جنم دیا۔

آپ کے پتا شری رام داس جی نے شری گورو ارجن دیو جی کو ہر طرح سے لائق اور ہمہ صفت موصوف دیکھ کر بھادوں شدی ایکم سمت ۱۶۳۸ کو گوریائی کی گدی بخشی، لیکن دنیادی رواج کے مطابق آپ کے بڑے بھائی پرتھی چند نے اس کی مخالفت کی لیکن شانتی سروپ شری گورو ارجن دیو جی نے مخالفت کا کچھ جواب نہ دیکر اپنی رہائش امرت سر سے ہٹا کر کچھ عرصہ کے لئے نزدیک کے ایک گاؤں ٹہالی میں اختیار کر لی، آپ نے بہت سے کوئیں، باولیاں اور باغیچے وغیرہ بنوائے، گورو نانک دیو جی کی تعلیم اتنی زیادہ اِن کے زمانہ میں پھیلی اس سے پہلے اتنی کبھی نہ پھیلی تھی، آپ ہمیشہ کسی نہ کسی کارِ خیر میں لگے رہتے تھے، گورو نانک پر آپ کا پورا پورا اعتقاد تھا، وہ کہا کرتے تھے کہ مجھے گورو نانک کا سیوک ہونے کا بڑا فخر ہے،

گورو ارجن صاحب کے راستہ میں پرتھی چند اُن کا بڑا بھائی ہر قسم کی اُلجھن ڈالتا تھا، کہتے ہیں کہ اس نے کبھی اُن کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا، وہ بڑا بدفطرت انسان تھا، اور گورو صاحب کو دکھ پہنچانے میں ہمیشہ تیار رہتا تھا، اس نے اپنے نام سے کچھ تالاب بنوائے اور کچھ پیرو اکٹھے کرکے ایک نیا فرقہ کھڑا کرنا چاہا، لیکن جب وہ اس بات میں ناکام رہا، تو جو ذلیل چال اس نے چلی وہ یہ تھی کہ مسلمانوں کو گورو صاحب کے خلاف بھڑکایا اور کئی قسم کی اذیتیں پہنچائیں، جب پرتھی چند بھنڈاری کے کام پر معین تھا تب اس نے چڑھاوے کا سب روپیہ برباد کر دیا۔ یہاں تک کہ گورو صاحب کو کبھی کبھی بھنے ہوئے چنے چبا کر وقت نکالنا پڑتا تھا، لیکن انہوں نے کبھی کوئی شکایت نہیں کی،

سنتوشا نامی ایک چیلے کی زبردست خواہش پر اُس کے خرچ سے ایک تالاب کھدوایا جس کا نام سنتوکھ سر رکھا سمت ۱۶۵۵ بکرمی میں اُس تالاب کے بیچ میں گورو صاحب نے ہری مندر بنوایا اُس کی پہلی اینٹ ایک مسلمان فقیر کے ہاتھ سے رکھائی گئی، اتفاق سے اس اینٹ کو معمار نے اُلٹ کر رکھ دیا اس پر گورو جی نے فرمایا کہ اس کا یہ پھل ہوگا کہ مندر کسی وقت گرایا جائے گا انجام کار ایسا ہی ہوا، احمد شاہ ابدالی نے اس مندر کو گروا دیا تھا اور بعد میں وہ دوبارہ بنوایا گیا۔ آپ کا ارشاد پا کر آپ کے پیرو امرتسر میں آکر رہنے لگے، تھوڑے سے ہی دنوں میں قریب ۲۵ ذاتوں کے لوگ وہاں آکر بس گئے۔ امرتسر کا بسنا پرتھی چند کو ناگوار گذرا اس نے کئی شرارتیں کیں، گورو صاحب تنگ آکر امرتسر کو چھوڑ کر گوئندوال ہوتے ہوئے کھاری پہنچ گئے۔ یہ جگہ آپ کو بہت پسند آئی۔ یہاں آپ نے ترن تارن کے نام کا تالاب کھدوایا لیکن جو اینٹیں منگوائی گئیں اُن کو پرتھی چند نے اٹھوا کر کسی اور جگہ گڑوا دیا، گورو صاحب چپ رہے، لیکن چیلوں کو بہت دکھ

ہوا۔ گورو صاحب نے فرمایا کہ فکر مت کرو یہ اینٹیں تھوڑی تھیں وہ اپنے ساتھ مزید ذخیرہ لے کر آئیں گی، گورو صاحب کی یہ پیشین گوئی سچی ثابت ہوئی۔ سمت ۱۸۲۳ بکرمی میں وہ سرائے جس میں وہ اینٹیں لگی تھیں غیر ضروری سمجھ کر گرا دی گئی، اور اُس کی ساری کی ساری اینٹیں ترن تارن کے تالاب میں کام آئیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے فرزند ارجمند نونہال سنگھ نے تالاب کے پاس ایک بہت خوبصورت مندر بھی بنوا دیا۔

سمت ۱۶۳۱ بکرمی میں جالندھر کے اُس وقت کے افسروں سے کچھ زمین خرید لی، اور وہاں کرتارپور نامی قصبہ بسایا۔ اُس کے بعد گورو جی گھومتے ہوئے لاہور آ گئے، وہاں آ کر ڈبی بازار میں ایک باؤلی بنوائی۔ جس وقت آپ لاہور میں ٹھہرے تھے تو اُس وقت آپ کے پاس بڑے بڑے مسلمان فقیر درشنوں کے لئے آتے تھے لاہور کا حاکم بھی آیا کرتا تھا، جو باؤلی گورو جی نے بنوائی تھی اُس کا پانی میٹھا تھا حالانکہ دوسری باؤلیوں کا کھارا تھا،

بدطینت پرتھی چند نے گورو صاحب کے بیٹے ہرگوبند کی جان لینے کے لئے بڑی کوشش کی، لیکن وہ ناکام رہا۔ اُس کا ایک لڑکا گورو صاحب کے پاس رہا کرتا تھا۔ اُسے اُمید تھی کہ اُس کا وہی لڑکا گدّی کا مالک بنے گا، لیکن گورو ہرگوبند کے پیدا ہو جانے پر اُس کی اُمید خاک میں مل گئی۔ اسی وجہ سے وہ ہرگوبند جی کی جان کا پیاسا تھا۔ اُس نے ایک استری کو اُس کے تھنوں پر زہر لگا کر گورو پتر کو دودھ پلانے کے لئے بھیجا، لیکن پیشتر اس کے کہ وہ بچہ کو دودھ پلاتی وہ آپ ہی ختم ہو گئی، وجہ یہ تھی کہ زہر بہت تیز تھا اور اُس کی تیزی نے اُس کے جسم کے اندر پہنچ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ اُس کے علاوہ پرتھی چند نے رسوئیے کو بہکا کر گورو ہرگوبند کے کھانے میں زہر ملانے کا داؤ چلایا لیکن وہ ظاہر ہو گیا۔ اور اُس کے باعث اُس کی بڑی بدنامی ہوئی اور سارے سکھ بھائی اس کے خلاف ہو گئے۔ یہاں تک کہ اُس کا امرتسر میں رہنا مشکل ہو گیا اور وہ ایک گاؤں میں چلا گیا۔ لیکن اُس نے گورو صاحب کی مخالفت پھر بھی جاری رکھی۔ اور اپنی پوری طاقت سے ہر ذریعہ استعمال کر کے گورو صاحب کو نیچا دکھانے میں کوئی کسر نہ رکھی،

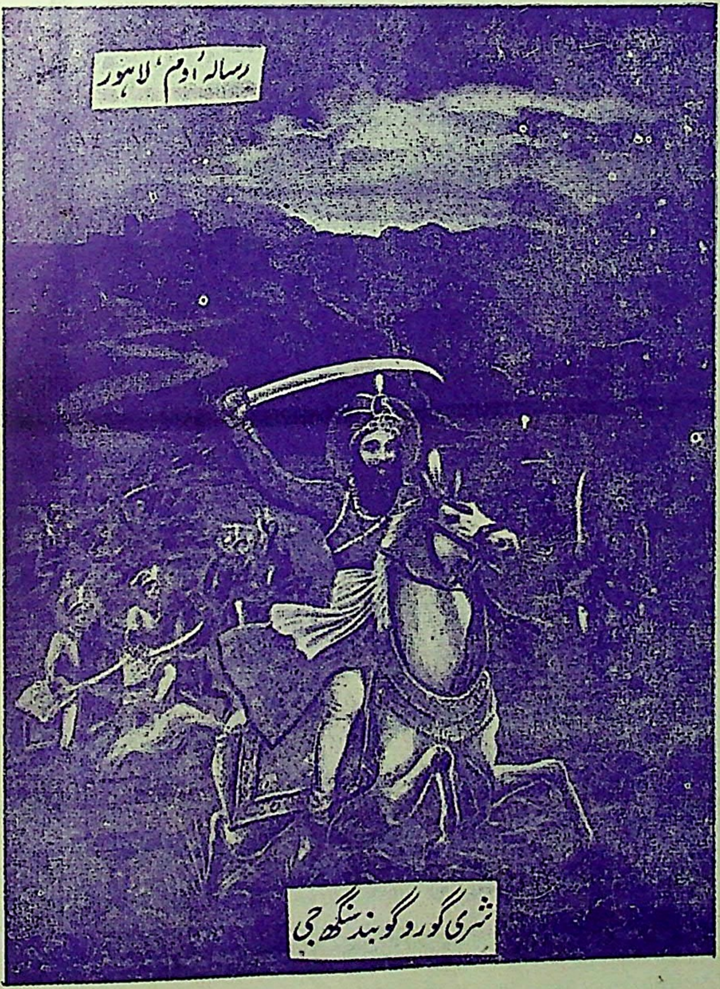
پرتھی چند نے جب دیکھا کہ گورو گدّی اُسے نہیں مل سکی تو اُس نے اکبر بادشاہ کے پاس گدّی پانے کا باقاعدہ دعویٰ دائر کیا لیکن بادشاہ نے اُس کا یہ دعویٰ یہ کہہ کر خارج کر دیا کہ باپ نے جسے لائق سمجھا اُسے گدّی دے دی۔

پرتھی چند کی زندگی بڑے دُکھوں میں گزری، گورو صاحب پھر بھی اُس کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہے۔ قدرتی طور پر گورو جی صاحب بڑے ٹھاٹھ سے رہتے تھے لیکن زندگی بڑی سادہ اور پاکیزہ تھی۔ ایک بار دیوان چندو لال آپ کو ملنے آیا اُس وقت گورو صاحب کے پتر شری ہرگوبند جی بھی پاس بیٹھے تھے دیوان چندو لال اس لڑکے کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور اپنی لڑکی کا ناطہ اُس کے ساتھ کر دیا، لیکن بعد میں اُس نے گورو صاحب کی ہجو کی۔ اس کی وجہ سے ناطہ ٹوٹ گیا، دیوان چندو لال برافروختہ ہو اُٹھا۔ اُنہیں دنوں گورو صاحب نے سارے گزشتہ گوروؤں اور دوسرے ایشور بھگتوں کی بانی کو اکٹھا کر کے آدی گرنتھ کی تیاری کی تھی، چندو لال نے ناطہ توڑنے کا بدلہ لینے کے لئے بادشاہ سے شکایت کی کہ آدی گرنتھ میں بہت ساری باتیں مسلمانوں کے برخلاف لکھی گئی ہیں، بادشاہ نے گرنتھ منگوایا، لیکن اُس میں ایسی کوئی بات نہ نکلی، بادشاہ چندو لال پر بہت ناراض ہوا، اور گورو صاحب کے لئے بادشاہ کے دل میں زیادہ شردھا ہو گئی۔ اور خود گورو صاحب کو ملنے گیا، اور گرنتھ صاحب پر پانچ سو اشرفیاں اور ایک ریشمی چادر چڑھائی،

اکبر نے اپنے بیٹے جہانگیر کو تخت پر بٹھایا، لیکن جہانگیر کا بیٹا خسرو اپنے باپ کے خلاف تھا۔ اُس نے جنگ کی ٹھانی لیکن جہانگیر سے شکست کھا کر پنجاب چلا آیا اور گورو صاحب سے کچھ امداد مانگی، گورو صاحب نے طعام لنگر کے لئے پانچ سو روپے دے دیئے، چندو لال کو بدلہ لینے کا موقعہ مل گیا اُس نے جہانگیر سے شکایت کی کہ گورو جی نے پانچ ہزار روپیہ خسرو کو دے دیا ہے گورو صاحب کو بلوایا گیا۔ اُنہوں نے اسی وقت اپنے بیٹے ہرگوبند کو گدّی پر بٹھایا اور کہا کہ ہمارا آخری وقت آ گیا ہے، چنانچہ وہ پانچ معتبر چیلوں کو لے کر دربار میں پہنچے، بادشاہ نے دو لاکھ روپے



Shri Guru Nanak Dev ji.



Shri Guru Gobind Singh ji.

جرمانہ کیا، گورو صاحب کی ایک بات بھی نہ سنی گئی۔ اور اُن کو کوتوال کے سپرد کیا گیا، کوتوال چندولال کا دوست تھا۔ اُس نے گورو صاحب کو قلعہ میں بند کر دیا اور بہت سختیاں کیں، یعنی سر پر گرم گرم ریت ڈلوائی گئی اور لوہا گرم کر کے جسم پر لگوایا گیا، گورو صاحب نے سب کچھ بڑے دھیریہ سے برداشت کیا، چندولال پھر وہاں پہنچا اور کہا کہ ناطہ منظور کر لو، مگر گورو صاحب نے کہا کہ یہ سنگت کے اختیار میں ہے آخر اُس بدکار نے گورو صاحب کو گائے کی کھال میں بند کرنے کا خوف دکھلایا، تھوڑی دیر بعد گورو جی نے کہا کہ مجھے دریا میں اسنان کر لینے دو، چنانچہ انہوں نے دریا میں داخل ہو کر غوطہ لگایا اور پھر غائب ہو گئے یہ واقعہ ۲۔ اساڑھ سمت ۱۶۶۳ بکرم کا ہے،

شری گورو ہرگوبند جی

شری ہرگوبند جی چھٹے گورو ہوئے، آپ پانچویں گورو شری ارجن دیو کے اکلوتے بیٹے تھے، آپ کا جنم ماتا گنگا جی کے بطن سے موضع وڈالی میں ۲۱ اساڑھ سمت ۱۶۵۲ بکرمی مطابق ۱۴، جون ۱۵۹۵ء کو ہوا، آپ کا بچپن بڑی مصیبتوں میں گزرا، ادھر پتا جی شہید ہو گئے ادھر بدطینت پرتھی چند کا خوف تھا، لیکن گورو ہرگوبند جی کسی خاص کام کے لئے اس دنیا میں آئے تھے، اس لئے کوئی بھی طاقت آپ کے راستہ میں رکاوٹ نہ ڈال سکی اور نہ ہی اُن کا کچھ بگاڑ سکی،

آپ کی تین شادیاں ہوئیں، پہلی کپور تھلہ میں شری نارائن داس جی کھتری کی لڑکی سے دوسری کرتارپور کے شری ہری چند کی لڑکی شریمتی نانکی جی کے ساتھ، جن کے بطن سے تین بیٹے بابا انی رائے اٹل رائے، اور گورو تیغ بہادر جی ہوئے، پہلی دھرم پتنی کا نام بی بی دامودری جی تھا، اُس کے بطن سے بابا گوردتہ جی اور ایک بیٹی بی بی بیرو جی کا جنم ہوا تھا، تیسری شادی سمت ۱۶۷۲ بکرمی میں شری دیا رام منڈیالی نواسی کی سپتری مہادیوی جی کے ساتھ ہوئی، جس کے بطن سے گورو صاحب کے پانچویں بیٹے سورج مل جی نے جنم لیا۔

جس وقت گورو ارجن دیو جی کا انتقال ہوا اُس وقت آپ کی عمر صرف گیارہ برس کی تھی۔ اِس لئے پرتھی چند نے گورو گدی حاصل کرنے کے لئے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے لیکن سکھوں نے گورو کے اکلوتے بیٹے ہرگوبند جی کو ہی گدی پر بٹھایا۔ اگرچہ آپ کی عمر تو تھوڑی تھی لیکن آپ کی عقل بڑی تیز اور بڑی احتیاط اور دور اندیشی سے ہر ایک کام کو کرتے تھے، آپ نے تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے دھرم کرم کو سمجھ لیا اور زمانہ کی چال کو بھی بھانپ لیا تھا۔ اُن دنوں مغل بادشاہوں کی طرف سے سکھوں پر کافی مصیبتیں نازل ہو رہی تھیں، اِس لئے انہوں نے یہ سوچ لیا کہ محض بھگتی اور بھجن سے ہی کام نہیں چلے گا بلکہ سنت سروپ کے ساتھ دیرتا کا دیش دھارن کرنا بھی لازمی ہے اِس لئے مخود حفاظتی کو مدنظر رکھتے ہوئے گورو ہرگوبند نے گورو نانک جی کے پرچار شدہ دھرم کو اب اور ہی روپ دے دیا، جہاں آپ نے اپنے پیروؤں کو دھرم اپدیش کرتے تھے وہاں انہیں جسمانی طاقت حاصل کرنے کا بھی زور دیتے تھے، وہ صاف کہا کرتے تھے کہ جسمانی طاقت کے بغیر روحانی طاقت،، حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ ہر قسم کی ترقی کے لئے جسمانی طاقت کی ضرورت ہے لہٰذا آپ نے سکھوں میں دھرم پر چلنے کے ساتھ ساتھ جنگی تعلیم کا بھی پرچار کیا، آپ خود اکھاڑہ میں جا کر لڑا کرتے تھے اور تھوڑی ہی عمر میں آپ نے دو تلواریں دو طرف کیوں باندھی ہیں تو آپ نے بڑے دھیریہ بھاؤ سے کہا کہ دائیں طرف کی تلوار سے تو ہم اپنے اندرونی دشمنوں، کام، کرودھ وغیرہ کو مار کر شانتی کا راج

(باقی ص ۹ پر)

نہ اپنے جسم پر باندھ رکھی تھیں، ایک آدمی نے ہنسی ہنسی میں پوچھا کہ آپ نے دو تلواریں.

قایم کریں گے اور بائیں تلوار سے ہم بیرونی دشمنوں کو ختم کر کے دہرم کی جڑ کو مضبوط بنائیں گے، آپ کا بدن بڑا چھریرا، پتلا اور گٹھا ہوا تھا، قد بھی اونچا تھا، دیکھنے میں آپ بہت خوش شکل اور خوش رو تھے، چہرہ پُر جلال تھا، آپ کی جنگی تعلیم کے پرچار نے قریب قریب سارے سکھوں کو جنگ آزما اور فن جنگ میں ماہر بنا دیا، سکھ دہرم میں جو یہ تبدیلی آپ نے کی یا یہ بیج جو آپ نے بویا اُس کی تکمیل اُن کے جانشین دسویں گورو گوبند سنگھ جی مہاراج نے کی،

جتنا آپ کو جنگ اور اسی قسم کے دوسرے کاموں یعنی شکار وغیرہ کا شوق تھا اُس سے کہیں زیادہ آپ اپنی گدیائی کے کام کو پورا کرتے تھے، آپ گھنٹوں بھجن پاٹھ کیا کرتے تھے، گورو نانک صاحب کے کلام کا روزانہ پاٹھ کرنا آپ کا نیم تھا، کچھ سکھ لوگوں کو شک تھا کہ گورو صاحب اپنی کم عمری کے باعث شاید گدیائی کے کام کو اچھی طرح سے نہ چلا سکیں، لیکن آپ نے اپنا سارا کام ایسی خوبی اور قابلیت کے ساتھ نبھایا کہ سب سکھ دیکھ کر حیران رہ گئے، تھوڑی ہی عمر میں آپ کی تقریر میں وہ رس اور بل پیدا ہو گیا تھا، کہ سامعین تصویر بن جایا کرتے تھے، آپ کے اُپدیشوں سے سکھ دہرم کی بہت ترقی ہوئی، ہزاروں آدمی آپ کے جھنڈے کے تلے آ کر جسمانی اور روحانی بل حاصل کرنے لگے، آپ کا سب کو یہ اُپدیش ہوتا تھا کہ طاقتور اور مضبوط بنو، جو بیرونی دشمنوں کو نہیں مار سکتا وہ اندرونی دشمنوں کا مقابلہ کیا کرے گا، جس کا جسمانی بل ٹھیک ہے وہی سب کچھ کر سکتا ہے جو مریض ہے اور کمزور ہے وہ کچھ نہیں کر سکتا، اس لئے آتمک بل ضرور حاصل کرو لیکن ساتھ ہی ساتھ جسمانی طاقت کا بھی پورا پورا خیال رکھو، آپ کی اس تعلیم سے سکھوں کے اندر ایک نئی لیکن زبردست لہر دوڑ گئی اور وہ اسی دن سے کچھ کے کچھ بننے لگے،

چند ولال کی دشمنی کی وجہ سے آپنے پتا کی ہونے والی شہیدی کا بدلہ لینے کا خیال اُن کے دل میں مضبوطی سے جگہ پکڑ چکا تھا، اور اس کے لئے انہوں نے اپنے من میں پختہ ارادہ کر لیا تھا، بلکہ وہ لوگ گورو جی کی خدمت میں زر و مال کے علاوہ ہتھیاروں اور گھوڑوں کی پیش کش بھی لانے لگے تھے، گورو صاحب کو مردم شناسی کی کچھ ایسی مہارت تھی کہ جس خیال کا جو آدمی آتا اُس سے وہ اسی قسم کی بات چیت کرتے تھے، اگر کوئی دہرم کی جگیاسا لے کر آتا تب وہ گورو صاحب سے دہرم کی فلاسفی سن کر دنگ رہ جاتا اور اگر کوئی جنگ کا خواہاں سپاہی آتا تب وہ گورو صاحب کے مضبوط اور باجلال بدن اور اس کے متعلقہ واقفیت کو دیکھ کر اور سن کر حیران رہ جاتا تھا، غرضیکہ جو بھی آتا آپ کا معتقد بن جاتا، آپ کو شکار کھیلنے کا بھی شوق تھا، کہا جاتا ہے کہ آپ کا نشانہ کبھی نہیں چوکتا تھا، آپ نے سینکڑوں پیروؤں کو بندوق کا اعلیٰ نشانہ باز بنا دیا،

آپ نے سمت ۱۶۶۵ بکرم میں امرتسر کے دربار کے سامنے شری اکال بنگہ تخت نامی ایک اونچا چبوترہ بنایا، اسی پر تشریف فرما ہو کر اُپدیش دیا کرتے تھے، اس کے علاوہ آپ نے لوہگڑھ نامی ایک قلعہ بھی بنوایا، جس میں ہتھیار وغیرہ رکھے جاتے تھے، لاہور جا کر آپ نے گورو ارجن دیو کی سمادھی بنوائی، لاہور میں آپ کے اُپدیش کی دھوم مچ گئی تھی، دور دور سے لوگ درشنوں کے لئے آتے، اُن میں مسلمان فقیر میاں میر اور دوسرے بزرگ بھی شامل تھے، آپ ویدانت فلاسفی کے متعلق شکوک کو اس خوبی سے رفع کرتے تھے کہ بڑے بڑے عمر رسیدہ عالم بھی انگشت بدنداں رہ جاتے تھے، ایک فقیر کرم شاہ نامی نے بات چیت کے دوران میں گورو صاحب سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں مکہ شریف میں جا کر مروں۔ گورو صاحب نے کہا کہ یہ علم تو مالک کو ہی ہے کیا جانے آپ کا انجام دہلی میں ہی ہو، چنانچہ اُس نے دہلی میں ہی وفات پائی،

لاہور سے واپس ہو کر آپ نے امرتسر میں آ کر ایک دربار کیا، جو بڑی شان بان سے ہوا اور سکھوں کے کئی جھگڑے بھی نپٹا دیے گئے، چندو لعل یہ باتیں دیکھ کر جل گیا اور جہانگیر سے شکایت کی کہ گورو ہرگوبند فوج اکٹھی کر رہے ہیں، جہانگیر اس کی بات میں آ گیا، خاص کر اس لئے کہ گورو ارجن دیو کو بری طرح سے مروا دیا گیا تھا، اس لئے بادشاہ نے گورو صاحب کو

کے لئے ایک معتبر دیوان وزیر خان کو بھیجا، چنانچہ آپ سو سوار اور کچھ پیدل لے کر دہلی پہنچے بادشاہ اِن کی بات چیت سُن کر بہت خوش ہُوا اور پانچ سو روپیہ کا نذرانہ اُن کے خرچ کے لئے مقرر کر دیا، ایک دن بادشاہ گورو صاحب کے ساتھ شکار کو گیا ایک شیر نے کئی آدمی مار دیئے لیکن قابو میں نہ آیا آخر گورو صاحب پر لپکا اور گورو صاحب نے تلوار کے ایک وار سے اُس کے دو ٹکڑے کر دیئے بادشاہ اور بھی زیادہ خوش ہُوا، چندو لال اور بھی زیادہ جل گیا اور اُس نے بادشاہ کو یاد دلایا کہ گورو ارجن دیو کا جرمانہ گورو ہرگوبند سے وصول کیا جا دے، طلب کئے جانے پر گورو صاحب نے کہا کہ فقیروں کے پاس کیا رکھا ہے اس لئے اُن کو گوالیار کے قلعہ میں بند کر دیا گیا۔ اُن کے پیرو باہر جمع ہو کر قلعہ کی دیواروں کو ہی پرنام کرتے رہے۔ ایک دن مسلمان فقیر میاں میر نے بادشاہ کو کہا کہ گورو صاحب کو رہا کر دو ورنہ دُکھ اُٹھاؤ گے، جہانگیر نے اُن کی رہائی کا حکم دے دیا لیکن گورو صاحب نے کہا کہ اور بھی جتنے راجپوت وغیرہ یہاں ہیں اُن کو بھی چھوڑا جائے چنانچہ اُن کو بھی رہا کرنا پڑا،

گورو صاحب متھرا، آگرہ ہوتے ہُوئے پنجاب پہنچے، بادشاہ نے زر و جواہر بطور نذرانہ کے پیش کیا لیکن گورو جی نے انکار کر دیا، پنجاب کی سیاسی حالت اُس وقت اچھی نہیں تھی گورو صاحب کے پاس مرتبوں کی ایک مالا تھی بادشاہ نے اُس میں سے ایک دانہ مانگا، گورو صاحب نے کہا کہ چندو لعل کے پاس گورو ارجن دیو سے چھینی ہوئی اس سے بھی ایک اچھی مالا ہے، طلب کرنے پر چندو لال نے لاعلمی ظاہر کی تلاشی لینے پر وہ مالا مل گئی اُس کا مال و اسباب ضبط کر لیا گیا اور اُسے گرفتار کر کے گورو صاحب کے حوالے کر دیا، سکھوں نے بڑی اذیتیں دے کر مار ڈالا، کچھ عرصہ کے بعد گورو صاحب کی مسلمانوں کے ساتھ چھیڑ گئی اور ایک لڑائی میں سکھوں کو شکست دی۔ اور بھی کئی لڑائیاں ہوئیں اور گورو صاحب نے بڑی شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا اور ایک سپہ سالار کو اپنے ہاتھوں قتل کر دیا، پھر لڑائی جھگڑوں کو ناپسند کر کے آپ پہاڑیوں پر چڑھ گئے اور وہاں سمت ۱۷۰۱ میں ساڑھے اڑتالیس سال کی عمر میں سورگ سدھار گئے،

گورو ہر رائے صاحب

گورو ہر رائے جی ساتویں گورو ہوتے ہیں۔ آپ کا جنم سمت ۱۶۸۶ میں قصبہ کرتار پور میں بادشاہ شاہجہان کے عہد حکومت میں بابا گورو دت جی کے گھر میں ہوا۔ ان کی ماتا کا نام نہال کنوری تھا۔ بچپن سے ہی یہ بڑے دھیمے مزاج کے تھے اور خلوت پسند تھے، کسی سے زیادہ بات چیت نہیں کرتے تھے، ہاں گورو ہرگوبند سنگھ جی کے پاس اکثر بیٹھا کرتے تھے اور اُن کے اُپدیشوں کو بڑے دھیان سے سُنا کرتے تھے، اُن کے اس قسم کے مزاج کو دیکھ کر لوگوں نے سمجھ لیا تھا کہ یہ بھی کوئی مہا پُرش بنیں گے اور گورو گھر کا نام روشن کریں گے، کھانے پینے اور دوسری عیش و عشرت کی باتوں سے آپ بہت دُور رہتے تھے، جب کبھی آپ کو کوئی اعلیٰ چیز کھانے کی ملتی تو وہ ہمیشہ دوسروں کو بانٹ دیتے تھے، سمت ۱۶۹۷ بکرمی میں آپ کی شادی کی بات دیا رام کھتری کے ہاں طے ہوئی، سمت ۱۷۰۱ بکرمی میں جب گورو ہرگوبند جی سورگ بدھار گئے تب گورو ہر رائے جی گورو گدی پر متمکن ہوئے اُس وقت اُن کی عمر ۱۵ سال کی تھی، لیکن فہم و ذکا بہت اعلیٰ درجہ کے تھے اور طبیعت امن پسند تھی،

آپ کو لڑائی جھگڑوں سے نفرت تھی، ایشور بھجن اور اُپدیش دینے کے علاوہ آپ اور کسی طرف توجہ نہیں دیتے تھے، آپ بھجن گاتے تھے تو سامعین نقش بر دیوار ہو کر سُنتے تھے، بھجن گاتے وقت آپ کی اپنی آنکھوں سے بھی پریم کے آنسو ڈھلک جاتے تھے، ایک موقعہ پر روم کا بادشاہ ہندوستان میں آیا، اور چونکہ گورو گھر کی بھگتی کی دھوم سارے بھارت میں مچی ہوئی تھی، بادشاہ گورو کے درشنوں کے لئے آیا اور اُس نے گورو صاحب نے فرمایا کہ مالکِ کل تو ہر جگہ موجود ہے اُسے پانے کے لئے کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں، اپنی پاک دلی، انکساری اور سچی عبادت ہی بہترین وسیلہ ہیں، بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا، گورو صاحب نے پھر اُسے فرمایا کہ انسان

کی ترقی اُس کے اعمال پر منحصر ہے،

اُس زمانہ میں ہندوستان کی سیاسی حالت بڑی بگڑی ہوئی تھی۔ شاہ جہان کے چاروں بیٹے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، بڑا لڑکا دارا تخت کا جائز وارث تھا اور لائق بھی تھا چھوٹا لڑکا اورنگ زیب بڑا چالاک اور مکار تھا دونوں نے گورو صاحب سے مدد طلب کی، اورنگ زیب نے تو آدمی بھیجا لیکن دارا خود گورو صاحب کی خدمت میں گیا، دارا کی شرافت اور قابلیت سے متاثر ہو کر گورو صاحب اس کی حمایت کرنے لگے۔ جب اورنگ زیب کو یہ خبر ہوئی تو وہ اُن کا دشمن بن گیا، بھلور کا راجہ گورو صاحب کا معتقد ہو گیا، گورو صاحب اُس کو اپدیش دینے کے لئے دورے پر روانہ ہوئے، راستہ میں کئی جگہ قیام کیا اور کئی گاؤں بسائے، گورو جی کا اُپدیش بہت اعلیٰ درجہ کا ہوتا تھا۔ آپ کا ایک معتقد چمار بھی تھا، اور ایک چیلہ جس کا نام گورا تھا وہ چمار سے نفرت کرتا تھا۔ اور اُسے گالیاں دیتا تھا، جب گورو جی کو یہ خبر ملی تو وہ بہت ناراض ہوئے اور گورا کو اپنے پاس سے نکال دیا اُس نے معافی مانگی لیکن گورو صاحب نے اُس کی بات نہیں سُنی، ایک موقعہ پر جب گورو صاحب دورہ پر جا رہے تھے تو کچھ مسلمانوں نے اُن پر حملہ کر کے سب کچھ لوٹنا چاہا اس موقعہ پر گورا کام آیا اُس نے کچھ اور سکھوں کو بُلا کر مسلمانوں کو بھگا دیا اس خدمت سے خوش ہو کر گورو صاحب نے اُس کا پہلا قصور معاف کر دیا اور ہدایت کی کہ آئندہ کبھی بھگت کو بُرا بھلا نہ کہنا،

اورنگ زیب اپنے باپ کو قید میں ڈال کر تخت پر قابض ہو چکا تھا۔ اور اپنے بھائی دارا کی جان لینے کے درپے تھا، شاہی فوج ہمیشہ دارا کا پیچھا کرتی تھی، ایک موقعہ پر وہ گھِر گیا لیکن گورو صاحب کی مدد سے بچ نکلا، جس وقت سے اورنگ زیب تخت پر بیٹھا تھا ہندوؤں کی شامت آ گئی تھی، گاؤں کے گاؤں مسلمان بنائے گئے جو نہیں بنتا تھا اُس کی گردن کاٹ دی جاتی، اورنگ زیب کا اُس وقت پورا تسلط جم چکا تھا اب اُس نے ایک حکمنامہ گورو صاحب کے نام بھیجا جس کے الفاظ یہ تھے: "آپ نے دارا شکوہ کی مدد کی ہے آپ بادشاہ کے مجرم ہیں اِس لئے آپ فوراً دربار میں حاضر ہو جاؤ" گورو صاحب نے فرمایا کہ میں اِس ترک کا منہ دیکھنا نہیں چاہتا لیکن وقت کی رفتار کو پہچان کر گورو صاحب نے اپنے بڑے لڑکے رام رائے کو بھیج دیا اور اچھی طرح سے سمجھایا کہ کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھنا کہ جس سے گورو گھر کی ہیٹی ہو، رام رائے جب دہلی پہنچا تو اُس نے اورنگ زیب سے ملاقات کی۔ بادشاہ نے اُس سے بہت سے سوالات کئے، جن کے جوابات بڑی قابلیت سے دے کر رام رائے نے یہ بات ثابت کر دی کہ گورو ہر رائے جی تو محض ایک فقیر ہیں، اُن کو سیاسیات سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے، بادشاہ بہت خوش ہوا اور رام رائے کو تحفے تحائف دے کر بڑی عزت کے ساتھ رخصت کیا لیکن پھر بادشاہ کی درخواست پر اُن کے پاس ہی کچھ عرصہ کے لئے قیام کیا۔ ایک دن دوران گفتگو بادشاہ نے رام رائے جی سے پوچھا کہ گورو نانک جی نے یہ بات کہی ہے: "مٹی مسلمان کی پیڑے پئی کمہار، گھڑ بھانڈے اِٹاں یا جلتی کرے پکار"، یعنی مسلمان کے قبرستان کی چکنی مٹی کو لا کر اینٹ وغیرہ بناتے ہیں اور آوے میں جلاتے ہیں تب مٹی ضرور پکارتی ہے، اِس سے ظاہر ہے کہ گورو صاحب مُردے کو دفن کرنے کی بجائے جلانا ہی اچھا سمجھتے تھے، رام رائے نے جواب دیا کہ اِس طرح کا پاٹھ نہیں ہے جیسا آپ نے بولا ہے، اورنگ زیب نے کہا میں نے تو ایسا ہی سُنا ہے اب رام رائے جی پھر بولے "ممکن ہے لکھنے والوں کی غلطی سے ایسا لکھا گیا ہو اور اُن کے پیروؤں نے یاد بھی اسی طرح کر لیا ہو"، تب بادشاہ بہت خوش ہوا اور بولا ٹھیک ایسا ہی ہونا چاہئے، اِس بات سے بادشاہ تو رام رائے سے بہت خوش ہو گیا، لیکن گورو ہر رائے جی نے جب یہ بات سُنی تو بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے: "اِس ذلیل لڑکے نے بڑی ذلالت دکھلائی ہے جو گورو نانک جی کے الفاظ کو محض بادشاہ کی خوشی کے لئے بدل کر سُنایا"، اور پھر رام رائے جی کے آنے پر اُس سے مخاطب ہو کر کہا: "تم جیتے جی مجھے اپنی شکل نہ دکھانا"

پھر اپنے پیروؤں سے کہا کہ آج سے جو اس ذلیل رام رائے سے تعلق رکھے گا وہ ہمارا پیرو نہیں ہوگا۔ اس نے ایک معمولی دنیاوی انسان کو خوش کرنے کے لئے پرمیشور کے پیارے گورو نانک جی کی بانی میں اُلٹ پھیر کر دیا۔ حقیقت میں وہ بڑا پاپی ہے"

جب رام رائے جی نے یہ بات سنی تو بھاگا ہوا آیا اور کرتارپور میں وہ کر اپنے قصور کی معافی کے لئے سفارشیں کرانے لگا، لیکن گورو صاحب نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا "جو آدمی گورونانک کے کلام کی عظمت نہیں جانتا میں اس کی شکل دیکھنا نہیں چاہتا۔ اُس نے بہت کوششیں کیں لیکن سب ناکام رہیں، چنانچہ وہ مایوس ہو کر پھر بادشاہ کے پاس گیا اور بادشاہ کو اپنے باپ کی ناراضگی کی وجہ بتلائی۔ بادشاہ نے ڈیرہ دون کے نزدیک بہت سی جاگیر دے دی، اور وہیں رہنے لگا،

گورو ہر رائے جی کے ۲ دو بیٹے تھے ایک رام رائے جی اور دوسرے ہرکشن جی، جب آپ نے اپنا انجام نزدیک دیکھا تو اپنے چھوٹے بیٹے ہرکشن جی کو گورو گدی پر بٹھا دیا اُس وقت ہرکشن جی کی عمر صرف پانچ سال کی تھی،

شری گورو ہر رائے جی کے خیالات میں بچپن سے ہی رحمدلی کے جذبات بھرے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ آپ کسی باغیچہ میں سیر کر رہے تھے کہ آپ کے جامے کے ساتھ ایک خوبصورت پھول اٹک کر ٹوٹ گیا۔ یہ دیکھ کر آپ نے بڑی تکلیف محسوس کی اور اس کے بعد ہمیشہ اپنا جامہ اکٹھا کر کے چلتے اُن کے جامہ میں سو کلیوں کا جوڑ لگا ہوا ہوتا تھا، شری گورو ہر رائے جی نے بڑی خوبی کے ساتھ دھرم پرچار کیا۔ آپ نے اپنے ایک بھگت بھگوان نامی کو جو کہ پہلے سادھو بن چکا تھا۔ پنجاب سے باہر کے علاقہ میں اُپدیش کرنے کے لئے بھیجا، گورو صاحب کے اُپدیش سننے کے لئے امیر و غریب ہر قسم کے آدمی آیا کرتے تھے سمت ۱۷۰۸ بکرمی میں منڈی اور کلہور کے راجہ آپ کے درشن کے لئے آئے اور اُپدیش سن کر بہت محظوظ ہوئے گورو جی نے مختلف مقامات پر گھوم کر بھی خوب دھرم پرچار کیا۔ جالندھر اور ہوشیارپور کے علاقوں میں بیسیوں گاؤں میں گورو نانک کا پیغام سناتے ہوئے کرتارپور پہنچے اور وہاں اپنے بڑے بھائی دھیرمل کے پاس کچھ عرصہ کے لئے قیام کیا، وہاں سے چل کر آپ بمبیلی، بھگل وغیرہ گاؤں میں ہوتے ہوئے ستلج پار کر کے کئی مقامات پر ست نام کا اُپدیش دیتے ہوئے ڈرومی پہنچے، کچھ عرصہ گورو جی وہیں رہے اور پھر وہاں سے روانہ ہو کر سمت ۱۷۱۱ بکرمی میں مالوہ علاقہ کے موضع مہراج میں پہنچے، وہاں چودھری کرم چند کے یتیم لڑکے "پھول" کو گورو جی نے راجہ بننے کا وردان دیا، پٹیالہ، نابھ اور جیند کے راجہ اُسی "پھول" کی اولاد میں سے ہیں اور اسی لئے ان کی نسل بھی "پھول" ہی کہلاتی ہے، اس کے بعد گورو جی نور محل وغیرہ کئی مقامات پر اُپدیش کرتے ہوئے گوندوال آئے۔ اور اسی جگہ پر انہوں نے دارا کی مدد کی تھی،

گورو ہر رائے جی کی ایک شادی انوپ شہر ضلع بلند شہر کے نواسی دیا رام کی پتری سے ہوئی تھی، اُن کا نام کوٹ کلیانی بھی تھا۔ اُن کے بطن سے رام رائے جی کی پیدائش ہوئی دوسری دلوی کا نام کرشن کماری تھا اُن کے بطن سے شری گورو ہرکشن جی کا جنم ہوا تھا،

دارا پر گورو جی کی اتنی عنایت تھی کہ ایک بار اورنگ زیب نے اسے کوئی زہریلی چیز کھلا دی تھی، جس سے وہ بیمار ہو گیا کئی علاج معالجہ کرنے کے بعد وہ گورو جی کی خدمت میں پہنچا اور بڑی عاجزی سے اپنی بیماری کے دفعیہ کے لئے عرض گذاری گورو مہاراج نے دوا اور دُعا دونوں کے ذریعہ اُس کو تندرست کر دیا، پھر اُس کی مالی اور دوسری امداد بھی کی ان سب باتوں کے باعث اورنگ زیب جل بھن گیا تھا، گورو ہر رائے جی بے رکاز نک سمت ۱۷۱۹ بکرمی ایت وار کے دن کیرت پور میں لوک سدھار گئے آپ کی عمر اُس وقت بتیس سال کی تھی۔ آپ کی سمادھی کیرت پور میں بنی ہوئی ہے

آگے صفحہ ۹۴ پر
ملاحظہ کریں

شری گورو ہرکشن جی مہاراج

سکھوں کے آٹھویں گورو ہرکشن جی ہوئے ہیں۔ آپ کا جنم سوم وار ۸ ر ساون سمت ۱۷۱۳ بکرمی مطابق ۷ ر جولائی ۱۶۵۶ء کو کیرت پور میں شری گورو ہر رائے جی کے گھر ماتا کرشن کنوری جی کے بطن سے ہوا۔ ۸ ر کاتک سمت ۱۷۱۸ بکرمی جب کہ آپ صرف سوا پانچ سال کے تھے، آپ کو گوروائی کی گدی سنبھال دی گئی۔ اُس وقت سینکڑوں دشمن اس گھرانے کے پیدا ہو گئے تھے، لیکن اس بال گورو کے جلال کے سامنے سب ماند پڑ گئے۔ اور اُن میں سے کسی کو بھی اپنے ارادوں میں کامیابی نہ ہوئی شری رام رائے جی بڑے بھائی تھے، جب انہوں نے سنے چھوٹے بھائی کو گدی دیئے جانے کی خبر سنی تو انہوں نے بادشاہ کے پاس جا کر اپنا حق جتلایا۔ جس پر اورنگ زیب نے راجہ جے سنگھ کو اپنے دو وزیروں کے ہمراہ گورو ہرکشن جی کو بلایا۔ گورو جی اگرچہ بہت چھوٹی عمر کے تھے۔ لیکن پربھو کی کرپا سے آپ بڑے ہی تیز فہم اور مہا ہوشیار تھے۔ پیغام پہنچنے پر اپنا کام کاج چھوڑ کارندوں کو سنبھال کر دہلی کی طرف چل پڑے۔ آپ کے ساتھ بڑی بھیڑ تھی، جب ایک منزل ختم ہو گئی تب بالک گورو نے سب کو مخاطب کر کے کہا "ہم سب لوگ کرتار کے سیوک ہیں ہم کو اُس کی آگیا ماننی چاہیئے ہیں زمین پر ایک لکیر کھینچ دیتا ہوں آپ اُس سے آگے نہ بڑھئے۔" سب لوگوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور واپس چلے گئے، دوسرے دن آپ اپنی ماتا کے ساتھ کچھ سیوکوں کو ہمراہ لے کر پہلے کوروکشیتر گئے جہاں آپ کو بہت سے پنڈت ملنے کو آئے۔ ایک بدطینت براہمن لال چند نامی نے مذاقاً کہا۔ کہ "آپ ہرکشن کہلاتے ہیں اور سب کے گورو بن بیٹھے ہو، کیا آپ کچھ لکھے پڑھے بھی ہو؟" گورو مہاراج نے جواب دیا "ہم تو کرتار کی سیوا بجا لانے کے لئے آئے ہیں، ہمارے پاس سیوا کے علاوہ اور رکھا ہی کیا ہے۔" اتنا کہہ کر گورو جی نے ایک کہار کو اشارہ دیا۔ اُس نے شری بھگوت گیتا کا ایک شلوک پڑھ کر بڑی خوبی کے ساتھ اُس کی تشریح کی، جس کو سن کر وہ براہمن بڑا شرمندہ ہوا۔ اور اُس نے یہ کہتے ہوئے اپنا سر جھکا دیا کہ آپ سچ مچ ہرکشن ہیں۔ لال چند براہمن کی اپنی ودیا کا گھمنڈ دور ہوا۔ اور تب سے وہ گورو سیوک بن گیا۔ پھر وہ پانی پت اور کرنال ہوتے ہوئے دہلی پہنچ گئے۔ راجہ جے سنگھ نے آپ کا استقبال کیا اور اپنے خاص محل میں لے جا کر اُتار دیا، دوسرے دن رانیوں نے درشن کیا وہاں آپ کے بیٹھنے کے لئے کوئی خاص جگہ نہیں بنائی گئی تھی۔ جب آپ وہاں پہنچے اور کوئی جگہ خالی نہ دیکھی تب آپ بڑی رانی کی گود میں جا بیٹھے اور کہنے لگے آج ہم مائی جی کی گود میں بیٹھے ہیں۔ رانی جی بہت خوش ہو گئیں۔ ساری دہلی میں اس کم عمر گورو جی کی تشریف آوری کی دھوم مچ گئی۔ ہزاروں نر ناری درشنوں کو آنے لگے۔ بادشاہ نے بھی اپنے شہزادوں کو بھیجا اور گورو جی کو اپنے دربار میں آنے کا پیغام پہنچایا۔ گورو جی نے کہلا بھیجا کہ ہمارا بڑا بھائی پہلے ہی آپ کے پاس بھیج دیا تھا، ساتھ ہی کہا کہ ہم بادشاہ کے پیغام کی تعمیل میں دہلی تک تو آ گئے ہیں۔ اب ہمیں اور آگے گھسیٹنا نہیں چاہیئے۔ اور ساتھ ہی گورو نانک دیو کا ایک کلام لکھ بھیجا، اپنے بیٹوں سے یہ سب باتیں سُن کر اورنگ زیب کو گورو جی کے درشن کرنے کی بڑی زبردست خواہش ہوئی لیکن اُس کی قسمت میں ایسا کرنا نہیں لکھا تھا، شری گورو جی کی دہلی میں اتنی دھوم مچی کہ راجہ جے سنگھ نے بھی گورو شکتی کے امتحان کرنے کا وچار کیا۔ اُس نے اپنی پٹ رانی کے ساتھ صلاح کی رانی نے کہا کہ باقی سب رانیاں تو اچھا اچھا اعلیٰ قسم کا لباس پہن کر بیٹھیں گی لیکن میں لونڈیوں کے کپڑے پہن کر جاؤں گی۔ اگر گورو جی مجھے پہچان کر میری گود میں آن بیٹھیں گے تو جانیں گے کہ گورو جی شکتیمان ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اور جب سب رانیاں بیٹھ گئیں تو راجہ جے سنگھ گورو جی کو وہاں لے گیا، گورو جی کے ہاتھ میں پھولوں کی ایک چھڑی تھی، سب رانیوں پر چھڑی رکھتے ہوئے یہ کہتے ہوئے آگے چلتے گئے کہ یہ بھی نہیں، اور آخر کار لونڈیوں کے درمیان بیٹھی پٹ رانی پر چھڑی جا لگائی اور اُس کی گود میں بیٹھ کر کہا کہ اس محل کا پہلا پھل یہ ہے کہ تم

پٹ رانی سے لونڈی بن گئی ، یہ سب کچھ دیکھ اور سن کر راجہ اور اس کی پٹ رانی گورو جی کے چرنوں پر گر پڑے اور معافی کے خواستگار ہوئے ساتھ ہی راجہ بمعہ اپنی ساری رانیوں کے گورو صاحب کا سکھ بن گیا ، گورو جی کی آشیرباد سے راجہ کے گھر لڑکا بھی پیدا ہوا ، اور اُسے ہر طرح کی خوشحالی حاصل ہوئی ،

گورو صاحب نے اپنی چھوٹی عمر میں ہی اس خوبی کے ساتھ گورریائی کے کام کو سنبھالا جس کو دیکھ کر سب لوگ بڑے حیران ہوتے تھے ، آپ باقاعدہ دربار لگاتے تھے اور سنگت کو ایسے اعلیٰ اپدیش دیتے تھے کہ سننے والے محو ہو جاتے تھے ::

گورو صاحبان اپنا جانشین بنانے کے لیے جس عقل مندی سے چناؤ کرتے تھے وہ واقعی قابل تعریف ہے ، گورو ہر گوبند جی نے شری ہر کشن جی کو اپنے بڑے بیٹے رام رائے کے سامنے گورو گدی کے لئے چن کر جس فہم و فراست کا ثبوت دیا وہ حقیقت میں گوروؤں کا ہی کام تھا ۔ رام رائے دنیاوی دھندوں میں پھنسنے والا ایک معمولی انسان تھا ۔ ایسے پرمھو بھگتی کا ذرا بھی مس نہیں تھی ۔ لیکن شری ہر کشن جی اپنی مثال آپ ہی تھے ،

کہتے ہیں کورو کشیتر میں لال چند براہمن کے ساتھ بات چیت ہوتے پر جس کہار کو انھوں نے گیتا کا شلوک پڑھ کر اس کی ویاکھیا کرنے کو کہا تھا اس کا نام چھجو تھا ۔ اور وہ بالکل ان پڑھ تھا ، بلکہ اس کی عقل بھی کافی موٹی تھی ، گورو صاحب نے چھجو کو اپنے پاس بٹھا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اشارہ کیا تھا ، جس سے اس کا اگیان دور ہو کر گیان نیتر کھل گیا تھا ، گورو صاحب کی کرپا درشٹی سے نہ صرف گیتا کے شلوک کی ویاکھیا کی بلکہ اُس پنڈت کے ساتھ بہت سی شاستری بات چیت ہوئی اور وہ پنڈت چھجو کی لیاقت کا قائل ہو کر گورو صاحب کی گورو شکتی تسلیم کر کے ان کا پیرو بن گیا ، گورو صاحب نے جو شبد گورو نانک دیو کا اورنگ زیب کے شہزادوں کو لکھ کر دیا تھا وہ یہ تھا ۔ محلہ اگ

کہا کھیں و ھے کیا پیدھے ہوئے ۔ جا نن ناہی ساچا سوئے

کیا میوا کیا گھیو گڑ میٹھا ۔ کیا میدا کیا ماس
کیا کپڑ کیا سیج سکھالی ، کیجے بھوگ بلاس
کیا لشکر کیا نیب خواہی ، آوے محلیں پاس
نانک سچے نام بن سبھے ٹول وناس

اس کا مطلب یہ ہے کہ محض اعلیٰ قسم کے کھانے کھا کر اور اعلیٰ درجہ کے لباس پہن کر کیا ہوتا ہے اگر من کے اندر صداقت نہیں ہے ، خواہ میوے کھاؤ خواہ گھی گڑ اور مٹھائیاں نوش کرو میدے سے بنی ہوئی ذائقہ دار چیزیں کھاؤ یا گوشت کے مزے اڑاؤ ، علاوہ ازیں خواہ قیمتی لباس پہنو اور اعلیٰ قسم کے بستروں پر راحت لو ، اور عیش و عشرت کے مزے اڑاؤ ، خواہ بڑی بڑی فوجیں رکھو اور حکومت کے ساز و سامان اکٹھے کرو اور محلوں میں خوشنما چیزوں کو لیکن اگر پرمیشور کا نام یاد نہیں ہے تو یہ سب چیزیں خاک اور مٹی کے برابر ہیں ۔

ان سب باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ شری گورو ہر کشن جی اپنی عمر کے اندر ہی کتنے صفات کے مالک تھے اور کتنی آتمک شکتی ان کے اندر بھری ہوئی تھی ، اگر ایسی پاکیزہ ہستی کافی عرصہ تک اس دنیا میں موجود رہتی تو نامعلوم کتنے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انسانوں کی بہبودی اور بھلائی کے لیے سر انجام پاتے لیکن بھگوان کی اچھیا نہیں تھی کہ یہ قابل اور اعلیٰ ہستی دیر تک اس دنیا میں رہتی اور اپنے سکھوں پر سرداری کر کے ان کی راہنمائی اتفاق ایسا ہوا تھا ۔ کہ دہلی کی طرف روانہ ہونے سے پیشتر ہی گورو صاحب جی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی ، اور ان کی یہ علالت دہلی میں جا کر بھی برابر بنی رہی ۔ جس دن راجہ جے سنگھ اور اس کی رانیاں گورو صاحب کی شرن میں آئیں اس کے اگلے روز ہی گورو جی کو سخت بخار چڑھ گیا اور اس کے بعد جلدی ہی چیچک نکل آئی انہوں نے اسی وقت سے اپنی رہائش شہر سے ہٹا کر جنوب کی طرف دو تین میل کے فاصلہ پر جمنا ندی کے کنارے بنائی اور وہیں ۳ ربا کھ سمت ۱۷۲۱ بکرمی کو آپ کا سورگباس ہو گیا ۔ آپ کا وہ نواس ستھان اب بالا صاحب کے نام سے مشہور ہے وہاں آپ کی سمادھ بنی ہوئی ہے آپ کی عمر صرف ۷ سال آٹھ مہینے اور ۲۶ دن کی ہوئی تھی اور

اور گورو یائی کا کام آپ نے صرف دو سال پانچ ماہ اور ۲۶ دن کیا۔ جس وقت آپ کا آخری وقت نزدیک تھا، تو اُس وقت آپ نے اشارہ کر کے سمجھایا کہ اُن کے جانشین گورو پاسا ندی کے کنارے موضع بکالا میں دکھائی دیں گے یہ کہہ کر گورو صاحب نے آنکھیں بند کر لیں اور پھر نہیں کھولیں، یہ کتنی مہان آتما تھی اپنے جانشین کے متعلق جو اشارہ وہ کر گئے وہ بھی ایک بڑا عظیم کام تھا اور اُس سے سکھوں کی بڑی بھلائی ہوئی۔ ورنہ اس سوال پر بہت جھگڑا ہو جانے کا خطرہ تھا، رام رائے دہلی میں ہی موجود تھا اور وہ بادشاہ کے دربار میں ایک اچھے عہدہ پر لگا ہوا تھا،

گورو ہرکشن کی موجودگی میں ہی وہ اپنا حق جتلا رہا تھا۔ اب اُن کے سورگ سدھارنے پر تو اُس نے خوب اودھم مچایا تھا لیکن بالی گورو نے اپنی کمال دانائی سے اُس کا راستہ بالکل بند کر دیا۔ اور وہ ہدایت کی جو سکھوں کے لئے نہایت ہی مفید ثابت ہوئی،

شری گورو تیغ بہادر جی

سکھ مت کے نویں گورو شری گورو تیغ بہادر جی ہوئے آپ کا جنم بیساکھ سمت ۱۶۷۸ بکرمی مطابق یکم اپریل ۱۶۲۱ء کو شری گورو ہرگوبند جی کے گھر ماتا نانکی جی کے بطن سے شری امرتسر میں ہوا آپ کی شادی کرتارپور میں ۱۵ اسوج سمت ۱۶۸۹ بکرمی کو شریمتی گوجری جی کے ساتھ ہوئی، جس سے آپ کے لائق بیٹے شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کا جنم ہوا، شری گورو تیغ بہادر جی سے اُن کے پتا شری ہرگوبند جی بہت پیار کرتے تھے اور آپ کی بھی اُن میں سچی شردھا تھی۔ گورو ہرگوبند جی نے گورو یائی کی گدی اپنے پوتے گورو ہررائے جی کو دی تھی۔ اُس وقت کہا جاتا ہے کہ ماتا نانکی جی نے بڑی عاجزی سے کہا تھا کہ ہے سوامی میرے اس بیٹے یعنی شری تیغ بہادر کے لئے بھی کچھ آشیرباد دیجئے۔ اس پر گورو صاحب نے اپنے گلے میں باندھنے کا رومال کچھ ہتھیار اور ایک موتیوں کی مالا اُن کو دے کر کہا تھا کہ انسان اپنے اعمال کے ذریعہ بنتا ہے جب کرم پھل جاگتے ہیں تو یکایک سب سامان اکٹھے ہو جاتے ہیں، جب اس کی قسمت جاگ اٹھے تو یہ سب چیزیں اُسے دے دینا۔

گورو ہرگوبند جی کے پرلوک سدھارنے کے بعد بی بی نانکی جی اپنے بیٹے تیغ بہادر کو لے کر بکالا نامی گاؤں میں چلی گئی، گورو ہرکشن جی کے سورگ سدھارنے پر جب یہ خبر پھیلی کہ گورو جی نے اپنے جانشین گورو جی کو بکالے میں بتایا ہے، تب بکالے میں بڑی ہل چل مچ گئی۔ سوڈھی خاندان کے لوگ گورو بننے کے لئے بڑی گڑبڑ پیدا کرنے لگے، عام طور پر وہ سارے لوگ جن کا گورو نانک کے گھرانے سے کچھ بھی تعلق تھا، وہ اپنے آپ کو گورو یائی کا حق دار سمجھنے لگے۔ ہاں ایک تیغ بہادر ہی ایسے تھے جنہوں نے کسی سے کچھ نہیں کہا اور نہ ہی گدی حاصل کرنے کے لئے کچھ خواہش یا کوشش کی۔ . . . .

. . . .

آپ بچپن سے ہی بڑے امن پسند اور برداشت کا مادہ رکھنے والے انسان تھے، قریب قریب آپ کا سارا وقت ایشور بھجن میں ہی لگتا تھا، گورو ہرگوبند جی کے ایک سکھ نے اپنی آمدنی کا دسواں حصہ نکال کر موضع بکالا کی یاترا کی اور کہا کہ یہ روپیہ میں اگلے ہونے والے گورو کی نذر کروں گا، جب یہ وہاں پہنچا۔ تو سینکڑوں گورو بننے کے خواہش مند سوڈھی لوگ اس کو مارنے کے لئے تیار ہو گئے، جب اُس نے یہ حالت دیکھی تو وہ سمجھ گیا کہ ایسے ذلیل انسان گورو بننے کے قابل نہیں ہو سکتے انجام کار جب اُس نے شری تیغ بہادر کے درشن کئے تو دیکھتے ہی اُس کی زبان سے نکل گیا: "گورو مل گیا"، اور اُس نے یہ سارا روپیہ انہیں کی نذر کر دیا۔ یہ دیکھ کر سب سکھوں نے سوچا کہ کرتار کی منشا یہی معلوم ہوتی ہے کہ شری تیغ بہادر جی گورو گدی پر براجمان ہوں، علاوہ ازیں انہیں ان کے علاوہ اور کوئی دعوے دار لائق اور قابل معلوم نہ ہوا۔ اس لئے انہوں نے بیساکھ سمت ۱۷۲۱ بکرمی میں اُن کو گورو گدی پر بٹھا دیا، سب سکھ انہیں کو گورو ماننے لگے۔ اُس وقت اُن کی ماتا جی نے گورو ہرگوبند جی کی دی ہوئی موتیوں کی مالا وغیرہ سب چیزیں اُن کے پیش کر دیں۔ اس کے بعد دوسرے دعوے دار ادھر اُدھر ٹل گئے۔ لیکن دل میں گورو صاحب سے

حسد اور دشمنی رکھنے لگے، گورو صاحب کے بھائی بابا گوردتہ کے لڑکے دھیرمل نے بہت مخالفت کی، یہاں تک کہ اُس نے ایک آدمی کو گورو تیغ بہادر جی کو مار ڈالنے کے لئے بھیجا۔ اُس نے گورو صاحب پر گولی چلائی اس سے وہ گر گئے۔ لیکن معمولی چوٹ آئی، اور اُس وقت اُن کا سارا مال اور اسباب لوٹ لیا گیا، مگر گورو جی بالکل شانت رہے، انہوں نے اپنی زبان سے ایک ترا لفظ تک نہ کہا، لیکن جب سکھوں کو پتہ چلا تو انہوں نے دھیرمل اور گولی چلانے والے آدمی دونوں کو پکڑ کر گورو صاحب کے سامنے پیش کیا، گورو صاحب نے اُن کو پھر بھی معاف کر دیا۔ اور اُس کا سارا سامان جو سکھ لوٹ کر لائے تھے واپس کر دیا سمت ۱۷۲۲ میں آپ نے ستلج کے کنارے نینا دیوی پربت کے پاس پہاڑی راجاؤں سے زمین لے کر آنند پور قصبہ بسایا۔

رام رائے بھی اُن کا مخالف تھا۔ اُس نے اور کئی چالیں چلنے کے بعد بادشاہ سے شکایت کی کہ گورو تیغ بہادر جنگی تیاریاں کر رہا ہے۔ اتفاق سے اس شکایت کی اطلاع گورو صاحب کو بھی مل گئی، وہ راجہ جے سنگھ کے ساتھ جے پور کو چلے گئے۔ اور وہاں اُپدیش دیتے ہوئے وندھیاچل پہنچے پھر آپ وہاں سے بہار ہوتے مرزاپور اور بنارس گئے، دیویوں کو تو پٹنہ میں ہی چھوڑ دیا۔ اور خود راجہ جے سنگھ کے ساتھ بنگال اور آسام پہنچے، کہتے ہیں، آسام کا راجہ بھی اُن کے معتقد بن گئے۔ ابھی آپ یاترا کرتے تھے کہ پٹنہ میں گورو گوبند جی کا جنم ہوا۔ پھر گورو صاحب پنجاب کو لوٹ آئے لیکن یہاں آرام کی زندگی نہ دیکھ کر انہوں نے آنند پور قصبہ بسا کر وہیں رہنے لگے

کچھ عرصہ کے بعد آپ نے اپنے بیٹے شری گوبند سنگھ جی کو بھی آنند پور میں بلوا لیا۔ کشمیر میں اورنگ زیب کے مظالم بہت بڑھے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں کہ وہاں روزانہ ہزاروں کی تعداد میں ہندو مسلمان بنائے جاتے تھے، کشمیر کے کچھ پنڈت شری گورو تیغ بہادر جی کے دربار میں پہنچے اور مدد کی اور اپنی حفاظت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کی حالت تبھی درست ہو سکتی ہے کہ جب کوئی بزرگ ہستی اپنی قربانی دے دے۔" اُس وقت گورو گوبند جی جن کی عمر صرف ۹ سال کی تھی پاس ہی بیٹھے تھے۔ اپنے پتا کی یہ بات سن کر انہوں نے کہا: "پتا جی! اس گھور کلجگ میں آپ سے بڑی اور زیادہ پاکیزہ اور پرن پر اُپکاری ہستی اور کونسی ہو سکتی ہے۔ آپ ہی اِن کے دھرم کی حفاظت کیجئے۔" اپنے پتر کی زبان سے یہ سن کر گورو جی بہت ہی خوش ہوئے۔ اور اُن براہمنوں کو فرمایا کہ "تم اورنگ زیب کے دربار میں جا کر یہ کہو کہ اگر ہمارے گورو تیغ بہادر جی مسلمان ہو جائیں تو ہم سب خود بخود ہی اسلام اختیار کر لیں گے۔" چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اورنگ زیب نے اُن کی یہ تجویز سنتے ہی گورو جی کو دہلی بلوا بھیجا، دہلی میں گورو جی کو مسلمان بنانے کے لئے بہت کوششیں ہوئیں۔

اورنگ زیب کے وقت میں جتنی اذیتیں ہندوؤں کو دی گئیں اتنی اور کسی وقت میں بھی نہ دی گئی تھیں جو ہندو مسلمان نہ بنتے تھے، اُن کو بُری طرح سے مارا جاتا تھا، تلوار کے زور سے مسلمان بنائے جاتے تھے۔ اُس وقت بہت سے ہندو لوگ دھرم تبدیل کرنے کی بجائے جینے سے مرنا بہتر سمجھتے تھے۔ اس گھور مصیبت کے وقت گورو تیغ بہادر جی نے اپنی قربانی دینے کی ٹھانی تاکہ گئو اور براہمن کی حفاظت ہو سکے، پھر گورو گوبند سنگھ جی کی بانی کو ایشوری بانی سمجھا۔ دھنیہ ہیں ایسے مہا پُرش کہ جنھوں نے جاتی اور دھرم کی رکشا کے لئے اپنے پرانوں کی آہوتی دی، دہلی جانے کے وقت گورو جی نے اپنے بیٹے شری گورو گوبند سنگھ جی سے کہا کہ ہمارا سر تو اب وہاں اُتر جائے گا لیکن ہماری لاش کتے نہ کھانے پائیں۔ اور بیٹے کا فرض اپنے باپ کی ہتیا کا بدلہ لینا ہوتا ہے۔ دہلی جاتے ہوئے آپ دھرم پرچار کرتے گئے۔ راستہ میں سے سب کو واپس کر دیا۔ صرف پانچ سکھ ساتھ لئے۔ اور اُن کو ہدایت کی کہ دہلی میں جو حالت گزرے اُس کی اطلاع گورو گوبند سنگھ کو پہنچا دینا۔ جب بادشاہ نے خود بھی گورو تیغ بہادر کو مسلمان بننے کے لئے کہا اور انہوں نے جواب دیا کہ "یہ دنیا تو فانی ہے جو پیدا

ہوا ہے وہ مرنے سے نہیں بچ سکتا، کسی دُنیاوی لالچ کے لئے دھرم بیچ دینا بے ایمانوں اور پاپیوں کا کام ہے۔ آپ مجھ سے ایسی اُمید نہ رکھیں" یہ جواب سُن کر بادشاہ غصہ میں بھر گیا، اور کہا کر یا تو کوئی کرامات دکھاؤ ورنہ مسلمان ہو جاؤ یا مرنے کے لئے تیاری کرو،

گورو صاحب نے کہا کہ "ایشور کی اُپاسنا کرنا ہی بڑی کرامات ہے،" چنانچہ اُن کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ ایک دو بار بادشاہ نے پھر بھی گورو صاحب کو مذہب اسلام قبول کرنے کے لئے ترغیب دی لیکن وہ چٹان کی طرح مضبوط رہے گورو صاحب نے جب اپنی بات نہ چھوڑی تو اُنہوں نے کہا کہ ایک کاغذ لاؤ۔ اس پر اُنہوں نے کچھ لکھ دیا اور کہا کہ ہم یہ کاغذ اپنے گلے کے ساتھ باندھتے ہیں۔ اس کے اثر سے ہماری گردن نہیں کٹے گی، تب جلاد نے تلوار چلائی اور سر دھڑ سے جدا ہو گیا۔ تب کاغذ پڑھا گیا اُس پر لکھا تھا" سر دیا سار نہیں دیا،" یعنی جان دے دی لیکن اصلیت قائم رکھی، جو آدمی اپنے باپ کو اندھا بنا کر قید کر سکتا تھا اور جس نے اپنے سگے بھائیوں کے خون سے ہاتھ رنگے اور اُن کی اولاد کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کئے اُسے ایسے مہا پرش کے قتل کروانے میں کیا گریز ہو سکتا تھا۔ لیکن اُسی دن سے مغلیہ سلطنت کی جڑ ہل گئی، سکھوں نے گورو جی کا جسم مانگا لیکن بادشاہ نے کہا کہ یہ یہیں پڑا ہوا سڑے گا۔ جب گورو گوبند سنگھ جی کو خبر ملی تو اُنہوں نے عہد کیا کہ اسلامی سلطنت کو اب تباہ کر دیا جائے گا، پھر اُنہوں نے پوچھا کہ کوئی ہے جو گورو تیغ بہادر جی کا شریر دہلی سے لا سکے تو ایک نیچ ذات کا ستر سال کا بوڑھا اپنے بیٹے کو لے کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ ہم یہ خدمت بجا لائیں گے، چنانچہ آ گیا یا کہ وہ دہلی چلے گئے راستے میں اُن کو ایک رنگھ وان مل گیا جو دہلی کا رہنے والا تھا۔ اُس نے کہا کہ میں تم کو وہ جگہ دکھا دوں گا۔ چنانچہ رات کے وقت وہاں پہنچے اور جب پچھلی رات پہرے دار سو گئے تو اُس بڈھے کا لڑکا دیوار پھاند کر اندر گیا اور آہستگی سے دروازہ کھول دیا۔ دونوں نے سر اور شریر اُٹھا لئے پھر گیا اور بڈھے نے اپنا سر تلوار سے کاٹ کر اپنے آپ کو وہیں ڈال دیا، اور لڑکا شریر اور سر دونوں لے کر آنند پور آ پہنچا۔ دھنیہ ہیں ایسے لوگ جو دھرم پر قربان ہوتے ہیں

شری گورو گوبند سنگھ جی

سکھوں کے آخری اور دسویں گورو شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج ہوئے ہیں۔ آپ کا جنم شری گورو تیغ بہادر جی کے گھر ماتا گوجری کے بطن سے سنیچر وار کو ۲۳ پوہ سمت ۱۷۲۳ بکرمی مطابق ۲۲ دسمبر ۱۶۶۶ء کو پٹنہ شہر میں ہوا۔ آپ کی پرورش پانچ برس کی عمر تک بہت اچھی طرح سے ہوئی۔ بچپن سے ہی آپ کے مزاج میں شجاعت اور بہادری کے نشان پائے جاتے تھے اور کھیل بھی آپ اسی طرح کے کھیلتے تھے لڑکوں کے ساتھ مل کر کبھی دو فوجیں بنا کر لڑائی لڑتے، کبھی ور کرتے، شروع سے ہی آپ میں خود اعتمادی کا جذبہ بھرا ہوا تھا

آپ کا جسم بھی بڑا مضبوط اور گٹھیلا تھا۔ اور ارادے بلند تھے خوف نزدیک تک نہ آیا تھا۔ جب گورو تیغ بہادر جی آسام سے واپس آئے تو پنجاب پہنچ کر آنند پور قصبہ بسایا اور گورو گوبند سنگھ جی کو بھی وہیں بلوایا۔ اسی موقعہ پر آپ کی تعلیم و تربیت کچھ ہوئی۔ گورو تیغ بہادر جی کی زندگی میں ہی آپ کی پہلی شادی سمت ۱۷۳۰ بکرمی میں صرف سات برس کی عمر میں ہو گئی تھی، اس دیوی کا نام جیتو جی تھا۔ اس کے بعد دو شادیاں اور ہوئیں ایک دیوی کا نام سندری تھا اور دوسری کا صاحب دئی۔ صاحب دئی کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ سندری دیوی کے ہاں ایک لڑکا ہوا جس کا نام اجیت سنگھ رکھا گیا اور جیتو جی کے بطن سے تین بیٹے ہوئے جن کا نام جوجھار سنگھ، زور آور سنگھ اور فتح سنگھ تھے۔ یہ سبھی لڑکے اپنے باپ کی مانند دلیر اور بہادر تھے۔ آپ ابھی ۹ سال کے بھی نہ ہوئے تھے جب کہ آپ کے پوجیہ پتا گورو تیغ بہادر جی دہلی میں شہید ہوئے۔ اور آپ کو ۱۱ نومبر ۱۶۷۵ء کو آنند پور میں گورو گدی کا کام سنبھالنا پڑا۔ اس چھوٹی عمر میں ہی گورو جی ظالموں کا قلع قمع کرنے کے منصوبے باندھتے جن کو آپ نے اپنی آئندہ زندگی میں ایسی خوبی سے پورا کیا کہ اس کی دھوم آج تک مچی ہوئی ہے۔ گورو صاحب کو ہتھیار بندی وغیرہ کا شوق بچپن سے ہی تھا آپ شاعر بھی تھے اور اپنے دربار میں شاعروں کو مدعو کرتے تھے، آپ نے بہت سا روپیہ خرچ کر کے سنسکرت کے گرنتھوں کا ہندی بھاشا میں ترجمہ کرایا تھا۔ اور بہت سے سکھوں کو کاشی جی اور دوسرے مقامات پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔ آنند پور کو محفوظ بنانے کے لئے آپ نے پانچ قلعے بنائے۔ ابھی آپ گورو گدی پر براجمان ہوئے ہی تھے کہ آسام کے راجہ کا لڑکا جو گورو تیغ بہادر جی کی آشیرباد سے پیدا ہوا تھا اور خود راجہ بن گیا تھا گورو جی کے درشنوں کے لئے آیا، اس نے بہت سے زر و جواہرات بھینٹ کئے ساتھ ہی اور کئی عجیب عجیب چیزیں بطور تحفے نذر کیں، جن میں ایک پنچ کلا ہتھیار بھی تھا اس میں پانچ ہتھیار ایک ساتھ چھپے رہتے تھے راجہ نے دوسری چیزوں کے علاوہ پانچ عربی گھوڑے اور ایک ہاتھی بھی بھینٹ کیا۔ جب یہ راجکمار جانے لگا تو انہوں نے خلوت میں یہ اپدیش دیا: "تم کشتری کل بھوشن ہو تمہارا فرض ہے کہ ماتری بھومی کو مسلمانوں کے پنجہ سے رہا کرا کر دیش میں امن و امان قائم کرو، تم اگر اپنے دھرم پر قائم رہو گے اور کرتار کی کرپا ہوئی تو ہم سب لوگ مل کر ان دھرم کے دشمنوں کو نکال کر باہر پھینکیں گے۔"

راجکمار یہ اپدیش سن کر چلا گیا۔ لیکن آس پاس کے رئیسوں کے منہ میں گورو جی کے پاس آئے ہوئے یہ تحفے تحائف دیکھ کر پانی بھر آیا، گورو گوبند سنگھ جی کو کمزور سمجھ کر سب نے چاہا کہ ان سب چیزوں کو اپنے قبضہ میں کر لیں۔ کسی کی خواہش ہاتھی لینے کی تھی اور کسی کی ہتھیاروں کی۔ گورو صاحب نے ان سے کہا کہ پہلے میں ان چیزوں کو استعمال میں لاؤں گا اس کے بعد اگر تم مانگو گے تو تمہیں دے دوں گا، لیکن ان لوگوں کے دل پر بھوت سوار تھا انہوں نے زور زبردستی سے کام لینا چاہا، یہ دیکھ کر گورو کے سکھ جوش میں آ گئے اور مقابلہ کے لئے کھڑے ہو گئے۔ ایسی حالت دیکھ کر وہ ہندو راجے ڈر کر بھاگ گئے،

اس کے بعد بساکھی کے میلہ پر سمت ۱۷۳۸ بکرمی میں دونی چند نامی ایک سکھ کابل سے آیا اور وہ اپنے ساتھ بہت سا روپیہ، قیمتی پشمینے اور تنبو، قناتیں وغیرہ گورو صاحب کو نذر کرنے کے لئے لایا۔ اسے بھی آپ نے دھرم اپدیش کے ساتھ شجاع اور دلیر بننے کا اپدیش دیا، غرضیکہ جو کوئی ان کے پاس آتا تھا اس کو وہ اپنی جوش اور دلیری بھری بانی سے ابھارنے کی کوشش کرتے تھے، اور نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ سننے والے دھرم کے نام پر اپنی جان قربان کر دینے کا عہد کیا کرتے۔

جب راجہ بھیم چند راجہ بلاسپور ہاتھی لینے کی خواہش میں ناکام رہا تو اس نے بلاسپور پہنچ کر گورو جی کو خط بھیجا کہ آپ آنند پور چھوڑ جائیں ورنہ اچھا نہ ہو گا۔ گورو جی نے وہ

خط پڑھ کر پھاڑ دیا۔ تب راجہ نے گورو صاحب پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ گورو صاحب بھی مقابلہ کے لئے تیار تھے لیکن ناہن کا راجہ اُن کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اسی دوران میں راجہ بھیم چند کے لڑکے کی سگائی سری نگر کے راجہ سے ہو گئی اور راجہ برات لے کر کشمیر پہنچا، سری نگر کا راجہ گورو گوبند سنگھ کا بھگت تھا، گورو صاحب نے بھی چند تحفے لڑکی کے لئے بھیجے لیکن بھیم چند گورو صاحب کا سخت مخالف تھا۔ اُس نے کہہ دیا کہ اگر یہ تحفے رکھے جائیں گے تو ہم شادی نہیں کریں گے اس پر سری نگر کے راجہ نے خوف زدہ ہو کر گورو صاحب کے تحفے واپس کر دیئے۔ یہ دیکھ کر دیوان نند چند جو تحفے لے کر گیا تھا۔ بڑے جوش میں آ گیا، اور اُس نے ہمراہی سکھوں کو حکم دیا کہ شادی کا سب سامان لوٹ لو، سکھوں نے ایسا ہی کیا۔ اس سے وہ دونوں راجہ برافروختہ ہو گئے چنانچہ راجہ بھیم سین نے گورو جی پر چڑھائی کر دی۔ گورو صاحب نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ انجام کار گورو صاحب نے اپنے تیر سے راجہ کا کام تمام کر دیا۔ اور آپ کو فتح نصیب ہوئی۔ اس سے سکھوں کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے۔ پھر گورو جی صاحب آنند پور واپس چلے گئے اور وہاں بھی ہندو راجاؤں سے لڑائیاں کرنی پڑیں اور وہ ہر دفعہ کامیاب ہوئے،

جب اورنگ زیب گولکنڈہ کی لڑائی سے فارغ ہوا تب اُس نے پہاڑی راجاؤں سے جزیہ طلب کیا۔ اب پہاڑی راجاؤں کو ہوش آئی اور وہ گورو جی کے پاس پہنچ کر معافی مانگنے لگے اور کچھ روپیہ بھی پیش کیا۔ گورو جی نے سب کو معاف کر دیا۔ اور اسی وقت دیوان دیا رام کو پانچ سو اڑا کے سپاہی دے کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے بھیج دیا۔ راجاؤں کو مدد مل گئی۔ سکھ لوگ راجہ کی فوجوں سے مل کر مسلمانوں کے ساتھ خوب لڑے اور انجام کار بہادر سکھوں نے مسلمانوں کو بھگا دیا اور ان سب کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ کچھ ہی دنوں بعد لاہور کے مسلمان حاکم نے غصہ میں آ کر اپنی فوج کے ساتھ چڑھائی کی لیکن اُن کا بھی وہی بُرا حال ہوا، جب اورنگ زیب کو یہ خبر ملی تب اُس نے اپنے لڑکے معظم شاہ کو بھیجا۔ اُس نے خود نہ جا کر ایک دوسرے سپہ سالار کو بھیج دیا۔ اس دفعہ گورو جی کے آدمیوں کو پہاڑیوں میں چھپنا پڑا، لیکن وہ متواتر مسلمانوں کو پچھاڑنے کی تدبیریں کرتے رہے اور کہا جاتا ہے کہ ایک یگیہ بھی کیا گیا،

ایک دفعہ سمت ۱۷۵۶ بکرمی کی پہلی بساکھ کو گورو جی نے خالصہ پنتھ کی بنیاد رکھی۔ اُس وقت گورو جی نے بڑی بھاری سبھا میں پانچ سر مانگے۔ مختلف دیشوں اور جاتیوں کے پانچ آدمیوں نے سر دینا قبول کیا یہ پانچوں پانچ پیارے کہلاتے، پھر لوہے کے ایک کٹورے میں جل ابھی منترت کر کے امرت تیار کیا اور پانچوں کو پلایا، بعد ازاں ان پانچوں کے ہاتھ سے گورو جی نے خود بھی امرت پیا اور خالصہ بنے، سب کے نام آپ نے سنگھ رکھے اور اپنا نام بھی گوبند سنگھ رکھا پھر پچیس اور آدمی خالصہ بن گئے اس کے بعد ۱۲۵ اور بنے بعد ازاں تو ہزاروں کی تعداد میں مرد و زن خالصہ بنتے گئے، سمت ۱۷۶۱ بکرمی میں مغل فوج نے بہت گڑبڑ کی۔ اور اُس گڑبڑ میں گورو ماتا اور دونوں چھوٹے لڑکے بچھڑ کر سرہند کی طرف نکل گئے، وہاں سرہند کے نواب نے دونوں ننھے بچوں کو مسلمان نہ بننے کی سزا بڑی بے رحمی اور بیدردی سے زندہ دیواروں میں چنا دیا گورو جی خود بھی اپنے صرف ۴۰ سکھوں اور دونوں بڑے صاحب زادوں کے ساتھ چمکور میں گھر گئے، جہاں وہ دونوں بیٹے بھی جنگ میں شہید ہو گئے۔ یہاں سے گورو جی بڑی دلیری اور حوصلہ کے ساتھ شاہی فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے دشمنوں سے بچ کر جنگل میں جا پہنچے۔ یہاں سے گورو جی نے اورنگ زیب کو فارسی نظم میں خط لکھا جس کا نام ظفر نامہ رکھا گیا۔ اس کے پڑھنے سے اورنگ زیب کو اپنے کئے پر کچھ پچھتاوا ہوا۔ اور اس کے بعد وہ جلدی مر گیا۔

اورنگ زیب کے مرجانے پر بہادر شاہ گورو جی کی مدد سے بادشاہ بنا۔ اب گورو جی نے جنوب کی طرف عزم کیا، راستے میں دھرم پرچار کرتے ہوئے سمت ۱۷۶۴ بکرم میں گوداوری ندی کے کنارے ندیر گاؤں میں پہنچے وہاں آپ نے ایک نیا شہر ادچل نگر نام سے بسایا، بندہ بہادر جی کی بھی بھینٹ اسی جگہ گورو

جی ہوئی اور اس گوگورو جی نے پنجاب میں ہندو دہرم کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔

سرہند کا نواب جس نے گورو جی کے دو بیٹوں کو دیوار میں چنوایا تھا ہمیشہ خائف رہتا تھا۔ خاص کر اس لئے کہ بہادر شاہ گورو جی کا دوست بن گیا تھا۔ اس لئے نواب نے دو مَن چلے پٹھانوں کو گورو جی کو قتل کرنے کے لئے بھیجا۔ یہ دونوں پٹھان چالاکی سے گورو جی کے شش بن گئے اور اُن کی سیوا میں رہ کر مناسب موقعہ کی تاڑ میں رہنے لگے۔ انجام کار بھادوں بدی ۱۴ سمت ۱۷۶۵ بکرمی کو سندھیا کے وقت ان میں سے ایک پٹھان نے گورو جی کو اکیلا پلنگ پر لیٹے پا کر ایک چھُرا اُن کے پیٹ میں گھونپ دیا، ابھی وہ دوسرا وار نہیں کرنے پایا تھا کہ گورو جی نے پھرتی سے اُسے اپنی تلوار سے مار گرایا۔ زخم پر ٹانکے اور پٹی کی گئی اور زخم بھر بھی گیا۔ لیکن ایک سخت کمان پر تیر چڑھانے سے وہ ٹانکے پھر ٹوٹ گئے۔ اور اس کے نتیجہ کے طور پر آپ ۸ کارتک سمت ۱۷۶۵ بکرمی کو بدھوار کے دن آپ نے دربار کیا اور فرمایا کہ میرے پیچھے کوئی سکھ گورو نہیں ہوگا۔ اور محض گرنتھ صاحب ہی گورو ہوں گے تبھی انھوں نے اپنا یہ انسانی جامہ چھوڑ کر پرم دھام کی طرف گمن کیا۔

بولو دسوں گورودوں کی جے

لباسِ بے خودی

از قلم: رشی پٹیالوی

نظر کو نور دے کر دل کو بھی اب روشنی تو دے
مجھے اپنی خبر دے کر حواس و ہوش بھی تو دے

دلِ مشتاق منزل سے بہت آگے نکل آیا
خیالِ بے خودی کو اب لباسِ بے خودی تو دے

کرم کی بے پناہی کا بہت ممنونِ احساں ہوں
جوابِ لطفِ غم جو ہو کوئی ایسی خوشی تو دے

یہ وہم ناروا کیسا کہ تو میرا ہے میں تیرا ہوں
ذرا اس ربطِ باہم کو فریبِ دوستی تو دے

میری دنیا نظر آئے سرور و کیف کی دنیا
کبھی اب اے خیالِ دوست ایسی بے خودی تو دے

کہاں ہوں میں بتا اب اے وفورِ بیخودی مجھکو
میرے ذوقِ تجسس کو خبر کچھ ہوش کی تو دے

یہ دوری اور نزدیکی گلے ملتی نظر آئیں
کبھی رنگِ تصور کو کچھ ایسی دلکشی تو دے

جنوں سامانیوں کی انتہا کچھ ہم بھی تو دیکھیں
ذرا احساسِ عقل و ہوش سے آوارگی تو دے

دلِ بیگانۂ انجام کو ذوقِ جنوں دے کر
نگاہِ جستجو کو ہوش سے بیگانگی تو دے

تیرے در پر پہنچ کر پھر نہ سر اٹھے نہ آنکھ اٹھے
مجھے اک بار تو اس رنگ کی بے چارگی تو دے

ثبوتِ دوستی تو دے کبھی اب اے رشی پرور
دیا ہے اشتیاقِ دید تابِ دید بھی تو دے

مہرشی سوامی دیانند سرسوتی

از
لالہ کانشی رام جی چاؤلہ

بھارت بھومی کے مغربی حصّہ میں کاٹھیاواڑ کے اندر ایک موروی ریاست تھی۔ اِس ریاست میں ٹنکارا شہر کا جیوا پور محلہ تھا، وہاں پر شری کرشن جی لال ترواڑی سام ویدی براہمن تھے، کرشن جی کے گھر سمت ۱۸۸۱ بکرمی مطابق سن ۱۸۲۴ء میں ایک بالک کا جنم ہوا۔ اُن کا نام مُول شنکر رکھا گیا، لاڈ کے طور پر اُن کو دیارام بھی کہا جاتا تھا، کرشن جی کے دو اور بیٹے بھی ہوئے، اُن میں سے ایک کا نام ولبھ جی تھا، ولبھ جی کا دیہانت اُن کی شادی سے دو برس بعد ہو گیا۔ کرشن جی کے ہاں دو بیٹیاں بھی تھیں۔ ایک کا نام پریم بائی تھا، جس کی شادی منگل جی سے ہوئی، لیکن دوسری بیٹی مُول شنکر کے سامنے ہی سورگباش ہو گئی، مُول شنکر جی کے پتا جی شِو کے پرم بھگت تھے۔ لیکن اُن کا سوبھاد کٹھور تھا۔ اُن کی ماتا جی کا سوبھاؤ اِس کے خلاف بڑا دیالو تھا۔ جب مول شنکر جی آٹھ سال کے ہوئے تو اُن کے پتا جی اُنہیں شِو مندر میں لے جانے لگے، ماتا نہیں چاہتی تھی کہ اِن کا بچہ اتنی چھوٹی عمر میں برت رکھے، لیکن اُن کے پتا جی برابر ساری وِدھی مُول شنکر جی سے پوری کراتے تھے،

ایک رات شِو راتری کے موقعہ پر اُن کو شِو مندر میں ہی رکھ کر رات بھر جاگ کر شِو پوجا کرنے کی آگیا ہوئی اور سب لوگ تو سو گئے لیکن مُول شنکر جی برابر جاگتے رہے اور اُنہوں نے دیکھا کہ شِو کی مورتی پر ایک چوہا آ کر چڑھ گیا۔ اُنہیں وچار ہوا کہ اگر یہ مورتی سچ مچ شِو کی ہوتی تو اِس طرح سے چوہے کو اپمان نہ کرنے دیتی۔ اِس جگیاسا کا جواب پانے کے لئے اُنہوں نے اپنے پتا کو جگایا، لیکن پتا جی نے ڈانٹ بتا کر چُپ کرا دیا۔

مول شنکر جی کو اُس وقت سے سچے شِو کی تلاش کرنے کی لگن لگ گئی اور اُن کے اندر تیاگ اور ویراگ کی بھاونا پیدا ہو گئی۔ پتا نے سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ بچہ گھر سے چلا جائے اِس لئے اُنہوں نے اُس کی شادی کا انتظام کرنا شروع کیا۔ اُنہیں دِنوں میں اُنہوں نے اپنی تعلیم میں خاص ترقی کی جو کہ پانچ سال کی عمر میں شروع ہو گئی تھی۔ آٹھ سال کی عمر میں اُن کو جنیئو دیا گیا اور اُس کے بعد وہ وید پاٹھ بھی کرنے لگے، چودھویں سال کے پہلے پہلے ہی اُنہوں نے ویاکرن اور شبد روپاولی کا ابھیاس کر کے سالم یجر وید اور دوسرے ویدوں کا بھی کچھ کچھ حصّہ زبانی یاد کر کے اپنی تیز فہمی کا ثبوت دیا جب مول شنکر جی کو معلوم ہوا کہ اُن کو گرہست کے پھندے میں پھنسایا جانے لگا ہے تو وہ رات کو گھر سے نکل بھاگے، ایک دو دفعہ واپس لایا گیا لیکن وہ پھر چلے جاتے تھے، آٹھ سال تک نربدا ندی کے کنارے کئی سادھو مہاتماؤں سے ملے لیکن کسی نے سچے شِو کا پتہ نہ بتایا آخر ایک مہاتما سے آپ نے سنیاس لیا اور دیانند نام رکھا گیا، پھر آتر اکھنڈ کی یاترا کو نکلے اور وہاں سے متھرا پہنچے جہاں اُنہیں سوامی وِرجانند جی کے درشن ہوئے، سوامی وِرجانند پرگیا چکشو تھے اور کئی بالکوں کو شاستر پاٹھ کرایا کرتے تھے، سوامی دیانند کی بڑھی کو دیکھ کر اُن پر بڑا اثر ہوا اور اُنہوں نے سوامی دیانند کو بڑی توجہ سے وید دکت شاستروں کا ادھین کرایا، وِدیا پوری ہونے کے بعد سوامی دیانند نے کچھ لونگ گورو دکشنا کے طور پر گورو کی سیوا میں پیش کئے لیکن گورو جی نے فرمایا کہ میں یہ دکشنا مانگتا ہوں کہ بھارت دیش میں غریب اور پتت لوگ بہت لوگ دُکھ اُٹھا رہے ہیں۔ اُن کے دُکھوں کے دور کرنے کی

کوشش کرو۔ انیک مت متانتروں کے کارن دیش میں سچے دھرم کا لوپ ہوگیا ہے کریتیاں پھیل گئی ہیں۔ اس طرف دھیان دو۔ آریہ جنتا کی دشا بہت بگڑ چکی ہے اُس کا سدھار کرو، آریہ سنتان کا اُپکار کرو قدیمی رشی شیلی چلا کر لوگوں کو ویدک گرنتھوں کے پٹھن پاٹھن کی طرف لگاؤ خود عملی زندگی گذار کر لوگوں کے سامنے نمونہ پیش کرو، چنانچہ انہوں نے گورو جی سے ان سب آگیاؤں کا پالن کرنے کا وعدہ کیا اور جگہ جگہ پر پہنچ کر جھوٹے توہمات کو دور کرنا شروع کیا، سوامی جی نے دیکھا کہ چھوت چھات کا خوفناک بھوت ہندو جاتی کو کھائے جا رہا ہے نیچی چھوت چھات سے تنگ آکر اُدھم جاتیاں اسلام اور عیسائیت میں دوڑی چلی جا رہی ہیں، ودھواؤں اور یتیموں کا کوئی پُرساں حال نہیں، لوگوں کے دماغوں پر غلامی نے غلبہ ڈال لیا ہوا ہے، استریوں کا بہت اپمان ہو رہا ہے، دیش پریم نام تک کو نہیں، مغربی تہذیب نے بھارت واسیوں کو دھرم اور سداچار سے بہت دور ڈال دیا ہے لوگ اپنی بھاشا اور ویش کو بھول گئے ہیں، عیسائی لوگ ہندو شاستر کے غلط ترجمے کرکے ان کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کر رہے ہیں، ویدوں کا بالکل لوپ ہو چکا ہے، اودیا اور اندھ وشواش نے بھارت واسیوں کو غلط راستہ پر ڈال دیا ہے، اس لئے انہوں نے اپنے دل میں تہیہ کیا کہ خواہ کتنی ہی تکلیفیں آئیں میں گورو جی کی آگیا کے مطابق دیش والوں کو غیر مذہبوں میں جانے اور دُراچار کے مارگ سے ہٹانے کا اُپدیش کروں گا، چنانچہ انہوں نے بمبئی اُتر پردیش، بنگال اور پنجاب میں جگہ جگہ پر گھوم کر اپنے خیالات کا پرچار کیا، قدرتی طور پر پرانے خیالات کے لوگ ان کے مخالف ہوگئے اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ ان پر پتھر برسائے گئے حتیٰ کہ ان کو کئی بار زہر بھی دیا گیا اور آخر کار ان کا سورگ سدھارنا بھی زہر خوری کی وجہ سے ہوا۔ کیونکہ عام لوگوں کے علاوہ راجاؤں کا بھی سدھار کرنا چاہتے تھے۔ ایک بار جب وہ ایک راجہ کے پاس پہنچے تو اس وقت راجہ کے پاس ایک ویشیا موجود تھی، سوامی جی نے راجہ کو بلند آواز میں کہا کہ شیر اور کتیا کا میل کتنا ناواجب ہے وہ ویشیا یہ لفظ سن کر جل بھن گئی اور اس نے رسوئیے کو لالچ دے کر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سوامی جی کو دودھ میں کانچ پیس کر پلوا دیا۔ اس سے ان کی آنتیں سخت زخمی ہوگئیں اور وہ کانچ جسم سے باہر پھوٹ نکلا اور اسی تکلیف سے وہ پرلوک سدھار گئے۔ لیکن ان میں عفو کا مادہ اتنا زیادہ تھا کہ انہوں نے رسوئیے کو خود ہی اپنے پاس سے روپے دیکر بھگا دیا۔ اس تکلیف کے زمانہ میں بھی وہ شانت رہے اور آخری وقت میں جو الفاظ ان کی زبان سے نکلے وہ یہ تھے۔ "پربھو تیری اچھا پورن ہو" ان کے اس وقت کے آخری نظارے اور ان کی دھیرج اور شانتی کو دیکھ کر پنڈت گورو دت جی ایم اے جیسے ناستک بھی آستک بن گئے۔

سوامی جی کے پرچار سے پہلے جو حالات تھے اس کی چند مثالیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ سمت ۱۸۷۶ بکرمی میں مہاراجہ ابھیٹی نے کاشی میں جا کر وید درشن کرنا چاہا۔ کسی کے پاس وید نہ ملا کیونکہ براہمنوں کو وید کنٹھیہ ضرور تھے آخر ایک پنڈت جے دیال کے گھر صرف یجروید موجود تھا جو اس نے ایک ہزار روپیہ لے کر دکھایا۔

۲۔ میکس مولر نے اپنی پتنی کو لکھا تھا کہ میں ویدوں کا ایسا ترجمہ کر رہا ہوں جس سے ہندوؤں کی وید پر سے شردھا اُٹھ جائے گی۔

۳۔ پادری ڈیوڈ نے کلکتہ میں ایک انگریزی سکول کھولا۔ اس کے ۵۷ ودیارتھیوں میں سے ۵۵ عیسائی بن گئے۔

۴۔ بنگال کا ایک بنیرجی خاندان عیسائی ہونے لگا۔ ان کو بنارس کے پنڈتوں کے پاس بھیجا گیا لیکن پنڈت لوگوں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور جو سوالات وہ ہندو شاستروں کے متعلق لاتے تھے ان کا جواب نہ دیا گیا، چنانچہ وہ عیسائی ہو گئے۔

بھارت کے نوجوانوں کا نعرہ

ہم مرد توانا ہیں کوئی ہیز نہیں ہیں ۔۔۔ دنیا میں گئی گزری ہوئی چیز نہیں ہیں
آزاد ہیں پابستۂ دہلیز نہیں ہیں ۔۔۔ سِل بٹہ سے پس جائیں وہ گشنیز نہیں ہیں

کیوں بحرِ حمیت نہ بہت جوش میں آئے
جب ہمتِ مردانہ خود آغوش میں آئے

ہم مرد ہیں غیروں کا سہارا نہیں لیتے ۔۔۔ تیراک ہیں دریا کا کنارا نہیں لیتے
جو شیر ہیں صید اور کا مارا نہیں لیتے ۔۔۔ ہو آہوئے مشکیں کہ چکارا نہیں لیتے

لالچ کی نگاہوں سے نظر تک نہیں کرتے
اس راہِ دنائت سے گزر تک نہیں کرتے

ہم مرد ہیں محنت سے کبھی جی نہ چرائیں ۔۔۔ اوقاتِ معین میں ہر اک کام پہ آئیں
بیکار نہ بیٹھیں کبھی بیکار نہ جائیں ۔۔۔ ہمت یہ رہے دوسروں کا ہاتھ بٹائیں

مفلس ہوں تو کچھ غم نہیں ہمت رہے عالی
بلور سے بہتر ہے میرا جامِ سفالی

کاہل نہیں طامع نہیں نامرد نہیں ہم ۔۔۔ بیکار پڑے رہنے سے دل سرد نہیں ہم
دیں اوروں کو تکلیف وہ بے درد نہیں ہم ۔۔۔ ہیں مرد جفاکش کوئی شب گرد نہیں ہم

محنت میں جو پابندئ اوقات کریں گے
کس واسطے پھر ایسے خیالات کریں گے؟

اب کام جو کرنا ہے وہ مردانہ کریں گے ۔۔۔ ہر حال میں برتاؤ شجاعانہ کریں گے
محنت سے علاجِ دلِ دیوانہ کریں گے ۔۔۔ اندوہ کی تکلیف کی پروا نہ کریں گے

رہتا نہیں اندوہ نہاں حسنِ عمل سے:
مردوں کی بلا دور یہ مشہور مثل ہے!

(خاص)

از قلم :- مہاتما نندو بھائی جی مہاراج

پریم سنت

(مہرشی شو برت لال ورمن ایم اے)

سنت کہتے ہیں پاکی اور تقدس کو۔ سنت مت اس نظر سے پاکی اور تقدس کا طریق ہے۔ جس شخص میں تنگ دلی کو تنگ نظری اور ہٹ دھرمی دیکھو تو سمجھ لو کہ اب تک اُس کو سنتوں کے طریق میں شامل ہونے کا حق نظام قدرت میں عطا نہیں ہوا ہے۔ تنگ دلی اور تعصب روحانی مرض ہے اگر مریض بیمار ہے تو وہ صحت جسمانی سے کوسوں دور ہے اور جس میں اب تک روحانی مرض موجود ہے اُسے روحانی صحت نصیب نہیں ہوئی ہے۔

دنیا ہے کہ آپ تاپ سنت مت کے نام لیوا ہو کر اُس کو بدنام کر رہی ہے۔ بات ہے کچھ اور لوگ اُسے سمجھ رہے ہیں کچھ۔ پنتھ۔ طریق اور مسلک میں آ کر کھینچ تان ہٹ اور ضد سے کام ہے تو اور کوئی کسی کو سنت مت کا پیرو سمجھ لے مگر در اصل وہ اس حیثیت کا درجہ پانے کے قابل نہیں ہے۔ مجلسی مذاہب کے پیروکاروں کا یہ خاصہ ہے اُن میں قومیت اور مذہب کی پاسداری کا خیال زور شور کے ساتھ رہتا ہے مگر یہ سنتوں کا طریق نہیں ہے۔ سنت مت دیا۔ چھما۔ پریم۔ اور بھگتی کا طریق ہے۔ سنتوں کا دل آئینہ کی طرح صاف شفاف مجلی اور روشن ہوتا ہے اُس میں نام کے لئے بھی زنگ، کدورت نہیں ہے اور نہ شیشہ میں بال ہی ہوتا ہے اگر آئینہ پر زنگ لگا ہوا ہے۔ اور گرد و غبار کی تہ جمی ہوئی ہے۔ تو اپنا روپ کیسے نظر آئے گا اور اپنی صورت کے خط و خال پر نگاہ کیسے پڑے گی۔ یہ بالکل غیر ممکن ہے۔ اسی طرح جس آئینہ میں بال ہے وہ باوجود صاف ہونے کے اس میں اچھی طرح سے اپنی صورت کا عکس کبھی نہ پڑے گا اور آئینہ دیکھنے کا مقصد مفقود رہے گا۔

زنگ آلودہ آئینہ میں صورت کا دیکھنا مشکل بلکہ غیر ممکن ہے۔ وہ صفائی کا محتاج ہے۔ صاف ہو جانے پر بے شک وہ اپنا فرض ادا کر سکے گا۔ اس سے پہلے اس کا امکان محال ہے اور سنت مت اسی صفائی کی ترکیب اور تلقین فرماتا ہے۔ دل کو صاف کر لو۔ وہ بالکل شفاف ہو جائے تاکہ اُس میں آتما کا عکس پڑ سکے اور وہ مجلی ہو۔

زنگ آلودہ آئینہ اگیانی کے دل سے مشابہ ہے وہ دھندلا ہے۔ اُس میں عکس کے قبول کرنے کی قابلیت اور قبولیت کا مادہ ابھی تک پیدا نہیں ہوا ہے لیکن اگر اس کے دل میں صفائی کی زبردست خواہش ہے تو وہ اور کچھ نہ کرے۔ سادھوؤں کی سنگت میں اٹھنا بیٹھنا قبول کرے ست سنگ کے فیض سے وہ آہستہ آہستہ باخبر ہوتا جائے گا اور جب وہ باخبر ہو کر گورو کے پاک قدموں کی خاک لے کر اپنی خاص بھگتی۔ اور شردھا کے پانی سے ملنا اور دھونا شروع کر دے گا تو وہ بہ آسانی پاک و صاف ہو جائے گا۔ جوں جوں اس میں لطافت اور پاکیزگی آتی جائیگی اس کا یقین خود بخود پختہ ہوتا جائے گا اور جب وہ بالکل اس عمل کے کرنے سے پاک، صاف، شفاف ہو جائے گا اس میں اصلیت کا نور یکبارگی چمک اُٹھے گا اور اس نور میں جہاں اس نے اپنے روپ کے جلوہ گری کا تماشہ دیکھا وہ کرتیہ کرتیہ ہو جائے گا اور اپنی خوش نصیبی پر نازاں ہو گا۔ اس طرح دل کے آئینہ میں نور معرفت کے سرور کی چمک دمک کو دکھا کر اصلیت کا علم بخشنا۔ سنت مت کا کام ہے۔ انسان کا دل تمام خوبیوں کا مخزن ہے۔ اس کے اندر بے شمار طاقتوں کے خزانے بکھرے پڑے ہیں۔ بے خبری کی حالت میں خبر نہیں ہوتی اور نہ اُسے پتہ ملتا ہے۔ ہوا کے جھونکوں سے جھکولے کھاتے ہوئے پانی میں جیسے سطح کے کنارے کے درختوں کا سایہ نظر آتا ہے اسی طرح چنچل اور پریشان دل میں بھی ذات کا عکس نہیں پڑتا۔ ست سنگ اور گورو بھگتی، اس چنچلتا اور پریشانی کا یقینی علاج ہے اور جب علاج ہو جاتا ہے پھر صحت کے نصیب ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا اور وہ تندرست ہو جاتا ہے۔ انہیں میں تندرستی۔ دل درستی اور روح درستی لانا سنت مت کا کام ہے

سنت مت ان تینوں میں سمتا لانے کا جتن بتلاتا ہے۔

دنیا میں مالک کل کے جلال اور جمال کا نظارہ کچھ۔ اُن صاحب کمال بزرگوں ہی میں نظر آتا ہے جو وقتاً فوقتاً زمانہ کے موافق پرگٹ ہو کر بھولے بھٹکے لوگوں کو حقیقت اور اصلیت کا نغمہ سناجاتے ہیں۔ اُن کی زندگیاں، خود زبردست اور حیرت انگیز معجزات ہوا کرتی ہیں۔ اخلاق کی مجسم صورتیں۔ تزکیہ نفس کی مکمل مورتیں۔ ظاہری تعلیم و تلقین سے آزاد ہو کر کچھ وہ اس طرح کی ہدایت کا سلسلہ قائم کر جاتے ہیں۔ کہ دیکھنے والے ناظرین کو استعجاب کا تماشہ نظر آتا ہے۔ بجلی کے کوندے کی طرح کڑک کر تاریکی اور جہالت کے ...... پردوں کو چاک کر دیتے ہیں۔ اُس وقت نور اعلیٰ نور ہو جاتا ہے۔ ادھیکاریوں کو اکتساب نور کا موقع ہاتھ آجاتا ہے۔ اُن ادھیکاری ان کی لیلا دیکھ کر دم بخود ہو جاتے ہیں آخر یہ کیا ہیں۔ یہ معمولی انسان تو نہیں ہیں۔ ان میں کوئی ایسی بات ہوتی ہے جو عام آدمیوں میں نظر نہیں آتی۔ انسانی کمزوریوں کا ان میں نام و نشان نہیں۔ ظاہری رسمی پابندیوں کا ان کو لحاظ نہیں۔ آتے ہی جس وقت عرفانی راگ کا نغمہ بلند کرتے ہیں۔ انسان تو انسان دیوتا بھی حیرت میں آجاتے ہیں۔ مزاج میں حد درجہ کی سادگی کلام استعارات اور تشبیہات سے معرّا۔ جو کہتے ہیں صاف صاف کہتے ہیں۔ سیدھا سادہ جیون ان کے لفظوں سے دلوں کو چوٹ لگتی ہے۔ طبیعتیں بدل جاتی ہیں زندگیاں پلٹا کھا جاتی ہیں۔ کلام میں جادو کا اثر ہے۔ جو سنتا ہے دنگ رہ جاتا ہے۔ جو کام ساری عمر کتابوں کے مطالعے سے نہیں ہوتا۔ وہ ان کی سہل اور سہل بانی کے ایک ایک شبد کے سننے سے ہی ہو جاتا ہے جن کے دلوں میں ان کی باتیں اتر جاتی ہیں۔ وہ دیکھتے دیکھتے کچھ کے کچھ بن جاتے ہیں۔

ستگورو مارا تان کر شبد سرنگی بان
میرا مارا جو جئیے۔ تو کبیر نہیں کہوں کمان

جس قدر ان کے عجیب و غریب حالات پر نظر جاتی ہے حیرت کم نہیں ہوتی بلکہ بڑھتی ہی جاتی ہے۔ یہ بطور خود دار العلوم اور مدارس کے مجموعے ہوتے ہیں۔ ان کی ذات۔ ستودہ صفات۔ مشعل ہدایت بن کر گمراہوں کو سیدھے راہ پر ڈال دیتی ہے۔ ان کے یہاں نہ دلیل ہے نہ سند ہے نہ حجت ہے نہ مثال ہے۔

یہ آپ دلیل، سند، اور مثال ہیں۔ "آفتاب آمد دلیل آفتاب" بات زبان سے نکلی نہیں کہ دل میں سرایت کی نہیں۔ ان کے دل دماغ کی کیمیائی اثرات آنا فانا میں دوسروں کی حالت بدل دیتے ہیں اور جب اور جہاں ان کا ظہور ہوتا ہے وہ کھلے دل سے بلا خوف دہر اس ظاہر بھی کر دیتے ہیں کہ بھٹکے بھٹکے نہ پھرا کرو۔ آنکھیں کھول کر روحانیت کے چمکتے ہوئے آفتاب کی زیارت کرو۔

یہ نہ مندروں اور مورتوں میں پھنساتے ہیں نہ مسجدوں و گرجاؤں کو معبد قرار دیتے ہیں یہ آواز بلند صدا دیتے ہیں کہ جسم انسانی خود مندر مسجد کعبہ اور کلیسا ہے۔ اسی میں رہ کر ارکان پرستش ادا کرو۔ اور اسی میں نور خدا کو تلاش کرو۔ جو تم سے مختلف اور جدا نہیں ہے۔

گھٹ ہی میں ہے سوجھت نہیں۔ لعنت ایسے زند
نانک اس سنسار کو۔ ہوا مویتا بند

یہ کبھی پرم سنت کبیر صاحب کی صورت میں پرگٹ ہوتے ہیں اور روحانیت کا کمال دکھا جاتے ہیں کبھی یہ گورو نانک صاحب کے روپ میں حقانی راگ سنا کر دنیا کو فریفتہ کر لیتے ہیں۔ کبھی یہ ست پرش رادھا سوامی صاحب کے ظہور میں جلوہ نما ہو کر سرت شبد یوگ کے ذریعے روحانی بام پر پہنچانے کا اہتمام کر جاتے ہیں۔ اور کبھی مہرشی شوبرت لال داتا دیال کا چولا پہن کر سنت مت کا لٹریچر یکجا مکمل کر کے حقیقت اور روحانیت کا سیلاب لاتے ہیں۔ ان کی مثال زندگی میں علم و عمل دونوں جلوے آب و تاب کے ساتھ نظر آتے ہیں اپنی کہتے ہیں اور اپنی سناتے ہیں اور اپنی ذات میں حقیقت کے ظہور کا تماشہ دکھا جاتے ہیں۔

حیرت حیرت حیرت ہوئی
حیرت روپ دہرا ایک سوئی

ان کی نگاہ میں ہندو، مسلمان، عیسائی، موسائی سب ایک ہوتے ہیں اور ہر قوم و ملت کے افراد کو فرط محبت سے کھینچ کر اپنی گود سے چمٹا لیتے ہیں جو لوگ، قید و بند تعصب اور تنگ دلی کو چھوڑ کر ان کا دامن پکڑ لیتے ہیں وہ باآسانی بھوساگر سے پار ہو جاتے ہیں۔ ان کے دنیا میں آتے ہی روحانیت کا سیلاب آجاتا ہے اور

یوں ہی بھگتی بھاؤ کا پرواہ شتابی سے جاری ہو جاتا ہے۔ ان کی قومیت نہیں ہے نہ وہ کسی خاص ذات پات کے جھگڑے کو اٹھاتے ہیں۔ جس نے ان کے قدموں میں سر جھکایا، ان کا بیڑا پار ہو جاتا ہے اور جو وِدّیا۔ بدھی۔ مان۔ بڑائی اور قومیت کے گھمنڈ میں اکڑے رہتے ہیں۔ وہ پرمارتھ کی دولت سے محروم رہ جاتے ہیں۔

نیچ نیچ سب تر گئے۔ سنت چرن لولین
ذات ہی کے ابھیمان سے بوڑھے سکل کولین
اُتم اور چنڈال گھر۔ ایک دیپک اُجیار
تلسی منے پتنگ کے۔ سبھی جوت نکیار
بڑے۔ بڑائی پائے کر۔ رووم رووم اہنکار
ستگور کے پرچے بنا۔ چاروں برن چمار
کام کرودھ مدلوبھ کی۔ جب لگ من میں کھان
تلسی پنڈت مورکھو۔ دونوں ایک سمان
لکھ لکھ کر سب جگ تھکیو۔ پڑھ پڑھ کے کیا کین
پڑھ پڑھ کے گھٹ گھٹ گئے تلسی سنت نہ چین

اُن حیرت انگیز قابلِ تعظیم شخصیتوں میں سے جو جگت کے ادّھار کے لئے دنیا میں پرگٹ ہوتی ہیں۔ اُن میں سے ایک مہرشی شوبرت لال مہاراج داتا دیال بھی ہیں۔ جن کے پاک اور مقدس حالات سے تعلیم یافتہ دنیا بخوبی واقف ہے۔

نور کے ظہور کی جلوہ گری

پرم سنت مہرشی شوبرت لال جی درمن مہاراج کا ظہور ماہ فروری ۱۸۶۰ء میں شیو راتری کے دن متبرک کائستھ خاندان میں ہوا۔ آپ کے بزرگوار دادا منشی کیول کشور صاحب وکیل سرکار مہاراجہ بنارس تھے۔ آپ کے پتا جی مہاراج کا شبھ نام ٹھاکر شری پت لال صاحب زمیندار موضع قانونگو پورہ ضلع بھدوہی بنارس اسٹیٹ ہے مہرشی جی مہاراج کی ابتدائی تعلیم گیان پور ضلع بھدوہی میں ہوئی۔۔۔ ہائی سکول اور کالج کی تعلیم الہ آباد میں تکمیل پائی۔ الہ آباد یونیورسٹی سے اُنہوں نے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ مہرشی جی مہاراج کی شادی شریمتی جبودا کنور جی سے ہوئی۔ جو منشی ماتا پرشاد صاحب زمیندار موضع سندہوری لچوارہ ضلع الہ آباد کی چشم و چراغ تھیں۔ ان کے بطن سے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا تولد ہوا۔ لڑکا اوائل عمر ہی میں انتقال کر گیا۔ تین لڑکیاں (۱) سہدئی کنور (۲) چمپن دیوی (۳) اور رکمن دیوی ہیں۔ سہائی کنور کی شادی گورکھپور کے زمیندار بابو ہری ہر سہائے جی سے ہوئی۔ چمپن دیوی کی شادی کنتتی کے زمیندار بابو شیشر دیال جی کے فرزند منشی گوری شنکر لال صاحب اختر ایڈیٹر مان سرور الہ آباد سے ہوئی اور رُکمن دیوی کی شادی بہرائچ کے زمیندار بابو اقبال بہادر صاحب کے فرزند بابو جالپا پرشاد صاحب ایم۔ ایس۔ سی پروفیسر کائستھ پاٹھشالہ کالج الہ آباد کے ساتھ انجام پائی۔

مہرشی جی مہاراج تعلیم سے فارغ ہو کر ریاست الوان میں تعلقدار کے عہدے پر سرفراز کئے گئے۔ دل میں فقیروں کا سنسکار رکھتے تھے۔ جیون سیدھا سادہ تھا۔ اس عہدے کی شان و شوکت انہیں پسند نہیں آئی اس سے علیحدگی حاصل کر لی۔ کچھ دنوں کلکتہ میں تجارت کے کاروبار میں دلچسپی لیتے رہے۔ مگر تجارت کے لئے سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وقت پر روپیہ کا انتظام نہ ہونے کے سبب وہ واپس گھر لوٹ آئے اور مرزا پور میں مشن ہائی سکول کی ہیڈ ماسٹری قبول کر کے کام کرنے لگے۔ تعلیمات کی ملازمت کے سلسلے میں انہیں مرزا پور، بنارس چنلادھ بریلی میں کام کرنے کا موقع ملا جب کہ وہ بریلی آریہ سماج ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ ۱۸۹۶ء یا ۱۸۹۷ء میں اُنہوں نے درجنوں کتابیں مردوں اور عورتوں سے متعلق لکھیں۔ جو ذوق اور شوق کے ساتھ سارے علاقہ میں پڑھی جانے لگیں۔ مثلاً بہاری ماتائیں۔ سچی ماتائیں۔ سچی دیویاں۔ سچی استریاں۔ راجستھان کی بیرانیاں ستی برتانت۔ راجپوتنیوں کے کرتب۔ چتوڑ کی چڑھائیاں۔ مہشدد ماتائیں۔ پرتھوی راج۔ راجپوتوں کی لڑائیاں۔ آلہا اودل۔ رامائن۔ مہابھارت وغیرہ وغیرہ۔ ان کتابوں کا رواج۔ ملک میں کثرت کے ساتھ ہوا۔ لوگ انہیں ذوق، شوق سے پڑھنے لگے اور اب بھی پڑھتے ہیں۔

۱۹۰۴ء میں مہرشی جی مہاراج کی اہلیہ وفات پائیں۔ ان کے دل کو سخت صدمہ پہنچا۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آوارہ گرد ہو گئے گھومتے پھرتے ہردوار پہنچے۔ سنت دھرم پرچارک پریس ہردوار میں مہاتما منشی رام جی مرحوم کی معرفت ان کی کتابیں چھپا کرتی تھیں

پنڈت گنیشو دیو شاستری پریس کے منیجر ان کے دوست تھے۔ کچھ دنوں ہردوار میں ان کا قیام رہا۔

مہاتما ہنس راج جی اور لالہ لاجپت رائے جی دونوں کا گذر اُن دنوں ہردوار میں ہوا۔ مہرشی جی مہاراج اپنی اہلیہ کی وفات کے سبب اکثر دل گیر رہا کرتے تھے۔ ان صاحبان نے زور دے کر آریہ گزٹ لاہور کی ایڈیٹری کا کام ان کے سپرد کیا۔ اُس وقت آریہ سماج میں گھاس اور مانس پارٹی کا زور تھا۔ مہرشی جی مہاراج کی تحریرات نے چند ہی دنوں میں یہ اثر کیا کہ گھاس اور مانس کا جھگڑا ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا — اب اس کی راکھ بھی کہیں نظر نہیں آتی ہے۔ آریہ گزٹ کی ایڈیٹری کے زمانے میں مہرشی جی مہاراج نے پُورانک تعلیم کا روشن پہلو ہمیشہ نظر کے سامنے لاتے رہے۔ شری رام چندر جی مہاراج، بھگوان کرشن، کبیر صاحب اور گورو نانک کی بزرگی کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گیا۔ جو صاحبان اُس وقت آریہ گزٹ کا مطالعہ کرتے تھے۔ وہ بخوبی اس کو جانتے ہیں یا جن کے پاس اب تک اُس وقت کے آریہ گزٹ کے فائل موجود ہیں وہ اب بھی اُنہیں دیکھ کر اپنی تشفی کر سکتے ہیں اس وقت آریہ سماج میں کھنڈن کا بڑا زور تھا۔ جو منہ میں آتا تھا کہہ جاتے تھے جس سے لوگوں کے دلوں میں بہت تکلیف ہوتی تھی غیر دل پسند کھنڈن سے مہرشی مہاراج کو ہمیشہ نفرت رہی ہے۔ رام کرشن اور بزرگان دین کے نام پر دھواں دھار تقریروں اور گالیوں کی بوچھاڑ برداشت نہ کر کے مجبوراً مہرشی جی مہاراج نے آریہ گزٹ کی خدمت سے علیحدگی اختیار کر لی اور ۱۹۰۲ء میں سادھو نامی ماہواری رسالہ جاری کیا جس میں گیان، دھیان، یوگ، سانکھیہ، پریم بھگتی۔ لوبک وچار، کرم دھرم۔ وید، پُران۔ گیتا شاستر، ویدانت، اپنشد وغیرہ وغیرہ پر کافی روشنی ڈالی جاتی رہی۔ ان خیالات کا ملک میں کافی رواج بڑھا اور سادھو رسالہ چند ہی دنوں میں مقبول عام ہو کر ہزاروں کی تعداد میں چھپ کر نیک خیالات کے پھیلانے میں مددگار ثابت ہوا۔ اسی سلسلہ میں سنت سندیش، سرسوتی بھنڈار، لکشمی بھنڈار، مارتنڈ، تتو درشی، پنجابی سور ما متعدد ضخیم رسالہ جات ماہواری جاری ہوئے

۱۹۱۱ء میں مہرشی جی مہاراج نے امریکہ، جاپان، چین اور ممالک غیر کے سفر کے لئے روانہ ہو گئے جب وہاں سے واپس تشریف لائے تو پھر وگیانی سنت سماگم، سنت دھرم اگ پربت، اودھوت، سمیرو پربت، ویدانت میگزین، رہنما، رام من مگن، اپنشد میگزین، سنت سنگ، سنت سنجوگ وغیرہ متعدد رسالہ جات جاری فرما کر ملک کے طول و عرض میں سنتوں کی تعلیم کے پھیلانے میں لگے رہے۔ اور تقریباً تین ہزار سے زیادہ کتابیں تصنیف و تالیف کر کے روحانی خیالات کا پر ہر طرح سے روشنی ڈالتے رہے ان کی کتابیں اس قدر دلچسپ اور اعلیٰ اخیالات سے بھرپور ہیں کہ پڑھنے والے ان کتابوں کے مطالعہ سے معلومات میں اضافہ، سکون قلب، دلی اطمینان اور شانتی حاصل کرتے رہے، مہرشی جی مہاراج نے موہنیوں اور شاہی سلسلہ کے بچاس اخلاقی ناول لکھ لکھ کر نوجوانوں کو گرنے سے ہمیشہ سنبھالتے رہے اور ان کے اخلاق کو ہمیشہ اونچا کرنے کا یتن کرتے رہے۔ اب بھی ان کتابوں کے پڑھنے کا رواج ملک کے ہر کونے میں موجود ہے؛

مہرشی جی مہاراج نے تعلیم ہی کے زمانے سے روحانی خیالات کی جانچ پڑتال اور سوچ وچار میں زیادہ وقت دیا کرتے تھے اور اسی زمانے میں حضور معلی مقدس پرم سنت رائے سالگرام صاحب بہادر سے روحانی تعلیم کا فیض بھی حاصل کر لیا تھا۔ ان کی طبیعت بالکل تنہائی پسند واقع ہوئی تھی، خلوت نشینی، خلوت گزینی اور خلوت پسندی ان کی فطرت میں داخل تھی۔ بچپن ہی سے کتابوں کے کیڑے تھے مہرشی جی مہاراج جس وقت پرم سنت حضور صاحب معلیٰ و مقدس رائے سالگرام صاحب بہادر رادھا سوامی دیال کے چرنوں میں درشنوں کے لئے تشریف لے گئے، حضور معلیٰ و مقدس نے انہیں دیکھتے ہی اپنے قدموں کے پاس بیٹھنے کی جگہ دی اور لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص بڑا ہی کلاسیکل رائیٹر ہو گا اور سنت مت کی گوہر تعلیم کو اُپنے لٹریچر کے ذریعے خوب پھیلائے گا۔ اور سنت مت کے لٹریچر کو جو آج بکھرا ہوا ہے اسے اکٹھا کر کے مکمل پورا کر دے گا۔ یہ روحانی تعلیم میں اس قدر آسانیاں پیدا ہو جائیں گی جس کے اختیار کرنے میں کسی کو مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے گا۔ اور یہ

شخص چاہے وہ کسی قوم و ملت کا ہو روحانیت سے فیضیاب ہوگا روحانیت کے مشکل سے مشکل رشتے اور گوڑ سے گوڑ تتو توڑ پھوڑ کے ذریعہ آسان سے آسان ہو جائے گا۔ اور ان کے قبول کرنے میں کسی کو کسی قسم کی دشواری نہ ہوگی، یہ حضور معلی مقدس کی پیشگوئی تھی جو نقطہ بہ نقطہ پوری ہو کر رہی۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں مہرشی جی مہاراج حیدرآباد دکن تشریف لائے روحانی ست سنگ کا سلسلہ قائم کیا، ریاست کے متعدد اضلاع میں ست سنگ کی بنیاد ڈالی ان کی تعلیم سے لاکھوں کو روحانی فیض حاصل ہو کر سکون اور شانتی کی زندگی نصیب ہوئی اس وقت بھی متعدد مقامات پر برابر ست سنگ ہوا کرتا ہے کیونکہ مہرشی جی مہاراج نے سنہ ۱۹۱۸ء سے لے کر سنہ ۱۹۳۸ء بیس سال لگاتار دکن میں سال کے چھ مہینہ برابر ست سنگ کراتے رہے اور سرت شبد یوگ کی تعلیم کے ذریعے عوام میں روحانی زندگی بسر کرنے کی برابر تعلیم و تلقین فرماتے رہے اور لاکھوں جیووں نے ان کی پاکیزہ تعلیم سے مستفید ہو کر اپنے جیون کو سپھل کر لیا ہے اور اب بھی لاتعداد عوام ان کے روحانی خیالات کے بفضلہ سے روحانی سکون اور قرار حاصل کرتے ہیں۔

سنہ ۱۹۲۱ء میں مہرشی جی مہاراج نے لاہور چھوڑا اور بنارس میں آکر اپنے وطن قانونگو ٹولہ کے متصل رادھا سوامی دھام کا ست سنگ قائم کیا، جہاں پر قیام فرما کر مہرشی جی مہاراج سال کے چھ آٹھ مہینہ کال کرم سے ستائے ہوئے جیووں کو روحانی تعلیم کی برکت عطا کر کے ان کی زندگیوں کو سکون شانتی اور قرار کا جیون پروان کرتے رہے، ملک کے ہر کونے سے روحانی فیض حاصل کرنے کے غرض سینکڑوں جیو برابر آتے جاتے رہے اور روحانی تعلیم سے استفادہ حاصل کر کے اپنا جیون کرنی کے درجہ سے گزارتے ہوئے رہنی کا عملی جیون بناتے رہے، مہرشی جی مہاراج کی یہ خوبی تھی کہ وہ ہر شخص کی تشفی اسی کے خیالات کے مطابق کر دیا کرتے تھے، اس لئے مہرشی جی مہاراج کے پاس ہر طبقہ خیال کے لوگ آکر روحانی سکون حاصل کرتے رہتے تھے، چاہے وہ ویدانتی ہوں یا سانکھی، گرہستی ہوں یا واکتی، آریہ سماجی ہوں یا سناتنی، ساتک ہوں یا ویراگی، صوفی ہوں یا شریعتی، کبیر پنتھی ہوں یا دادو پنتھی، نانک پنتھی ہوں یا ست نامی، شنکر آچاریہ ہوں یا رامانجی، ہر طبقہ خیالات کے ادھیکاریوں کو انہیں کے خیالات کے ذریعہ تشفی کا سامان فراہم کر دیا کرتے تھے، کبھی کو زبردستی رادھا سوامی مت میں انہوں نے کبھی شریک نہیں کیا۔ لوگوں کا جب بہت اصرار بڑھ جاتا۔ تب انہیں خوب اچھی طرح سے ست سنگ کرا کر تو کہیں تسلی پا کر تب رادھا سوامی مت کی تعلیم تلقین فرماتے تھے۔ ان کا حکم تھا کہ جہاں کہیں بھی کسی مت کا ست سنگ میسر آجائے تو استفادہ ضرور کرتے رہو۔ رادھا سوامی دھام میں دن رات چار پانچ مرتبہ روزانہ ست سنگ ہوا کرتا تھا، مہرشی جی مہاراج روپیہ پیسہ کو کبھی ہاتھ نہیں لگاتے تھے، ان کے پاس بھینٹ چڑھاوا کا دستور نہیں تھا، البتہ جو کوئی پریم سے پھل پھول لاتا تھا اس کو ست سنگیوں کے درمیان تقسیم کر دیا کرتے تھے، مہرشی جی مہاراج نے اپنی ساری زندگی صبح سے رات تک مشغولیت میں گزارتے رہے وہ کبھی خود بیکار نہیں رہتے تھے اور نہ کسی کو کبھی بیکار رہنے دیا کرتے تھے، ان کی زندگی بالکل سیدھی سادی اور آزادانہ تھی۔ بناوٹ ان کو کبھی نہیں تھا۔ ان کی ساری زندگی کا گزر حق حلال کی روزی پر رہا، رات دن محنت مشقت میں برابر لگے رہتے تھے خود کماتے تھے اور سینکڑوں کو کھلاتے تھے، خود نہیں پہنتے تھے بلکہ دوسروں کو پہنایا کرتے تھے، خود تکلیف میں رہ کر دوسروں کو آرام پہنچایا کرتے تھے، خود گمنام رہ کر دوسروں کو نام دیا کرتے تھے، ان کی غذا بہت ہی کم لطیف ایک یا دو پھلکے تھی۔ انہوں نے تین ہزار سے زائد کتابیں تصنیف کی ہیں جو نثر اور نظم میں ہیں۔ ان کی تحریر قلم برداشتہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ جب لکھ جاتے تھے پھر اس کو دوبارہ الٹ کر نہیں دیکھتے تھے، لکھتے وقت سوائے قلم دوات اور کاغذ کے اور کوئی شے ان کے پاس نہیں رہتی تھی البتہ ان کے گرو مہاراج رائے سالگرام صاحب بہادر کی تصویر وہ برابر اپنے ساتھ رکھتے تھے، ان کے کلام میں خاص قسم کا جادو تھا جو سنتا تھا گرویدہ ہو جاتا تھا اور جیتے جی ان کے مقناطیسی اثر کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا تھا۔

(باقی پھر)

سنتوں کی مہما

مہاتما گنیش داس جی پورن

ہیں شیراں دے جگ نے وکھ ہونا گائیں مجھیں دے وگ اکٹھا وندے نی
رہندا کوئی کوئی ہنس سروواراں تے بگلے بہت جو مچھلیاں کھاوندے نی

ہیرے لالاں دے ڈھیر نہ جاگ اندر کھگے کوڈیاں بہت بہوں آوندے نی
ورلے جگت تے بھگت تے سنت دسدے بہوں سائیں دیبال جولاوندے نی

کاغذ ہتھ نے کراں سمند شاہی سارے اکھ ہوون ڈھیر کانیاں دا
کہدے پاس توفیق ہے لولنے دی لولے بول کجھ بندے سجانیاں دا

لکھے کل مخلوق جیکر جگ چارے آوے انت نہ سنتاں گیانیاں دا
ایہہ ناں اویں ہے جویں سی ٹڈی گیری لبی انت سمند دے پانیاں دا

مہماں سنتاں دی کہن وچ آوندی ناں مہماں اپنی آپ ہی جاندے نے
وید شاستراں نال رکھن پیار اتنا جیون روپ آدھارا ایہہ جاندے نے

رہی پریم وچ نت مگن رہندے امرت نام نوں مکھوں بکھاندے نے
لبھے تن کے مکت ایہہ نہیں ہوئے ایہہ دھروں ہی واسی زبان دے نے

ساڈے بناں دی کھچ دنیاں آئے دھارن کر شریر سنسار اندر
بھگتی گیان ویراگ دی مورتی سنت کل وانگ الپت بنے سنسار اندر

انہاں دیہہ ایہمان نہ کدی پھڑیا بھاویں رہندے نے آپ سنسار اندر
کئی پاپیاں نوں سدھے راہ لایا سہن کردیاں کشٹ سنسار اندر

سنت گیان دے بھنڈار ہوندے کام کرودھوں جڑوں مٹاون والے
برہم روپ ایہہ آپ نوں جاندے نے سدا کرن گیان اپکار والے

دیا شانتی دے دہندے مورت ایہہ نے درشن نال ہی ٹھنڈ لوں پان والے
صدقے انہاں دے ساتوں وی رنگ لگے رہی رنگ وچ رہن رنگان والے

بھگتی گیان دے ونڈدے دیا ایہہ نے جہڑا لائے ٹبی پاون ہو جاوندا اے
ویاس وششٹھ تے شنکر دی مورتی تے جہڑا چرن چھوئے امر ہو جاوندا اے

بھریا انہاں دے اندر ہی گیان اتنا جہدا وار تے پار نہ آوندا اے
جتھے امرت دے گیان دی ندھی سواتی جہڑا اترن آ دسے مکتی پاوندا اے

شوبھا سنتاں دی نویں اویں نویں نت نت رہسی قائم رہی قائم جہان جد تک
جوت سنتاں دی سدا ہی جاگدی اے آکھن رہن گے زمیں آسمان جد تک

سورج وانگ پرکاشدی نت رہسی سورج چن تارے رہسی نشان جد تک
سنت نال بھگوان دے اک رہندے سنت جیوندے جیوندا بھگوان جد تک

سنت جہڑی بھی بھومی تے چرن رکھن مٹھاں اسے دے بھاگ نے جاگ پیندے
جنم جنم دی اودیا دور ہووے سنتے شیر نے وچن نال جاگ پیندے

گھٹی گیان دی لے کے جاونا نے پن چبھلے نے جنہاں دے جاگ پیندے
چرن کی نے امرت دی کھان سچ پچ مرن دہرمی کل امرت ہو جاگ پیندے

گوردو دیو قربان میں چرن تیرے دھو دھو کے نت ہی پیندا رہاں؛
تیرے سیوکاں دا بنیا رہاں چاکر چرن چم کے انہاں دے جیوندا رہاں!

امرت سن اپدیش نے کما آسوں دل نال تیرے نت سیوندا رہاں
دھوڑی چرناں دی مستک تے لا اپنے خوشی نام دی وچ ترپیندا رہاں

سنت انک کے لئے ← از قلم :- حکیم رلیا داس مُظفر گنج پورہ

سنت پلٹوداس جی کے اپدیش

بیراگن

بیراگن بھُولی آپ میں جل میں کھوجے رام
جل میں کھوجے رام جائے کے تیرتھ چھانے
کھوجے چاروں کوٹ ناہیں سدھ اپنی جانے
پشپ مدھ جوں باس کاٹھ میں آگ چھُپانی
کھوجے بنا نہ ملے۔ رہے دھرتی میں پانی
دودھ ماہیں جیوں گھی رہے۔ چھپی مہندی میں لالی
سب میں پورن برہم کہیں نہیں تل بھر خالی
پلٹو ست سنگت رمو کرلو اپنا کام
بیراگن بھُولی آپ میں جل میں کھوجے رام

ارتھات

جو شخص باہر دیکھنے کا عادی ہے ابھی تک جس کی چشم باطن نہیں کھلی۔ اُسے اپنے اندر کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ اُس کے لئے جو کچھ ہے باہر ہے وہ اپنا مقصد، اپنا معبود بھی اپنے سے جُدا اور باہر جانتا ہوا اس کو باہر ہی تلاش کرتا ہے۔ چونکہ تلاش غلط طریقہ سے کی جاتی ہے۔ اس لئے ایسا شخص اپنا مقصد اور مدعا حاصل نہیں کر پاتا اور ناکام زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ حالانکہ چاہیے تو یہ تھا۔ کہ صحیح راستہ اختیار کرتے ہوئے اس کو جس کی تلاش ہے۔ اپنے اندر تلاش کیا جاتا۔ چنانچہ ایسے شخص کے لئے سنت پلٹوداس جی ایک بیراگن (دنیا سے بیزار بدھی) سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔ کہ اے بیراگن توں بھول رہی ہے غلط راہ پر چل رہی ہے۔ اپنے آپ کو بھُول کر اپنے اشٹ دیو (رام) کو جل یعنی تیرتھوں میں تلاش کر رہی ہے۔ لیکن اس طریقہ تلاش میں تو کامیاب نہ ہو سکے گی۔ بات ٹھیک ہے جس نے بھی پایا اپنے اندر پایا۔ اگر واقعی انسان کو تیرتھ یاترا کرنے سے ہی مدعا زندگی حاصل ہو جاتا۔ یعنی اُسے صرف تیرتھوں کا بھرمن کرنے سے ہی آتم ساکشات کار ہو جاتا۔ تو اب تک لاتعداد انسان پورے آتم گیانی بن گئے ہوتے۔ کیونکہ ایک جگیاسو یا متلاشی حق جس بھی تیرتھ پر اس وچار کے ساتھ جاتا ہے کہ وہاں جا کر اُسے آتم گیان حاصل ہوگا۔ اس بات کو بھول جاتا ہے۔ اب تک لاتعداد انسان جا چکے ہیں اور سینکڑوں یا ہزاروں انسان وہاں مستقل رہائش رکھتے ہیں۔ اگر واقعی اس بات میں صداقت ہوتی۔ کہ کسی خاص مقام پر جانے سے آتم گیان یا علم خود آگاہی حاصل ہو جاتا ہے۔ تو یہ لاتعداد یاتری اور وہاں کے مکین سب کے سب آتم گیانی ہوتے۔ لیکن ایسا ہے نہیں۔ جو یاتری جس صورت میں جاتے ہیں۔ اسی طرح واپس ہوتے ہیں جو شخص وہاں مقیم ہیں۔ ان کی اندرونی حالت بھی وہی ہے۔ جو عام لوگوں کی اور یاتریوں کی ہے۔ وجہ یہ۔ کہ تلاش غلط ہے۔ اشنان تو کرنا تھا۔ آتم تیرتھ کا۔ اور کرنے لگے باہر کے تیرتھ کا۔ اپنے آتم تیرتھ کی پوترتا اور مہانتا کو بھولنا ہی اپنی بھول ہے۔ جو شخص اپنے آتم تیرتھ سے بے مکھ ہو کر باہر کے تیرتھوں پر یہ وشواس رکھتا ہے کہ صرف وہاں اشنان کرنے سے ہی مجھے آتم درشن ہو جائیں گے۔ وہ اپنے آپ کو دھوکے میں رکھتا ہے اور اپنے مقصد میں ناکامیاب ہو جاتا ہے۔ درحقیقت شاستروں میں تیرتھوں کی جو مہما بیان کی گئی ہے

اس کا مقصد یہ ہے کہ ایک انسان اپنے دُنیاداری کے ماحول سے آزاد ہو کر وہاں سنت جنوں اور گیانی پرُشوں کا ست سنگ کرے اُن سے اپنے اندر کے تیرتھوں کا راستہ معلوم کر کے اُس میں اشنان کرے۔ لیکن یہ بات کسی خوش نصیب کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ اور خاص خاص انسان ہی اس بات کی حقیقت کو جانتے ہیں۔ کہ تیرتھ یاترا بھی ایک قسم کا راستہ ہے۔ منزل مقصود نہیں۔

---

(۱)

(براگنی) پانی میں اور تمام تیرتھوں میں بھگوان کی تلاش کرتی ہے کسی بھی ایک تیرتھ پر اپنا مقصد (آتم گیان) حاصل ہوتا نہ دیکھ کر دوسرے تیرتھ پر جاتی ہے۔ وہاں سے بھی محروم ہو کر تیسرے تیرتھ پر جاتی ہے۔ غرضیکہ اسی طرح ایک تیرتھ پر پہنچ کر تو راحت قلبی حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن اپنے آپ کی خبر نہیں رکھتی اور یہ نہیں سوچتی کہ تیرتھوں کا تیرتھ (مہا تیرتھ) تو اپنے اندر موجود ہے۔ میرا اس کی تلاش میں بھٹکتے رہنا صرف بھٹکنا ہی ہے اور جب تک اس اصلی آتم تیرتھ میں غوطہ نہیں لگائیگی۔ اُس وقت تک اندر کی تلاش آنند کی بے قراری اور جُدائی ختم نہ ہو گی۔ لیکن جونہی اُسے اس بات پر پختہ یقین آجائے گا۔ کہ سوائے آتم۔ گنگا کے اور کوئی تیرتھ حقیقی تیرتھ نہیں ہے۔ باقی کے جتنے بھی تیرتھ ہیں۔ سب کے سب آتم تیرتھ کے عکس ہیں تو فوراً ہی اُس کی جُدائی۔ اُس کی بے قراری اور تلاش ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیگی اور اپنے آپ میں ہی وہ آنند پراپت کرے گی کہ جس کی اُسے جنم جنمانتر سے خواہش تھی۔ اور جنم جنمانتر سے جس کی تلاش تھی۔ براگنی پُوچھتی ہے۔ کہ وہ اگر اپنے اندر ہے۔ تو نظر کیوں نہیں آتا؟ بھلا کہیں یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ ہو اور نظر نہ آئے؟ تو جواب میں چند مثالیں دے کر کہتے ہیں۔ کہ اے۔ براگنی۔

---

(۲)

کہ جس طرح پھول میں خوشبو چھپی ہوئی ہے اور لکڑی میں آگ (اسی طرح بھگوان بھی تیرے اندر موجود ہے) اور بغیر (کنواں) کھودے پانی نہیں نکلتا۔ حالانکہ وہ دھرتی میں موجود ہے ....

پھول میں خوشبو ہے۔ پھول نظر آتا ہے۔ مگر خوشبو نہیں۔ خوشبو کا صرف احساس ہوتا ہے۔ انوبھو ہوتا ہے۔ نظر نہیں آسکتی۔ بھگوان ہیں۔ دیکھنے والے اپنے اپنے عقیدہ اور شردھا کے مطابق، ان مادی آنکھوں سے بھی دیکھ پاتے ہیں۔ مگر وہ جو بھگوان کو باہر نہیں۔ بلکہ اپنے اندر تلاش کرتے ہیں۔ دیکھتے نہیں۔ اُن کو بھگوان کا انوبھو ہوتا ہے اُن کے خیال کے مطابق بھگوان وُہ نہیں جو درشٹی میں سما سکے۔ بلکہ وُہ ہیں جس سے درشٹی طاقت حاصل کرتی ہے۔

لکڑی کے اندر آگ موجود ہے یہ حقیقت ہے مگر نظر نہیں آتی نظر جب آئے گی۔ جب پرشارتھ سے دو لکڑیوں کو آپس میں رگڑا جائے گا۔ دھرتی میں پانی موجود ہے مگر نظر نہیں آتا۔ نظر آئے گا۔ لیکن جب تدبیر اور کوشش سے کنواں کھودا جائے گا۔ ان مثالوں کے ذریعے سنت پلٹو داس جی براگنی کو سمجھاتے ہیں۔ کہ اے براگنی۔ اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ بھگوان باہر ہے اور خواہ مخواہ اس کی بیرونی تلاش میں اپنی زندگی برباد نہ کر۔ وُہ تو تیرے اپنے اندر موجود ہے۔ اُسے دیکھنے کی اچھا ہے۔ تو پرشارتھ کر۔ یعنی سنتوں کا ست سنگ کر۔ دنیا کے بدلتے ہوئے واقعات پر نظر رکھ۔ دنیا کی کسی بھی حالت کا اعتبار نہ کر۔ سوائے اس اپنے اندر رہنے والے بھگوان کے باقی تمام کو ناشوان سمجھ۔ سنتوں کی سنگت سے جو اُپدیش ملے۔ اس پر دل و جان سے عمل کر۔ ایسے اُپدیش کوئی معنے نہیں رکھتا کہ جس کا تعلق صرف کانوں تک ہو۔ اُپدیش سُننے کا مقصد۔ اُپدیش پر عمل کرنا ہے۔ کنواں۔ کنواں کہنے سے جل نہیں مل جاتا۔ جل کی اچھیا ہے تو پرشارتھ سے کنواں کھودو۔ جل خود بخود درشن دے گا .... یہ مثالیں دینے کے بعد سنت پلٹو داس جی۔ براگنی کو دو اور مثالیں دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ اے براگنی

---

(۳)

جس طرح دودھ میں گھی چھپا ہوا ہے اور مہندی کے پتوں میں لالی۔ اس طرح یہ جو کچھ بھی ہے۔ سب میں وُہ پورن برہم چھپا ہے۔ اُس کے بغیر ایک تل کے برابر بھی جگہ خالی نہیں........ واقعی دودھ میں گھی ہے۔ کہیں نظر نہیں آتا۔ دودھ گھی کے لئے پردہ بن رہا ہے۔ لیکن جسے گھی کی ضرورت ہے۔ وہ دودھ کو جما کر

بلو کر گھی نکال ہی لے گا۔ مہندی میں لالی ہے۔ لیکن پتوں کا سبز رنگ پردہ بن رہا ہے جیسے مہندی سے رنگ حاصل کرنا ہے۔ وہ پتوں کو رگڑ کر سبزی کی بجائے لالی حاصل کر لے گا۔ یہ سب کچھ برہم ہے مگر جگت پردہ بن رہا ہے۔ جس کو برہم درشن کی اچھیا ہے۔ وہ جگت روپی پردہ کو دور کر کے برہم درشن کر لے گا۔ حقیقت میں یہ پردہ بھی ایک خیالی پردہ ہے یعنی عین برہم کو جگت کا نام دے کر خود ہی پردہ پیدا کر لیا ہے۔ جس طرح کہ ایک ایسے شخص کے لئے جو صرف زیور کا نام جانتا ہے۔ سونے کا نہیں۔ زیور ہی سنیہ ہے (حالانکہ زیور آسینہ ہے۔ وہ تبدیل ہو سکتا ہے) اسی طرح ہر اُس شخص کے لئے جو اس حقیقت تک رسائی نہیں کر پایا۔ کہ یہ سب برہم ہی ہے یہ جگت پردہ ہو رہا ہے لیکن حقیقت تک رسائی حاصل کرنے والے یعنی اپنی شخصی اور جزوی خودی سے بلند ہونے والے مہاتماؤں کے لئے کوئی پردہ نہیں ہے۔ اُن کی نظر میں یہ جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے سب برہم درشن ہے۔ وہ برہم ہی اپنی انیک لیلائیں کرتا ہوا ہر لحظہ اپنا نیا جلوہ دکھا رہا ہے۔ ایک دانشمند انسان جانتا ہے۔ کہ جس طرح ایک مصور کے دماغ کے اندر سے بے شمار خوشرنگ اور خوبصورت تصویریں نکلتی ہیں۔ اسی طرح اُس ایک برہم سے یہ لاتعداد تصویروں اور لاتعداد رنگوں کا مجموعہ جگت پرگٹ ہو رہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اُس کا اظہار کر رہا ہے گویا اگر یہ جگت نہ ہوتا تو وہ کچھ نہ ہوتا۔ کہ جس کا نہ بیان ہو سکتا ہے اور نہ ہی جس تک عقل کی رسائی ہے۔

یہ وہ مقام ہے کہ جہاں دورانِ پرواز ہی عقل کے پر جل جاتے ہیں اور وہ مسکرا کر پھر دماغ کی کوٹھڑی میں بند ہو جاتی ہے۔ چنانچہ سنت پلٹو داس جی فرماتے ہیں کہ اُس کے بغیر ایک تل بھر جگہ نہیں۔ یہاں تل بھر جگہ بھی کچھ تو جگہ رکھتی ہے خواہ تل کے برابر ہی سہی۔ یا تل سے کم ہی۔ لیکن جب پہلے ہی واضح طور پر اس حقیقت پر زور دیا گیا ہے کہ سب برہم ہے تو پھر یہ تل بھر کی مثال عام لوگوں کے لئے ہی موزوں ہو سکتی ہے۔ ورنہ اہلِ باطن اور نقطہ شناس انسانوں کے لئے تو وہی "سب برہم ہے" کافی ہے۔ جس نے اس الف کی حقیقت کو پا لیا۔ اُسے ی تک جاننے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ بقول ؎

اک الف پڑھو چھٹکارا ہے

اس الفوں دو بنی چار ہوئے ۔ پھر لکھ کروڑ ہزار ہوئے
پھر ایتھوں بے شمار ہوئے ۔ پر الف دا نقطہ نیارا ہے
اک الف پڑھو چھٹکارا ہے

بالآخر۔ سنت پلٹو داس جی براگی کو مذکورہ مثالیں دے کر فرماتے ہیں۔ کہ اے براگی رام۔ تمہیں۔ آتم تیرتھ تک پہنچنے کا راستہ بتاؤں۔ یعنی

---

(۴)

ست سنگ میں رمن کر۔ اور اپنا کام۔ زندگی کا اصلی کام یہی ہے کہ انسان آتم تیرتھ کا اشنان کرے۔ یعنی آتم ساکشات کار یا خود آگاہی کے درجہ تک رسائی پائے۔ انسانی جسم لذات کے لئے نہیں۔ بلکہ نجات کے لئے ہے۔ نفسانی لذات کا انجام دُکھ، تکلیف اور پریشانی ہے۔ پس جو شخص دُکھ، تکلیف اور پشیمانی کا خواہش مند ہے تب اپنی نجات کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ وہ بھلے ہی ان میں پھنسا رہے اُسے کون روک سکتا ہے۔ لیکن اس بات پر بھی ضرور دھیان رہے کہ ؎

کردہ خویش۔ آمدہ پیش
خود کردہ را علاج نیست

جو کچھ کرے گا۔ اُس کا پھل ضرور ملے گا۔ اپنا بویا ہوا ہی آگے آئے گا۔ اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑا مار کر زخم سے محفوظ رہنا بالکل ناممکن سی بات ہے۔ یہ منش شریر ملا ہے۔ اس سے شاستر انوسار یعنی شاستر آگیا کے مطابق جیون بسر کرنا ہی منش کا پرم دھرم ہے۔ شاستر انوسار زندگی گذارنے سے انسان کے لوک، پرلوک سُدھر جاتے ہیں۔ مگر من مانی کارروائی کرنے سے نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے والا معاملہ ہو جاتا ہے یعنی دشٹ بھوگوں کی بہتات سے پنج بھوتک شریر یہاں خراب ہو جاتا ہے اور دھرم کے کاموں میں رُچی نہ رہنے کے کارن ضمیر بھی مردہ ہو جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہاں شریرک دُکھ اور پرلوک میں اپنے کرموں کی سزا۔ اس لئے انسان کو لازم ہے کہ اپنے اندر کے تیرتھ میں اشنان کرے۔ جس کے لئے سنت پلٹو داس جی نے یہ ودھی بتلائی ہے کہ ہمیشہ ست سنگ

کرو۔ کسی بھی بڑے آدمی کے ساتھ اک لمحہ بھی نہ گزارو، متواتر ست سنگ کرنے سے ہی انسان کو اپنے روز کی خامیاں معلوم ہوتی ہیں۔ ستیہ اسیتہ کا دچار ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ وہ اپنے آتم تیرتھ کی پوڑیوں سے اُترتا ہوا آتم گنگا جل میں اشنان کرتا ہے یہ اشنان کرنے کے بعد بیراگن باہر کی تلاش ترک کر دیتی ہے جو اپنے آپ کو بھول چکی تھی۔ اپنے آپ کو پاکر آنند مگن ہو جاتی ہے (ادم شم)

پیغامِ عمل

اہلِ ہمت! ہوش باش، اُٹھ خواب سے بیدار ہو!
تا بکے یہ بے حسی اے شیر نر ہشیار ہو!!

ہوگیا وقتِ سحر تاریک شب روپوش ہے
اب کہاں خوابِ گراں بیداریوں کا جوش ہے
بسکہ ذوقِ ارتقا ہر دل میں محشر کوش ہے
ذرہ ذرہ مہرِ عالمتاب سے ہمدوش ہے

حیف ہے منظور تجھ کو اب بھی گرادبار ہو!
اوج سے بیگانگی اور فوقیت سے عار ہو

ہائے! خورشید جہاں کو خوفِ ظلمت کیوں رہے
مبتلائے قعرِ پستی عالی ہمت کیوں رہے
پیکرِ علم و عمل مہجورِ قسمت کیوں رہے
مطلقاً بے حس و حرکت برقِ فطرت کیوں رہے

اپنی اصلیت سے غافل گیان کا بھنڈار ہو
اُف! سراپا ناز بھی غیروں کا منت وار ہو

لذتِ تڑپِ عمل میں قلب پھر سرشار کر
قلزمِ جذبات کو طوفان خیز اک بار کر
زندگی کو اپنے خاکستر میں شعلہ بار کر
پھر سے خفتہ ولولوں کو سینہ میں بیدار کر

قصدِ پیہم ہو تیرا اور منزلِ کردار ہو
رونما جادہ میں تیری جو پئے آزار ہو

ہو فلک پیما تری جولانیٔ فکرِ رسا
اور تخیل مہر و انجم سے کرے کسبِ ضیا
محرمِ اسرارِ فطرت رازِ حق سے آشنا
کشتیٔ تقدیر کا اپنی ہو تو خود ناخدا

ناتھ کل عالم کو تیری ہستی کا اقرار ہو
پا ترا چومے ظفر اقبال خدمت گار ہو

ناتھ شرما

سنت مت اور سرت شبد یوگ

از:- مہاتما نند بھائی جی مہاراج

سنت مت کی ابتداء عملی طور پر پرم سنت کبیر صاحب کی ذات پاک سے ہوئی ہے۔ اس کو دادو صاحب۔ غریب داس جی۔ پلٹو داس تلسی صاحب۔ جگ جیون صاحب۔ نانک صاحب اور دوسرے بے شمار بزرگوں نے اپنی اپنی باری پر جلا دی۔ مگر اصلی تعلیم چھپتے چھپتے اس قدر پوشیدہ ہو گئی۔ کہ مختلف اور متعدد پنتھوں کے پیروکار اس کی جانب سے ناواقف ہو کر بے پرواہ بن گئے۔ اور اس عالمگیر طریق کی اشاعت کا انتظام مفقود ہو گیا۔ حضور معلی و مقدس سوامی جی مہاراج نے رادھا سوامی مت کی شکل میں از سر نو اس کی نہ صرف تجدید کی بلکہ فلسفانہ۔ عالمانہ اور حکیمانہ پیرایہ میں اس کے اصولوں کو واضح تر زبان میں تلقین فرما کر اہل ظرف کو روحانی ترقی کے جانب مائل ہونے کی دعوت دی۔

رشی آئے۔ مست ہو کر اپنی روحانی صدا سنا گئے۔ کسی نے سمجھا۔ اور کسی نے نہیں سمجھا۔ سادھو اور مہاتما پیدا ہوئے اور وحدت کا جام پی کر مخموری کی حالت میں ذات حقیقت کے متعلق نکتوں اور لطیفوں میں گفتگو کی۔ جنہوں نے سنا۔ ممکن ہے ان کو بھی اس لاثانی مستی کا کچھ حصہ مل گیا ہو۔ اور حصہ ملنا امر لازمی بھی ہے۔ مگر انکشاف کا امکان کہاں ہے۔ ستار کو محض سن کر کوئی شخص ستار نواز نہیں ہو سکتا۔ خوشی اور لذت تو ضرور کسی حد تک ملتی ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اصلی لذت تو جب ملے گی۔ ستار بجانے سے ہی ملے گی۔ نکتہ رس۔ لطائف فہم اور سخن سنج آدمیوں کی تعداد کمتر ہوتی ہے۔ عوام خواہش مند ہوتے ہیں کہ بال کی کھال نکال کر اور ہندی کی چندی بنا کر تب انہیں سمجھایا جائے۔ اس کا اہتمام ہر جگہ نہیں ہے اور یہ سبب ہے کہ کتابوں کو پڑھ کر آج تک کوئی شخص سچا حقیقت رس نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ سنتمت کا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے۔ سوال تو کثرت کے طبقے کا ہے۔ اگر کسی ایک دو کو فیض بھی ملا۔ تو اسے اہمیت نہیں دی جا سکتی۔

سنت مت صلح کل کا مشرب ہے۔ اس کا حکم نہیں ہے کہ کسی دین یا دین کے بزرگ کی شان میں گستاخی کا کلمہ زبان یا قلم سے برآمد کیا جائے۔ ہر طریق اپنے جذبات اور دلی تخیلات اور روحانی عقائد کے موافق ایک ذات واجب الوجود کی پرستش کا دم بھرتا ہے۔ اختلاف قدرت کی جان ہے۔ پھر یہاں کسی باخبر آدمی کو دلآزاری کے جرم کے ارتکاب کی ضرورت ہی کیا ہے۔ "اہنسا پرمو دہرما" فقیروں کا مشرب ہے۔ کسی کا دل دکھانا مہاپاپ ہے۔ دلآزاری سے بچ کر رہنا فقیروں کا مذہب ہے۔

رادھا سوامی مت کا تلقین کیا ہوا یوگ (سرت شبد یوگ) نیا نہیں پرانا ہے۔ پہلے بھی لوگ اسے جانتے تھے۔ لیکن جاننے والوں اور عمل کرنے والوں کی تعداد کوئی زیادہ نہیں تھی۔ پرانا یام کے سلسلے میں شغل کرانے کے سبب سے کمتر اد ہکاری اس کی جانب مائل ہوتے تھے۔ شبد یوگ اور سرت شبد یوگ کا پتہ بھگوان پتنجلی کے یوگ سوتر میں گورکھ ناتھ کی بانی میں۔ بودھیوں کے یوگاچاریہ مت کے گرنتھوں میں اپنشدوں کے دلو۔ یان۔ پنتھ میں اس کا پتہ ملتا ہے۔ اپنشدوں میں نادبندو اپنشد خاص کر اس سے مخصوص ہے۔ مسلمان صوفیوں کے درمیان اس عمل کو صوت سرمدی شغل نصیرا اور سلطان الاذکار کہتے ہیں۔ کبیر پنتھ۔ نانک پنتھ دادو پنتھ کی بانیوں میں بکثرت کلام آتے ہیں۔ چونکہ یہ علم سینہ ہے۔ سوائے رادھا سوامی پنتھ کے اب کسی اور جگہ اس کی وضاحت کا سامان نظر نہیں آتا۔ اور نہ کوئی شخص خواہ وہ کسی طریق کا کیوں نہ ہو۔ اس کی صراحت ہی کرتا ہو۔ پہلے چونکہ عمل میں سخت دشواریاں تھیں۔ رفتہ رفتہ یہ سب علم سینہ کے راز کو بھولتے

چلے گئے۔ اور اب بالکل ناواقف ہیں۔ اس وقت ست پُرش راد ہا سوامی دیال نے ازسرنو اس کی تجدید کی اور اصلاح کے ساتھ اُسے اس قدر آسان بنا دیا کہ پانچ سات برس کے بچے تک بھی اُسے آسانی سے کر سکتے ہیں۔ یہ سادھن بہت ہی قدیم ہے جو ایک طرح کا قدرتی فعل ہے . . . . جو دل کے یکسو کرنے میں بہت مددگار ہوتا ہے۔ دل کو یکسو کرکے چت کی ورتیوں کا نرودھ کر دینا ہی یوگ کا اصلی مقصد ہے۔

علم باعمل فائدہ بخش ہے اور بے عمل ناکارہ ہوتا ہے عمل کی مشاقی کرتے رہنے سے دل کی تحت الشعور میں پڑی ہوئی اور دبی ہوئی طاقتوں کو اُبھرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اس لئے سنت مت میں عمل پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے۔ کہ سنت مت علم کا مخالف ہے یا علم کی کمی۔ ست سنگ میں پوری طرح سے شکل کرا دی جاتی ہے اور یہی سبب ہے کہ ہر ابھیاسی کے لئے ست سنگ کرتے رہنے کی تاکید شروع ہی سے لازمی قرار دی گئی ہے جس شخص نے کسی حد تک زبانی علم تو حاصل کر لیا مگر عمل سے خالی ہے تو اُس میں غرور پیدا ہوگا اور رُوحانیت کی چھُوا نہ ہو گی۔ اس وجہ سے زبانی علم بالعوض مفید ہونے کے وہ مضر ثابت ہوگا اور مذہبی تعلیم کے اصلی مقصد کی تکمیل میں ناکامیابی ہوگی سنت مت میں اس لئے علم کو عمل کے ماتحت رکھ کر عمل ہی کو مقدم اور اہم قرار دیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ سینہ کا علم ہے۔ سینہ بہ سینہ ہی ہمیشہ سے چلا آیا ہے اور چلتا آتا ہے۔

یہہ کرنی کا بھید ہے۔ ناہی بدّھی وچار
کتھنی چھانڈ کرنی کرو۔ تب پاو کچھ سار

جس طرح ستار بجا کر سیکھنے سے خود بخود اس کا علم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سادھن کرتے رہنے سے سادھن کا علم آپ ہی آپ ہو جاتا ہے۔ ستار بجانے والے کو مطلق ضرورت نہیں ہے۔ کہ وہ کسی کتاب سے مدد لے۔ بلکہ وہ ستار کو ہاتھ میں لے۔ اُستاد کی طرف رجوع کرے۔ جیسا اُستاد بتائے۔ اُس پر عمل کرے اور مشاقی خود ہی اُسے دفتہ پر ستار نواز بنا دیگی اور وہ استاد ہو جائے گا بلکہ اسی طرح اگر کوئی شخص مذہبی کتابوں کو بالکل ہاتھ بھی نہ لگائے صرف سادھن ہی میں مصروف رہے اور وقتاً فوقتاً ست سنگ کرتا رہے تو وہ عامل ہو کر آپ ہی آپ عالم بھی بن جائے گا۔ یہہ سادھن کی خوبی ہے ہر کام کے لئے موزوں طریقے ہوتے ہیں۔ اُن کی پیروی ہی اُس کام کو آسان بنا دیتی ہے۔ لیکن غلط فہمی پھیلا کر اگر کوئی اُسے مشکل اور سخت کر دے تو پھر اُس کی طرف سے طبیعت اکتا جاتی ہے اور وہ اسے چھوڑ بیٹھتی ہے۔ اس طرح پر آسان سے آسان کام کو محض خیال دلا دلا کر دقیق اور کٹھن بنا دیا جاتا ہے۔ برعکس اس کے اگر ہمت بخش اور حوصلہ افزا خیالات دلائے جائیں اور ساتھ ہی انسانی ہمدردی کا برتاؤ بھی کیا جائے تو مشکل سے مشکل کام کو آسان کر دیا جا سکتا ہے۔ یوگ کے معاملے میں شروع ہی سے ایسی غلطی ہوتی چلی آ رہی ہے۔ حالانکہ یوگ خود ہی ہر مخلوق کا قدرتی فعل ہے۔ ہر شخص بغیر جانے ہوئے اُسے کرتا رہتا ہے۔ سانس جاتی ہے۔ سانس آتی ہے اور سانس ٹھہرتی ہے ان تینوں ہی فعل ثلاثہ کے اندر یوگ کے ریچک، پورک اور کمبھک کے عمل موجود ہیں۔ یوگ اصل میں چت کی ورتی کا نرودھ ہے اور یہہ خود بخود ہوا کرتا ہے اور چت کی ورتی کے نرودھ میں ہی سکھ سکون اور آرام ملتا ہے۔

انسانی زندگی کا اصلی مقصد سکھ ہے۔ سکھ ہم کو کہاں ملتا ہے۔ اس پر کمتر لوگ غور کرتے ہیں۔ ہر شخص کو سکھ اور آرام اُس کے انتر میں ہی نصیب ہوتا ہے۔ وہ صرف چت کی ورتی کا مکمل نرودھ اور دل کی یکسوئی کا نتیجہ ہے۔ چت کی ورتی کے نرودھ میں ہی سکھ اور آرام ہے۔ چت کی ورتی کا مکمل نرودھ صرف انتر میں ہی ہوتا ہے اور یوگ کا مقصد انسان کو انترمکھی ورتی والا بنانے کا ہے۔ جو شخص جس قدر انترمکھی ہوگا۔ وہ اُسی قدر شانتی۔ آرام، سکون۔ قرار اور راحت کا وارث ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر کسی نے انترمکھی ورتی کی اچھی طرح سے کمائی کر لی ہے۔ تو وہ سُوشپتی کے اثرات کو جاگرت اور سپن میں بھی پیدا کر سکتا ہے اور دنیا کے کاروبار کی مصروفیت میں بھی اُسے بے چینی۔ اضطراب اور بے قراری کا خوف نہیں رہتا۔

خارجی عمل انسان کو خارج پسند بناتا ہے۔ باہرمکھی کام

انسان کو باہر مکھی کر دیتا ہے۔ باہر بمقابلہ اندر کے زیادہ تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اور تبدیلیوں کے اثرات ہمیشہ قبول کرتے رہنے سے دل میں شانتی اور قرار نہیں آنے پاتا اور وہ چنچل ہو جاتا ہے۔ چنچل کو سکھ نہیں ملتا۔ اور وہ پریشان رہتا ہے۔ دنیوی مذہبوں کا خارجی عمل اشانتی کا باعث ہوتا ہے۔ تیرتھ، ورت، روزہ، نماز یہ سب باہر مکھی کام ہیں ان سے چت کی ورتی کے نرودھ میں کمتر مدد ملتی ہے۔ انتر مکھی سادھن انتر مکھی ہے اور باہر مکھی باہر مکھی ہے۔ رادھا سوامی مت میں صرف انتر مکھی بنانے کا اہتمام کیا جاتا ہے کیوں کہ چت کی ورتی کے نرودھ کی کامیابی کے لئے خارجی شغل یا باہری کرم غیر ضروری ہیں۔

(۱۰) مالک کل کی سچی پہچان کیا ہے۔ کسی نے مالک کل کو سگن روپ مان رکھا ہے۔ اور کوئی اُسے نرگن بتاتا ہے۔ کوئی اور کچھ کہتا ہے۔ کوئی سچے مالک کو ایشور پرمیشور، برہما اور پرم برہم مانتا ہے کوئی اُسے وارٹ اویاکرت اور ہرنیہ گربھ کہتا ہے ....

جو جس ابشٹ .... کا تصور کرے گا۔ اُس کے اثرات اس میں آئیں گے اور وہی صورت شکل اس میں قائم کر لینگے اور اپاسک میں وہی گُن سماجاویں۔ جو اس کے ابشٹ میں موجود ہیں، داخل ہوں گے۔ کوئی شیو کا اپاسک ہے۔ کوئی وشنو کا اور کوئی شکتی کا۔ کوئی گنیش کا، کوئی برہما کا۔ اشارے کے طور پر ہم نے اس قدر بتا دیا ہے۔ سمجھنے والوں کے لئے اتنا ہی کافی ہے ...

....

(۱۱) مالک سے ملنے کی جُگت کیا ہے۔ یہ سوال بہت ہی اہم اور ضروری ہے۔ تمام مذہبی ارکین وہ مالک رسم و رواج کی تلقین۔ تمام دین اور آئین اس اہم سوال کے جوابات کی مختلف صورتیں ہیں۔ مگر جب مالک ہی کا پتہ نہیں ہے۔ تو پھر اُس سے ملنے کی تدبیر کیا بتائی جائے تاہم پرم گورو نانک صاحب کی بانی ہے :-

جیسے جل میں کنول نرالم۔ مُرغابی نتا سنئے
سُرت شبد بھو ساگر ترئے۔ نانک نام بکھانئے

گورو نانک صاحب صاف لفظوں میں تلقین فرماتے ہیں۔ کہ سُرت شبد یوگ کی کمائی مالک کل کے ملنے کی آسان تدبیر ہے۔ جس کی آسان، سریع الفہم، سریع التاثیر تعلیم رادھا سوامی مت دیتا ہے

(۱۲) مالک کل سے ملنے کے راستے اور منازل کیا ہیں۔ راستے اور منازل انسان کے اپنے گھٹ کے اندر ہیں یہ باہر نہیں ہیں۔ ان کے اصطلاحی نام ہر روحانی گروہ کے یہاں مختلف ہیں۔ ہندوؤں میں بھو بھوا، سوہ، مہہ، جنہ، تپہ اور ستیم بتائے گئے ہیں۔ صوفیوں میں ناسوت ملکوت، جبروت، لاہوت، یاہوت، ہوت، اسوت اور ہوت الفاظ آتے ہیں۔ سنت مت میں ستیسر اتل (بھرو مدھیہ) سہس دل کنول۔ ترکٹی سن، مہاسن، بھنور گپھا، ست لوک، الکھ، اگم، اناجی، اور رادھا سوامی کہے گئے ہیں۔ صوفی اور ہندو شاستر، ست یا ستیم تک ہی رہ گئے۔ آگے کا بھید نہیں دیا۔ مگر سنتوں نے اسے بھی معراج قرار نہیں دیا۔ بلکہ آگے کا بھید بتلا کر دھر پد تک رسائی حاصل کرنے کی تاکید کر دی ہے۔

(۱۳) رادھا سوامی مت میں تین باتوں کو ضروری اور لازمی قرار دیا جاتا ہے۔ ایک گورو۔ دوسرا نام۔ تیسرا ست سنگ اور یہی تین چیزیں وسیلہ ادھار یعنی نجات کے ہیں۔ گورو، نام اور ست سنگ ہی مذہب فقرا کے تین تثلیثی ارکان ہیں۔ جہاں روحانیت کی تلقین کا سلسلہ جاری ہوگا۔ وہاں پر یہ تینوں شرطیں موجود ہونگی۔ اور ان کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔

(۱۴) گورو وہ ہے۔ جو اندھکار میں پرکاش کی صورت پیدا کر دے۔ یہ جگت اندھکار ہے۔ گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ جیو اس میں بے بس رہتے ہیں یا ٹٹول ٹٹول کر چلتے ہیں۔ دونوں حالتیں دکھدائی ہیں۔ بے بسی عذاب جان ہے۔ ٹٹول ٹٹول کر چلنا مصیبت ہے اس کے سوا یہ بھی تو نہیں معلوم ہوتا۔ کہ ہم کدھر کو جا رہے ہیں۔ ممکن ہے راہ میں کنواں ہو اور ہم اُس کے اندر منہ کے بل گر پڑیں اور اگر ایسا نہ بھی ہوا تو اگیان، خود ہی سخت تکلیف کی حالت ہے۔

ہم میں سے بہت کم آدمی ایسے ہیں جو قدرت اور خلقت کے راز کو جانتے ہیں۔ یہ کیا ہے اس کی علت نمائی کیا ہے۔ کیوں یہ رچنا رچی گئی ہے اور ہم آیا اس کے گورکھ دھندے میں پھنسے رہنے میں بھلائی ہے، یا اس سے نجات پانے میں بہتری ہے ہم خود کیا ہیں۔ ہمارا اس رچنا کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ ان سوالوں کا اطمینان بخش جواب سوائے سچے گورو کے اور کوئی دے نہیں سکتا اور اگر دوسری صورت میں جواب ملتا بھی ہے تو وہ تسلی دینے والا ثابت نہیں ہوگا۔

اگر کوئی شخص کسی مذہبی کتاب کو پیش کرتے ہوئے ان سوالوں کے جواب کا ذریعہ بتاتا ہے۔ تو کتابیں بطور خود جڑ اور بے جان چیز ہیں۔ ان کے ساتھ کو رغبت ہو۔ مگر اصلی اور سچی ہمدردی پیدا نہیں ہو سکتی ہے اور وہ بھی بطور خود کسی زندہ وجود کے شرح کے محتاج ہیں۔ اس وجہ سے انسانی دل جس کو ذرا بھی روحانی نشو و نما کا درجہ حاصل ہو چکا ہے۔ ان کی طرف سے اطمینان کلی نہیں پا سکتا۔ سچا اطمینان تو وہی ہے جو ہماری طرح شکل و صورت والا ہو۔ اور ہماری طرح جذبات اور خیالات رکھتا ہے۔ اگر اس کے ساتھ ہم کو انس اور ہمدردی ہے۔ تو اس کی ایک ایک بات با آسانی ہمارے ذہن میں اترتی جائیگی اور ہماری حالت جلد سے جلد تبدیل ہو جائے گی۔

بنسا دلی یا خاندانی گوروؤں کی دنیا میں کمی نہیں ہے لیکن ان کا بیوہار۔ عملی زندگیاں اور دنیا پرستی یا دین پرستی کی خود غرضانہ کاروائیاں ہم کو قدم قدم پر چوکنا اور محتاط بناتی رہتی ہے۔ ہم ہزار کوشش کریں۔ مگر دل کو کیا کریں۔ یہ تو اپنی جیسی کرتا ہی رہے گا۔ ہم ہزار اس کی زبان کو خاموش کریں۔ مگر یہ ماننے والا کب ہے۔ آج ممکن ہے یہ کسی طرح دبا دیا جائے۔ کل پھر ابھر کھڑا ہو گا اور ہزاروں ہی قسم کے اعتراض اور تردیدی مسائل پیش کرنے سے باز نہ آئے گا اس وجہ سے سخت ضرورت ہے کہ کوئی ایسا انسان ہم کو مل جائے جس میں انسانی کمال کے ساتھ روحانیت کا جلال و جمال بھی شامل ہو اور وہ بے غرض ہو۔ اس کی زندگی بغیر کہے سنے مشعل طریقت بن کر تاریکی کو دور اور روشنی کو قریب کرتی چلے۔ تب ہی جا کر یقین کے جذبے کو حرکت ملے گی۔ ایسے کامل شخص کو ہی گورو کہا جاتا ہے۔ اور اس کے روپ کا درشن پانا ضروری ہے۔

(۱۵) سچا گورو جب ملے گا۔ سچا نام دے گا۔ نام بطور خود کیا ہے یہ روحانیت کا عطر ہے۔ کتابوں میں ہزاروں ہی نام ہیں۔ آدمی کس کس کو دل دے۔ یہ خود بھرم کی حالتیں پیدا کرینگے۔ کیونکہ یہ زیادہ تر صفاتی ہیں۔ ذاتی نہیں ہیں۔ صفاتی نام صفت کے قید و بند میں جکڑے رہتے ہیں۔ صفت میں محدودیت ہے اور وہ با کمال نہیں ہے محدودیت نقص ہے اور نقص مقیدیت پیدا کرنے والی ہوتی ہے

یہ سبب ہے کہ کوئی کتابی نام مغفرت کا سامان پیدا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جب وہ سنا جائے گا۔ ایک ہی قسم کے تصور کے جذبے کو پیدا کرے گا گورو جو نام بخشیں گے۔ وہ صفاتی نہیں۔ بلکہ ذاتی ہوگا اور کمائی کئے جانے کے سبب سے اس کے اندر کمالات کی ساری خوبیاں موجود ہوں گی۔ بات سب ہی کہتے ہیں۔ مگر عامل کی بات دل کو لگتی ہے عالم کی بات اس کان سے سنی اور اس کان سے نکل گئی۔ یہ اثر سے خالی رہی۔ یہ ہم ہر جگہ دیکھتے ہیں۔ عقلا اور جہلا اکثر ایک ہی قسم کی گفتگو کرتے ہیں۔ ایک میں تو اکثر اثر رہتا ہے اور دوسرے میں اثر نہیں ہوتا۔ گورو کے نام میں ان کی کمائی شامل رہتی ہے۔ اس لئے جو ذاتی نام گورو سے ملتا ہے وہ خاص قسم کی کیمیائی تاثیر اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کی برکت اور اثر خاص قسم کے ہوتے ہیں۔

نام اور نامی کے بھید کا علم

یہ ضروری اور لازمی چیز ہے۔ جب نام مل گیا۔ تو نامی کی تلاش بھی مقدم ہے مگر یہاں ایک بات لازمی ہے جس کا ذہن نشین کرا دینا بہت ہی ضروری ہے۔ فرض کرو۔ علم حساب ہے۔ جو شخص حساب جانتا ہے اور حساب پر قادر ہے۔ تم اسے حسابی کہو گے۔ یا نہیں، حساب جاننے والا ہمیشہ ہی حسابی کہلائے گا۔ اسی طرح نام کا جاننے والا یا نام کا رکھنے والا ہی نامی کہلائے گا۔ بات موٹی ہے اور باریک بھی ہے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ ان کے لئے تو معمولی ہے اور جن کو سمجھ نہیں ہے۔ ان کے لئے غیر معمولی ہے۔ نام گورو میں ہے اور نام گورو کا ہے۔ اس لئے گورو کی ذات کو نامی ماننے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ لیکن تلاش اور جستجو کی حد کا ابھی تک خاتمہ نہیں ہو گیا۔ اگر نام مل گیا اور نامی کی ظاہری صورت نظر بھی آ گئی تو اسی پر اکتفا کرنا اور قناعت کر کے بیٹھ رہنا اچھا نہیں ہے نامی کے روپ کی تلاش اپنے اندر کرنا چاہیئے یہ روحانیت کے نام کا دوسرا زینہ ہے۔ پانی کے اندر چاند کی صورت دکھا کر کسی نے ہمیں بتا دیا کہ یہ چاند ہے اور وہ حقیقت میں چاند ہے۔ اس کا چاند ہونے میں کوئی شک نہیں ہے لیکن وہ آخر آبی اور زمینی چاند ہے اس کو دیکھ کر نگاہ کو اونچی کر کے آکاش اور آسمانی چاند کے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ جب تک وہ نہ دیکھ لیا جائے گا۔ اصلی تشفی نہ ہوگی

کیونکہ پانی کے اندر جو چاند ہے وہ عکسی ہے اور ایسے چاند بہ کثرت نظر آسکتے ہیں۔ اور ان کا نظارہ پھر بھی بھرم کا پیدا کرنے والا ہو سکتا ہے۔ اس وجہ سے نظر کو آسمان پسند فلک سیر اور فلک رُخ بنا کر اُوپر کی طرف بھی دیکھنے کی ضرورت ہے اور جس وقت وہ نظر آ جائے گا۔ خود بخود یقین ہو جائے گا۔ کہ چاند اصل میں ایک ہے۔ پانی میں موقع اور محل کے نشیب و فراز اور قرب و بعد کی وجہ سے بہت سے عکسی چاند بن گئے ہیں۔ آسمان پر اصلی وحدت ہے۔ زمین پر نقلی اور عکسی کثرت ہے۔ اس مرحلہ کا بھی طے کرنا مصلحت اور ضروری ہے۔ بہت اچھا چاند بھی نظر آ گیا۔ اُس کا نظارہ بھی دیکھ لیا گیا۔ نام کے پرتاپ سے نامی مل گیا۔ اب اس میں کوئی شک باقی نہیں رہا لیکن کیا روحانیت کا یہاں ہی تک خاتمہ ہے۔ نہیں۔ ابھی آگے۔ اور منزل ہے۔ اس اندرونی آسمانی چاند سے اکتساب نور کرو اور خود ہی چاند جیسے بن جاؤ۔ تاکہ دوئی کا گیان ہمیشہ کے لئے دور ہو جائے۔ اور تم میں اور اس میں ذرا بھی دوئی کا عیب باقی نہ رہے۔

تو۔ تو کرتا تو بھیا۔ مجھ میں رہی نہ ہوں
واری ابیرے نام کی۔ جت دیکھوں تت توں

یہ نام اور نامی کا بھید ہے۔ جو یہاں اختصار کے ساتھ سمجھا دیا گیا ہے۔ یہ روحانیت اور وحدانیت کا عطر ہے۔ یہاں آ کر توحید کے سارے مسائل کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

(۱۷) لیکن یہ حالت آئے کس طرح۔ نام بھی سن لو اور نامی کا ظاہری درشن بھی ہو گیا۔ اس کی ترکیب ست سنگ ہے۔ مرشد کی صحبت اختیار کرو۔ کرو۔ اُس کی خدمت میں بیٹھو۔ اُس کے کلام کو سنو تاکہ جذبات میں ابھار پیدا ہو اور وہ بالکل اسی طرح ہے جیسے چاند کا نام سن کر پانی کا چاند دیکھ لیا۔ اب وہی چاند اپنا عنصری نظارہ دکھا دکھا کر اوپر کی جانب نظر کے مائل کرنے کی زبان حال سے ہدایت کر رہا ہے۔ اسی ہدایت کو ست سنگ اور ست سنگ کے بچن کہتے ہیں۔ ست سنگ کا مطلب ہے۔ ست کا سنگ یعنی خواہ حقیقت کی محبت۔ ست سنگ باہم مل بیٹھنے کو نہیں کہتے بلکہ ذات حقیقت کی صحبت، ہم مجلسی اور ہم نشینی ست سنگ کہلاتی ہے۔ ست پرشش سچی سنگت ست سنگ ہے۔ دوسرا نہیں۔ اور جب تک دل میں ایسا یقین نہ ہو سکے گا۔ حقیقی صحبت کی برکت مفقود اور کالعدم رہیگی اور یہی سچا ست سنگ ہے۔

(۱۸) ظاہری ست سنگ مرشد کی صحبت کہلاتا ہے اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ جس وقت وہ کلام کرتے ہیں۔ دل کے سمندر کے اندر روحانی جذبات کی لہریں جوش مارنے لگتی ہیں۔ یہ تو ہر شخص کو علم ہے۔ کہ باا ثر واعظ کا کلام دل میں اُمنگ پیدا کرتا ہے اور سننے والے آدمی کو اُس کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔ پس جب بار بار اور علی التواتر مرشد کے کلام سنے جائینگے۔ تو کس طرح وہ اپنے اثر سے خالی رہیں گے آگ کی صحبت حرارت بخشتی ہے۔ پانی کی قربت طراوت دیتی ہے۔ جب عناصر میں یہ تاثیر ہے تو پھر مرشد میں روحانیت کی تاثیر کیوں نہ ہو گی۔ روحانیت کی تحصیل اور تکمیل کے لئے یہ ظاہری ست سنگ بہت ہی ضروری ہے۔

"جن کینا سنگورو کا سنگ۔ ست پُرش کا پایا رنگ
بندگی بھجن کرے سنو برسا۔ گورو کا سنگ دو گھڑی پار کا"

(۱۹) اندری ست سنگ یا اندرونی صحبت ابھیاسی کو اپنے اندر نصیب ہوتی ہے اور عمل و شغل کے سلسلے میں وہ اپنے اندر اُسی نظارہ کو دیکھتا ہے۔ جو اُس نے باہر دیکھا ہے۔ نام اُس کے اندر ہے نامی بھی اُس کے اندر ہے۔ باہر کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ذرا وہ اسے کر دیکھے۔ تب اُسے پتہ لگے۔ جب اس طرح ظاہری لوازمات سے گذر کر شاغل اپنے اندر کی طرف رجوع ہو گا اُسے قطرہ میں سمندر لہراتا ہوا ملے گا اور ذرہ میں خورشید منور آب و تاب کے ساتھ جلوہ آرا نظر آئے گا اور عمل تصور سے اُس کے یقینی جذبات کو اس قدر حرکت اور ابھار نصیب ہو گا۔ کہ وہ مست محو اور بے خود ہوتا چلا جائے گا۔ حال کا وجد طاری ہو گا۔ اور قیل و قال کی مطلق احتیاج باقی نہ رہیگی۔ باقی پھر

سنت انک ماہ جنوری فروری ۵۷ء دو ماہ کا پرچہ ہے، ماہ فروری میں کوئی علیحدہ پرچہ نہیں شائع ہو گا، ناظرین "ادم" نوٹ فرما دیں،
(مینیجر)

مختصر حالات مرشد کامل

پرم سنت ستگورو بابا ساون سنگھ جی مہاراج

جو بیاس والے سنت کے نام سے مشہور تھے

از: پروفیسر جگموہن لال جی بھٹناگر ایم اے

جولائی ۱۸۵۸ء کی ت بیسویں تاریخ تھی اور ہندی ماہ ساون تھا۔ جب اس ربی جوت نے قالب خاکی میں نزول فرمایا۔ اور ہندی ماہ ساون کی روائیت سے آپ کا نام ساون سنگھ رکھا گیا جب تک اس چولے میں قیام کیا نہ صرف گرد و پیش بلکہ دور دور تک ساون کی جھڑیوں کی طرح مینہ برساتے رہے۔ آپ کا دائرہ فیض ہندوستان تک ہی محدود نہ تھا بلکہ انگلستان' امریکہ اور یورپ تک سے طالبان حق اسی طرح کھچے چلے آتے تھے۔ جیسے مقناطیس سے لوہا اور پنجاب میں تو بچہ بچہ آپ کے نام سے واقف اور آپ کے درشنوں کا شیدا تھا۔ آپ کے پرجلال چہرے سے نور کی دھاریں اس طرح پھوٹ پھوٹ کر نکلتی تھیں۔ کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے تھے اور حیرت سے دریافت کرتے تھے۔ کہ یہ مہاتما کون ہیں۔

ایک مرتبہ جالندھر ریلوے سٹیشن پر جبکہ آپ ریل کے ڈبہ میں کھڑکی کے قریب تشریف فرما تھے۔ تو باہر پلیٹ فارم پر اچھا خاصہ ہجوم جمع ہو گیا۔ جس میں اکثر صاحبان اہل اسلام تھے۔ راقم کو کھڑکی کے باہر ٹہلتا دیکھ کر ایک خاں صاحب نے ذرا آگے بڑھ کر دریافت کیا۔ کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ بڑا نورانی چہرہ ہے اور قریب آکر دیدار کرنے کی کوشش کی۔ ان کو دیکھ کر حضور مہاراج خود باہر تشریف لے آئے اور جب تک انجن نے سیٹی نہ دی وہ دیدار کا لطف اٹھاتے رہے' مہاراج جی نے پوچھا۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" آپ کے نورانی چہرے کی کشش کھینچ لائی۔ ہماری بھی سلام قبول کیجئے۔

یہ بھی کھیل اصل میں اسی کا تھا۔

عشق اول در دل معشوق پیدا می شود
چوں نہ نور و شمع۔ کے پروانہ شیدا می شود

اسی طرح ایک مرتبہ جب آپ ست سنگ سے فارغ ہو کر راولپنڈی سے واپس بیاس آ رہے تھے تو دو خان صاحب آپ کے نورانی اور پرجلال دیدار سے متاثر ہو کر انگور خرید لائے اور پیش کئے۔ آپ نے ہاتھ لگا کر شکریہ کے ساتھ واپس کئے مگر ایک نظر ایسی ڈالی۔ کہ کھب گئی۔ فرمایا کہ میری طرف سے یہ پرشاد یا متبرک ہے۔ مجھے تو مرشد کا حکم نہیں کہ کوئی چیز لوں۔ اس وقت تو وہ ذرا مایوس ہوئے۔ لیکن بعد میں جب ان میں سے ایک کا وقت مرگ قریب آیا۔ تب اسی نگاہ مہر آلود کا راز کھلا

اس اصول کے آپ بڑی سختی سے پابند تھے اور فرمایا کرتے تھے۔

گھال کھائے کچھ ہتھوں دے
نانک راہ پچھانے سے

اور اس ضمن میں مولوی روم صاحب کا شعر بھی پڑھا کرتے تھے۔

بہر طاعت لقمہ یا لا حلال
تا نفزاید نزاع و ملال

اگر کوئی خاص پریمی ست سنگی کوئی چیز لے بھی آتا اور ضد کرتا۔ اور وہ دل توڑنا نامناسب نہ سمجھتے۔ تو اس کو قیمت اپنی پنشن کے روپیہ میں سے دیتے۔ تمام عمر اپنی کمائی میں گذارا کیا اور چولا چھوڑنے سے ۱۸ ماہ پیشتر بھرے ست سنگ میں



Sat Guru Baba Sawan Singh ji Maharaj.

فرمایا۔ کہ میں نے صرف ست سنگ کی باغ کی سبزی کھائی ہے۔ ست سنگ کے دیدار کرنے کے لئے موٹر استعمال کی ہے۔ اُمید ہے۔ ست سنگت معاف کر دے گی۔ اگر کسی نے کچھ مجھ سے لینا ہو۔ تو لے لے اور ست سنگ کے بعد ہی چالیس روپے سیکرٹری کو دے دئے اور کہا۔ کہ فلاں شخص یہ امانت میرے پاس رکھ گیا۔ وہ فوت ہو گیا۔ خیال تھا۔ کہ شاید اس کا کوئی والی وارث آوے یا لکھے۔ اب یہ پُن دان میں خرچ کر دئے جائیں۔ تاکہ اس کو ثواب پہنچے۔

ہندو، مسلمان، سکھ عیسائی۔ بلکہ ناستک تک سب کے ساتھ آپ کا ایک سا برتاؤ تھا۔ وہ مذہب وملت کے قیدی نہ تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔ جو رب کا مذہب، وہی اس کے عاشقوں کا مذہب۔ یہ تو پریم کا مارگ ہے۔

مذہب عشق از ہمہ ملت جُداست
عاشقاں را مذہب وملت خداست

ست سنگ میں جہاں گوربانی اور سار بچن کے شبد لئے جاتے تھے۔ وہاں رامائن۔ پلٹو صاحب۔ کبیر صاحب، دادو صاحب مولانا روم اور شمس تبریز کا کلام بھی پڑھا جاتا تھا اور تمجید کی جاتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ روح امر رُبی ہے۔ ست پرش کی انش ہے۔ جات پات اونچ نیچ یہ دنیا نے بنا رکھی ہیں۔ من کی اپج ہے۔ ورنہ روح کی ذات وہی ہے۔ جو ست پرش کی ذات ہے۔ سنت اس تفریق اور تقسیم کے پابند نہیں۔ اُن کے ہاں نیچ اونچ نہیں ہوتی۔ کیسا ہی میلا کپڑا ہو۔ دھوبی دھونے سے انکار نہیں کرتا۔ ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ تین دفعہ بھٹی پر چڑھا کر صاف کر لے گا۔ گورو نانک صاحب بھی فرماتے ہیں۔

براہمن کشتری شودر ویش۔ اپدیش چھوں ورناں نوں سانجھا

آپ کے والد ماجد سردار کابل سنگھ جی فوج میں کمیشنڈ افسر تھے اور بڑے خدا دوست اور سادھو مہاتماؤں کی صحبت کے دلدادہ۔ اس طرح شروع میں ہی آپ کے لئے ایسے سامان پیدا ہو گئے۔ اور گوربانی سے کافی واقفیت ہو گئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ سول انجینئرنگ کالج رڑکی میں داخل ہو گئے۔ اور کورس ختم کرنے کے بعد ملٹری انجینئرنگ سروس میں ملازمت اختیار کی۔ عرصہ تک کوہ مری اور ایبٹ آباد میں ایس ڈی۔ او کے فرائض سرانجام دیتے رہے اور اپنی جانفشانی۔ فرض شناسی اور ایمانداری کے سبب افسران متعلقہ سے خراج تحسین حاصل کرتے رہے۔ مگر مالک سے ملنے کی کشش برابر دل میں لگی ہوئی تھی۔ ویدانت کا مطالعہ کیا۔ اُپنشد بھی دیکھے۔ اور گوربانی تو گویا خاندانی ورثہ تھا۔ مگر کنجی نہ تھی۔ کیونکہ گوربانی میں ہی آیا ہے

" نانک گور بن من کا طاک نہ اُگھڑے اور نہ کنجی ہتھ "

سادھو مہاتماؤں کی صحبت بھی خوب کی۔ خصوصاً ان دنوں جب آپ کی تعیناتی کوہ مری تھی۔ کشمیر جانے والے سادھو مہاتما، اکثر ایک دو روز ٹھہر کر جاتے تھے۔ اور آپ اُن کی صحبت اور ست سنگ سے فیض یاب ہوتے۔ مگر کامل تشفی نہیں ہوتی تھی۔ بقول کبیر صاحب

ایسا کوئی نا ملا جاسوں رہے لاگ

پشاور کے مشہور مجذوب فقیر بابا کاہن سے نہ صرف آپ کی راہ و رسم تھی، بلکہ آپس میں بڑی محبت بھی تھی۔ باوجود اتنے تعلقات کے جب آپ فرماتے۔ بابا کچھ دے بھی۔ تو وہ سر ہلا دیتا۔ آخر ایک دن کہہ ہی دیا۔ کہ "تیرا حصہ میرے پاس نہیں۔"

"مگر ملے گا تو سہی"؟ "ہاں ضرور" "کون دے گا؟ کچھ پتہ نشان بتا۔ کہ اُسے ڈھونڈوں" "وہ آپ ہی تجھے ڈھونڈ لے گا" خوب!

آخر وہ دن قریب آیا۔ بابا جیمل سنگھ جی جنہوں نے برسوں کی تلاش اور جستجو کے بعد حضور سوامی جی مہاراج سے پانچ شبد کا پورا بھید حاصل کیا تھا۔ اور شبد کی کمائی کر کے اور نفس کو زیر کر کے خود شبد روپ ہو گئے تھے۔ کوہ مری پدھارے اور کس لئے؟ کہ جس کی امانت ہے اُسے سونپ دی جائے۔ جب پرم دیال ہری بابا جی مہاراج معہ اپنے ایک شیشہ کے گوردوارے کی طرف رجوع کہ جائے قیام تھی، جا رہے تھے۔ تو راہ میں سردار ساون سنگھ جی مہاراج بطور ایس۔ ڈی۔ او اپنے ماتحتوں کا کام دیکھ رہے تھے اُن کو دیکھ کر بابا جی نے فرمایا۔ ہم اس سکھ کی خاطر یہاں آئے ہیں۔ اُن کے ساتھی نے کہا۔ مگر اس نے تو آپ کو فتح بھی نہیں بلائی بابا جی نے جواب دیا۔ ابھی اسے کیا معلوم ہے۔ آج سے چوتھے دن

یہ ہمارے پاس آئے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ باباجی نے گوردوارے میں ست سنگ اور بانی کا پرچار شروع کیا۔ مگر ایسا ست سنگ پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ شبد کی تشریح اور اندرونی رموز کا بیان سُن کر سکھ تو حیران و ششدر رہ گئے اور سکھ یہ کہلائے کیونکہ نام اور ناہرت شبد کی ماہیت صرف ابھیاس سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔

ہوتے ہوتے یہ خبر مہاراج ساون سنگھ جی تک بھی پہنچی۔ کہ گوردوارے میں ایک سنت آیا ہے جو کہتا ہے۔ ہمارے اندر باجے بجتے ہیں اور طرح طرح کے رسیلے شبد اور نغمے ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ گوروبانی سے سدھ کرتا ہے۔ مشتاق تو تھے ہی فوراً جا پہنچے چار روز کے متواتر ست سنگ سے بہت سے شکوک رفع ہو گئے۔ اور جو باقی تھے وہ زبانی بات چیت سے ختم ہو گئے۔ نتیجہ ہو گیا۔ کہ جس نام کی مہما گوروبانی میں نیز دیگر سنت مہاتماؤں کی بانی میں بیان کی گئی ہے وہ غلط نہیں۔ بلکہ دکھنیا تمک نام ہے۔ جس نام کے آدھار پر کھنڈ برہمنڈ۔ پوریاں پاتال ٹھہرے ہوئے ہیں۔ یقیناً وہ کوئی انشا نہیں ہو سکتا۔ وہ تو کوئی زبردست طاقت ہی ہو گی۔ اب باباجی سے درخواست کی۔ کہ اس نام کی پراپتی کرنے کی یکتی ان کو بتلائی جائے اور جو پرہیز دلوازمات اور طریق۔ دسس مارگ کے ہیں وہ بھی سمجھائے جائیں۔ درخواست منظور ہوئی۔ اور مہاراج ساون سنگھ جی۔ تن۔ من۔ دھن سے نام کی کمائی میں لگ گئے اور ایسے لگے۔ کہ تن۔ من کی سدھ سب بھلا دی۔ جو وقت ملتا وہ شبد کی کمائی میں صرف کر دیتے۔ نوکر کو حکم تھا۔ کہ کھانے کا انتظار نہ کرے۔ بلکہ بنا کر رکھ دے۔ کیونکہ من کے ساتھ یہ اقرار تھا۔ کہ جب تک رس نہیں لے گا۔ کھانا نہیں ملے گا۔ شروع شروع میں تھوڑی ہٹھ بھی کرنی پڑتی ہے۔ آپ کا فرمانا تھا۔ کہ من ہی رستہ میں رکاوٹ ہے اور پرمارتھ کی راہ میں یہی ہمارا دشمن ہے۔ لیکن سیدھا ہو جائے تو اس سے بڑھ کر اور کوئی دولت بھی نہیں۔ اب یہ حال تھا۔ کہ نوکری بھی سرکار کی نوکری نہیں۔ بلکہ گورو کی نوکری سمجھتے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ باہر گھوڑا کسا کھڑا ہے اور آپ اندر متوجہ ہو گئے اور جب تک رس آتا رہا۔ آنند لیتے رہے یہ گرمکھتا کی تعلیم تھی جس میں آپ نہ صرف پورے

اُترے۔ بلکہ اعلیٰ ڈگری حاصل کی۔ من تو شدی تو من شدی۔ کا مضمون ہو گیا۔ جو تنخواہ ملتی۔ ستگورو کے آگے رکھ دیتے۔ جتنا چاہیں پرمارتھ میں خرچ کریں۔ جتنا چاہیں عیال و اطفال کے لئے دے دیویں۔ جب رخصت ملتی تو سیدھے بیاس باباجی کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جب ستگورو موج سے درخواست منظور کر لیتے۔ تو اُن کو اپنے پاس رکھ کر سیوا اور خدمت ہر قسم کی بجا لاتے۔ بابا جی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ڈیرے میں جو اس وقت چند کچی کوٹھڑیوں پر مشتمل تھا۔ کنواں لگوایا۔ جو اب تک اسی طرح کام دے رہا ہے۔ پکے مکانات بنوائے اور ست سنگ اور شری گرنتھ صاحب پرکاش کرنے کے لئے دو ہال تعمیر کرائے اور سب اپنے خرچ سے لوگ کہتے تھے کہ ڈیرہ دریا کے کنارے ہے نہ معلوم کس وقت بہا لے جائے۔ آپ فضول روپیہ ضائع کر رہے ہیں۔ تو آپ جواب دیتے۔ کہ اگر میرے ستگورو ایک دن بھی اس میں بیٹھ کر ست سنگ کر لیں اور اگلے دن دریا بہا لے جائے تو میں اپنی محنت سپھل سمجھوں گا۔ آج وہی دریا ڈیرے سے تین میل پیچھے ہٹ گیا ہے

اُدھر باباجی بھی جب یہ آتے تو ان کو اپنے مکان میں جگہ دیتے۔ اور ہر طرح ان کی دلجوئی و دلداری کرتے۔ دو قالب اور ایک جان تھے۔ آخر جدائی (ظاہری) کا وقت قریب آیا اور ۱۹۰۳ء میں اپنا سارا کام آپ کے سپرد کر کے جوتی جوت سما گئے۔ آپ کو ہدایت دی گئی کہ میری کوئی سمادھ نہ بنے اور یہ بھی فرمایا کہ انت سمے تم میرے پاس نہ ہو گے۔ سہا نہ جائے گا۔ لیکن بابا جی بڑے پکے تھے۔ دریا اُمڈا اور جہاں انتم سنسکار کیا گیا تھا وہاں سے سب استھیاں اور راکھ تک بہا لے گیا۔ مبادا پریم جوش میں آ جائے اور ہدایت پر عمل نہ ہو سکے۔

۱۹۱۱ء میں آپ نے پنشن لے لی اور ڈیرے میں سکونت اختیار کر لی۔ پہلے ست سنگ کرنے آتے تھے اور پھر واپس ڈیوٹی پر چلے جاتے تھے۔ اب تمام وقت سنگت کی سیوا اور بھجن سمرن میں خرچ ہونے لگا۔ نہ کھانے کا وقت نہ سونے کا۔ آرام اور تکلیف کا تو خیال ہی نہ تھا۔ اگر کوئی کہتا بھی۔ کہ تھوڑا آرام کھانے

کے لیے ضروری ہے۔ تو یہی جواب ملتا کہ اس تن سے جتنی سیوا ستگورو اور سنگت کی ہو جائے۔ اتنا ہی بہتر ہے

جس خوبی، خوش اسلوبی اور تندہی سے آپ نے یہ فرض ادا کیا اس کا زمانہ شاہد ہے۔ پنجاب اور پنجاب سے باہر نام کا پرچار کیا اور جابجا ست سنگت کے مراکز قایم کئے۔ تاکہ غریب امیر سب کو فایدہ پہنچ سکے اور پریمیوں کی پیاس بجھے اور باوجود اس عظمت ظاہری و باطنی کے حد درجہ کی کسر نفسی اور عاجزی میں برتتے تھے۔ ہر ایک سے بڑی نمرتا سے پیش آتے تھے۔ اگر کوئی آپکی بزرگی یا کمال روحانیت کا ذکر کرتا تو کانوں کو ہاتھ لگا کر کہتے۔ کہ میں تو عاجز ہوں۔ بلکہ ایک دو مرتبہ تو بھرے ست سنگ میں فرمایا (توبہ) کہ میں تو سنگت کے جوڑے جھاڑنے کے بھی قابل نہیں۔ یہ ذبنیا یہ نمرتا بھی سنتوں کا ہی حصہ ہے۔

ہوندے تان ہوئے نِتانا
ہوندے مان ہوئے نِمانا

وہ سیوا کیا تھی جس کے لئے آپ کھانا پینا جسمانی آرام سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے؟ اس دکھی دنیا سے جیووں کو نکال کر ان کے اصلی گھر یا مقام حق میں پہنچانا۔ گوربانی میں بھی ستگورو کی یہی پہچان بتائی گئی ہے۔

گھر میں گھر دکھلائے دیے سو ستگور پُرکھ سُجان
پنج شبد دھنکار دھن تہاں باجے شبد نیسان

یہ شریر ایک گھر ہے اور اسی گھر میں پرماتما ہے۔ ہم ساری جیو ایسے مایا کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں اور کام کرودھ لوبھ موہ کے بس میں پڑے ہیں کہ گھر کا راستہ تو ایک طرف رہا۔ گھر کا خیال بھی بھول چکے ہیں اور اس ناشمان دنیا کو ہی اپنا گھر سمجھ بیٹھے ہیں۔ اگر کسی کے کہنے سننے سے تھوڑا بہت خیال بھی آتا ہے تو بجائے اندر کے باہر تلاش کرنے لگتے ہیں اور تیرتھ۔ برت۔ پوجا۔ پاٹھ۔ دان پن وغیرہ باہرمکھی کرموں میں ہی پرورت رہتے ہیں۔ مکتی کا راستہ تو اندر ہے اور ہم ڈھونڈھتے ہیں باہر۔

"گھر اندر سب وتھ ہے باہر کچھ ناہیں"

سائیں بلھے شاہ کہتا ہے:-

الٹھ شاہ رگ تھیں نزدیک۔

شاہ رگ سے مراد سکھمنا ناڑی ہے اور راگ سورٹھ میں گورو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"باہر ڈھونڈھت بہت دکھ پاوہی
دھار امرت گھٹ ماہیں جیو"

مگر اس امرت دھارا کو پان کرکے من اور مایا کی گرفت سے آزاد ہونے کا طریقہ کوئی عارف کامل، کوئی پورن ابھیاسی سنت ہی بتا سکتا ہے۔

اگرچہ گوربانی میں جگہ جگہ نام اور شبد کا ذکر آیا ہے۔ مگر عالموں نے اس کی عالمانہ ہی تفسیر کی اور اصل دولت سے بے بہرہ رہے اور شبد سے گورو مہاراج نے جو بانی رچی ہے یہی مطلب سمجھا۔ مگر یہی بانی کہتی ہے:- "نو دروازے دسویں مکتا۔ انحد شبد وجاونیا"

ماجھ محلہ ۳ یعنی نو دوار اندریوں کے دوار ہیں اور لذات نفسانی میں پھنسانے والے ہیں۔ دسویں دوار یا دروازے پر انحد شبد کی جھنکار ہے۔ جس کو سن کر من اندر کو متوجہ ہوتا ہے اور روح محفوظ ہوتی ہے۔ سرت یا روح کی کرنیں جو اس وقت شریر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اپنے مرکز کی طرف سمٹتی ہیں اور نام پراپت ہوتا ہے۔ وہ نام جس کے آدھار پر سب جیو جنت ہیں اور پورے ستگور کی دیا سے ملتا ہے۔ "تن من کھوجے تا نا وَ پائے
دھاوت راکھے ٹھاک رہائے"

ماجھ محلا ہتیرا

یہ چھپا ہوئی دنیا۔ رستہ بتانا اور جو جیو کچی نالی (؟) اُن کو سرت شبد مارگ پر چلا کر گھر پہنچانا۔ یہ سنتوں کا مشن ہے اور یہی ان کی سیوا ہے۔ اس سیوا کے بجا لانے میں اور اس مشن کی تکمیل میں سنت مہاتما ہر قسم کی تکلیف اور مخالفت خوشی خوشی سہتے ہیں اور چہرے پر شکن بھی نہیں لاتے۔ حضور مہاراج بابا ساون سنگھ جی نے اس خدمت روحانی کو بدرجہ احسن انجام دیا۔ مخالفت اور تکلیف بھی کچھ کم نہیں سہی۔ مگر ستگور کے بھروسہ پر نام دان اور ستگور بھگتی کی لہر بہادی۔ کوئی سنسکاری جیو باہر کے دیشوں سے بھی حاضر خدمت ہوئے۔ ان میں امریکہ کے ڈاکٹر جانسن کا نام خاص طور پر قابل ذکر

ہے۔ جن کی مشہور تصنیف پاتھ آف دی ماسٹر نے امریکنوں کا رستہ صاف کر دیا۔ اور سینکڑوں امریکن اور دیگر یورپین نام کی کمائی میں لگ گئے۔ اور تقریباً ہر سال ہی ڈیرہ صاحب بیاس میں درشن اور ست سنگ کے لئے آتے ہی رہتے ہیں۔

اندرونی سبھا بیاجو سنتوں کی ہوتی تھی اور روحانی منزل کا آنند جو بھگتوں کو ملتا تھا۔ وہ قلمبند ہو نہیں سکتا۔ بیرونی مدد بھی آپ کی اس قدر تھی۔ کہ تحریر میں لائی جائیں۔ تو ایک دفتر بن جائے۔ یہاں جہاں بھر بڑی ست سنگ موجود ہے۔ پاکستان بننے سے کچھ عرصہ پہلے فرمایا کرتے تھے:-

"اندھیری آئے گی۔ پر ادہر کم لینگے"

اور جس طرح درشن دے کر اور راہ دکھا کر ست سنگیوں کو بچایا اور سنگتوں کو نرغہ میں سے نکالا وہ ایک بھاری معجزہ ہے مگر بقول خود سنتوں کا معجزہ جیو کو کال اور کرم کی حد سے نکال کر اور من کو انتر مکھ کر کے اپنے گھر پہنچانا ہے۔ اس طرح ۵۸ سال تک لاکھوں جیووں کو چیتا کر اور نام کی ڈور پکڑا کر ۲ اپریل ۱۹۴۸ء کی صبح کو شریر تیاگ کر واصل بحق ہو گئے۔

آپکی تعلیم کا لب لباب

جیو ست پرش کی انش ہے۔ مگر مایا کے جال میں پھنس کر اور کرموں کے آدھین ہو کر دکھ سکھ بھوگ رہا ہے اور چوراسی کے ہنڈولے میں چکر کھا رہا ہے۔ ہر ایک جون میں من، اندری، ساتھ ہوتے ہیں۔ من اندری کے وش ہو کر کرم کرتے رہتے ہیں اور یہی کرم پھر دوبارہ جنم لینے کا کارن بن جاتے ہیں۔ اور اس طرح ایک نہ مٹنا ہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جو کرم ہم اب کرتے ہیں۔ ان کو کریہ مان کہتے ہیں ان میں سے کچھ کا پھل تو یہیں اس جنم میں مل جاتا ہے۔ کچھ اگلے جنم کی پراربد کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اور کچھ جو باقی رہے وہ سنچت روپ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اچھے کرموں کا نتیجہ اچھا اور برے کا برا جو بیجو وہ ہی کھاؤ۔ گندم از گندم بروید جو ز جو۔ مگر کرم خواہ اچھے ہوں، یا برے۔ دونوں ہی بندھن کا کارن ہیں۔ زنجیر، زنجیر ہی ہے چاہے لوہے کی ہو یا سونے کی، دان، پن، تیرتھ یاترت شبھ کرم ہیں۔ مگر مکتی کے داتا نہیں۔ ہاں، اگلا جنم سرشیٹ مل جائے گا۔ یا اونچے لوگوں میں باس مل جائے گا۔ مگر جب شبھ کرموں کا پھل ختم ہو جائے گا۔ پھر امرت لوک میں جنم لینا پڑے گا۔ اور وہی چکر شروع ہو جائے گا۔ مکتی صرف نام سے ہے۔ سچ اوستھا میں پہنچ کر اور گورمکھ بن کر۔ جب تک تینوں گنوں کی حد میں ہیں۔ اصلی یا دائمی مکتی نہیں۔ کیونکہ ہر ایک شے جو تینوں گنوں کی حد میں ہے وہ بالخاصہ بدلتی رہتی ہے۔ اس کو دوام نہیں۔ اسی لئے ایشور سرشٹی پرلے میں ناش ہو جاتی ہے۔

"تیرے گن سچ نہ ادیکھے۔ تیرے گن بھرم بھلائے
چوتھے پد میں سہج ہے۔ گرمکھ پلے پائے"

منش جنم کی فضیلت یہی ہے کہ اس جنم میں ہی من اور اندریوں کی قید سے آزاد ہو کر مالک سے وصال ممکن ہے۔ اسی لئے اس کو نرنارائنی دیہہ کہتے ہیں۔ "کایا نگر نگر ہے۔ نیکو ہے سودا ہر ریں لیجے" کیونکہ یہ جنس اسی شہر میں مل سکتی ہے اگر یہ موقعہ کھو دیا۔ تو جانے کب باری آئے۔ چوراسی لاکھ جون بھوگ کے منش جنم ملتا ہے۔ اسے وشے دکار میں نہیں گنوانا چاہیئے۔ وہ پرم پرش پرماتما ہمارے اندر ہی ہے اور جب پہلے اندر ساکھشات کر لیں گے۔ تب باہر بھی ہر جگہ پتے پتے میں رما ہوا دکھائی دے گا۔ لیکن یہ زبانی یا عقلی بات نہیں بلکہ عملی سادھن ہے۔ سادھن کا راز گورو سے پراپت ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ واقف ہوتا ہے اور اس نے راستہ طے کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور سب ہی منا اندر صحیح ہدایت دے سکتا ہے۔

ہمارا شریر برہمنڈ کا نمونہ ہے۔ وہ عالم کبیر ہے۔ یہ عالم صغیر ہے۔ مشہور ہے۔ جو برہمنڈے سوئی پنڈے۔ جو کھوجے سو پاوے۔ اس شریر کو ایک شہر سے بھی تشبیہ دی گئی ہے جس کے نو دروازے ہیں اور دسواں گپت یعنی پوشیدہ ہے۔ یہ نو دروازے آنکھ، کان، منہ، ناک، زبان اور نیچے کے دو سوراخ ہیں جن کے ذریعے ہم باہری دنیا کے پدارتھوں کا رس لیتے ہیں اور دسواں دروازہ اندر کی جانب ہے۔ جو مالک سے ملنے کا راستہ ہے۔ جہاں نام کا خزانہ ہے۔ جو ہمارے ہی واسطے ہے مگر کنجی سنتوں مہاتماؤں کے پاس ہے۔ جب ہم سیوا اور ابھیاس کر کے اپنے آپ کو اہل بنا لیتے ہیں تو کنجی مل جاتی ہے اندر داخل ہو کر اپنی وراثت پا لیتے ہیں۔ اور مالک کل کے چرنوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ بوند سمندر میں مل جاتی ہے

لیکن محض کوشش سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔

"آپن لیا جرٹ لے بچھڑ کیوں روون"

اس لیے 'سنتوں' مہاتماؤں کی شرن لینی پڑتی ہے وہ اپنے پاس سے کچھ نہیں لیتے۔ مگر جو خزانہ اس کے اندر موجود ہے۔ اس کا پتہ بتا دیتے ہیں۔ جو مشکلات راہ میں آتی ہیں۔ وہ عبور کرا دیتے ہیں اور ساتھ ہو کر دھر دھام پہنچا دیتے ہیں۔ اور پھر گھر بار نہیں چھڑاتے۔ کچھ لیتے نہیں۔ مگر کچھ چھوڑتے بھی نہیں۔ کیونکہ من لے لیتے ہیں۔ من کا گھاٹ بدلا دیتے ہیں۔ وہی 'من' جو باہر جھانکتا پھرتا تھا، اب اندر جھانکنے لگتا ہے۔ رکھتے دنیا میں ہی ہے۔ مگر من دنیا سے نکال لیتے ہیں۔ کوئی من دے سہی

"لالن لال لال ہے رنگن من رنگن کو گورو دیجئے"

مگر ہم ہیں کہ بجائے احسان مند ہونے کے اُن کو اُلٹا بُرا بھلا کہتے ہیں۔ بلکہ ایذا دینے پر اُتر آتے ہیں۔ اور جو زیادہ 'سمجھ دار' ہیں، وہ پہلے دلیل اور ثبوت مانگتے ہیں۔ جو شے 'من' اور اندریوں سے پرے ہے۔ اُس کا ثبوت 'من' اندریوں کے اندر محدود دیا جائے۔ فرمایا کرتے تھے، ہماری ایک دیہی مثال ہے کہ کوئی شخص کنوئیں میں گر پڑا۔ اور لگا چلانے۔ ایک راہگیر نے اس کی آواز سنی اور ترس کھا کر کہیں سے رسی لا کر کنوئیں کے اندر لٹکائی اور کہا۔ کہ اس کو پکڑ کر اوپر آ جاؤ۔ بجائے اس کے رسی پکڑ کر اوپر آ جاوے وہ پوچھتا ہے کہ پہلے یہ بتاؤ تم ہو کون اور میں کس طرح اس کنوئیں میں گر پڑا۔ سنت جو کوشش کی ڈور پکڑا کر بھو ساگر سے باہر نکالنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ دلیلیں کرتا ہے پہلے یہ بتاؤ میں یہاں آیا کیسے؟ کہاں سے آیا؟ سنت کہتے ہیں؟ کہ پہلے اوپر تو آ جا۔ پھر یہ سب باتیں پوچھ لینا۔ مگر وہ اپنی ہٹ پر قائم ہے۔ جنہوں نے اُن کی بات مانی۔ اُن کو سنسار سے پار کر دیا۔

بار لیے جیو بچن اُن مارا۔ اُن کو لے لنت پر پہنچایا

لیکن سچ پوچھو۔ تو جیو کا بھی چنداں قصور نہیں ہے۔ بھاگ ہی ایسے ہیں۔ بڑے بھاگ ہوں تو سنگور سنت سے ملاپ ہو۔ بڑے بھاگ ہوں۔ تو ان کی بات پر یقین آئے اور وہ مہرت شبد یوگ کی سیڑھی پر قدم رکھے۔ بڑے بھاگ ہوں۔ تو نام کی کمائی اچھی طرح ہے۔ مگر 'سنتوں' مہاتماؤں کی صحبت سے بھاگ بھی بنتا ہے۔ اور یہاں بھی شانتی ملتی ہے۔ پتھر بھی جب تک پانی میں پڑا ہے۔ خواہ اندر پانی نہ جائے۔ ٹھنڈا تو رہے گا۔ سورج کی تپش سے تو بچے گا۔

سوامی راج نارائن جی ارمانؔ

از قلم
شری چندر بھان جی اگروال

شری سورگیہ پرم ہنس سوامی راج نارائن جی ارمانؔ گورٹ شاستری طوطیٔ ہند جوتش وداکر بھگتی یوگ آچاریہ فاضلکا۔

پرم ہنس سوامی جی مہاراج کشمیری گھرانے کے برہمن تھے جو موجودہ عہد کے اندر ایک مہان آتما ہو گزرے ہیں، ناظرین کی دلچسپی کے لئے اُن کے حالات درج کئے جاتے ہیں۔

اوائل عمر اور تعلیم:۔ آپ کے پوجیہ پتا سہارنپور شہر کے کوتوال تھے اور آپ کو اُردو فارسی کی تعلیم دلائی گئی، لیکن انہی ایام میں آریہ سماج کے بانی شری ۱۰۸ سوامی دیانند جی سرسوتی اتفاق سے سہارنپور تشریف لائے اسوقت پرم ہنس جی کے پتا نے مہاراج جی کو اپنے گھر نمنترن دیا، شری سوامی دیانند جی مہاراج نے پرم ہنس جی بالک کا مستک دیکھ کر تبلایا کہ ان کو سنسکرت کی تعلیم دلائی جاتی۔ چنانچہ اُردو فارسی کے ساتھ ہی سنسکرت کی تعلیم بھی دلائی، انہوں نے کافی دسترس حاصل کر لی

لہ ایسیرشح:۔ آپ اپنی تعلیم و تربیت سے فارغ ہوئے، تب انہی ایام میں والدین کا سایہ مہاراج کے سر سے اُٹھ گیا، تب کچھ عرصہ آپ کے بڑے بھائی رام نارائن وغیرہ نے آپ کی مدد کی۔ ازاں بعد آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب و شری مہاتما ہنس راج جی نے آپ کو آریہ سماج کا اُپدیشک مقرر کیا، اور لاہور سے ایک ماہواری رسالہ ارجن نام کا جاری کر دیا، اور اسی دوران میں اپنی قابلیت سے چند ایک کتب مثلاً اچھوتوں کی ویر رانیاں، تاریخ میواڑ وغیرہ وغیرہ لکھیں، یہاں یہ تبلانا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ آریہ سماج کے اندر اعلیٰ پوزیشن رکھتے ہوئے بھی ورن آشرم دھرم میں پورن شردھا رکھتے تھے، چنانچہ ۱۹۱۳ء میں جب وہ آریہ سماج فاضلکا کے اتسو پر رونق افروز ہوئے اس وقت راقم نے ان کی معہ دیگر دو والوں کو بھوجن کا نمنترن دے دیا۔ اس پر شری پرم ہنس جی مہاراج نے عبرے سے علیحدگی میں یہ کہا کہ ان کیلئے الگ چوکے میں بیٹھنے کا انتظام کر دیا جاوے،

سناتن دھرم میں پرویش۔ ۱۵ فروری ۱۹۱۴ء میں ان کے ماہواری رسالہ ارجن میں آریہ پرتی ندھی سبھا کے نام چند ایک سوالات دھارمک خیالات کے بارے میں نکالے اور اپنی ملازمت ترک کر دی اور سناتن دھرم میں پرویش کیا، کیونکہ وہ شروع سے کام کرنے کے عادی تھے اور درن دیوستھا، کرشن سندیش وغیرہ کتب لکھیں۔

بطور شاعر۔ آپ کو اُردو اور فارسی کا شوق قدرتی تھا، اور اُنہوں نے علامہ حضرت داغ دہلوی کی شاگردی اختیار کر لی اور اپنا تخلص ارمانؔ دہلوی رکھا، اور ان کی شاعری مقبولِ عام ہوئی، ان کی مختصر سوانح حیات خمخانۂ جاوید اور ان کے علاوہ شعرا نے آپ کو طوطیٔ ہند کے نام سے سرفراز فرمایا، کیونکہ ۲۶ء ۱۹۲۵ء میں ان کا مکمل کلام اُردو فارسی چوری ہو جانے کی وجہ سے شائع نہ ہو سکا، تاہم انہوں نے تھوڑا بہت مطالعہ اکٹھا کر کے مختصر دیوان ارمانؔ کے نام سے شائع کرایا۔

ایڈیٹر۔ آپ لاہور میں کچھ عرصہ روزانہ بھیشم اخبار جو کہ بعد میں اخبار ویر بھارت کے نام سے مشہور ہوا، چیف ایڈیٹر رہے اور اس دوران میں آپ نے مہارانا پرتاپ کا جیون چرتر لکھا، اس کے علاوہ لاہور سے اخبار ہند و سماچار ہفتہ وار دہلی سے روزانہ ایشیا سیالکوٹ سے کرشن سندیش وغیرہ شائع کرتے رہے،

مشاعرہ۔ اکثر اوقات بڑے بڑے مشاعروں میں آپ کو صدر مجلس مقرر کیا گیا، اور ان کو اُستادِ سخن کا درجہ ملا، راقم بھی ایک دفعہ ایک مشاعرہ میں جو درگاہ نظام الدین اولیا میں ہوا تھا شامل ہوا

جس میں بہت سے شعراء شامل ہوئے، وہاں پر آپ کا کلام حاضرین نے بے حد پسند فرمایا تھا۔

شاستر ارتھ: ۔ چونکہ آپ نے ہندو مذاہب کے علاوہ اسلام و عیسائی دھرم کے گرنتھوں کی چھان بین کر رکھی تھی، چنانچہ ایک شاستر ارتھ مسلمانوں کے ساتھ مورتی پوجا پر ہوا، جس میں آپ نے مختلف کتب سے مورتی پوجا ثابت کر دی۔ اور آخیر میں مذاق کے طور پر انہوں نے فرمایا۔

؎ میرے بت خانہ سے زاہد تیرے کعبہ کو کیا نسبت
یہاں پتھر تو دکھتے ہیں وہاں اللہ ہی اللہ ہے

اس پر حاضرین نے مرحبا مرحبا کے نعرے لگائے۔

تحقیق و مورخ: ۔ آپ نے تمام مذاہب کی چھان بین کر لی تھی، لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور ایک ضخیم کتاب لکھی تھی، لیکن وہ بھی گم ہو جانے کی وجہ سے شائع نہ ہو سکی،

جوتش: ۔ آپ نے بڑی عمر میں کانشی جی کے اندر رہ کر جوتش و دیا سیکھی تھی، اہل ہنود کے علاوہ اہل اسلام بھی آپ کے جوتش سے قائل تھے، فاضلکا گورنمنٹ ہائی سکول میں ایک عربی فارسی مدرس امانت علی شاہ تھے، انہوں نے اپنے حالات سوامی جی سے دریافت کئے اور بے حد مشکور و ممنون ہوئے، اس قسم کے اور بھی بہت واقعات ہیں جو راقم نے بچشم خود مطالعہ کئے ہیں

یوگ مارگ: ۔ آپ نے یوگ ابھیاس کی تعلیم بھی مہاتماؤں سے حاصل کی، چنانچہ شری پنڈت پرمانند جی شاستری کا پتر نمونیا سے سخت بیمار ہو گیا، ڈاکٹروں نے جواب دیدیا، ناچار وہ دوڑ کر سوامی جی کے پاس آئے اور پرارتھنا کی سوامی جی نے ان کو تسلی دی اور بچے کو دیکھنے کے بعد اسی وقت بازار سے ایک بنیان خرید کر لائے اور کہا کہ بچے کو یہ بنیان پہن لو، کیوں گھر والوں کو تکلیف دیتے ہو چنانچہ بچہ اسی وقت راضی ہو گیا،

ایک دفعہ راقم کے مکان پر رات کے وقت سوامی جی مہاراج چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی سمادھی لگی ہوئی تھی۔ آس پاس اور بھی کئی سیوک موجود تھے، آناً فاناً میں ان کا چہرہ سرخ ہو گیا اور بھگوان کرشن کی یاد میں اچھلتے رہے اور استتی کرتے رہے کافی دیر بعد ان کو ہوش ہوا،

بھگتی مارگ: ۔ ۲۳، ۱۹۲۲ء میں آپ کے خیالات نے ایک دم پلٹا کھایا اور بھگوان کرشن کے سندیش سمادھی کے ذریعہ اپنے اندر بھگوان کے درشن کئے، اور جو کچھ ان کو معلوم ہوا، وہ انہوں نے چنیا دنی نامی پستک و بھجنا ولی نام ترنگ کے اندر مختصر طور پر ظاہر کر دئے۔ اور کرشن چالیسا اردو زبان کے اندر شائع کیا۔ غرضیکہ چند ایک کتب جو راقم کے سامنے لکھی تھی، وہ کسی وجہ سے شائع نہ ہو سکیں۔

ان کے مدارج: ۔ آخری عمر میں وہ بطور سادھو مہاتما کے رہتے تھے، اور اکثر وقت بھجن پاٹھ اور بھگوت بھگتی پر ہی صرف ہوتا تھا، اور جو بھی ان ایام میں سوامی جی کے درشن کے لئے آتے تھے ان کو بل کر اور کیرتن سن کر بھگتی میں محو ہو جاتے تھے اور عش عش کرتے تھے،

سرگباش: ۔ دنیا فانی ہے یہاں پر جو آئے وہ وقت پورا کر کے بعد پرلوک سدھارے ۹، ۱۹۳۸ء کے اندر سوامی جی مہاراج سخت بیمار ہو گئے۔ بچنے کی کوئی آشا نہ رہی بہت لوگ ان کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے اس دوران میں سورگیہ سیٹھ حاکم رائے جی آہوجہ پردھان گئوشالہ فاضلکا ان کی اس بیہوشی کی حالت کو دیکھ کر آنکھوں میں پانی لے آئے اور پرارتھنا کی۔ کہ مہاراج جی آگیا دو، تا کہ کسی قابل ڈاکٹر کو لے آؤں سوامی جی نے سیٹھ صاحب کی طرف دیکھ کر کہا کہ لالہ جی فکر نہ کیجئے۔ میں اپنے پران فاضلکا میں نہیں دوں گا، میرے ڈاکٹر تو بھگوان کرشن ہی ہیں، آخیر اکتوبر ۱۹۳۹ء میں آپ لاہور میں سورگباش ہو گئے۔ اور ان کا قلمی ذخیرہ بھی لاہور میں ہی ختم ہو گیا۔ صدہا کتابیں لکھیں زمانہ گزر گیا نہ وہ سماں رہا، نہ وہ لوگ، اب تو صرف پیسے کی پوجا رہ گئی۔

ضروری نوٹ: ۔ سنت انک ایک ماہ جنوری فروری ۵۷ء دو ماہ کا پرچہ ہے، ماہ فروری میں رسالہ ادم دہلی کا کوئی علیحدہ پرچہ شائع نہیں ہو گا، ناظرین نوٹ فرماویں۔

(مینیجر)

راز و نیاز

منشی سورج صاحب مہر کی عقیدت میں

از قلم شری نوبت رائے جی شوخ

ہو رہا ہے کس سے آغوشِ تصور ہمکنار؟
پڑ رہی ہے بارشِ انوار کی دل پر پھوار
روح کی گہرائیاں تنویر سے لبریز ہیں
کھولتی ہے چشمِ باطن کس کی یادِ خوشگوار
کر رہا ہے دل کو روشن کس کا ذکرِ ضوفشاں؟
میرا ہر تارِ نفس ہے اک شعاعِ زرنگار
نام ہے وردِ زباں یہ کس جلیل القدر کا؟
کون ہے یہ کشورِ علم و ادب کا تاجدار؟

بزمِ دل میں جلوہ گر سورج نرائن مہر ہیں
آسمانِ معرفت کے مایۂ صد افتخار

اے کہ تو کشفِ حقیقت سے سراپا نور ہے
تیری تابانی سے ہے بزمِ تصوف تابدار
علم کے لمعات سے تو مطلعِ انوار ہے
نام ہے روشن ضمیری کا تیری آئینہ دار
تو نے روشن کر دیئے ہم پر رموزِ معرفت
تیری حق گوئی کے قرباں تو ہے وہ معجز نگار
جلوۂ معنی ہے تیرے جوہرِ تحریر میں
تیری ہر تحریر پر ہیں جان و دل اپنے نثار

روح پرور تیری نظم و نثر کے انداز ہیں
چٹکیاں لیتی ہے دل میں یاد تیری بار بار

اے کہ دامنگیرِ دل ہے تیرا اندازِ بیاں
تو نے کس خوبی سے کھولے رازِ فطرت بیدار
روح میں ہنگامۂ ہستی سے کچھ ہلچل نہیں
کب سکوں نا آشنا ہے بحرِ طوفاں در کنار؟
دیدنی ہیں یہ تماشے صرف سطحِ ذات پر
خود نمودِ بود سے رازِ دروں ہے آشکار
روح کی گہرائیاں قائم ہیں اپنے آپ میں
نیستی و ہستیِ موہوم سے بیگانہ وار

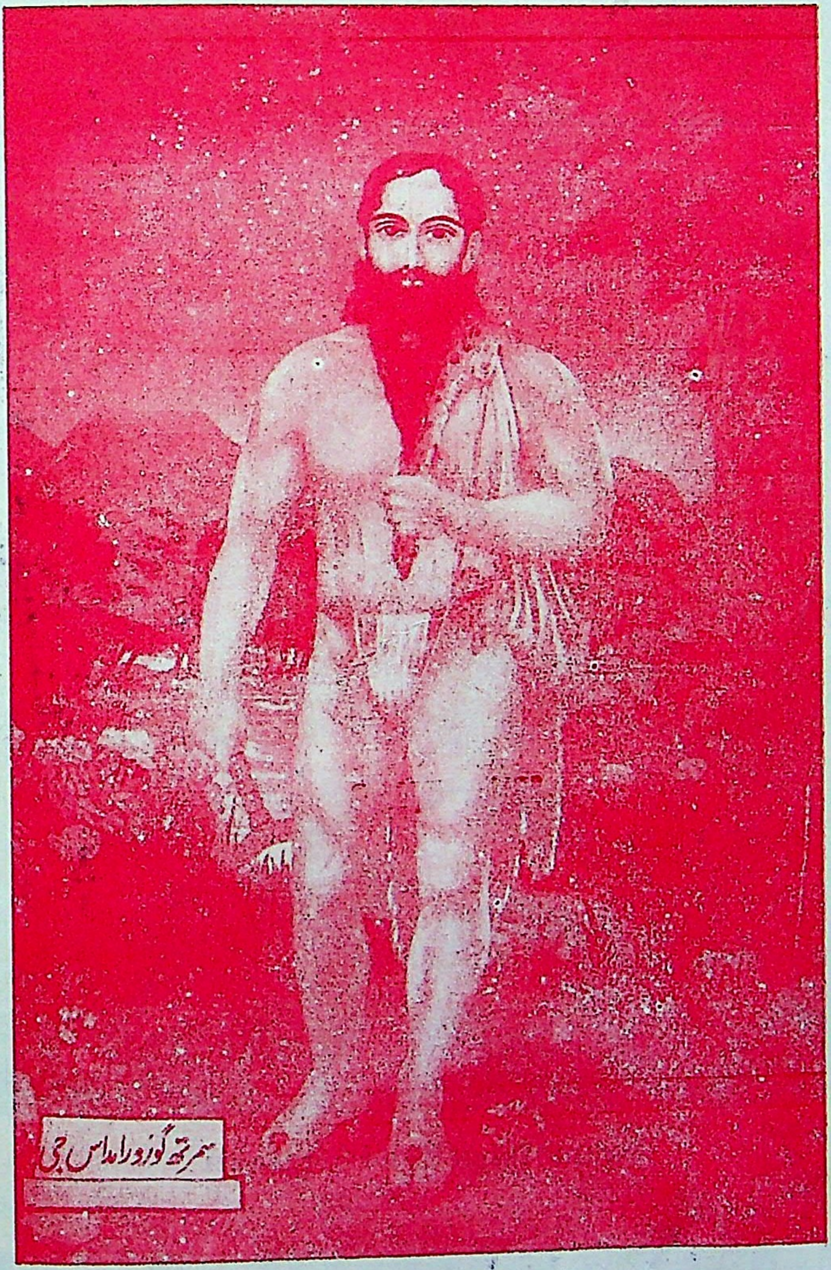
اک خیالی نقش یہ مجموعۂ اضداد ہے
دیدۂ بینا بصیرت سے اگر ہو ہمکنار

چشمِ باطن کھل گئی اپنی تیرے اعجاز سے
مٹ گیا جو دل کے آئینے پہ چھایا تھا غبار
یہ جہانِ رنگ و بو کب گلشنِ بے خار ہے
بے نیازِ دلفریبی ہے نگاہِ ہوشیار
تیری تصنیفات کا ہم پر بڑا احسان ہے
سر ترے قدموں پہ جھکتا ہے مرا بے اختیار
ہو رہا ہے جلوۂ حسنِ قدیمی بے نقاب
تجھ سے پایا آریاؤں کے فضائل نے نکھار
زندۂ جاوید ہیں تیری حقیقت پاشیاں
ہے شعاعِ نور تیرا خامۂ معجز نگار
بند ہو کوزے میں کیا دریا تیری توصیف کا
قطرۂ ناچیز ہے اے بحرِ ناپیدا کنار

فرطِ حیرت سے لبِ گویا پہ ہے مہرِ سکوت
عاجزیِ شوخ کا ہے بےزبانی پر مدار



Swami Daya Nand Saraswati



Samrath Guru Ram Das ji.

شری سمرتھ سوامی رامداس جی

مہاراشٹر کے لنگوٹ بند کرم یوگی راجا

۱

بھارت ورش کے پراچین اتہاس کے چند ایک واقعات نرالی شان رکھتے ہیں۔ اور نشکام کرم یوگ کی نہایت اعلیٰ مثالیں ہیں۔ مہاراجہ ہریش چندر نے اپنا سارا راج پاٹ مہرشی وشوامتر کو دان دے دیا تھا۔ اور اس کے بعد ان کی اجازت سے بحیثیت ان کے نمائندہ کے امور سلطنت کو انجام دیتے رہے۔ جب شری رام چندر جی بن کو گئے۔ تو بھرت نے ان کی کھڑاویں تخت پر رکھکر بڑے بھائی کے نام حکومت شروع کی تھی۔ شری رام چندر جی نے بھی اپنا راج پاٹ گرو وسشٹ جی کو دکھشنا کے طور پر بھینٹ کر دیا تھا۔ گورو جی نے حکم دیا۔ کہ تم میرے نمائندہ بن کر سلطنت کا کام چلاؤ اور رام آخری دم تک اس حکم کی تعمیل کرتے رہے۔ یہ واقعات بچہ بچہ کی زبان پر ہیں۔ لیکن بہت سے لوگ شاید یہ نہیں جانتے۔ کہ مہاراشٹر کا اصلی راجہ بھی ایک لنگوٹ بند مہاتما سچے کرم یوگی تھے۔ جو خود تخت سلطنت پر نہیں بیٹھے تھے۔ مگر ان کے اشارے اور ہدایت پر ہی چھترپتی شیواجی بحیثیت ان کے نمائندہ کے سلطنت کا کام سرانجام دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ چھترپتی شیواجی مہاراج کے جھنڈے کا رنگ گیروا تھا۔ گیروا رنگ سادھوؤں کا رنگ ہے۔ اور نشکام کرم کرنے والوں کا ایک نشان سا ہے۔ گویا

عرضیکہ جھنڈا اصاف طور پہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ مہاراشٹر کی بادشاہت کا اصلی مالک بھی گیروے وستر پہننے والا ایک سادھو اور سچا کرم یوگی ہی تھے۔ وہ سچے کرم یوگی سمرتھ سوامی رام داس تھے۔

شری سمرتھ سوامی رام داس کو کون نہیں جانتا؟ وہ چھترپتی شیواجی کے گورو تھے۔ اگر وہ نہ ہوتے۔ تو شیواجی کو اورنگ زیب جیسے زبردست بادشاہ سے لوہا لینے میں کامیابی نصیب نہ ہوتی اگر ان کی مفید ہدایت شیواجی کے شامل حال نہ ہوتیں۔ تو ہندو دھرم کا پھر اتھان نہ ہوتا۔

سمرتھ سوامی جی صرف درجہ ویدوان فاضل اجل اور بڑے مہاتما ہی نہ تھے۔ بلکہ کرم مارگ کے بڑے زبردست شاہسوار موقعہ شناس، نبض گیر زمانہ اور پورے سیاست دان تھے۔ شری شیواجی مہاراج نے جو اتنے بڑے بڑے معرکے کے کام کئے ہیں۔ ان کے در پردہ سمرتھ سوامی کی جو لنت بانی کی ستھ، کرم یوگ کی شکتی اور مصلحت اندیش قوت ہدایت کارفرما تھی۔ شیواجی کی اتنی بڑی سلطنت کی قائمی اتنے بڑے مہاراشٹر سامراجیہ کی ستھاپنا کا بہت کچھ فخر ان کو حاصل ہے۔ عام طور پر یہی تسلیم کیا جاتا ہے اور اس امر کے بہت سے ثبوت بھی ملتے ہیں۔ کہ شری شیواجی نے اپنے اکثر تمام بڑے بڑے کارنامے انہیں کی انگیخت پر کیا

اور ہدایت کے مطابق ہی کئے تھے بعض محققین کی تو یہاں تک رائے ہے۔ کہ ہندو پد پادشاہی کے قرار واقعی قائم کرنے والے شری سمرتھ سوامی ہی تھے۔ اور شیواجی تو محض ان کے حکم کی تعمیل کرنے والے قائمقام ہی تھے۔ سیواجی مہاراج کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن کی پیدائش کے وقت ان کے والدین کو کن کن حالات سے گزرنا پڑا۔ جو ان پر اثر انداز ہوئے۔ ان کے والد بزرگوار تو ان کے جنم کے بعد فوراً ہی جنگی حالات طوائف الملکی کے ماتحت دس بارہ سال تک ان سے جدا ہی رہے۔ اس دوران میں ان کی ماتا کو جن مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ کس طرح ایک قلعہ سے بھاگ کر دوسرے اور دوسرے سے تیسرے قلعہ میں بھگدڑ کی زندگی بسر کرنی پڑی بچپن سے ہی ایسے خوفناک حالات وکشمکش کے درمیان رہنے سے قدرتی طور پر سیواجی کی فطرت میں جنگجوئیت، بہادری اور جرأت کا عنصر بدرجہ اتم پیدا ہو گیا تھا۔ گیان صفات کو اعلیٰ درجہ پر پہنچانے، صحیح طور پر استعمال میں لانے کے طریقہ اور ان میں دھرم دکرم یوگتا کے بھاؤ پیدا کرنے کا کام جو سمرتھ سوامی جی کے اُپدیش نے کیا وہی سیواجی کی سچی کامیابی کا حقیقی راز ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر بلا تامل یہ کہا جا سکتا ہے۔ شری سمرتھ سوامی نے سارے مہاراشٹر میں اور اس کے ذریعے سارے ہندوستان میں بہت بڑی ملکی بیداری پیدا کی تھی۔ اور بھارت ورش کی پنیہ بھومی جو عرصہ سے اغیار کا تختۂ مشق ستم بنی ہوئی تھی۔ غلامی کی زنجیر دل میں جکڑی ہوئی تھی۔ اس میں انہوں نے آزادی کی روح ہی نہیں پھونکی تھی۔ بلکہ عملی طور پر ملکی حکومت یعنی سوراجیہ قائم کر کے دکھا دیا تھا۔ وہ سوراجیہ بھی اپنے اندر ایسی خوبیاں رکھتا تھا۔ کہ جسے بہت انشوں میں رام راجیہ کے سمان کہنا بجا ہے۔ اس حقیقت کو آنجہانی رانڈے اور شری راج واڈے۔ جیسے لاثانی فاضل

بھی تسلیم کر چکے تھے۔

(۲)

ہم اوپر کہہ چکے ہیں۔ کہ مہاراجہ ہریش چندر و شری رام چندر اپنے اپنے راج پاٹ کو دان کرنے اور بعد ازاں بطور نمائندہ کے امورِ سلطنت کو انجام دینے کے واقعات ہندو تاریخ میں نرالی شان رکھتے ہیں۔ بنفسہٖ سیواجی مہاراج کے سلطنت دان کر دینے کا واقعہ بھی نہایت دلچسپ ہے۔

۱۶۶۵ء کا ذکر ہے۔ سمرتھ سوامی ستارا میں بھکشا مانگتے ہوئے شاہی قلعہ میں بھی پہنچ گئے۔ اور دروازے پر جے جے شری رگھبیر سمرتھ" کی الکھ جگائی۔ اس وقت سیواجی مہاراج قلعہ میں ہی تھے۔ انہوں نے گورو کی آواز سنی اور سوچا: آج گورو جی بھکشا کرنے کے لئے میرے گھر آئے ہیں۔ ایسے مہاتما کی شان کے شایاں ہی انہیں بھکشا بھی ملنی چاہیئے۔ اس لئے ذرا سوچ کر انہوں نے ایک دان پتر لکھا۔ اور باہر آ کر گورو کی جھولی میں ڈال دیا۔

سمرتھ سوامی نے دریافت کیا۔ "شیوا! یہ کیا ہے؟"

چھترپتی بولے۔ "بھگوان! داس کی تچھ بھکشا"

سمرتھ سوامی نے کاغذ جھولی سے نکال کر پڑھنا شروع کیا۔ اس میں لکھا تھا۔

"کہ میں نے آج تک جن علاقوں میں حکومت قائم کی ہے۔ وہ سب گورو دیو کے چرنوں میں ارپن کرتا ہوں"

سیواجی کی اپار گورو بھگتی دیکھ کر شری سمرتھ سوامی بہت ہی محظوظ ہوئے۔ انہوں نے بڑے پریم بھرے الفاظ میں پوچھا "شیوا! بیٹا سلطنت تو تم نے دان کر دی۔ اب خود کیا کرو گے۔"

شیواجی نے عرض کیا: "بھگوان آپ کی سیوا کروں گا۔ یہ میرا بڑا سوبھاگیہ ہے۔" شیواجی بات کے پکے تھے۔ سمرتھ سوامی

جھولی اپنے کندھے پر ڈال لی اور گورو کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سارے شہر میں بھکشا مانگی۔ جب سمرتھ سوامی بھوجن کر چکے۔ تو شیواجی نے اسی بھکشا سے تھوڑا سا پرساد لے لیا۔ گورو دیو شش کی اس گورو بھگتی سے بڑے پرسن ہوئے۔ انہوں نے شیواجی کو پاس بٹھا کر کہا۔ "تیلوا میں راج لے کر کیا کروں گا۔ میرا کرم کشیتر تو اس سے بھی وسیع ہے اسے ہی میں اپنا راج سمجھتا ہوں۔ یہ راج تمہیں مبارک ہو۔ حکومت کرنا کشتریوں کا کام ہے۔ تم نیک دلی اور خوش اسلوبی کے ساتھ نظام سلطنت چلاؤ۔ عدل اور دھرم کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اسے اپنا ایشوری فرض سمجھ کر نشکام بھاؤ سے پوری توجہ کے ساتھ نبھاؤ بس یہی میری سب سے بڑی اور سچی سیوا ہے . . . .

. . . .

. . . . "تم نے میری سیوا کا برت لیا ہے، میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔ کہ میرے پرتی ندھی کے روپ میں تم سلطنت کا کاروبار کرو۔"

باقی صفحہ ۱۳۲ پر

ناظرین "اوم" کی سیوا میں نویدن:-

۱۔ خط و کتابت کرتے وقت اپنا نام اور پورا پتہ خوشخط اور صاف لکھا کریں۔ اور ساتھ ہی خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں تاکہ جلدی تعمیل ہو سکے۔ ۲۔ پرچہ ہر انگریزی ماہ کی ۲۲ تاریخ کو نہایت باقاعدگی کے ساتھ ارسال کیا جاتا ہے۔ اگر کسی کو ۲۷ تاریخ تک نہ ملے تو ایک ہفتہ کے اندر چٹھی لکھ کر دوبارہ منگوا سکتے ہیں۔ ۳۔ رسالہ اوم کا چندہ مبلغ -/۶ روپے (چھ روپے) مقرر ہے۔ اس چندہ میں سالنامہ سنت انک (قیمت دو روپے) کے علاوہ بعد ازاں شائع ہونے والے خاص نمبر بھی بھینٹ کئے جاویں گے۔ ہر دھرم پریمی کا فرض ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو اوم کا سرپرست بننے کی پریرنا کرے تاکہ اس دھارمک کاریہ کو سپھلتا پراپت ہو۔

(منیجر)

اس موقعہ پر شیوا جی نے گورو سے وہی سوال کیا۔ جو بھرت نے بن باسی رام سے کیا تھا۔ یعنے انہوں نے کہا۔ "گورو دیو! آپ کی آگیا سنے بے مکھ ہونا میرا دہرم نہیں۔ وہ مجھے بسر و چشم منظور ہے۔ مگر اپنی کھڑاویں مجھے دے دیجئے۔ میں انہیں تخت پر رکھوں گا۔ اور اس طرح دنیا کو بتاؤں گا۔ کہ حکومت سمرتھ سوامی رام داس جی کی ہے۔ میں تو صرف ان کے ادنے اسیوک کی حیثیت سے انتظام کر رہا ہوں"۔ اس واقعہ میں اتنا زور ہے۔ اتنی اہمیت ہے اور اتنی صداقت ہے۔ کہ اس سے سمرتھ سوامی رام داس کی کمال کرم یوگتا اور سیاسی قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔ شیوا جی جیسے بہادر فن سپہ گری کے ماہر۔ اور امور سلطنت کو اچھی طرح سمجھنے والے اعلٰے دماغ شخص کا سمرتھ سوامی پر حد درجہ عقیدت رکھنا کیا سوامی جی کی غیر معمولی طاقتوں اور عظمت کا کم ثبوت ہے؟

شری سمرتھ سوامی رام داس، رام چندر جی کے بڑے بھگت تھے۔ مہاراشٹر کے لوگ تو ان کو ہنومان جی کا اوتار مانتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں اپریل ۱۹۳۲ء میں آپ کے جنم استھان میں آپ کا ایک مندر بنایا گیا ہے۔ اس میں آپ کی مورتی ستھاپت کیگئی ہے۔ جب مورتی کی پران پرتشٹھا کا وقت آیا۔ تب پنڈتوں نے کہا تھا۔ کہ شری سمرتھ سوامی دیوتا نہیں۔ بلکہ منش تھے۔ اس لئے ان کی مورتی کی پران پرتشٹھا دیوتاؤں کی مورتی کی پران پرتشٹھا کے مطابق و برابر نہیں کی جاسکتی۔ مگر جب پنڈتوں کو دلائل کے ساتھ کہا گیا۔ کہ شری سمرتھ سوامی انسان نہیں۔ بلکہ ہنومان جی کے اوتار تھے۔ تب انہوں نے اس بات کو تسلیم کر کے رام داس جی کے روپ میں خود ہنومان جی کی مورتی پرتشٹھت کر کے سب کام شاستر انوسار پورا کیا۔ اس واقعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مہاراشٹر میں شری سمرتھ سوامی دیوتاؤں کے برابر پوجے جاتے ہیں۔

ضلع اورنگ آباد میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جسے جامب

کہتے ہیں۔ سمرتھ سوامی اسی گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی ماتا کا نام رانو بائی تھا۔ ان کے پتا سوریا جی پنت ایک دھارمک خیالات کے براہمن بزرگ تھے۔ انہوں نے اپنی عمر کے ۳۶ سال تپسیا میں گذارے تھے۔ ان کے دو بیٹے گنگا دھر اور نارائن تھے چھوٹا بیٹا نارائن ہی بعد میں سمرتھ سوامی رام داس کہلایا۔ کہتے ہیں۔ کہ نارائن جی بچپن میں بڑے نڈر، بلند حوصلہ، شوخ اور شرارتی تھے درختوں، چھتوں اور دیواروں وغیرہ پر چڑھنا کودنا، پھاندنا اور بہت سے لڑکوں کے ساتھ اودھم مچانے اور تیرنے وغیرہ کاموں میں ہی آپ کا وقت گذرتا تھا۔ ابھی ان کی عمر صرف پانچ سال کی تھی۔ کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اس وقت آپ کا یگیوپویت سنسکار ہو چکا تھا۔ مہاراشٹر کے مشہور سنت مہاتما ایکناتھ جی نے ان کے متعلق کہا تھا۔ کہ لڑکا ہنومان جی کا اوتار ہے۔ اور بڑا ہو کر مہا پرش بنے گا۔ سات برس کی عمر میں ہی نارائن جی کو ہنومان جی کے درشن کا خیال پیدا ہوا۔ وہ مندر میں گئے وہاں جا کر خوب دھیان میں مگن ہو گئے اور دل میں عہد کر لیا۔ کہ "جب تک ہنومان جی پرگٹ ہو کر مجھے اپنے فرض سے آگاہ نہیں کرینگے۔ میں مندر سے نہ اٹھوں گا اور نہ ہی ان جل گرہن کروں گا"۔ ان کا یہ عزم بالجزم اور ستیہ آگرہ کو دیکھ کر ہنومان جی بہت پرسن ہوئے اور خود ہی انہیں پرگٹ ہو کر درشن نہیں دئے۔ بلکہ ساتھ ہی سری رام چندر جی کے بھی پرتیکش روپ سے درشن کرائے۔ کہا جاتا ہے اس موقعہ پر خود ہی رام چندر جی نے ہی ان کا نام بدل کر رام داس رکھا۔

بارہ سال کی عمر میں رام داس جی کی شادی کی تجویز ہوئی جب انہیں خبر ملی تو گھر سے بھاگ گئے اور جب ذرا شادی کی بات ٹھنڈی ہو گئی۔ تو پھر واپس لوٹ آئے۔ لوٹ آنے پر ماتا نے پھر زور دیا کہ شادی ہو جائے مگر رام داس جی برابر انکار کرتے رہے۔ آخر ماتا نے سمجھایا۔ اور انہیں اپنی قسم دے کر مجبور

کر دیا۔ کہ جب تک کنیا دان کی رسم ادا نہ ہو جائے۔ اس وقت تک بیاہ کرانے سے انکار نہ کریں۔

بیاہ شروع ہوا۔ سیج دھیج کر برات لڑکی کے گھر گئی۔ وہاں کنیا دان کی جب رسم ادا ہو گئی۔ اس کے بعد دیش کی رسم کے مطابق پنڈتوں نے باآواز بلند یہ کہا۔ "شبھ منگل سادوہان" رام داس جی سادوہان کا لفظ سن کر چونک پڑے۔ انہوں نے برہمنوں سے پوچھا۔ کہ اس پد کا مطلب کیا ہے؟ برہمنوں نے کہا "تمہارے پاؤں میں اب گرہست کی بیڑی پڑھ گئی ہے۔ اس لئے تم خبردار (سادوہان) ہو جاؤ"۔ سمرتھ نے سوچا۔ جنتے المفقود آج تک سادوہان ہی چلا آتا ہوں۔ پھر بھی یہ براہمن مجھ سے چوکنا ہونے کے لئے اپدیش دے رہے ہیں۔ تب ضرور اس کا خاص مطلب ہے۔ اس لئے مجھے ان لوگوں کے کہنے کے مطابق خبردار ہو جانا چاہیئے۔ ان گرہست کی کڑی بیڑیوں کو توڑ کر آزاد ہو جانا چاہیئے ماتا کی آگیا کنیا دان تک شادی کے لئے رضامند ہونے کی تھی سو وہ پوری ہو چکی ہے۔ اب مجھے حق ہے کہ جو چاہوں سو کروں۔ یہ سوچ کر رام داس جی بیدی سے اٹھ کر بھاگ نکلے۔ سب لوگ حیران رہ گئے۔ بعض اشخاص نے پکڑنے کی کوشش کی۔ اور تعاقب بھی کیا گیا۔ مگر رام داس جی ہاتھ نہ آئے۔

رام داس جی نے بھاگ کر پنچ وٹی میں آ دم لیا۔ گوداوری ندی کے ٹھنڈے پانی میں پہروں کھڑے رہ کر تپسیا شروع کی۔ ۱۲ سال تک تپسیا کا یہی عمل رہا۔ ان کے جسم کا نچلا حصہ گل بھی گیا۔ مگر استقلال کے پتلے رام داس نے پوری سدھی حاصل کر کے دم لیا۔ اور پانی سے باہر نکل آئے۔ ان کے چہرے پر الیشوری تیج چمکنے لگا۔ خیالات اور وہار میں غیر معمولی شکتی پیدا ہو گئی۔

کہتے ہیں۔ کہ ناسک کے پاس کوسادر نامی گاؤں تھا۔ جہاں ایک امیر اگنی ہوتری مر گیا تھا۔ لوگ آخری سنسکار کے لئے اسے چتا میں ڈال چکے تھے۔ مرنے والے کی دھرم پتنی شرنگار کر کے ستی ہونے کے لئے آ رہی تھی۔ اس کے نمسکار کرنے پر رام داس جی نے آشیرواد دیا۔ "تم سوبھاگیہ وتی ہو اور تمہارے ۸ بیٹے ہوں"۔ مگر جب انہیں پتہ لگا۔ کہ اس کا تو ابھی پتی سرگباش ہو گیا ہے۔ تب انہوں نے اگنی ہوتری کی لاش پر بھگوان کا دھیان کر کے گوداوری کا جل چھڑکا۔ جس سے وہ زندہ ہو اٹھا۔ رام داس جی نے دعا دی۔ کہ اچھا تمہارے آٹھ کے علاوہ دو اور بیٹے ہوں گے۔ ان کے بردان کے مطابق اس اگنی ہوتری کے دس لڑکے ہوئے اس نے پہلا بیٹا رام داس جی نارائن کو دیا۔ جو بعد میں ان کا بڑا شش ادھو گوسوامی ہوا۔

بارہ سال کی کٹھور تپسیا کے بعد شری سمرتھ نے تیرتھ یاترا شروع کر دی۔ اس سے ان کا مطلب سارے دیش کی حالت کا مطالعہ بھی تھا۔ چنانچہ وہ کاشی، پریاگ، اجودھیا، متھرا، برندابن، دوارکا، پربھاس وغیرہ سے ہوتے ہوئے سری نگر کشمیر گئے۔ وہاں سے بدری ناتھ، کیدارناتھ، مانسرور، جگن ناتھ جی، رامیشور اور لنکا تک گھوم آئے۔ لوٹتے وقت دکن کے بہت سے تیرتھوں میں ہوتے ہوئے گوکرن، مہابلیشور، پمپا، پرشورام کشیتر اور پنڈھرپور وغیرہ ہوتے ہوئے پھر پنچ وٹی میں اپنے آشرم پر آ گئے۔ یاترا کے دوران میں انہوں نے سات سو مٹھ اور ہنومان و رامچندر جی کے مندر بنوائے لوگوں میں دھرم کا خوب پرچار کیا۔ مٹھوں کا انتظام قابل اور کرم یوگ والے سادھوؤں کے سپرد کر آئے۔ پنچ وٹی میں آ کر آپ بھگوان رام کی مورتی کے سامنے بیٹھ کر سچے دل سے اپنے بارہ سالوں کی تپسیا و تیرتھ یاترا کا پھل بھگوان کے ارپن کر دیا۔ یہ آپ کے نشکام کرم کی نہایت مدلل دلیل ہے۔

۱۲ بارہ برس تک تیرتھ یاترا کرنے پر سمرتھ سوامی کو دیش کی ناگفتہ بہہ حالت کا پورا علم ہو چکا تھا۔ اور آپ کے دل میں اس کے ادھار کا ولولہ موجزن ہو رہا تھا۔ انہوں نے سوچا کہ دیش میں اس وقت کرم یوگ اور دھرم وشواس کی روح پھونکنے کی بڑی ضرورت ہے۔ لوگوں کو اعلیٰ ہمت اور نشکام سیوک بنانے میں ملک کی ترقی کا راز ہے

دیش اور دہرم کی تبھی حفاظت ہو سکتی ہے۔ کہ جب لوگ اپنی خود غرضی کے محدود دایرہ سے نکل کر اپنے فرض کا احساس کریں۔ دیش اور دہرم کے ادھار کے لیے سچے کرم بیروں کی طرح میدان عمل میں کود پڑیں۔ اس لیے انہوں نے بھگتی کے رنگ میں لوگوں میں دلیری، شجاعت اور کرم بیرتا کی سپرٹ پیدا کرنی شروع کر دی۔

ان دنوں مہاراشٹر کے شاعر اعظم تکارام کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ شیواجی نے مشرقی ہند میں سوراجیہ قایم کرنے کے پیشتر تکارام جی کو اپنا گورو بنانا چاہا۔ لیکن انہوں نے کہا۔ کہ اس وقت سمرتھ سوامی رام داس کا رتبہ سب سے بلند ہے۔ آپ کو ان سے رجوع کرنا چاہیے۔ وہی آپ کے گورو ہونے کے قابل ہیں۔ سمرتھ سوامی جی ان دنوں دن رات گھوم گھوم کر سدھار کا کام بڑے زور سے کر رہے تھے۔ ان کا کسی خاص مقام پر ملنا دشوار تھا۔ آخر شیواجی نے ٹوہ لگاتے لگاتے پتہ لگا لیا۔ اور ان دونوں گورو چیلے کی پہلی ملاقات جنگل میں گولر کے ایک درخت تلے ہوئی۔ سمرتھ سوامی نے انہیں گورو منتر دیا گورو جی کا اپدیش پا کر سیواجی میں دوگنی چوگنی کام کرنے کی طاقت آ گئی۔ انہوں نے گورو کے حکم کے مطابق مہاراشٹر میں سوراجیہ قایم کرنے کا برت لیا۔ سوامی رام داس جیسے گورو کی رہنمائی پا کر سیواجی کرم یوگ کے آسمان پر مہر درخشاں کی طرح چمکے۔ اپنی سیاسی مہموں میں سمرتھ کے ہزاروں چیلوں اور عقیدت مندوں سے جنہیں اسی کام کے لیے تیار کیا تھا۔ کافی مدد ملی۔ سمرتھ سوامی کے سات سو مٹھ سارے بھارت ورش میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کا نظام نہایت منضبط طریقہ سے چل رہا تھا۔ تمام مٹھوں کا ہیڈ کوارٹر چاپھل تھا۔ جہاں سب مٹھوں کے منتظم باری باری اپنے مقررہ وقت پر آ کر اپنے مٹھ کی کارگزاری و انتظام کی رپورٹ پیش کیا کرتے تھے۔ اور آئیندہ کے لیے ہدایت لے جایا کرتے تھے۔ ہیڈ کوارٹر کا انتظام بھی سوامی جی نے اپنے ایک قابل و فاضل شاگرد کے سپرد کر رکھا تھا۔ اور آپ گھوم پھیر کر عوام میں بیداری پھیلا رہے تھے۔ شیواجی کو گاہے گاہے اپنی مفید ہدایات سے مستفید کرتے رہتے تھے۔ جن کے بل بوتے پر شیواجی نے بڑے سامراجیہ کی قایمی کی۔

سمرتھ سوامی خود تیاگی تھے۔ لیکن ہندو جاتی اور ہندوستانی عوام کی حالت زار دیکھ کر ان کا دل تڑپ اٹھا تھا انہوں نے اسی لیے شیواجی کو کرم یوگ کا اپدیش دیا تھا۔ آج سیواجی کے بلند اخلاق ہونے کی دھوم ہے۔ اس کی وجہ سوامی جی کا اپدیش ہی تھا۔ شیواجی کی وفات کے بعد سمرتھ سوامی کو بھی بہت ہی دکھ ہوا۔ اور حقیقت انہوں نے ایسا محسوس کیا۔ کہ گویا ان کا ایک بازو ٹوٹ گیا ہے۔ چنانچہ انہیں بھی زیادہ دیر زندہ رہنا نہ بھایا۔

سمرتھ سوامی رام داس کو اپنی موت کا دن پہلے ہی سے معلوم تھا لیکن ان کے چیلے نے بھی ان کی زندگی میں ہی گورو کی موت کے متعلق صحیح پیشگوئی کر دی تھی۔ سمرتھ سوامی رام داس جی نے سنہ ۱۶۶۰ء بکرمی رام نومی کے دن اپنے پران تیاگ دئے سمرتھ رام داس جی نے تحریری طور پر بھی ملک پر بہت احسان کئے ہیں اور ایسی ایسی نایاب کتابیں لکھی ہیں۔ جو انسانی جماعت کا بہت سدھار کر رہی ہیں، ان کتابوں کی بڑی طویل لسٹ ہے اس کے علاوہ ابھی یہ بھی پورے طور پر تحقیق نہیں ہو سکا۔ کہ کل کتنی کتابیں انہوں نے لکھی تھیں، تاہم جن کا پتا چلا ہے اور عام مطالعہ میں آ رہی ہیں۔ ان میں چند مشہور کتب کے نام یہاں درج کیے جاتے ہیں۔ داس بودھ نامی کتاب بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب آپ نے سیواجی کے لیے لکھی تھی، اس کے علاوہ من کے شلوک، چودہ شتک، جن سوبھاو۔ گوسادی، پنچ سمادھی، جنانٹ پرش، مانس پوجا، جنانداس بودھ، پنچ کرن یوگ، چتر تھ یوگ مان، مان نیچگ، پنچ مان۔ رام گیتا۔ کرت نرواہ، جیتو سمادسی۔ اکشر پدسنگرہ، سپت سماسی، رام کرشن ستوتر اور رامائن وغیرہ کتابیں لکھی تھیں۔

۷۸۶

حضرت محمدؐ صاحب

از قلم
رائے صاحب
لالہ رگھوناتھ
سہائے جی
بی - اے

۱

جس وقت حضرت محمدؐ صاحب کا ظہور ہوا، ملکِ عرب میں بہت سی مذہبی، مجلسی اور اخلاقی بُرائیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ انسانی زندگی کو لوگ کھلونوں کی طرح بے حقیقت سمجھتے تھے، ذرا سی بات پر کسی کی جان لے لینا اُن کے لئے محض تماشہ تھا۔ عورتوں کو بہت ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ ایک ایک مرد آٹھ آٹھ دس دس بلکہ اس سے بھی زیادہ شادیاں کر سکتا تھا۔ لڑکیوں کا پیدا ہونا بہت بُرا خیال کیا جاتا۔ لڑکیوں کو زندہ قبر میں دبا دیا جاتا تھا، غلاموں کی تجارت عام تھی، شراب خوری کی یہ حالت تھی کہ لوگوں کے گھروں میں گھڑے کے گھڑے بھرے رکھے رہتے تھے، لوگ شراب میں بدمست ہو کر بہت سی بیہودہ کارروائیاں کرتے تھے، قمار بازی بہت ہی زوروں پر تھی۔ بت پرستی کا یہ حال تھا کہ ہر ایک گھرانے اور خاندان میں علیحدہ علیحدہ بُت موجود تھا،

عرب کی اس افسوسناک حالت کا نقشہ مولانا حالی صاحب نے اپنی مشہور نظم مسدس حالی میں خوب کھینچا ہے ؎

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ ۔ ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ ، نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے ، درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے
نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے ، سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے ، تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے
بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارہ ، تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا
جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر ، تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور ، کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی ، جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

جوا اُن کی دن رات کی دل لگی تھی، شراب اُن کی گھٹی میں گویا پڑی تھی، تعیش تھا، غفلت تھی، دیوانگی تھی، غرض ہر طرح اُن کی حالت بُری تھی بہت اس طرح گذری تھیں اُن کو صدیاں، کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں

جب عرب کی یہ حالت تھی، تو ضروری تھا کہ اس کو دور کرنے کے لئے خداوند تعالےٰ کے اٹل قانون کے مطابق کوئی اُس کا خاص بندہ آتا، اور اس حالت کو دور کرتا،

چنانچہ قریش قبیلہ میں عبد المطلب کے بیٹے عبداللہ کے ہاں ۲۹ اگست ۵۷۰ء کو حضرت محمد صاحب پیدا ہوئے، مگر افسوس کہ ان کے باپ ان کی پیدائش سے چند ماہ پیشتر ہی ۲۴ برس کی عمر میں اس جہان سے چل بسے اور ان کے دادا عبدالمطلب نے ان کی پرورش کا انتظام کیا، کچھ روز ان کی والدہ حضرت آمنہ نے انہیں اپنا دودھ پلایا۔ پھر ان کی ایک دایہ حلیمہ نامی کے سپرد کر دیا۔ ابھی چھ سال کے ہونے نہ پائے تھے۔ کہ والدہ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اور کچھ عرصہ بعد اُن کے دادا بھی انتقال فرما گئے۔ اب اُن کی پرورش ان کے چچا ابو طالب کے ذمہ ہوئی،

ان میں شروع سے ہی غور و فکر کی عادت تھی۔ اکثر چُپ چاپ بیٹھے زندگی کے مختلف مسائل پر سوچا کرتے تھے ان کے چچا ان کا دل بہلانے اور کچھ کاروبار سکھلانے کی غرض سے انہیں جب وہ تجارت کے سلسلہ میں باہر جاتے تو اپنے ساتھ لے جاتے، قدرت نے ان کے اندر شروع سے ہی راست بازی اور دیانتداری کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ بہت سے لوگ آ کر ان سے اپنے جھگڑوں اور تنازعوں کا فیصلہ کراتے تھے۔ ان سفروں میں پہاڑوں اور سمندروں کے نظاروں نے ان کے دل پر خدا کی قدرت کا سکہ خوب بٹھا دیا۔

۲

جب ان کی عمر ۲۵ برس کی تھی ۔ تو انہیں خدیجہ نامی ایک بیوہ نے ان کی شہرت اور دیانتداری کا حال سن کر بلا بھیجا ۔ اور بہت سا مال دے کر تجارت کی غرض سے یمن کی طرف بھیجا ۔ انہیں چچا کے ساتھ رہتے رہتے تجارت کا کافی تجربہ ہو گیا تھا ۔ انہوں نے خدیجہ کے مال کو بہت نفع پر فروخت کیا ۔ ان کو دوگنی تنخواہ پیش کی گئی ۔ اور ان کی خوبیوں سے متاثر ہو کر خدیجہ نے ان سے شادی کی درخواست کی ، چنانچہ انہوں نے اپنے چچا ابوطالب کے مشورہ سے خدیجہ کی درخواست منظور کر کے اس سے شادی کر لی ۔ پندرہ سال کے بعد حضرت خدیجہ کا انتقال ہو گیا ۔ اور انہیں بہت رنج ہوا ۔ ان کی موت کے بعد اکثر حضرت صاحب بہت محبت اور شکر گزاری سے انہیں یاد کیا کرتے تھے ، حضرت صاحب نے ایک غلام زید نامی کی حالت کمزور دیکھ کر اسے خدیجہ سے مانگ لیا اور فوراً آزاد کر دیا ۔ آزادی ملنے پر زید نے اپنے گھر جانا پسند نہیں کیا بلکہ تمام عمر حضرت محمد صاحب کے پاس رہنے کا فیصلہ کر لیا :۔

حضرت صاحب اپنے ہموطنوں کی جہالت اور خرابیوں کو دیکھ کر ہر وقت اداس رہتے تھے ، اکثر تنہائی میں اپنا وقت گزارتے اور گڑگڑا کر خدا کی درگاہ میں دعا کرتے کہ اے خدا! انہیں گناہوں سے بچا ۔ اور ان کا دل اپنی طرف پھیر ، آخر خدا نے ان کے پاک دل کو اپنے نور سے بھر دیا ۔ اور وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ خدا چاہتا ہے کہ میں اس کا رسول بن کر لوگوں کو اس کی پرستش کی طرف راغب کروں ، جب ان کی عمر چالیس سال کی تھی ۔ اور غارِ حرا میں بیٹھے ہوئے خدا کے دھیان میں محو تھے ، تو اچانک ایک آواز ان کے کان میں پڑی ۔ کہ " اے محمدؐ! اٹھ اور خدا کا نام لے کر پڑھ تجھ پر وہ راستہ کھولا گیا ہے جس کی تو تلاش میں تھا " یہ آواز سن کر وہ کانپ اٹھے ۔ گھبرائے ہوئے اور پسینوں میں تر گھر پہنچے اور سارا حال حضرت خدیجہ کو سنایا ، انہوں نے آپ کو تسلی دی اور کہا کہ آپ خدا کے رسول ہیں ۔ اور آپ کو ضرور کامیابی حاصل ہوگی ۔ یہ کہہ کر وہ ان پر ایمان لائیں ۔ اور بعد میں حضرت علی حضرت ابوبکرؓ اور زید اور چند لوگوں نے انہیں رسول تسلیم کیا ۔ اور ان پر ایمان لے آئے ۔

تین سال تک تو حضرت محمدؐ صاحب چپکے چپکے اپنے چند دوستوں اور رشتہ داروں کو خدا کا حکم سناتے رہے آخر ایک دفعہ تمام اپنے رشتہ داروں ، دوستوں اور قبیلہ والوں کو جمع کر کے ان کو بتلایا کہ میں خدا کی طرف سے تمہیں اس وحدہٗ لاشریک کی پرستش کی تلقین کرنے اور برائیوں سے بچانے کے لئے بھیجا گیا ہوں ، یہ سن کر لوگوں نے بہت شور مچایا اور کہا کہ تو غلط کہتا ہے مگر انہوں نے کچھ پرواہ نہیں کی اور باقاعدہ مختلف مقامات پر وعظ کرنا شروع کر دیا ، لوگوں نے ان کے چچا ابوطالب کے پاس جا کر کہا کہ تو اپنے بھتیجے کو سمجھا کہ اس کفر سے باز آئے ورنہ ہم اس کے ساتھ بہت برا سلوک کریں گے ۔ ابوطالب نے بہت سمجھایا کہ بیٹا مفت میں تم کیوں لوگوں سے بیر باندھتے ہو ، مزے سے زندگی بسر کرو نہ جانے یہ لوگ غصہ میں آ کر کیا کر بیٹھیں ، مگر محمدؐ صاحب نے کہا ۔ کہ چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے میں اپنے ارادے سے باز نہیں آ سکتا ۔ خدا نے میرے سپرد یہ کام کیا ہے ۔ اس کا بجا لانا میرا فرض ہے ، چاہے ایسا کرنے میں میری جان تک بھی جاتی رہے ، جب ابوطالب کو یہ معلوم ہوا کہ محمدؐ اپنے ارادے میں پہاڑ کی طرح مضبوط ہے تو کہا ۔ اچھا کچھ ہی ہو میں تیری حفاظت کروں گا ۔ چچا کی زبان سے یہ حوصلہ افزا الفاظ سن کر ان کا جوش بہت زیادہ بڑھ گیا ۔ اور خوب زور شور سے اپنے مشن کا پرچار کرنا شروع کر دیا ۔

اب حضرت صاحب کے پیروؤں کی تعداد روز بروز زیادہ ہوتی گئی ۔ اور ساتھ ہی ساتھ قریشیوں کی مخالفت بھی بڑھتی گئی ۔ انہوں نے ان کو طرح طرح کے لالچ دیئے ، دھمکیاں بھی دیں ۔ ان کو قتل کرنے کا ارادہ بھی کیا ، مگر انہوں نے ان کی مخالفتوں کی مطلق پرواہ نہ کی ، خود حضرت صاحب کے چچا ابوجہل اور اس کی بیوی ان کے سخت مخالف ہو گئے ۔ اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے لگے ، یہاں تک کہ جب وہ صبح کو منہ اندھیرے عبادت کے لئے جنگل میں جاتے تو بیچی ان کے

راستہ میں کانٹے بچھا دیتی اور ان کے پاؤں اور پنڈلیاں زخمی ہو جاتے۔ ایک دفعہ جب یہ نماز پڑھ رہے تھے تو ایک شخص نے ان کے گلے میں پٹکا ڈال کر گلا گھونٹنا چاہا۔ مگر حضرت ابوبکرؓ موقعہ پر پہنچ گئے اور انہوں نے ان کی جان بچائی۔ جب وہ کھانا کھانے بیٹھتے تو لوگ ان کے کھانے میں کوڑا کرکٹ گرا دیتے، کئی دفعہ ان پر گندگی پھینکدیتے۔ ان کی لڑکی کپڑوں پر پانی ڈالتی جاتی اور روتی جاتی، مگر یہ کہتے بیٹی کچھ پرواہ نہیں، خدا خود میری حفاظت کرے گا۔

اسی طرح ان کے پیروؤں کو بھی لوگ طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے، ان کی چھاتیوں پر پتھر کی سلیں رکھ دیتے، ان کو گرم ریت پر لٹا دیتے، ان کی عورتوں کو ننگا کر کے بہت بے عزت کرتے، مگر یہ لوگ اعتقاد کے ایسے پکے تھے کہ کسی قسم کا دکھ اٹھا کر بھی اسلام نہ چھوڑتے، اور ہر حالت میں خدا کا شکر کرتے۔

(۸)

قریش کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر بہت سے مسلمان حبش کے علاقہ میں چلے گئے اور وہاں کے عیسائی بادشاہ نجاشی کی پناہ لی لیکن وہاں بھی مخالفوں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور بادشاہ سے جا کر کہا کہ ان لوگوں نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے اور ایک نیا دین نکالا ہے۔ جو آپ کے دین کے بھی مخالف ہے، انہیں پناہ نہ دو، نجاشی نے جعفرؓ مسلمان کو بلا کر سب حال دریافت کیا، اور جب جعفرؓ نے بادشاہ کو بتلایا کہ ہم لوگ پہلے جاہل تھے، بت پرستی کرتے تھے، گندی اور فحش باتیں بکتے تھے لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے، شراب پیتے تھے، جوا کھیلتے تھے غرض ہر قسم کی بدکاریوں میں مبتلا تھے، خدا نے ہمارے لئے رسول بھیجا۔ اور اس نے ہمیں نیکی کی طرف مائل کیا، یہ سنکر نجاشی کے دل پر بہت اثر ہوا اور اس نے کہدیا کہ یہ میری پناہ میں آ گئے ہیں، میں انہیں یہاں سے نکال نہیں سکتا۔ یہ سن کر مخالفین اپنا منہ لے کر واپس چلے گئے۔

مسلمانوں کے حبش میں چلے جانے کے بعد حضرت صاحب مکہ میں برابر وعظ کرتے رہے۔ اس اثنا میں دو زبردست ہستیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ایک تو خود ان کے چچا حمزہؓ جو بہت بارسوخ شخص تھے۔ اور دوسرے عمرؓ جو بعد میں حضرت عمرؓ کہلائے۔ حضرت عمرؓ پہلے ان کے جانی دشمن تھے۔ اور تلوار گلے میں ڈال کر ان کے قتل کو نکلے تھے، مگر قرآن شریف کی چند آیتیں سن کر ان کے پیرو بن گئے۔ اور چار یاروں میں شمار ہونے لگے۔ جب ان کے چچا ابوطالب کا انتقال ہو گیا تو لوگوں کی مخالفت اور بھی بڑھ گئی۔ انہوں نے "مکہ" چھوڑ کر طائف میں قیام کرنے کا ارادہ کیا، مگر وہاں کے لوگ پہلے ہی ان کے مخالف تھے، جب ان کا وعظ سنا تو بہت برافروختہ ہوئے۔ اور انہیں وہاں سے نکال دیا، "مکہ" والوں نے انہیں شہر میں داخل نہ ہونے دیا، مگر ایک شخص مطعم نے لوگوں کو بہت لعنت ملامت کی اور کہا کہ میں محمدؐ کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں اس طرح وہ مکہ میں رہنے لگے، مگر شریر لوگ مخالفت سے کب باز آتے تھے۔ انہوں نے اس مطعم کو بھی سخت تکلیف دی دی جاتی ہے تو انہوں نے کہدیا کہ میں اب آپ کی پناہ میں رہنا نہیں چاہتا، خدا میرا محافظ ہے، جو ہو گا میں برداشت کروں گا۔ مجھے ہرگز یہ گوارا نہیں کہ میرے سبب سے آپ کو تکلیف ہو

اب ان کا وعظ سنکر بہت سے لوگ ان کے پیرو بن گئے۔ طفیل نامی رئیس جو اس ڈر سے کہ ان کا کلام اس کے کان میں نہ پڑ جائے اور اس پر اثر ہو جائے اپنے کان میں روئی ٹھونس لیتا تھا۔ ایک دفعہ جلدی میں ٹھونسنا بھول گیا، اور ان کا وعظ سن کر ان کا پیرو بن گیا۔ ایک دفعہ جب تاجروں اور یاتریوں کو وعظ کر رہے تھے، تو چند مدینہ کے لوگ بھی وہاں موجود تھے ان کا وعظ سنکر وہ ان کے پیرو بن گئے، اور اپنے ساتھ اسلام کا واعظ لے گئے، وہاں بہت لوگوں نے اسلام قبول کر لیا پھر ان کو مدینہ بلایا، چنانچہ بہت سے مسلمان مدینہ چلے گئے مدینہ والوں نے حضرت صاحب اور مسلمانوں کا بہت تپاک سے استقبال کیا، مسلمانوں کو اپنے گھروں پر ٹھہرایا۔ ان کو کاشت کے لئے اپنی زمینیں دیدیں اور ہر طرح پر ان کو برادرانہ حقوق عطا کئے۔

حضرت صاحب نے کچھ روز مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر قبا نامی آبادی میں قیام کیا۔ حضرت علیؓ بھی وہاں پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے پہلی مسجد نماز کے لئے بنوائی۔ اس کے بنانے میں خود آپ نے صحابہؓ کے ساتھ مل کر مزدوروں کا کام کیا، مدینہ والوں کے زور دینے پر آپ مدینہ گئے۔ اور ارادہ کیا کہ جہاں میری اونٹنی ٹھہر جائے گی۔ وہیں قیام کروں گا، چنانچہ حضرت ابو ایوب کے مکان کے پاس اونٹنی ٹھہر گئی اور آپ نے وہیں قیام کیا۔ وہاں اگرچہ زمین مفت ملتی تھی، مگر آپ نے قیمت دے کر زمین خریدی اور یہاں انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ محنت مزدوری کر کے مسجد بنائی اس وقت بیچارے مسلمانوں کو آزادی کے ساتھ نماز پڑھنا نصیب ہوا۔ اور جمعہ کا دن جماعت کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے کے لئے مقرر ہوا، مدینہ میں مسلمانوں کی رہائش اور گزارہ کا تسلی بخش انتظام کر کے آنحضرت نے یہودیوں کے ساتھ عہد نامہ کر کے اُن کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کر لئے، اگرچہ افسوس ہے کہ یہودی لوگ اپنے اقرار پر قائم نہ رہے۔ اور بعد میں مسلمانوں کے مخالفوں کے ساتھ ساز باز کر کے انہیں بہت تکلیف دیتے رہے۔

۴

گو اب مسلمان مدینہ میں امن و امان سے رہتے تھے لیکن ان کے دشمنوں کو یہ گوارا نہ تھا۔ کہ وہ اس طرح پر آزادی سے کام کرتے رہیں، وہ تو چاہتے تھے کہ اگر ان کا بس چلے تو مسلمانوں کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔ انہوں نے عبداللہ نامی ایک شخص جو مدینہ میں رہتا تھا، جو دل ہی دل میں حضرت صاحب کا روز افزوں رسوخ دیکھ کر بہت جلتا تھا، خط و کتابت کرنی شروع کی اور اس سے کہا کہ حضرت صاحب کو مدینہ سے نکال دے، مگر جب وہ کچھ نہ کر سکا۔ تو اس نے اور مخالفوں نے آس پاس کے قبیلوں کو مسلمانوں کے برخلاف بہت بھڑکایا۔ اور یہ سب لوگ بہت سی جمعیت لے کر بدر کے مقام پر پہنچ گئے۔ آنحضرت ہرگز جنگ کرنا نہ چاہتے تھے مگر مسلمانوں کی حفاظت کے لئے خدا سے دُعا کر کے تین سو آدمی لے کر آگے بڑھے اور ان جانباز لوگوں نے ایک ہزار آدمیوں کو سخت شکست دی اور بہت سے آدمی قید کر لئے۔ حضرت صاحب نے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور ضمانت لے کر انہیں چھوڑ دیا۔

اس شکست سے مخالفوں کو بہت صدمہ پہنچا۔ اور انہوں نے مسلمانوں سے بدلہ لینے کی زبردست تیاریاں شروع کر دیں، چنانچہ انہوں نے تین ہزار آدمیوں کی زبردست فوج تیار کی اور بہت سا سامان جنگ جمع کیا، بہت سی عورتیں بھی فوج کے ساتھ ہو لیں، یہ فوج مدینہ کی طرف روانہ ہوئی، حضرت صاحب نہیں چاہتے تھے کہ مقابلہ کیا جائے، مگر اور مسلمانوں کے زور دینے پر لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ ان کے پاس صرف سات سو جوان تھے، خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی، دشمنوں کے بہت سے آدمی کام آئے خود آنحضرت زخمی ہوئے۔ اس خبر سے مسلمان مایوس ہو گئے۔ اور ان کی فوج میں کھلبلی مچ گئی۔ اس لڑائی کے متعلق تحقیق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ کس کو شکست ہوئی بہر حال طرفین کا سخت نقصان ہوا۔ اس لڑائی میں حضرت صاحب نے اپنے دشمنوں کے لئے دُعا مانگی۔ کہ اے خدا انہیں معاف کر کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔

اس جنگ کے بعد مخالفوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور انہوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اب ہم اسلام کو بالکل نیست و نابود کر کے چھوڑیں گے، کئی قبیلوں کے لوگوں نے مسلمان بننے کا بہانہ کر کے مسلمانوں کے بہت سے واعظوں کو قتل کر ڈالا، یہودی لوگ بھی اسلام کے دشمنوں کے ساتھ مل گئے۔ چنانچہ ۲۴ ہزار فوج تیار ہو گئی، مگر خدا کی غیبی طاقت مسلمانوں کی امداد کر رہی تھی۔ اور ان کا حوصلہ بڑھا رہی تھی، چنانچہ انہوں نے مدینہ کے اس طرف جہاں پہاڑ نہ تھے، ایک خندق کھودنے کا ارادہ کیا۔ جس میں خود حضرت صاحب نے ہاتھ میں پھاوڑہ لے کر مزدوروں کا کام کیا۔ خدا کی کرنی ایسی ہوئی کہ ایک رات سخت آندھی چلی اور موسلا دھار مینہ برسا۔ اور دشمنوں کے سب خیمے اکھڑ گئے۔ ان پر غضب کا خوف طاری ہو گیا، وہ سمجھے کہ خدا کی طرف سے قیامت نازل ہوئی ہے۔ ان میں سخت ابتری پھیل گئی اور سب لوگ اپنا بدھنا بوریا باندھ کر چلتے بنے اس طرح پر میدان مسلمانوں

کے ہاتھ رہا، درحقیقت اسے غیبی امداد ہی سمجھنا چاہئے، ورنہ اگر لڑائی ہوتی تو ایک بھی مسلمان نہیں بچ سکتا تھا۔

یہودیوں کی شرارتیں برابر جاری تھیں، حضرت صاحب تو ہر چند چاہتے تھے کہ انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے اور وہ مسلمانوں کے ساتھ صلح و امن سے مدینہ میں رہیں، لیکن خندق کی لڑائی میں انہوں نے سخت غداری کا ثبوت دیا تھا وہ ہمیشہ اپنی تقریروں، نظموں میں مسلمانوں اور خصوصاً حضرت صاحب کی ہجو کرتے رہتے تھے، مسلمان عورتوں کو وہ آتے جاتے بہت تنگ کرتے تھے۔ ایک دفعہ زینب نامی یہودی عورت نے حضرت صاحب اور بہت سے مسلمانوں کو دعوت دی اور کھانے میں زہر ملا دیا، حضرت صاحب کو شبہ ہو گیا۔ اور خدا کی مہربانی سے سب کی جان بچ گئی۔ اس سازش میں بہت سے بڑے بڑے یہودی شامل تھے۔ اور کوئی ہوتا تو سب یہودیوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیتا، مگر آنحضرت نے چند سرغنوں کو ہی سزا دینا کافی سمجھا:

۵

اب سب کو یقین ہو گیا تھا۔ کہ قریش اب خاموش ہو کر بیٹھ جائیں گے، کیونکہ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا خالہ جی کا گھر نہ تھا۔ حضرت صاحب کا بھی یہ خیال تھا کہ اب قریش دل چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اس لئے انہوں نے حج کے ارادہ سے مکہ جانے کا فیصلہ کیا، چنانچہ تیرہ چودہ سو مسلمانوں کو ساتھ لے کر کعبہ کی زیارت کو روانہ ہوئے، اپنے ساتھیوں کو پہلے ہی حکم دیدیا تھا، کہ کوئی شخص ہتھیار یا اور لڑائی کا سامان اپنے ساتھ نہ لے جائے اور صرف ایک تلوار میان میں اپنی حفاظت کے لئے رکھے، جب وہ مکہ کے قریب پہنچے، تو قریش کو شبہ ہوا کہ مسلمان مکہ پر حملہ کرنے آتے ہیں۔ جب قریش کا قاصد ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کہ ہم محض حج کی نیت سے یہاں آئے ہیں، اور ہم چاہتے ہیں کہ قریش کے ساتھ صلح ہو جائے چنانچہ کچھ قیل و قال کے بعد صلح کی شرطیں طے ہو گئیں اور مسلمان بغیر حج کئے واپس آ گئے، بعض مسلمانوں نے اس کو بہت برا سمجھا، حضرت صاحب نے اس موقعہ پر صلح کرنا ہی مناسب سمجھا تھا، اگر لڑائی ہوتی تو ایک مسلمان بھی زندہ واپس نہ آتا۔ کیونکہ وہ بالکل جنگ کے لئے تیار نہ تھے، یہ واقعہ صلح حدیبیہ کہلاتا ہے،

اس صلح کے بعد مسلمانوں کی طاقت دن دونی رات چوگنی ترقی کرنے لگی، حضرت صاحب نے مختلف مقامات پر اپنے واعظ بھیجے، اور مختلف سلطنتوں کے حکمرانوں کو دعوت اسلام دی، کئی سلطنتوں نے اسلام کی بہت قدر کی اور مسلمانوں کو وعظ کرنے کی کھلی اجازت مل گئی،

قریش لوگ صلح تو منظور کر چکے تھے مگر اسلام کی ترقی انہیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ اور وہ اسی تاک میں رہتے تھے، کہ جب موقعہ ملے اسلام کا خاتمہ کر دیں، چنانچہ وہ برابر چھیڑ چھاڑ کرتے رہے، ایک دفعہ انہوں نے ایک مسلمان فزاعہ نامی کو عین کعبہ میں قتل کر ڈالا، آنحضرت نے قاصد بھیجا کہ کیا آپ حدیبیہ کے صلحنامہ کو برقرار رکھنا نہیں چاہتے قریش نے ٹال مٹول کرنا چاہا۔ اور آخر کہہ دیا کہ اب وہ صلحنامہ قائم نہیں رہ سکتا:

اب آنحضرت نے فیصلہ کیا کہ روز کی جھک جھک ٹھیک نہیں۔ اب قریش کو ایسا سبق سکھانا چاہئے کہ وہ آئندہ سر اٹھانے کی جرات نہ کریں، چنانچہ انہوں نے زور شور سے مکہ پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں، اور دس ہزار جرار فوج لے کر ۸ھ کو مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ یہ چاہتے تھے۔ کہ قریش پر مسلمانوں کا خوف طاری ہو جائے۔ اور وہ بلا جنگ کئے اطاعت قبول کر لیں، چنانچہ مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر ڈیرے ڈالدیئے اور سب نے اپنے اپنے خیموں کے سامنے آگ لگا دی، قریش یہ دیکھ کر کہ اس قدر اسلامی لشکر مکہ پر چڑھ آیا ہے، ڈر گئے۔ ابو سفیان جو اسلام کا جانی دشمن تھا، گو وہ دل میں اسلام کی روحانی قوت کو محسوس کرتا تھا، قاصد بن کر آیا، لیکن حضرت صاحب کے نیک سلوک سے متاثر ہو کر اس نے اپنے قصوروں کی معافی مانگ لی حضرت صاحب نے دریادلی سے اسے معاف کر دیا۔ اور اس نے اسلام قبول کر لیا، اس نے واپس جا کر اعلان کر دیا کہ اب اسلام کا مقابلہ کرنا بے سود ہے۔ جو شخص امان چاہتا ہے یا میرے گھر میں چلا آئے یا اپنا دروازہ بند کرے کسی کو ایذا نہیں پہنچے گی،

۷۸۶

نعت

از قلم
شری نوبت رائے جی شوخ

محمدؐ حبیبِ خدا بن کے آئے　　　وہ ہر دل کے دکھ کی دوا بن کے آئے
درِ توبہ گمراہ بندوں پہ کھولا　　　شفاعت کی پُر ضو ضیا بن کے آئے
فقط ذاتِ حق ہے پرستش کے لائق　　　اسی ایک کے آشنا بن کے آئے
عبادت کے آداب لائے ہزاروں　　　جہاں میں وہ فضلِ خدا بن کے آئے
جبینِ محمدؐ ہے سجدوں کی دنیا　　　سرِ ارضِ فخرِ سما بن کے آئے
سرِشکِ مجسم بصد جوشِ گریہ　　　بصد عجز یکسر دعا بن کے آئے
لئے ایک صف میں وہ شاہ و گدا کو　　　بدرگاہِ حق دلربا بن کے آئے
غلاموں کے کٹوائے طوقِ غلامی　　　وہ انسانیت کی صدا بن کے آئے
کنیزوں کی زنجیر کاٹی انہوں نے　　　وہ بیواؤں کا آسرا بن کے آئے
یتیموں کا اس درجہ تھا درد دل میں　　　جہاں میں وہ خود بینوا بن کے آئے
عجب سرزمیں ہے، زمینِ عرب بھی　　　جہاں وہ رسولِ خدا بن کے آئے
پیامِ مساوات اور درسِ اخوت　　　وہ دردِ بشر کی دوا بن کے آئے
تعصب جن آنکھوں کی پٹی نہیں ہے　　　وہ دیکھیں، جہاں میں وہ کیا بن کے آئے
نہیں جس میں کینہ وہ سینہ ہے اُن کا　　　وہ آئینۂ صد صفا بن کے آئے
جو اوصاف ہیں ذاتِ خیر البشرؐ میں　　　دلیلِ صداقت نما بن کے آئے
کمالِ ثنائے محمدؐ یہی ہے　　　کہ وہ افضل الانبیا بن کے آئے
کشش ہے یہ تقریبِ یوم النبی کی　　　جو تم شوخ صدق آشنا بن کے آئے
ہوئی نعت موزوں بتائیدِ غیبی　　　یہ الفاظ گوہر نما بن کے آئے

ہوئے دل میں جذبات ازخود جو پیدا
زبانِ قلم پر ثنا بن کے آئے

حاجی محمد محسن

چھپا سخی

رات کا وقت تھا، چاروں طرف تاریکی چھا رہی تھی، سارا جہاں وادیٔ خواب میں محو تھا، ہگلی شہر جو دن بھر کاروبار، آمد و رفت کے شور و غل اور بیداری کی ہنگامہ آرائیوں سے معمور تھا۔ اس وقت شہر خاموشاں بنا ہوا تھا تمام کاروباری لوگ اپنے اپنے گھروں میں نیند کے مزے لے رہے تھے۔ فضا پر ہُو کا عالم چھا رہا تھا۔ اس اثنا میں ایک بندۂ خدا بھیس بدلے ہوئے ہگلی کے بازاروں اور تنگ گلیوں میں گھوم رہا تھا۔ اس شخص کے ہر انداز سے شرافت، محبت اور انتہائی معقولیت ٹپکتی تھی، مگر اس کے باوجود بھی اس کے اس وقت، جب کہ رات کافی گزر چکی تھی اور تمام شہر اپنی سرگرمیوں کو بند کر کے استراحت کے مزے لے رہا تھا، بھیس بدل کر اندھیرے گپ ہیں تنگ و تاریک گلیوں کا چکر کاٹنے سے کیا مطلب تھا؟ یہ اس کی نقل و حرکات سے معلوم نہیں ہو سکتا تھا

گھومتے گھومتے جب وہ شخص ایک نہایت متعفن، گندی اور تاریک گلی میں پہنچا تو اچانک ایک جگہ پہ رک گیا۔ اس کے کانوں میں ایک نہایت دردانگیز گریہ زاری کی آواز آئی، جس سے اس کا دردمند اور غمگسار دل اس طرف کھنچ گیا۔ پاؤں کو آگے بڑھنے کی اجازت نہ دے کر وہ دماغی طور پر اس جگہ کا سراغ لگانے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔ آخر کچھ اندازہ لگا کر چند لمحہ بعد وہ آواز جس مکان سے آ رہی تھی۔ اس کی طرف بڑھا، منزل مقصود پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے، نہایت شکستہ حالت کی جھونپڑی میں ایک عورت اپنے بچہ کو گود میں لئے ہوئے رو رہی ہے، عورت کے بکھرے ہوئے بال، پھٹے پرانے کپڑے، چہرے کی پژمردگی، دلخراش صدائے گریہ اور دیگر گھر کی بے سروسامانی یہ حالات ایک ایسا رقت انگیز سماں باندھے ہوئے تھے کہ دیکھ کر جگر پھٹنے لگتا تھا، اور کلیجہ منہ کو آتا تھا اس شخص کا دل مسوس اٹھا، رحم، دستگیری اور غمگساری کے جذبات میں ہیجان سا پیدا ہو گیا۔ اس نے دکھیا عورت سے اس کی گریہ زاری کا سبب دریافت کیا اسے معلوم ہوا ہے کہ وہ عورت بچاری حرماں نصیب بیوہ ہے، مفلسی اور تنگدستی کا شکار ہے۔ حوادث زمانہ نے اس کی بالکل شکستہ حالت کر رکھی ہے، اس بے نوا عورت کا کوئی مددگار نہ تھا، پرورش کا کوئی انتظام نہ تھا، فاقہ مستی پہ فاقہ مستی قیامت ڈھا رہی تھی۔ اس کے بچے اس دن بھوک سے لاچار رو رو کر ماں کے دکھی دل پر چرکے لگا رہے تھے، اس طرح اس بیوہ کی گزر رہی تھی۔ یہ داستانِ غم سن کر اس شخص نے اسی وقت اشیاء خوردنی اور پہننے کا کافی سامان لا کر اس بیوہ کے گھر رکھوا دیا۔ اس کے بعد وہ چھپا سخی بغیر اپنا نام پتہ بتائے اپنی قیام گاہ پر آیا اور اگلے دن سے ہی اس رحم کے دیوتا نے اس عورت کے لئے اپنے خزانہ سے ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا، جو اسے گھر بیٹھے بٹھائے پہنچ جایا کرتا تھا۔

ناظرین یہ فرشتہ سیرت نیک انسان حاجی محمد محسن تھا وہ ۱۷۳۳ء میں ہگلی میں پیدا ہوا تھا، وہ بڑا دولت مند اور فیاض تھا۔ اس کے مصرف سے ہی ہگلی کالج اور چنچورا گاؤں میں ایک مدرسہ قائم ہوا، بیشمار مسلمان طالب علم ان درسگاہوں سے تعلیمی استفادہ حاصل کر رہے ہیں۔

حضرت علیؓ کی وصیت :- بیٹے کے نام

اس باپ کی طرف سے جو مرنے والا ہے، جس کی عمر ختم ہو رہی ہے، جو حوادث دہر کے حوالے ہو چکا ہے اور آج اس دنیا میں موجود ہے پر کل یہاں سے کوچ کر جائے گا۔ اس اولوالعزم بیٹے کے نام جو انہیں لوگوں کی راہ چل رہا ہے جو مر چکے ہیں، جو مصائب و آلام کا نشانہ ہے جو موت کا قرضدار، بلکہ اس کا قیدی ہے غم و اندوہ نے اس سے معاہدہ کر لیا ہے، اور جو ہوا و خواہشات نفس کا دشمن ہے،

میرے دل کے ٹکڑے — ! دنیا نے مجھے چھوڑ دیا ہے اور پیٹھ پھیر کر جا رہی ہے، لیکن حوادث دہر کا سرکش گھوڑا بھی میری مخالفت پر آمادہ ہے، میں لحہ بہ لمحہ آخرت سے قریب تر ہوتا جا رہا ہوں۔ اس سے مجھے وہ عبرت ملی ہے جس نے مجھے دنیا کی ساری چیزوں سے بیزار کر دیا ہے۔ اب مجھے اپنے علاوہ کسی دوسرے کی فکر نہیں، لیکن میری جان! تم چونکہ میرے جسم کے ایک جزو ہو بلکہ میرے قلب و جگر ہو اگر تمہیں کوئی مصیبت لاحق ہوئی تو گویا مجھے ہی جھیلنی پڑی۔ اگر تم مر گئے تو گویا میں ہی موت سے دوچار ہوا۔ پس اس وقت جس طرح مجھے اپنی فکر دامنگیر ہے اسی طرح تمہاری فکر کھائے جا رہی ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنے نیک اور اچھے تجربوں سے تمہیں نوازتا جاؤں

سب سے پہلے میں تمہیں تقویٰ کی وصیت کرنا چاہتا ہوں کہ زندگی کے تمام شعبوں میں تم خدا کی کامل اطاعت کو اپنا شعار بنا لو، ہر وقت اپنا قلب اس کے ذکر سے تازہ رکھو اور اس کی رسی مضبوطی سے پکڑ لو اور پھر کس کی رسی ہے اس سے زیادہ مضبوط اور پائیدار ہو سکتی ہے، عبرت و موعظت کی غذا سے اپنے قلب کو زندہ رکھو، زہد و تقویٰ سے اس کی حیوانیت ختم کر ڈالو۔ اس میں یقین کی قوت پیدا کرو اور حکمت کا نور بھر دو، عبرت کی کثرت یاد سے لیسے تاریخ فرمان بناؤ، پھر اس کی غفلت کا پردہ چاک کر دو تاکہ وہ مصائب و آلام کو دیکھے تو عبرت حاصل کرے اسے گزرے ہوئے لوگوں کے قصے سناؤ اور جو قومیں تم سے پہلے ہلاکت کی نذر ہو چکی ہیں۔ ان کے دردناک افسانے پڑھو ان کے گھر پر جا کر ان کے آثار و نشانات دیکھو اور غور کرو کہ انہوں نے کتنی شاندار عمارتیں بنوائیں، اور عیش و عشرت کے کتنے سامان فراہم کئے، لیکن یہ سب کچھ بیکار رہا — تم ہی بتاؤ آج وہ کہاں ہیں — ہاں! اب وہ اپنے اعزا و اقربا اور وافر مال و دولت چھوڑ کر قبر کی تنہائیوں میں جا چکے ہیں، اس جگہ چلے گئے جہاں مال و دولت آل و اولاد کچھ بھی مفید مطلب نہیں ہو سکتے،

میرے لخت جگر! تم اپنی نئی عمر سے دھوکا نہ کھانا، موت کا کوئی ٹھکانا نہیں، تمہیں بھی لامحالہ ایک دن وہاں جانا ہے اس لئے آج ہی اس کی فکر کرو اور سفر سے پہلے زاد سفر فراہم کرو،

دنیا میں آخرت کو ترجیح دو، ایسی بات ہرگز نہ کہو جو تمہیں معلوم نہ ہو، اس راہ پر ہرگز قدم نہ رکھو جس میں گمراہی کا اندیشہ ہو کیونکہ وادئ ظلمات میں سرگرداں پھرنے سے بہتر ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے، بھلائی کا حکم دو تم بھی بھلے انسان بن جاؤ گے۔ اگر ممکن ہو تو منکر کا ہاتھ روک دو، بصورت دیگر زبان سے منع کرو،

برے لوگوں سے قطع تعلق کر لو، لومت سے بے پرواہ ہو کر خدا کی راہ میں جہاد کرو — حق کے لئے مصائب و آلام کے سمندر میں غوطے لگانے ہوں گے، اس لئے اپنے نفس کو مصائب پر صبر کا خوگر بناؤ۔ اور صبر کتنی اچھی خصلت ہے — زندگی کے سارے معاملات میں اپنے معبود کی طرف رجوع کرو، یہ کتنا محفوظ غار ہے تم کتنی بڑی ہستی کی طرف رجوع کر رہے ہو،

"دعوت"

سنت جن (پنجابی)

از قلم:۔ ماسٹر ایشر داس جی عمّالی

سنتاں دا مذہب ہے سب توں نرالا سنتاں دے دل وچ ہے ہر دم اُجالا
ہے سنتاں نوں گرمی نہ سردی نہ پالا انتھاہ پریم دا اوڑھی رکھدے دوشالا
ہنیرے نے اگیان دا اُٹھنے کم کی
نہیں جاندے کی اے شادی تے غم کی

پچھانے جو ربّ نوں ہے سوئی گیانی کرے وس جو اندرے اوہ سادھو پچھانی
رہے پاس ربّ دے جو اوہ سنت جانی پرم سنت ساکار ربّ دی نشانی
صفائی تے پاکیزگی سنت مت ہے
سنتاں دی بانی وچ رسنا تے ست ہے

ربّی راز نوں جے بتایا تے سنتاں روحانیت دا پھل کھلایا تے سنتاں
ہنیرے نوں چانن بنایا تے سنتاں چمن معرفت دا کھلایا تے سنتاں
پرم سنت ہے ربّی جادو دا جلوہ
سدا جنہدی بانی سہے امرت دا حلوا

پرم سنت ساں اک بنارس نے اندر نہ ثانی کوئی روم و فارس دے اندر
چمک بہت سی پنچے پارس نے اندر ہما آگیا جسم سارس دے اندر
کبیر اُس پرم سنت نوں کہن لوکی
سدا بیٹھے چرناں دے وچ رہن لوکی

ہزاراں گنہگاراں نوں تار دتا میٹھا نام کشتی تے کر پار دتا
تعصب دی ناگن نوں تھاں مار دتا عداوت دا چسکا چھٹکار دتا

چھپے معرفت دے سبھی راز کھولے تو
دکھا دے تے جادو جو سر چڑھ کے بولے

پریمیاں محبتاں دی ورشا کرائی   شمع دہرم دھیرج دی آ کے جگائی
کپٹ کوڑ دی خوب کیتی صفائی   اُپاسنا بھگتی دی گڈی چلائی

آواگون دے پار لائے مسافر
رہیا کوئی باقی نہ مومن نہ کافر

کہیا سنت بننا وی آسان نہیں گا   محبت بناں کوئی انسان نہیں گا
جدھا کوئی وی دہرم ایمان نہیں گا   اوہ ہندو، عیسائی، مسلمان نہیں گا

فناداں توں رہندا سدا دور رب اے
دلاں وچ چمکدا اے جو نور رب اے

توں کرا وہدے جلوے دا دیدار دل وچ   کہ ہر دم اوہ وسدا اے دلدار دل وچ
چھپی بیٹھی اے سچی سرکار دل وچ   توں ڈھونڈن نہ جا دور ہے یار دل وچ

ہلاندا ہے اوہ اندروں تار تیری
تدے تڑدی پھردی اے مٹی دی ڈھیری

تو چمکا لے شیشہ نظر یار آوے تو   صفائی بناں ناہیں جلوے دکھاوے
کدورت دلاں والی جان چھپا دے تو   حسد تے تعصب سدا پردے پاوے

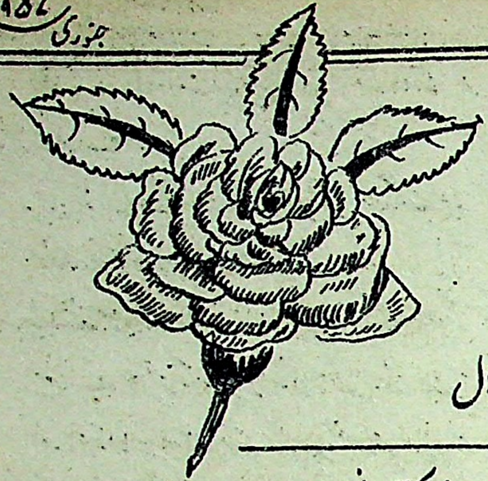
دیا دہرم دا پا کے پانی تے دھولے
تو ہر ہیریاں والی مالا پرولے

اُچیرا ہے آئن سدا سنت جن دا   دوئی دور ہووے تے تاں سنت بن دا
خزانہ ہے مایا نقیں بھرپور من دا   دھنی سنت ہے نام سچے دے دھن دا

توں ایں مال دولت تے قبضہ جما لے
تے دلدار پیارے دا دیدار پا لے

جو اندھکار اگیان دا دور کردے   ہر اک تھاں تے بس نور ہی نور کردے
رہے کوئی خالی نہ بھرپور کردے   جے پتھر ہے کالا تے کوہ طور کردے

نشانی ہے سنتاں دی ایہو انی عالی
کہانی ہے سنتاں دی سب توں نرالی



شگفتہ پھول

شری مہاتما شہنشاہ جی کے نیتی واکیہ اقوال

۱ - جو آدمی اپنا فائدہ اور دوسروں کے نقصان کے بارے میں ہوشیار رہتا ہے۔ وہ اس مالدار آدمی کی مثل ہے جو کہ گھر میں سے روپے تو باہر پھینکے اور باہر سے کنکر پتھر اُٹھا کر اپنے مکان میں دھرے۔

۲ - کمینہ آدمی ہمیشہ دوسروں کی کمینہ حرکت کا خیال رکھتا ہے اور چنے کھنے سے اُن کا ہی تذکرہ جاری رکھتا ہے۔ مگر بلند ہمت اور نیک انسان ہر ذی نفس کی اصلی صفت ہی اپنی نظر میں رکھتا ہے اور وقت آنے پر اس کا ذکر ہی اور وں سے اس غرض سے کرتا ہے کہ وہی صفت دوسروں میں داخل ہو جاوے۔

۳ - مستقل ارادہ انسان کے لئے مستقل جائداد سے کم قیمت کا ثابت نہیں ہوتا۔

۴ - ثابت قدمی۔ تیز قدمی اور پیش قدمی سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔

۵ - گناہ انسان کے لئے اتنا بُرا نہیں جتنی کہ بدصحبت۔ کیونکہ گناہ تو ایک ہی دفعہ جان نکال دیتا ہے۔ اور بُری صحبت رہ رہ کر۔

۶ - اصلی بہادر وہ نہیں جو کہ دوسروں کو تلوار کے گھاٹ اُتارے بلکہ وہ ہے جو دوسروں کے گناہوں کو منہدم کرے۔

۷ - کسی منشی شے سے انسان کو اتنا نقصان نہیں پہنچتا۔ جتنا کہ تکبر اور نخوت سے۔

۸ - کسی کا عیب اُس وقت تک کوئی انسان دور نہیں کرسکتا جب تک کہ اس بات کی اچھی طرح جانچ پڑتال نہ کرے کہ آیا درحقیقت اس میں عیب موجود ہے۔

۹ - دراصل کنجوس اور مکھی چوس وہی شخص ہے۔ جو کہ اندریوں کو من اور بدھی کو تو ہر وقت استعمال کرے اور آتما یا ضمیر کو بیوقوفی اور کم ہمتی کے صندوقچی میں بند رکھے۔

۱۰ - کام کرودھ۔ لوبھ۔ موہ۔ اہنکار۔ ایرشا۔ دویش وغیرہ کے سوائے کوئی جن بھوت نہیں۔

۱۱ - عقلمند اور مورکھ میں صرف اتنا فرق ہے۔ کہ عقلمند تو حالات حاضرہ کو اپنے مطابق بنا لیتا ہے۔ اور جاہل اُن کے مطابق خود کو۔

۱۲ - ہر وقت کبیدہ خاطر اور برگشتہ رہنے سے بڑھ کر اور کوئی کمبختی نہیں۔ اور پرسن اور سلامت رضا رہنے سے زیادہ بخت سکندری۔

۱۳ - اپنی خطا کو نہ ماننے سے بڑھ کر کوئی کمزوری اور احسان فراموشی سے بڑھ کر کوئی کم ہمتی نہیں۔ اپنی خطا مان کر اُس کے دور کرنے کے ارادہ سے زیادہ کوئی بلند ہمتی اور خدا پر بھروسہ رکھنے سے زیادہ کوئی شہ زوری نہیں۔

۱۴ - جو آدمی صرف دھن کو جمع کرکے دولت مند ہونے کی ڈینگ

ہانکتا ہے۔ وہ دولت مند نہیں۔ دولت مند وہ ہے جو سنتوش رکھتا ہے۔

۱۵ - یوں تو انسان کے بہت سے دشمن ہیں۔ مگر آلسیہ یعنی سُستی او جودی سب سے بڑھ چڑھ کر ہے۔

۱۶ - بے شک مصیبت کے وقت انسان ہمت ہار کر وہ کام کر بیٹھتا ہے۔ جو اُس کے شایان شان نہیں۔ مگر دھیرج اور احتیاط ایسے ہی وقت کے لئے مخصوص ہوتی ہے

۱۷ - یقین جانو۔ کہ اگر پریمی خوش نہیں۔ تو دنیا میں سب دُکھی ہی ہیں۔ ایک سچا پریمی خواہ وہ غریب ہی ہو یا امیر راجہ یا فقیر ہو۔ ہر حالت میں اندرونی طور پر خوش و خرم رہتا ہے۔

۱۸ - خوش خوری اور خوش پوشی کی بجائے خوش خلقی اور خوش سلیقہ پن ہزار درجہ اچھا ہے۔

۱۹ - دُنیا کے تمام آدمی ملکر ایک آواز اٹھائیں تو ممکن ہے۔ کہ دربار ایزدی میں شنوائی نہ ہو۔ مگر یہ ناممکن ہے۔ کہ ایک سچے دردمند اور دردِ آشنا کے دِل کی آواز نہ سُنی جاوے

۲۰ - امیروں کی نسبت غریبوں کی دوستی سے انسان کو زیادہ نفع پہنچتا ہے۔

۲۱ - یوں تو عام سب انسان ہیں۔ مگر وہ درحقیقت خاص ہے۔ جو اپنے آپ کو دِل میں معمولی انسان سمجھے اور کام اعلیٰ درجہ کے کرے

دو گیت

مُورکھ من!

مُورکھ من! کیوں نام بسارا؟

جس سنسار پہ تُو ریجھا ہے
وُہ ہے کوڑ پسارا
مُورکھ من! کیوں نام بسارا؟

مایا جھوٹی ہے جھوٹا ہے
مایا کا دستارا
مُورکھ من! کیوں نام بسارا؟

پربھ چرنوں پہ سیس جھکا دے
یہ ہے ساچا دوارا
مُورکھ من! کیوں نام بسارا؟

(امر چند قیس جالندھری)

ایشور کے گن گا

ایشور کے گُن گا ....!

مایا کے سُندر پھندوں سے
اپنا آپ بچا ....!
ایشور کے گُن گا ....!

ہے من! وہ ہے جگ کا سوامی
اُس کی پریت لگا ....!
ایشور کے گُن گا ....!

تُو بُندو، وہ ہے سندھو
آ، اُس میں مل جا ....!
ایشور کے گُن گا ....!

مہاتما کونٹ ٹالسٹائی

بھارت ورش میں امن پسندی - اخلاقی بلندی اور روحانی مہانتا کے لحاظ سے جو درجہ سوامی رام تیرتھ پرم ہنس رام کرشن - سوامی ویویکانند - مہاتما گاندھی یا شری رابندرناتھ ٹھاکر جیسی مہان شخصیتوں کو حاصل ہے - وہی درجہ مہرشی کونٹ ٹالسٹائی کو روس میں حاصل تھا - وہ خدمت خلائق کے نقطہ نگاہ سے ایک بہت بلند پایہ شخصیت ہوئی ہے - کہ جس سے وہاں کے باشندوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں ایک بھاری انقلاب رونما ہوا ہے - اگر مہاتما ٹالسٹائی نے ملک کی معاشرتی اور تمدنی حالت کو مدنظر رکھ کر مزدور طبقہ کے حق میں آواز اٹھائی ہے - تو اس سے مساوات کی ایک ایسی فضا پیدا ہوئی ہے - کہ جس کی نظیر دنیا کے تختہ پر کم ملتی ہے - اگر اس نے وہاں کے سوشل حالات کو سامنے لاکر مرد اور عورت کے تعلقات کی وضاحت کی ہے تو ایسے نادر طریقے سے کہ لوگوں کے دلوں سے تمام بوسیدہ توہمات حرف غلط کی طرح مٹ گئے ہیں - اور اگر پالٹیکس پر لکھا ہے - تو نہایت ہی وسیع نظری سے - لیکن روحانی نقطہ خیال سے تو اُن کی باطنی نگاہ نہایت ہی تیز تھی - کہ جس نے بالکل ہی واضح اور صاف شکل میں حقائق مطلقہ کا مطالعہ کیا ہے - اور یہی وجہ ہے کہ روحانیت پر اُن کے خیالات کا تمام دنیا لوہا مانتی ہے - ہم بھی اپنے ناظرین کے لیئے اُن کے روحانی گلشن میں سے چند ایک پھول بطور گلدستہ اکھٹے کر کے ذیل میں درج کرتے ہیں - بقین کامل ہے کہ ان خوشبودار پھولوں سے ہر ایک دماغ ضرور معطر ہوگا -

(ایڈیٹر)

پریم :-

پریم کرنے کے یہ معنی ہیں - کہ ہم اپنی اچھا کو پریتم کے ساتھ جوڑ دیں - لیکن لوگوں کی اچھائیں الگ الگ اور مخالفانہ ہوا کرتی ہیں - (اتنی مختلف اچھاؤں کے ساتھ اپنی اچھا کو جوڑنا امر محال ہے) صرف پرماتما ہی سدا ایک اچھا رکھتے ہیں - پرماتما کے ساتھ پریم کرنے کے یہ معنی ہیں - کہ اُن کی اچھا کے ساتھ ہماری اچھا کا یوگ ہو جائے - اور پرماتما کی اچھا سب کی بھلائی ہے - بھائیو آؤ ہم سب ایک دوسرے سے پریم کریں - جو پریم کرتا ہے وہ پرماتما کا ہے - اور پرماتما کو انوبھو کرتا ہے - (لکھا ہے کہ خدا محبت ہے مگر ہمیں یہ کہنا چاہیئے - کہ محبت ہی خدا ہے) ہم پرماتما کو صرف پریم کے روپ میں ہی مانتے ہیں - اسلئے کہتے ہیں - کہ پرماتما پریم ہیں - اور جب ہم پریم کرتے ہیں - ہم نہ صرف پرماتما کے ہوتے ہیں بلکہ وہی (پرماتما ہی) ہو جاتے ہیں - اسلئے کہہ سکتے ہیں - کہ پریم ہی پرماتما ہے - ہاں پریم ہی پرماتما ہے - اُس کے ساتھ محبت کرو - جس نے تمہیں دکھ دیا ہے - جس نے تم پر الزام لگایا ہے - اور جس کو تم نے حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے پھر وہ پردہ بالکل دور ہو جائے گا - جس نے اُس کی آتما کو تمہاری نظر سے اوجھل کر رکھا تھا - اور پھر تم اُس کی آتما کے شفاف پانی کے اندر اُس کے پریم کا ایشوری تتو دیکھو گے - تب تم اُسے معاف نہیں کرو گے - اور نہ ایسا کرنے کے قابل رہو گے - بلکہ اپنے آپ کو اس قصور کے لیئے معافی دیتی ہوگی - کہ جس شخص میں پرماتما موجود تھے - اُس میں اُن کے ساتھ پیار نہ کیا - اور خود پریم سے خالی ہونے کے سبب

سے اس میں اُن کے درشن نہ کر سکا۔ پریم میں ہمارے اندر پرماتما کا انوبھو ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اسی لیے پریم جاگنے پر ہم اپنے آپ سے باہر نکلتے ہیں۔ اپنے آپ کو آزاد کرتے ہیں۔ اور اعلیٰ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور پریم کا یہ میلان دوسروں میں بھی پریم کو بیدار کرتا ہے۔ پریم دوسروں میں پریم جگاتا ہے۔ پرماتما پیارے اندر پریم کے روپ میں) اپنا پرکاش کر کے اس سے اوروں کے اندر بھی ویسی جاگرتی (بیداری) پیدا کرتے ہیں۔

کل مذاہب کا نچوڑ:-

"لیکن کیا دنیا میں کوئی سچا مذہب موجود نہیں؟ تمام مذاہب ایک دوسرے سے بہت ہی مختلف ہیں۔ اور کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ صرف ایک خاص مذہب کو ہی صرف اسی بناء پر سچا خیال کرے کہ وہ مذہب اس کے مذاق سے بہت ہی مطابقت رکھتا ہے۔ جو لوگ صرف مذہب کی بیرونیات کا ہی امتحان کیا کرتے ہیں۔ وہ تو مذہب کو ایک بیماری سمجھ کر اپنے آپ کو اس سے آزاد محسوس کریں گے۔ اور دوسروں کو اس مرض میں مبتلا سمجھیں گے۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ دنیا کے مذاہب صرف بیرونی شکلوں میں مختلف ہیں۔ لیکن بنیادی اصولوں کے لحاظ سے وہ سب کے سب ایک ہی ہیں۔ اور تمام... مذہبوں کے بنیادی اصول ہی تو اس سچے دھرم کو ظاہر کرتے ہیں جو فی زمانہ کل انسانوں کے لیے قدرتی اور موزوں ہے۔ اور جس کے قبول کرنے پر تمام انسانی مصیبتیں رفع ہو سکتی ہیں۔ نوع انسان کی ہستی زمانہ قدیم سے ہے۔ اس نے جس طرح نسلاً بعد نسلاً بیرونی چیزیں حاصل کرنے کے عملی اصول وضع کر لیے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح اسے روحانی اصول جو زندگی کی بنیاد ہیں اور اخلاقی قوانین جو ان روحانی اصول پر مبنی ہیں۔ تجویز کرنے پڑے ہیں۔ اگر اندھے لوگ ان اصولوں کو نہ دیکھیں۔ تو اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ایسے اصول موجود ہی نہیں۔

زمانہ حال کا مذہب جو تمام انسانوں کے لیے ہیں۔ اس سے ہماری مراد کسی خاص مذہب اور اس کی خصوصیات اور اس کی بگڑی ہوئی شکلوں سے نہیں بلکہ ان اصولوں کے مجموعہ سے ہے۔ جو تمام معلوم مروجہ مذاہب میں پائے جاتے ہیں۔ اور جن کو نسل انسان کا $\frac{9}{10}$ حصہ تسلیم کرتا ہے۔ ایسا عالمگیر مذہب موجود ہے۔ اور تمام اقوام کے اعلیٰ ترین افراد نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ تمام مذاہب ہی کہتے ہیں کہ خدا موجود ہے۔ جو سرچشمہ کل ہے۔ اور انسانی وجود کے اندر ایک الہٰی جز موجود ہے۔ جسے ہم اپنی زندگی کے ذریعے بڑھا گھٹا سکتے ہیں۔ اس الہٰی جز کو ترقی دینے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے جذبات کو دبائے اور اپنے اندر محبت کو بڑھائے اور محبت کا عملی طریقہ یہ ہے۔ کہ انسان اوروں کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرے۔ جیسا کہ وہ دوسروں سے اپنے ساتھ برتاؤ چاہتا ہے۔ یہ اصول کل مذاہب کے لیے عام ہیں۔

زندگی کا مقصد:-

زندگی کا مقصد خوشی اور درد سے باہر ہے۔ ان دونوں حالتوں میں سے گذرتے ہوئے یہ مقصد حاصل ہوتا ہے۔ دکھ اور سکھ زندگی کے اندر اور باہر جانے والے سانس ہیں۔ زندگی کے لیے دونوں ہی ضروری ہیں۔ جب انسان خوشیوں اور لذّات کو ہی اپنا مقصد بنا کر دکھ سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو اس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ وہ اس رستے کو بھول گیا ہے۔ جو دونوں حالتوں میں سے گذر کر اس اصلی مقصد کی طرف جاتا ہے۔ جو جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہیں۔ زندگی کا مقصد ہم سے باہر اور دوسروں کی خدمت میں ہے۔ اُن کی خدمت میں نہیں جو قریبی رشتہ دار اور پیارے ہیں۔ کیونکہ اس میں بھی وہی اپنائیت اور خودی آجاتی ہے۔ بلکہ ان لوگوں کی سیوا میں ہے جن کو ہم

نہیں جانتا اور اس سے بھی بڑھ کر اپنے دشمنوں کی خدمت میں ہے۔ اپنے لیے جینا دُکھدائی ہوتا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں آدمی ایک دھوکے کے لیئے ہی جیتا ہے۔ اُس چیز کے لیئے زندگی بسر کرتا ہے۔ جو دراصل ہے ہی نہیں۔ جسے نہ صرف خوشی ہو۔ حاصل ہو نہیں سکتی۔ بلکہ جسے ہستی کا درجہ بھی نصیب نہیں ہو سکتا۔ اپنے لیئے جینا گویا سائے کو کھلانا پلانا اور پوشاک پہنانا ہے۔

ایک ہی زندگی :-

سب میں ایک ہی زندگی ہے۔ اور تم اپنے آپ میں اُس زندگی واحد کا ایک جزو ہی ظاہر کر سکتے ہو۔ اور اپنے آپ میں زندگی کے اُسی حصہ میں تم زندگی کو بہتر یا خراب کر سکتے ہو۔ گھٹا یا بڑھا سکتے ہو۔ اپنی زندگی کو بہتر بنانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ کہ اُن حدوں کو توڑ دو۔ جو تمہاری زندگی دوسروں سے جُدا کرتی ہیں۔ یعنی تمام جانداروں کو اپنے آپ کی طرح خیال کرو۔ اس سے پریم کرو۔ اس سے تمہاری زندگی بھی ترقی پذیر ہوگی۔ جب تم اپنی زندگی کو زندگی خیال کرتے ہو۔ تو اپنی زندگی کو نقصان پہنچاتے ہو۔ اور جب کہ اپنی زندگی کے بہتری کے لیئے دوسروں کی بہتری کو قربان کرتے ہو۔ اس سے تم اپنی زندگی گھٹاتے ہو۔ یہ بات تمہاری طاقت سے باہر ہے کہ اس زندگی کو جو دوسرے جانداروں میں موجود ہے۔ نابود کر سکو۔ جن جانداروں کو تم نے مارا ہے۔ اُن کی زندگی تمہاری آنکھوں سے صرف مخفی ہو گئی ہے۔ نیست و نابود نہیں ہوئی۔ تم خیال کرتے ہو کہ تم دوسروں کی زندگی گھٹا کر اپنی زندگی کو... طویل بنا لوگے۔ لیکن ایسا کرنا تمہارے امکان سے باہر ہے۔ زندگی کے لیئے زمان و مکان کوئی شے ہی نہیں۔ ایک پل کی زندگی اور ہزاروں سال کی زندگی تمہاری زندگی اور تمام مرئی و غیر مرئی جانداروں کی زندگی سب برابر و یکساں ہے۔ کوئی آدمی زندگی کو نابود نہیں کر سکتا اور نہ بدل سکتا ہے۔ کیونکہ صرف زندگی ہی ہستی رکھتی ہے۔ باقی تمام چیزیں صرف ہست معلوم ہوتی ہیں۔ دراصل زندگی ہی موجود ہے۔

جملہ مذاہب کی تلقین :-

۱ - خدا ہے اور وہ سب کا چشمہ ہے۔

۲ - انسان کے اندر ایزدی عنصر کا ایک ذرہ (دیوی تتو کی ایک انش) موجود ہے جس کو وہ زندگی سے گھٹا بڑھا سکتا ہے

۳ - اس عنصر کو بڑھانے کے لیئے انسان کو لازم ہے کہ اپنے جذباتِ حیوانی کو دبائے۔ اور اپنے اندر محبت کو بڑھائے۔

۴ - اور محبت کے بڑھانے کا عملی طریقہ یہ ہے کہ انسان اوروں کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرے۔ جیسا کہ وہ اوروں سے اپنے لیئے چاہتا ہے۔

یہ تمام اصُول برہمن۔ کنفیوشس۔ یہودی۔ بُدھ۔ اسلام وغیرہ کل مذاہب کے لیئے عام ہیں (اگرچہ بُدھ مذہب خُدا کے متعلق خاموش ہے۔ مگر وہ اس ہستی کا قائل ہے جس کے ساتھ انسان واصل ہوتا ہے۔ اور جس میں نروان کی حالت میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ یہ ہستی وہی ذاتِ مُطلق ہے جس کو عیسائی، یہودی اور مسلمان لوگ خُدا کہتے ہیں)

لیکن اس زمانہ کے وہ لوگ جو مذہب کی سب سے بڑی نشانی بالاتر از قدرت یا دُوسرے لفظوں میں غیر معقول ہونا خیال کرتے ہیں کہیں گے کہ جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اس کو... فلسفہ اخلاق یا معقول پسندی تو کہہ سکتے ہیں مگر اسے مذہب کا نام نہیں دے سکتے۔ اُن کے تصوّر کے مطابق مذہب کا بعید الفہم یا غیر معقول ہونا لازمی امر ہے لیکن مذکورہ بالا بنیادی... اصُول کا ہی نتیجہ ہے۔ کہ جب اُن کی دُنیا میں تعلیم دی گئی۔ تو رفتہ رفتہ اُن کو بگاڑ کر با طلات۔ خوارق عادات اور فوق القدرت

واقعات میں تبدیل کر کے بنیادی اصُول خیال کیا گیا ہے، اب ان باطل اور فوق الفطرت باتوں کو مذہب کی ضروری علامت خیال کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی گلے سڑے سیب کی مکروہ بدبو سُونگھ کر یا معدے پر اُس کے بُرے اثر کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالنا کہ بدبُو اور معدے کو ضرر پہنچانا ہی سیب کی ضروری خواص ہیں۔ مذہب کا کام ان باتوں کو ٹھیک ٹھیک طور پر بتلانا ہے۔

۱ - چشمۂ کُل کے ساتھ انسان کا تعلق

۲ - اس تعلق کی رُو سے انسانی زندگی کا آخری مقصد۔

۳ - اس مقصد پر پہنچنے کے لئے عملی زندگی کے قواعد۔

عالمگیر مذہب جس کے بنیادی اصُول تمام مذاہب میں وہی کے وہی ہیں۔ ان مطالبات کو کُلی طور پر پورا کرتا ہے۔ یہ بتلاتا ہے کہ:-

۱ - خدا کے ساتھ انسان کا رشتہ کُل اور جزو کا ہے۔

۲ - اور اس رشتے کے نتیجے کے طور پر انسان کا یہ کام ہے کہ اپنے اندر اس ایزدی عنصر کو ترقی دے۔

۳ - اور اس کام کیلئے زندگی کا عملی ثبوت یہ ہونا چاہیئے کہ انسان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیئے جیسا کہ وہ اُن سے اپنے لئے چاہتا ہے

(مترجمہ پنڈت نرنل چندر جی)

مہاتما عیسےٰ مسیح!

از:- شری کانشی رام چاولہ - لدھیانہ

ایشیا کے مغربی حصہ میں فلسطین نام کا ایک ملک ہے۔ مہاتما عیسےٰ مسیح اسی ملک میں پیدا ہوئے۔ عیسوی سنہ کی ابتدا انہیں کی پیدائش سے مانی جاتی ہے۔ اُن دِنوں فلسطین کا ملک رومن شہنشاہ کے ماتحت تھا۔ مہاتما عیسےٰ کی پیدائش بیت اللحم شہر میں ہوئی تھی۔ جو کہ فلسطین کا دارالخلافہ تھا۔ اور یروشلم سے جنوب کی طرف چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ان کے بزرگ راجہ ڈیوڈ کی پیدائش بھی اسی شہر میں ہوئی تھی۔

ان کی والدہ ماجدہ کا نام کنواری مریم تھا۔ مریم کے لفظی معنی "بڑے" کے ہیں۔ ان کی سگائی جوزف نامی بڑھئی کے ساتھ ہوئی تھی جو کہ راجہ ڈیوڈ کی نسل سے تھا۔ جوزف اور مریم کی شادی ہونے سے پہلے ہی مریم حاملہ ہو گئی تھی۔ اس امر کی خبر پا کر جوزف کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ اس صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ ابھی وہ اسی سوچ میں پڑے ہوئے تھے کہ اُن کو خواب کے اندر ایک بزرگ ہستی کے درشن ہوئے جس نے اُن سے کہا کہ تم مریم کے ساتھ شادی کرنے میں کسی قسم کا خوف نہ کرو۔ اس کے بطن میں ایک خاص ہستی آئی ہے۔ جوزف نے اس خواب کو بھگوان کا حکم سمجھ کر مریم کے ساتھ شادی کر لی۔ اور وہ دونوں نزارتھ نام شہر میں رہنے لگے۔ جو یروشلم سے اسّی میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہاں سے اپنے آباواجداد کے قدیمی مقام بیت اللحم میں چلے آئے۔ اور وہیں ایک گھوڑسال کے اندر عیسےٰ مسیح کی پیدائش ہوئی۔ اور جس چرنی میں گھوڑوں کو دانہ کھلایا جاتا تھا۔ اُسی میں انہیں لٹایا گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ بچہ نہایت خوبصورت تھا۔ اس لیئے ماں نے اُسے اس طرح نظر بد سے چھپایا کہ وہ محفوظ رہے۔ ویسے بھی اُس جگہ کوئی بہتر انتظام موجود نہ تھا۔

اُن دنوں بیت اللحم کے بادشاہ کا نام ہیروڈ تھا۔ وہ بہت ظالم اور بے رحم تھا۔ بچوں کو قتل کرنے میں اُسے خاص لطف آتا تھا۔ اس لیئے مریم اور جوزف کو بھگوان کی طرف سے ایک قسم کا اشارہ ہوا۔ اور وہ دونوں اُس بادشاہ کے خوف سے بچہ کو لیکر مصر میں بھاگ کر چلے گئے۔ اور جب ہیروڈ مر گیا۔ تب اپنے اصلی شہر میں جا کر پھر رہنے لگے۔

مہاتما عیسےٰ کا بچپن یہیں گذرا۔ اُن کا جسم بڑا سڈول تھا اور عقل بڑی تیز تھی۔ جو کچھ بھی وہ کہتے سنتے یا کرتے تھے اس میں ایک خاص لطافت پائی جاتی تھی جب آپ بارہ سال کے ہوئے۔ تو اُن کے والدین انہیں یروشلم میں لے گئے۔ وہاں سے واپس ہوتے وقت یہ لڑکا راستہ میں غائب ہو گیا۔ ان کے والدین ان کی تلاش میں واپس یروشلم چلے گئے۔ اور بہت تلاش کرنے پر ان کو وہاں کے ایک مندر میں پجاریوں کے ساتھ بحث مباحثہ کرتے پایا جس بحث کو سن کر لوگوں کو بڑی حیرانی ہوئی۔ پھر وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ واپس نزارتھ ہی چلے گئے۔ ان کے بچپن کا اور کوئی خاص واقعہ تاریخ میں نہیں ملتا۔

عیسےٰ مسیح بڑا ہونے پر اپنے باپ کا ہی پیشہ اختیار کر کے اپنی روزی کمانے لگے۔ اور اس طرح سے انہوں نے محنت کر کے روزی

کمانے کی مثال لوگوں کے سامنے پیش کی۔ ابتدا سے ہی اِن کی بھگوان میں بڑی بھگتی تھی۔ اور وہ اپنے ہر ایک کام میں بھگوان کی رضا کو ہی مانتے تھے۔ چونکہ ان کی ضمیر بالکل پاکیزہ تھی اسلیئے انہیں رضاء ربی کا علم ہو جاتا تھا۔ ان کو اپنے پیشے کے کام سے جب بھی فرصت ملتی تھی تو وہ خلوت میں بیٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے۔

اُن دنوں جنگل میں ایک مہاتما "جان" نامی رہتے تھے یہ لوگوں کو توبہ کرا کے ان کے گناہوں کا کفارہ کرایا کرتے تھے ایک دِن انہوں نے کہا۔ کہ میں تو پانی کے ذریعے کفارہ کراتا ہوں۔ لیکن اب ایک ایسی ہستی نمودار ہونیوالی ہے جس کے پاؤں کی جُوتی کے برابر بھی میں نہیں ہوں گا۔ اُن کے ایسا کہنے کے چند روز بعد ہی حضرت عیسےٰ خود اسی مہاتما سے اپنا کفارہ کرانے کے لیئے پہنچ گئے۔ لیکن اُس سادھو نے کہا۔ کہ آپ تو اتنے عظیم ہیں کہ میں اپنا کفارہ آپ سے کراؤں گا لیکن حضرت نے کہا کہ۔ آپ میری خواہش پُوری کریں۔ چنانچہ انہوں نے حسب معمول کفارہ کرایا اور حضرت عیسےٰ کو ایسا محسوس ہُوا۔ کہ اُن کے اندر ربّی نور پیدا ہو گیا ہے۔ تیس سال کی عمر سے تینتیس سال تک حضرت عیسےٰ نے مختلف جگہ میں گھوم کر لوگوں کو نیک راہ پر چلنے کی تلقین کی۔ اور اُن کو ایمانداری سے رہنا بتایا۔ اس طرح سے انہوں نے دھرم پرچار کیا۔ لیکن چونکہ اُن کی تعلیم اُن لوگوں کے سابقہ خیالات کے خلاف تھی، اس لیئے وہ حضرت عیسےٰ کے خلاف ہو گئے۔ اور انجام کار اُن کو اپنا شہر چھوڑنا پڑا۔ باہر جا کر دھرم پرچار کرتے ہوئے بارہ نیک انسان ان کے شاگرد بنے۔ اور وہ بھی انہی خیالات کو پھیلانے میں لگ گئے۔ حضرت عیسےٰ نے ایک بار ایک پہاڑی پر چڑھ کر لوگوں کو ایک اُپدیش دیا تھا۔ اُس کو "سرمن آف دی مونٹ" کہتے ہیں۔ اُس اپدیش کی خاص خاص باتیں یہ تھیں:-

۱۔ جس انسان کے اندر انکساری کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے وہ مبارک ہے۔ وہ ربی حکومت میں حصّہ دار ہو گا۔

۲۔ جو بڑی عاجزی سے مالکِ کل کے دربار میں رو کر اپنے حالات کہتے ہیں۔ وہ مُبارک ہیں۔

۳۔ منکسر المزاج انسان مبارک ہیں۔ کیونکہ اس سرزمین پر فتح ایسے ہی انسانوں کو نصیب ہو گی۔

۴۔ جو لوگ ایمان کی پالنا کرنے کی زبردست خواہش رکھتے ہیں۔ وہ مُبارک ہیں۔ وہی مکمل انسان بنیں گے۔

۵۔ رحمدل انسان مبارک ہیں۔ کیونکہ وہی ربی رحم پانے کے مستحق ہونگے۔

۶۔ جن کی ضمیر پاک ہے وہ مبارک ہیں۔ کیونکہ ربّی دیدار ایسے ہی لوگوں کو حاصل ہو گا۔

۷۔ امن و سکون کی تبلیغ کرنے والے مبارک ہیں کیونکہ مالک کی رضا اسی میں ہے۔ وہ مالک کے حقیقی بیٹے ہونگے

۸۔ جن لوگوں کی راہِ ایمان پر قائم رہنے کی وجہ سے اذیتیں ملتی ہیں۔ وہ مبارک ہیں۔ کیونکہ ربّی حکومت میں وہی داخل ہو سکیں گے۔

۹۔ مالک کی نافرمانی کرنا گناہِ عظیم ہے۔ اچھا انسان ایسا نہیں کر سکتا۔

۱۰۔ خدا محبت ہے اور محبت خدا ہے۔ اس لِئے سب سے محبت کرو۔ اور خدا سے بھی پوری طرح پیار کرو۔

حضرت عیسےٰ نے اپنی زندگی میں کئی معجزے بھی دکھلائے جو اُن کی روحانی شکتی کے سامنے کچھ بھی اہمیت نہ رکھتے تھے انہوں نے کئی اندھوں۔ لنگڑوں۔ بہروں اور کوڑھیوں اور گونگوں کا روگ دُور کیا۔ انہوں نے طوفانوں کو روکا۔ معمولی پتوں سے ہزاروں انسانوں کو کھانا کھلا کر سیر کر دیا۔ اور اسی طرح کے کئی حیرانی پیدا کرنے والے معجزے دِکھلائے۔

حضرت عیسٰے کو مالک کی ہی شکتی دکھانے کے لئے کسی... باہری وسیلہ کی ضرورت نہیں ہوئی۔ وہ ربی طاقت کو اپنے اندر محسوس کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو ہمیشہ اپنے رب کے ساتھ بیٹھے دیکھتے تھے اور جو کچھ اندر سے حکم ہوتا تھا۔ اسی پر عمل کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو رب کبھی نہیں کہا بلکہ وہ اپنے آپ کو مالک کل کا بیٹا کہا کرتے تھے۔ حضرت عیسٰی نے انکساری۔ عفو۔ رحمدلی اور ترک دنیا وغیرہ باتوں کی... تلقین کی۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی تمہارے دائیں رخسارہ پر تھپیڑ مارے تو تم اپنا بایاں رخسارہ بھی اس کے سامنے کر دو۔ اگر کوئی تم پر جھوٹا الزام لگا کر تمہارا انگرکھا چھین لے۔ تو اپنا کوٹ بھی اس کے حوالے کر دو۔ اپنے دشمنوں سے بھی محبت کرو اپنے سے نفرت کرنے والے کے ساتھ بھی بھلائی کرو۔ اور اپنے ستانے والے کے لئے نیک دعا کرو۔ دوسروں کی نقطہ چینی نہ کرو تاکہ تم خود بھی اپنی نقطہ چینی سے بچ سکو۔ دوسروں کے گناہوں کو معاف کر دو تاکہ بھگوان تمہارے گناہ بھی معاف کر دے۔ اپنے مالک کل کی طرح تم بھی رحمدل بن جاؤ کسی سے کچھ لینے کی بجائے دینا زیادہ مفید ہوتا ہے۔ غرور کا سر نیچا ہوتا ہے۔ فروتنی دکھانے والا ترقی کرتا ہے۔ کسی کو کڑوی بات مت کہو۔ برائی کا بدلہ لینا مناسب نہیں۔ سود سے روپیہ کمانا گناہ ہے۔ اپنے مالک کل کی مانند سب کو ایک نگاہ سے دیکھو۔ مالک اچھے اور برے سب کو یکساں طور پر سورج کی گرمی پہنچاتا ہے۔ اگر تم نے اس سے محبت کی جو تم سے محبت کرتا ہے۔ تو اس میں کیا بڑائی کی بات ہوئی۔ بدوں سے بھی محبت کرو۔ برا خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔

باہر کی... صفائی کی نسبت اندرونی صفائی زیادہ قابل قدر ہے۔ عبادت میں دکھاوا نہیں ہونا چاہیئے۔ خیرات بھی دکھا کر نہ کرو۔

ان کی تعلیم سے یہودی لوگ بہت ناراض ہوئے۔ انہوں نے ان پر کئی الزام لگائے۔ اور فلسطین کے حاکم اعلٰے سے کہہ کر ان کو سولی پر لٹکوا دیا۔ سولی پر چڑھتے وقت انہوں نے مالک کل سے یہ دعا کی "اے میرے مولا! ان لوگوں کو بخش دینا۔ یہ بیچارے نہیں سمجھتے کہ یہ کیا فعل کر رہے ہیں۔" اور آخر میں کہا۔ "اے مالک! یہ میری روح تیری ہی نذر ہے۔" ایسا کہہ کر انہوں نے اپنی جان دے دی۔ مہاتما عیسٰے کے چہرے پر کسی نے بل پڑتے نہیں دیکھا۔ نہ انہوں نے کسی سے نفرت کی۔ دوسروں کا بھلا کرنا ہی ان کی زندگی کا واحد مقصد ہوتا تھا۔

اوم شم

رسالہ ہذا ہر ماہ کی ۲۲ تاریخ تک شائع ہو جاتا ہے۔ اگر پرچہ ۲۶ تاریخ تک نہ ملے تو ہمیں فوراً آگاہ کریں۔ تاکہ ہم دوبارہ پرچہ آپ کی سیوا میں بھیج سکیں۔

(منیجر)

رشی پٹیالوی شملہ　　تلمیذ جناب نسیم نور محلی

مقام معبود

وہ حادث نہیں ہے وہ فانی نہیں ہے | جہاں میں کوئی اُس کا ثانی نہیں ہے
ہیں جنّ و ملک اُس کے دَر کے سوالی | وہ ہے سب کا رازق وہ ہے سب کا والی

اُسی نے ضیا چاند سورج کو بخشی
ستاروں میں بھی روشنی ہے اُسی کی

اُسی کا زمانے میں سِکّہ رواں ہے | وہی رہنما ہے وہی کارواں ہے!
یہ ارض و سما ہے اُسی کی کرامت | اُسی کا کرشمہ ہے یہ حسنِ فطرت

گُل و غنچہ میں تازگی ہے اُسی کی
حسینوں کے لب پر ہنسی ہے اُسی کی

حیات آفریں ہے بہار آفریں ہے | یہ دُنیا اُسی کے کرم سے حسیں ہے
عیاں بھی نہیں ہے نہاں بھی نہیں ہے | یہیں بھی نہیں ہے وہاں بھی نہیں ہے

وہ ہر چیز میں ہے مگر لامکاں ہے
کوئی کیا بتائے وہ کیا ہے کہاں ہے

نہ مسجد میں وہ ہے نہ مندر میں وہ ہے | نہ اس گھر میں وہ ہے نہ اُس گھر میں وہ ہے
یہاں دیکھتے ہیں وہاں ڈھونڈتے ہیں | اُسے اُس کے طالب کہاں ڈھونڈتے ہیں

تماشائیوں نے تماشا نہ دیکھا
کسی نے کہیں اُس کا جلوہ نہ دیکھا

خرد نے ہزار اپنا جادو چلایا | مقام اُس کا لیکن نظر میں نہ آیا!
جنوں پر کھُلا تو کھُلا راز آخر | اُسی نے خود افشا کیا راز آخر

"کہیں بھی نہیں ہے دلوں میں مکیں ہے
دلوں میں نہیں تو کہیں بھی نہیں ہے"

وہ دِل جن میں روشن ہے شمعِ محبت | وہ دِل جن میں رقصاں ہے نورِ صداقت
وہ دِل جن میں گردِ کدورت نہیں ہے | وہ دِل جن میں زہرِ عداوت نہیں ہے

برائی کوئی جن دلوں میں نہیں ہے
سُنا ہے کہ وہ اُن دِلوں میں مکیں ہے

وہ دِل جو شناسائے رسمِ وفا ہیں
اگر ہے تو وہ ان دِلوں میں مکیں ہے

وہ دِل جو حقیقت کے راز آشنا ہیں
نہیں تو وہ جلوہ کہیں بھی نہیں ہے

رستی نیک اوصاف کہ دِل میں پیدا
اگر تو ہے اُس کی حقیقت کا شیدا

پرارتھنا

(از امر چند قیس)

نِبتی سُن بھگوان
ہماری نِبتی سُن بھگوان

جگ کے مالک !
جگ کے پالک !

کر جگ کا کلیان
ہماری نِبتی سُن بھگوان !

تو ہے سوامی !
انتر یامی

ہم مُورکھ ، انجان
ہماری نِبتی سُن بھگوان !

جگ کے بانی !
پورن گیانی !

دے ہم سب کو گیان
ہماری نِبتی سُن بھگوان !

ہری بھجن

گا لے پربھ کے گیت
رے پرانی ! گا لے پربھ کے گیت

کیول اُس کی پُوجا کر تو
یہ ہے سچّی ریت
رے پرانی ! گا لے پربھ کے گیت

جھُوٹی ہے جب مایا جگ کی
پھر کیا اس سے پریت ؟
رے پرانی ! گا لے پربھ کے گیت

سب مطلب کے میت ہیں جگ میں
کون کسی کا میت ؟
رے پرانی ! گا لے پربھ کے گیت

جیت چکا تُو اس دُنیا کو
اپنا ہی من جیت ؟
رے پرانی ! گا لے پربھ کے گیت

اُٹھ پُوجا کی کلیاں چُن لے
سمے نہ جائے بیت ؟
رے پرانی ! گا لے پربھ کے گیت

دین درویش

بندہ جانے میں کروں کرن ہار کرتار!

دین درویش مُسلمان تھے۔ وہ سچّے اور دیندار شخص تھے۔ بعد میں ہندوؤں کے درمیان رہنے کے سبب سے اُن میں رُوحانیت کی پُھرنا کچھ عجیب طرح پر ہوگئی۔ اُنہیں گو جسم کے لحاظ سے مسلمان کہا جائے مگر خیالات اور رُوح کے لحاظ سے وہ کچھ کے کچھ بن گئے۔ آپ پاٹن کے رہنے والے تھے۔ فارسی وغیرہ بھی کچھ پڑھی تھی۔ علمی لیاقت کچھ اتنی اچھی نہیں تھی۔ مگر گیان شکتی بہت بڑھ گئی تھی۔ اور جو بات کہتے تھے وہ اس قسم کی ہوتی تھی۔ گویا آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ شاعری سے قدرتی مذاق تھا۔ اور شاعر بھی قدرتی ہی تھے۔ تصنّع اور بناوٹ نام کو نہیں تھی۔ اور جو بات تھی صاف صاف تھی۔

اُن کی ابتدائی زندگی کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔ کہنے والے اتنا کہتے ہیں۔ کہ بیس برس کی عُمر میں اُن کو مسلمانوں کے مذہبی مقامات کی سیر کی خواہش ہوئی۔ جو اُن کے دینداری اور مذہبی شوق کی ابتدا بھی جا سکتی ہے۔ جب مسلمانوں کے پاک مقامات کی زیارت کر چُکے تو پھر ہندوؤں کے تیرتھوں میں جانے کا شوق ہوا۔ اور قریب سارے تیرتھ دیکھ لیے۔ گوکل، برندابن۔ کاشی۔ پریاگ۔ شری ناتھ دھوارا وغیرہ مقامات کا عرصہ تک چکر لگاتے رہے۔ تیرتھ یاترا کے بعد دیکھا گیا کہ اُن کی مسلمانی وضع میں بہت تبدیلی آ گئی ہے۔ اور وہ ایکانت سیون میں رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اور کبیر صاحب کے عقائد کے زیادہ معتقد ہو گئے ہیں۔ اُن کا معمول تھا کہ ہر لوپ ناشی کو سرستی ندی میں اشنان کرنے آتے تھے۔ ساتھ شاگرد ہوا کرتے تھے۔ اور شعر و سُخن کا بازار گرم رہتا تھا۔ ایک موقعہ پر جب یہ سرستی ندی میں اشنان کرنے کو آئے۔ تو بہت سے بھاٹ۔ چارن اور برہمن شاعر بھی وہاں آئے تھے۔ دو تین سو آدمیوں کا مجمع اکٹھا ہو گیا تھا۔ جب یہ اپنے شاگردوں کو ساتھ لیکر گیت وغیرہ پڑھنے لگے۔ ہندو شاعروں کو رشک ہوا۔ اور کون جانے یہ مجمع محض ان کے زک دینے کے لیئے ہی اکٹھا ہوا تھا۔ وہاں بات یہ طے ہوئی کہ دین درویش اور کان کوی کا مقابلہ کیا جاوے۔ جو ہارے وہ دوسرے کا شاگرد ہو جائے۔ اس فیصلہ کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہزاروں کی تعداد ان کا تماشا دیکھنے کے لیئے سرستی کے کنارے اکٹھی ہو گئی۔ یہ میلہ سدّھ پور نامی ایک مقام پر منعقد ہوا۔ دین درویش اور کان کوی دونوں قوم کے گجراتی تھے ان کی شاعری بھی اسی زبان میں ہوا کرتی تھی۔ لوگوں نے یہ صلاح کی کہ پہلے دین درویش اپنی نظم سناوے۔ دونوں نے اپنی شاعری کے تماشے دکھانے شروع کیے۔ دونو ہوشیار اور چالاک تھے۔ ہر طرف سے تعریفوں کی صدائیں بلند ہونی شروع ہوئیں۔ سات دن تک متواتر دونو کا مقابلہ ہوتا رہا۔ مگر کسی کو ہمّت نہ ہوئی۔ کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دے سکے۔ یہ سچ ہے کہ کان کوی سنسکرت سے واقف تھا۔ مگر دین درویش کی سادگی و پاکیزگی و کلام سلاست عجیب طرح کی تھی۔ جو لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔ آخر جب کسی سے فیصلہ نہ ہو سکا سب پاٹڑی نامی علاقہ کے ٹھاکر کے پاس گئے۔ اس نے دونوں کو برابر انعام دیکر خوش کیا۔ اور اس طرح ان کا جھگڑا دُور کیا

چاہا۔ کان کوی نے ٹھاکر سے بطور مخالفت کہا۔ کہ دین درویش کی شاعری اعلیٰ درجہ کی نہیں ہے۔ مگر ٹھاکر نے جواب دیا۔ کہ دین… درویش کے کلام میں مالک کی بھگتی بڑی رسیلی زبان میں بیان کی گئی ہے۔ اور ایک موقعہ بھی ایسا نہیں آیا۔ کہ اُس کی شان میں کوئی کلمہ ناحق بیان کیا گیا ہو۔ اس قسم کے پاس ادب کا لحاظ کمتر شاعروں کا ہوتا ہے۔ کان کوی کے کان کھڑے ہوئے پھر اُس نے خاموشی اختیار کر لی۔

دین درویش کی بابت گجرات میں مشہور ہے کہ انہوں نے سوا لاکھ کنڈلیاں لکھی تھیں۔ خبر نہیں یہ کہاں تک کتاب کی صورت میں اکٹھی کی گئیں۔ تاہم ان کی بہت بڑی تعداد آدمیوں کی زبان پر رہتی ہے۔ اور اس سے ہزاروں اور لاکھوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

دین درویش بہت معمولی درجہ کے آدمی تھے۔ نہ راجہ تھے نہ رئیس تھے۔ نہ عالم تھے نہ فاضل۔ مگر وہ ایسا کام کر گئے جس سے پُشت بالپُشت تک اُن کا نام سب کی زبان پر رہے گا۔ کتنے نئے شاعر اس سے شاعری کا سبق سیکھتے ہیں۔ عالموں اور پنڈتوں کو ہزارہا غرور اپنی علمیت کا ہو مگر اس طرح کے نیک جذبات والے انسان جو کام کر جاتے ہیں۔ وہ ان میں سے ہزاروں سے بھی نہیں ہوتا۔ یہ دین درویش کبیر صاحب کے کلام کے مُقلد اور انہیں کے طریقہ کے پیرو تھے۔ ہندو اور مسلمان سب اُن کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ دونو کے ہیں۔ پھر بھی دونوں میں سے کسی کے نہیں۔ کلام میں وہ اثر ہے کہ جس کا حد و حساب نہیں۔ زبان گو گجراتی ہے مگر ان الفاظ کے ذرا ردوبدل سے کسی کو یہ تمیز نہیں ہو سکتی۔ کہ ہندی کی شاعری نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اُن کی چند کنڈلیاں ہم یہاں تحریر کرتے ہیں۔

کوڈی ملے نہ بھاگ بن سیکھو ہُنر ہزار
کیوں نر پاوے صاحبی بناں لیکھ کرتار
بناں لیکھ کرتار۔ جگت سب پھر پھر آوے
بھٹک پھرے بے کاج گانٹھ کی لاج گنواوے

کہے دین درویش دُکھی چِت چھوں بش دوڑی
سیکھو ہنر ہزار بھاگ بن ملے نہ کوڑی

بندہ بازی جھوٹ ہے مت ساچی کر مان
کہاں بیربل گنگ ہیں کہاں اکبر کھان
کہاں اکبر کھان بھلے کی رہے بھلائی
فتح سنگھ مہاراج دیکھ اُٹھ چل گئے بھائی
کہے دین درویش سکل مایا کا دھندا
مت ساچی کر مان جھوٹ ہے بازی بندہ

بندہ جانے میں کروں کرن ہار کرتار
تیرا کیا نہ ہوئے گا ہووے ہوون ہار
ہووے ہوون ہار بھار تریوں ہی ڈھووے
آپ جس کرے یار نام نارائن کھووے
کہے دین درویش پڑے کیوں بھرم کے پھندا
کرن ہار کرتار کرے گا تو کیا بندہ

نبھے نگارے کوچ کے چھن پھر سو چپ تاہنہ
کوئی آج کوئی کال کو پاؤ پلک کے ماہنہ
پاؤ پلک کے ماہنہ مان لے من تو میرا
پڑا رہے دھن مال ہوئے جنگل میں ڈیرا
کہے دین درویش مت ہری کو بسارے
چھن بھر سو چپ تاہنہ کوچ کے نبھے نگارے

"اودم" کا سالانہ چندہ

بدستور سابقہ چھ روپیہ (Rs.6/-/-) ہی رہیگا جو سجن ہمارے پہلے اعلان کے مطابق -/4/8 روپیہ ارسال کر چکے ہیں وہ کرپا کر کے -/1/8 روپیہ بقایا چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے کی کرپا کریں —— سنت انک کی ضخامت 120 صفحات کی بجائے اب دو صد صفحات کر دی گئی ہے۔ اور ماہوار پرچے 48 صفحات سے کم نہیں چھپیگا

منیجر "اودم"

ولی ابوالحسن

"یہ پتلے خدا کے بنائے ہوئے ہیں"

ایک درویش جو شہر طالقان کا باشندہ تھا۔ خرقان کے رہنے والے ایک ازبس عالی ہمت اور بزرگ مرتبہ ولی ابوالحسن کی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ بڑے صدق اور نیاز کے ساتھ بلند پہاڑیوں اور لمبی وادیوں کو طے کرتا ہوا۔ جب وہ خرقان پہنچا۔ تو اُس نے ولی صاحب کے گھر کا نشان پوچھا۔ اور مکان پر جا کر بڑے ادب کے ساتھ دروازے کی گھنٹی بجائی۔

دریچہ سے ایک عورت نے جھانک کر دریافت کیا کہ کیا چاہتے ہو۔ درویش بولا میں ولی صاحب کی زیارت کے لئے آیا ہوں عورت نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا اور بولی۔ واہ تیرا یہ سفر اور تشویش دونو ہی ہنسنے کے لائق ہیں۔ کیا تجھے گھر میں کوئی کام کاج نہ تھا۔ کہ تو بیہودہ ادھر چلا آیا۔ یا تجھے آوارہ گردی کا سودا ہو گیا تھا۔ یا وطن میں تو دُکھی تھا۔ اس طرح عورت نے بہت ہی فحش اور مکروہ باتیں کہیں جو قابلِ ذکر نہیں ہیں۔

درویش اس عورت کی باتیں سُن کر بڑا مغموم اور مضطرب ہوا۔ آنکھوں سے آنسو برساتے ہوئے پھر سوال کیا۔ آخر بتاؤ تو سہی۔ کہ وہ سچا بادشاہ کہاں ہے۔

عورت بولی وہ پرلے درجے کا "مکار" اور اندر سے کھوکھلا ہے اور احمق لوگوں کے لئے ایک جال بُن رہا ہے۔ تیرے جیسے لاکھوں بے شعور اس کی کمندِ گمراہی میں پھنس رہے ہیں۔ اگر تو اُسے دیکھے بغیر واپس چلا جائے۔ تو گمراہی سے بچ جائے گا۔ وہ تو بڑا ڈھنگیا پیالہ چٹ اور پیٹو آدمی ہے۔ اس کے خالی ڈھول کی آواز دُور دُور تک پھیل رہی ہے۔ رات کے مُردہ اور دن کے یاوہ گو لوگ اس پر لٹو ہو رہے ہیں۔ ان لوگوں نے علم اور کمال کی راہ چھوڑ کر مکر وہ کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے۔ کوئی انہیں درست کرنے والا نہیں رہا۔ اس جماعت کی بدعت تو اب دُنیا میں فحش ہو رہی ہے۔

درویش نے ان باتوں کی تاب نہ لا کر نعرہ لگایا کہ بس دن کے وقت چوکیداروں کا کام ہی کیا ہے۔ اس بزرگ کا نور مشرق و مغرب میں پھیل رہا ہے۔ اس آفتاب حقیقت کے رُو برُو تو آسمانی سُورج بھی شرمساری سے زرد رُو ہے، میں ہوا کا بادل نہیں ہوں۔ کہ تیری بیہودہ باتیں سُن کر واپس پھر جاؤں۔ بدعت وہی بُری بات ہوتی ہے۔ جو ہوس سے پیدا ہو۔ خدا سے پیدا ہونے والی بدعت تو خود کمال ہوتی ہے۔ جہاں نورِ معرفت چمکتا ہے۔ وہاں تو کفر بھی ایمان ہو جاتا ہے۔ اور اسر کبھی دیوتا بن جاتے ہیں۔ تو شمعِ حق پر پھونک مارتی ہوئی اپنا مُنہ جلا بیٹھے گی۔ کیا "کتا" سمندر کو پلید کر سکتا ہے۔ یا پھونک سورج کو بجھا سکتی ہے۔ تیرے ایسے بہت سی چمگادڑیں خواب لیا کرتی ہیں۔ کہ اب سورج دنیا

سے معدوم ہو چکا ہے۔ چاند چاندنی برساتا ہے۔ گناہ بھول بھوں کرتا ہے۔ ہر ایک شخص اپنی فطرت پر مجبور ہے لیکن رات کو چاندنی میں چلنے والا مسافر اپنا راستہ کب چھوڑتے ہیں۔ جزو اپنے کل کی طرف خواہ مخواہ تیزی کے ساتھ چلا جاتا ہے۔ تیرے کہنے سے رک نہیں سکتا۔ منصور کے اعلان انا الحق نے سب کو باطون کا گلا گھونٹ دیا۔ اگر تو آنکھیں رکھتی ہے تو کھول کر دیکھ کہ جب بندے کی ہیں وجود سے نیست ہو گئی۔ تو باقی کیا رہ جائے گا۔ (باقی خدا ہی رہ جاتا ہے) تھوک کسی آسمان پر نہیں پہنچتی بلکہ لوٹ کر تھوکنے والے کے منہ پر گرتی ہے۔ تو جسے پینو طبل خوار کہتی ہے۔ ساتوں ... آسمان بھی اس کی درگاہ کے بندے اور مشرق و مغرب اس کے بھکاری ہیں۔ ایسے بزرگوں کی بدولت ہی تو آسمان نو و گردش اور شاہی ایوان رکھتا ہے۔ اس کے لئے سمندر مچھلیوں اور موتیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس کی خاطر ہی زمین اپنے اندر خزانے اور باہر گلہائے یاسمین رکھتی ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو پہاڑ بے سوال ہی زر و لعل و مومیائی سے بہرہ ور نہ ہوتے اور نہ ہی جہان کو بلا مانگے بیحد رزق نصیب ہوتا۔ دنیا بھر کے رزق انہی کے تو رزق خوار ہیں۔ اور کل ہیوے ان کی بارش رحمت کے خشک لب ہیں۔ یہ ایک بعید العقل راز ہے۔ کہ دینے والے کو ہی ہمیشہ دیا جاتا ہے۔ فقیر جو لیتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں وہ در اصل وہی زاد و پوشاک دیتے ہیں۔

کہاں وہ پاک روح اور کہاں تجھ سی بے حیا بیوی، اگر تیری اس گھر سے نسبت نہ ہوتی۔ تو میں تمہیں پارہ پارہ کر دیتا۔ کیونکہ تو اس شاہ زماں کی گھر والی ہے۔ اسلئے اب میں ویسی گستاخی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد وہ درویش اس ولی کے متعلق دوسرے لوگوں سے دریافت کرنے لگا۔ ایک نے بتلایا کہ وہ پہاڑی جنگل سے لکڑیاں لینے گئے ہیں۔ پس اس نے بھی جنگل کا رخ کیا۔

جاتے جاتے اس کے دل میں وسوسے اٹھ رہے تھے کہ وہ ایسے بزرگ ہو کر ایسا ہمنشیں کیوں رکھتے ہیں۔ دیوتا اور بھوت کیونکر اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ وہ ایسی باتیں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ کہ دور سے وہ بزرگ شیر پر سوار دکھائی دیئے دیکھا کہ شیر ان کی لکڑیاں کھینچ رہا ہے۔ اور خود وہ لکڑیوں پر بیٹھے ہوئے ہاتھ میں سانپ لئے اسے کوڑے کے طور پر استعمال کر رہے ہیں

ولی صاحب دور سے ہی درویش کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہنے لگے کہ نفس کی بات مت سن۔ اور جو کچھ درویش پر اب تک گزری تھی۔ اپنی ضمیر سے جان کر سب کی سب کھول کر سنا دی اور پھر اپنی عورت کے سلوک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا میں اس کی ہمنشینی کو اپنے نفس کی خاطر برداشت نہیں کرتا۔ یہ خیال تیرے نفس کا ہے۔ اس پر مت ٹھہر۔ اگر میرا صبر اس عورت کا بوجھ نہ سہہ سکتا۔ تو شیر نر کس طرح میری لکڑیاں کھینچتا۔ میں خالق کے امر و فرمان میں کچا نہیں ہوں۔ کہ تشنیع عام کی پرواہ رکھوں۔ اس کا حکم ہی میرے لئے خاص و عام ہے میری روح سدا ہی اس کی طالب ہے۔ میں سب کی تحسین و تشویق سے دور ہوں۔ اور کسی اور کی تصدیق و تکذیب کی پرواہ نہیں رکھتا۔ میرا فرض و جھفت ہونا ہوائے نفس سے نہیں ہے کیونکہ میری جان مہرہ کی مانند خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ایک بیوقوف عورت تو کیا میں ایسی ہی اور عورتوں کا بوجھ اٹھانے کو تیار ہوں۔ مگر رنگ و بو کے عشق سے کبھی نہیں۔

میں نے یہ تیری خاطر نچلے درجے کی بات کہی ہے۔ کہ تو بد خو ساتھی کے ساتھ نبھانا سیکھ لے۔ اور خنک و خنداں ہو کر یہ بوجھ اٹھا سکے۔ صبر ہی مشکلات کی چابی ہے۔ کمینوں کے ساتھ نرباہ کرنے سے تیرے اندر نور جلوہ گر ہوگا۔ اس کے آگے جو کچھ ہے جس کا ذکر کیا کروں۔ وہاں تو جا (جگہ) ہی نہیں

ہے لیکن تو وہ بھی تو کل تصوّرات او وہم سے دُور ہے۔

ہندوؤں کے پران تنتو (Mythology) میں ہر ایک دیوتا کسی نہ کسی پشو کا باہن (سواری) رکھتا ہے۔ کوئی شیر پر کوئی گرڈ پر۔ کوئی راج ہنس پر اور کوئی چوہے پر سوار ہے۔ یہ تمام مورتیاں ایک نہایت گہری سچائی کو ظاہر کرتی ہیں۔ ہر ایک دیو بھاؤ۔ کسی نہ کسی پشو بھاؤ کو جیتنے (اس پر سوار ہونے سے پیدا ہوتا ہے) کرودھ کو جیتنے سے کھشما۔ اور دویش کو جیتنے سے پریم کی پراپتی ہوتی ہے۔ ہمارے وجود میں جتنے بھی پشو بھاؤ دیکھے جاتے ہیں۔ وہ ہمارے اندر دیو بھاؤ کے ظہور کے لازمی وسیلے ہیں۔ پشو بھاؤ کے مقابلہ میں دیو بھاؤ ظاہر ہوتا اور معنی رکھ سکتا ہے۔ اور دیو بھاؤ کے نسبت سے ہی ہم پشو بھاؤ کو جان سکتے ہیں۔ بلندی اور پستی ہمیشہ باہمی نسبت سے ہی ہستی اور معنی رکھ سکتے ہیں

ہر ایک انسان کے وجود میں صرف ایک حیوان ہی نہیں بلکہ کل حیوانات موجود ہیں۔ اگر ہم ان حیوانات سے مغلوب ہو جائیں تو ہم درجہ زندگی میں حیوانات سے بھی گر جائیں گے لیکن اگر ہم ان پر غالب آسکیں تو ہماری زندگی تمام خیالی دیوتاؤں سے بد تر ہوگی۔

مذکورہ بالا حکایت میں ولی صاحب کا شیر پر سوار ہونا یہ اشارہ دیتا ہے کہ وہ اپنے نفس پر غالب آچکے ہیں۔ روحانی طاقت بیرونی چیزوں پر قابض ہونے اور قدرتی طاقتوں کے ساتھ لڑائی کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ اپنے وجود کے اندر اپنے نفسانی میلانات پر سواری کرنے سے ہاتھ لگتی ہے۔ پس سچی روحانی طاقت کا اصلی راز یہ ہے۔ کہ اپنے اندرونی حیوان کو کمزور بنانے کی بجائے اسے دن بدن طاقتور بنا کر اس پر سواری کرنا سیکھا جائے۔ ہم اپنے حیوانی جزو کو ضعیف رکھ کر کبھی اعلےٰ درجے کی روحانی طاقت حاصل نہیں کر سکتے حقیقت میں جو شخص بھی روحانی طاقت رکھتا ہے۔ وہ اسی طرح شیر پر سواری کرتا ہے۔

توقیں میداں کہ ہر شیخے کہ ہست
ہم سواری مے کند بر شیر مست
صد ہزاراں شیر زیر ران شاں
پیش دیدۂ غیب ہیں ہیزم کشاں

(مثنوی شریف)

تو یقینی طور پر جان لے کہ جو بھی روحانی عظمت رکھتا ہے۔ وہ شیر مست پر سوار ہوتا ہے۔ بلکہ غیب بین آنکھ ایسے لوگوں کی ران تلے لاکھوں شیروں کو لکڑیاں کھینچتے دیکھا کرتی ہے۔ لکڑیاں کھینچنے کے معنی یہ ہیں کہ وہی جذبات نفسانی جو پہلے ہم پر حکمران ہو رہے تھے۔ نئی زندگی حاصل ہونے پر نہ صرف ہماری اطاعت قبول کرتے ہیں۔ بلکہ ہمارے خادم بن جاتے ہیں۔

Monthly 'OM' Delhi.
Vol. 24 (SANT ANK. JANUARY 1957) Regd. No. D. 84

Title Printed at Kanwal Art Press, Ajmeri Gate, Delhi.

Estd : 1934

VEDANT ANK

January, 1958.



Price

Rs. 2/-

جاری شدہ ۱۹۳۲ء

جاری شدہ ۱۹۳۲ء

رُوحانیت کے بلند ترین خیالات کا پرچارک

رسالہ اوم دہلی

ویدانت انک

جنوری ۱۹۵۸ء

چیف ایڈیٹر
گورکھ ناتھ
نندہ

لائف ممبر شپ فیس یکصد روپیہ

ایڈیٹر
برہمانند
بی اے

چندہ سالانہ ۶/۸ روپے

اغراض و مقاصد

۱۔ زمانہ حال کی زبان میں برہم گیان کی تعلیم دینا

۲۔ بھگتوں، یوگیوں، گیانیوں اور دوسرے مہاپرشوں کی ابھارنے والی زندگیوں کے موثر حالات پیش کرنا۔

۳۔ عالمگیر اور ابدی سچائیوں کی اشاعت کے ذریعے تعصب اور تنگدلی کو دور کرنا۔

۴۔ ماضی و حال کے بلند ترین خیالات اور نہایت گہرے روحانی تجربات کو پیش کرنا۔

۵۔ تمام قوموں اور نسلوں کے درمیان انسانی وحدت دکھا کر باہمی رواداری خدمت شناسی اور اتحاد کی سپرٹ بڑھانا۔

۶۔ یہ پرچہ کوئی بیوپارک پرچہ نہیں، روپیہ کمانے کی غرض سے جاری نہیں ہوا۔ بلکہ یہ رسالہ روحانی خیالات کے مشن کو لے کر جاری ہوا ہے اس لئے یہ سب کا ہے اور سب کے لئے ہے اور سبھی کو اسے کامیاب بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

منیجر رسالہ "ادوم" اجمیری گیٹ دہلی

قواعد و ضوابط

۱۔ یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے،

۲۔ اگر کسی صاحب کو پرچہ وقت پر نہ ملے تو وہ ۳۰ تاریخ تک چٹھی لکھ کر پرچہ طلب کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد تعمیل نہ ہوگی۔

۳۔ خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دینا چاہئے۔

۴۔ منی آرڈر ارسال کرتے وقت اپنا نام اور پتہ خوشخط حروف میں لکھنا چاہئے تاکہ رقم درست طور پر اصحاب متعلقہ کے حساب میں جمع ہو سکے۔

۵۔ تبدیلی پتہ کی اطلاع ۱۵ تاریخ سے پہلے دینی ضروری ہے،

منیجر رسالہ "ادوم" دہلی

ضروری اعلان:

"ویدانت انک" جنوری فروری ۱۹۵۸ء دو ماہ کا مشترکہ پرچہ تصور کیا گیا ہے۔ ماہ فروری میں کوئی علیحدہ ماہوار پرچہ شائع نہیں ہوگا ناظرین "ادوم" اس کے لئے فضول خط و کتابت نہ کریں، ہم ہمیشہ ہی ہر سال سالنامہ شائع کرنے کے بعد ماہ فروری کا پرچہ شائع نہیں کرتے، جس کی وجہ یہ ہے کہ دی، پی وغیرہ کی وصولی عام طور پر دیر سے ہوتی ہے اور نئے رجسٹر تیار کرنے میں ماہ جنوری کا سارا مہینہ ہی صرف ہو جاتا ہے۔ اور ماہ فروری کا پرچہ تیار کرنے میں مطلقاً وقت نہیں ملتا۔ آشا ہے کہ ادوم کے نئے پریمی ہماری اس مجبوری کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہماری اس دیرینہ روایت کو برقرار رکھنے میں اعتراض نہیں کریں گے۔ اور دو ماہ ویدانت انک کا ہی مطالعہ کر کے اپنے جیون کو سپھل بنائیں گے۔

اب اگلا پرچہ بابت ماہ مارچ ۱۹۵۸ء۔ مورخہ ۲۵ر فروری ۱۹۵۸ء کو شائع ہوگا۔

(منیجر)

(شری برہمانند بی اے کے باہتمام جید پرلیس بلیماران دہلی میں چھپا۔ اور دفتر رسالہ "ادوم" بازار اجمیری گیٹ دہلی سے شائع ہوا)

رسالہ "اوم" دہلی کا ویدانت انک جنوری ۱۹۵۸ء

فہرست مضامین

شِو شنبھو

از شری نوبت رائے شوخ

پھر فصلِ بہاری لایا ہے کیا دورِ نیا شِو شنبھو کا
شِواوم نمہ" کے سمرن سے ہر سانس معطر نکہت کی
کوئل کی کوک نرالی ہے بلبل کی چہک کا کیا کہنا
ناقوس بجاتے ہیں بھنورے "شواوم" کی دھوم مچاتے ہیں
گھنگھور گھٹائیں رحمت کی کیلاش سے اُمڈی آئی ہیں
ہے دامنِ سبزہ میں موتی ہر قطرۂ ابرِ رحمت کا
طاؤس بنا کے دُم کو چتور رقصندہ ہیں سرمستی سے
کیا دھوپ کی خوشبو لپٹی ہے مسرورِ صبا کے آنچل سے
کیا جگنو جوت جگاتے ہیں گلزار میں جگمگ ہوتی ہے
شِو رات ہے آنکھیں کھول ذرا جاگا جو رہے کچھ پائیگا

ہر پھول تبسم ریز ہوا، پیغام سنا شِو شنبھو کا
کیا نام فسونِ فطرت نے ہے پھونک دیا شِو شنبھو کا
ہر شاخِ چمن ہے وجد کناں، کیا ذکر چھڑا شِو شنبھو کا
کیا اسمِ اعظم گونج رہا ہے روح فزا شِو شنبھو کا
امرت کی پھواریں پڑتی ہیں یہ جوشِ عطا شِو شنبھو کا
زر جیب میں بھر کر تے ہیں گل شکر ادا شِو شنبھو کا
پیغام سناتی ہے اُن کو کیا بادِ صبا شِو شنبھو کا
ہیں مست نگاہیں نرگس کی، کیا جام پیا شِو شنبھو کا
یہ کس نے الاپا ہے دیپک کیا پریم جگا شِو شنبھو کا
وہ شاخ ہے کوئی طوبیٰ کی یا دستِ سخا شِو شنبھو کا

ہے جس کو تیری فکر سدا تو محو اسی کے ذکر میں رہ
غمِ شوخ بھلا دے دُنیا کے تو دھیان لگا شِو شنبھو کا

رسالہ "اوم" دہلی کا ویدانت انک

بھومکا

پراچین رشیوں کے اعتقاد مطابق ویدک دھرم کے انویائی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ پہلی سرشٹی کے جیووں کے کرم جب سمے آنے پر پھل دینے کے لئے اُدے ہوئے تو نئی سرشٹی اُتپن کرنے کے لئے بھگوان کی شکتی برہما کے روپ میں پرگٹ ہوئی۔ شری برہما جی کے مکھ سے وید کا اچارن ہوا۔ سنک سنندن اور سنت کمار چار رشیوں نے اُن ویدوں کو سمادھی اوستھا میں سنا۔ اس لئے ویدوں کی رچاؤں کو شرتی کا نام دیا گیا۔ اس طرح وید کا کلام الہام یعنی ایشوری بانی مانا گیا۔ یہ وہ گیان ہے جس کے بغیر انسان جاہل مطلق ہی رہتا ہے یہ وہ روشنی ہے جس کے بغیر سنسار کا اندھکار دور نہیں ہو سکتا۔

رگ وید، یجر وید، سام وید اور اتھروید کی کل رچاؤں کو جو مندرجہ بالا رشیوں پر پرماتما نے پرگٹ کی تھیں اور بعد میں مختلف رشیوں کے نوکِ زبانی تھیں۔ اُن کو مہرشی وید ویاس جی کتب کی شکل میں لائے انہوں نے ویدوں کے گیان کانڈ کو علیحدہ چھانٹ کر رکھ دیا۔ اور اُس کو ویدانت کا نام دیا۔ انہوں نے ویدانت سوتر لکھے، جو کہ نورِ وحدت کا کرشمہ ہیں۔

ویدانت تمام سچائیوں کی ایک بنیادی اور آخری سچائی ہے، تمام مشاہدات کا نتیجہ سائنس ہے۔ کل سائنس کا انجام فلسفہ ہے۔ اور کل فلسفہ کا لب لباب ویدانت ہے۔ ویدانت زندگی کی روشنی ہے۔ ویدانت اعلان کرتا ہے کہ جس سے دنیا پیدا ہو کر جس کے سہارے رہتی ہے اور جس کی جانب واپس لوٹ رہی ہے وہی برہم خدائے حقیقی ہے وہی پرم ستا ہے۔ وہ اپنے ہی سچ آنند کی پربرتا سے جیو اور جگت کے روپ میں ظاہر ہوتی ہے، وہ پرم چیتن ہے اُسی کو جاننا چاہیئے۔ اُس کے جاننے سے تمام تمنائیں دور ہو جاتی ہیں۔ "میں کیا ہوں" یہ سنسار کیا ہے" ایشور کا سروپ کیا ہے"۔ اور وہ کہاں ہے" اِن سوالات کا جواب صرف فلسفۂ ویدانت ہی پورے طور پر دیتا ہے، آتم گیان کی پراپتی کے لئے اِن سوالات کا حل کرنا ایک ضروری اور لازمی امر ہے۔

"میں آتما ہوں" ایسا نشچے ہی کلیان کا ہیتو ہے آتما کے اپرو کھش گیان سے ہی منش کرم چکر سے چھوٹ سکتا ہے، کرم چکر سے چھوٹنے کے لئے سوائے برہم گیان کے کوئی اور اپائے نہیں، شرع شریعت یعنی کرم کانڈ محض قلب کو صاف کرنے کے سادھن ہیں۔ اِن سے جنم مرن دور نہیں ہو سکتا۔ اِن سے سورگ یا بہشت وغیرہ کے عارضی سکھ تو مل جاتے ہیں لیکن موکھش کی پراپتی نہیں ہو سکتی اس لئے برہم گیان کی پراپتی کے لئے جو سادھن ویدانت کی تعلیم سے حاصل ہوتے ہیں۔ اُن کی طرف رجوع کرنا ہی دانائی ہے۔ جس خدا کو نہ کانوں سُنا اور نہ آنکھوں دیکھا صرف کتابوں کے لفظوں میں جس کی ہستی ہے اُسی کے نام پر مذاہب نے خون خرابہ مچا رکھا ہے۔ ویدانت کہتا ہے کہ آسمانوں میں تواس کرنے والے فرضی خدا کا تصور چھوڑ کر اُس کی تلاش اپنے ہردہ میں کرو۔ اندر باہر سب اُسی کا جلوہ ہے۔ ویدانت خدا کی زندہ صورت چیتن

آتما کو دیکھنے کا اہتمام کرتا ہے۔ اور وہ صرف اپنی ہی ذات ہے اپنی ذات کا دیدار ہونے سے خدا کا دیدار ہوتا ہے۔ جب تک خدا یا ایشور، کے اصل سروپ کو جانا نہ جائے اس کی اپاسنا بھی بے معنی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہم پہلے خدا کی حقیقت کو سمجھیں۔

ویدانت کی تعلیم کا اصل مقصد یہ ہے کہ ہم نام روپ کلپت سنسار میں رہتے ہوئے بھی پانی میں کنول کی طرح اس سے نیارے رہیں، یعنی ہمارے کرموں کا اثر انتہ کرن پر سوکشم روپ سے بھی نہ پڑے، ہم شریر سے کام لیتے ہوئے کبھی خود کو اتنا ہی نشچے کریں، شریر کو تیاگتے سمے (بروقت مرگ) ہمیں سنسار کے پدارتھ اپنی طرف کھینچ نہ سکیں، ہم آتما کو اکرتے اور ابناشی سمجھیں، ہماری آتم استھتی تیل دھارا کی طرح ایک رس رہے، دکھ سکھ میں ہمارے چت کے ترازو کا پلڑا یکساں رہے، راگ اور دویش سے ہم کنارہ کش رہیں، گویا ہم استھت پرگیہ یعنی مسلم العقل ہوں۔ اور یہ اوستھا تب ہی ممکن ہے جب کہ ہم آتم گیان کی تمام منازل کو عبور کر چکے ہوں۔

ویدانت اعلان کرتا ہے کہ جیو شدھ گیان سروپ ہے اس میں کرم کا لیش ماتر بھی نہیں۔ وہ تماشائی ہے مگر شکتی مایا کے زیر اثر تمام تھوں اور شیہ میں اس قدر محو ہو رہا ہے کہ اپنی ذات کو بھول گیا ہے اگیان نے اس کے سروپ کو ڈھک دیا ہے بس جتنی کوشش ہونی چاہیے۔ وہ اس اگیان کو دور کرنے کی ہونی چاہیے بندھ محض وہم ہے، جیو اپنے سروپ کو بھول کر اپنے اصل سروپ برہم سے الگ ہوا ہوا مان رہا ہے، اصلیت میں اپنی ذات سے کبھی الگ نہیں ہوا اور نہ ہی ہونے کا امکان ہے موکش اپنا اصل سروپ ہے۔ میں کرتا دھرتا محدود جیو ہوں اس وہم کا چھوڑنا ہی موکش کی پراپتی کا صحیح راستہ ہے، وہم کا چھوڑنا اور یقین واثق کرنا کہ میں ست ہوں، چت ہوں، آنند ہوں، سدا مکت اور شانت سروپ ہوں

اگر ہم واقعی طور پر جیو ہوتے تو برہم پراپتی کبھی نہ ہو سکتی کیونکہ وہ تو سب کا حقیقی اپنا آپ ہے بلکہ خود اپنی ذات پانی

تک پہنچنے کے لئے کون سے یتن کرنے کی ضرورت ہے، پانی تو اس کا اپنا آپ یا ذاتِ حق ہے۔ اس سے کوئی فاصلہ نہیں رکھتا۔

اپنے سروپ کو جاننے کیلئے ویدانت کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ ویدانت بذاتِ خود کوئی مذہب نہیں، لیکن یہ تمام مذاہب کی آتما (رجان) ہے، کیونکہ سب کی منزلِ مقصود ویدانت ہی ہے، اور یہی فلسفہ دراصل ہر قوم اور ملک میں ہر دلعزیز ہے اور اسی سے تسکین، شانتی، پریم، خلوص دلی وغیرہ انسانی اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ اور تعصب، تنگ دلی نفرت وغیرہ کافور ہوجاتے ہیں، یورپ اور امریکہ میں بھی اس خیال کے لوگ مثلاً ایمرسن ٹینی سن ڈیٹھیمین، جیمز ایلین، رالف والڈو وغیرہ وغیرہ ہو چکے ہیں، جنہوں نے اس خیال کا بہت پرچار کیا۔ ان کی پستکیں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عقیدہ ویدک تعلیم کے عین مطابق تھا۔ آتم گیان کی جھلک ان کی تحریر میں پائی جاتی ہے، مسلمانی مذہب میں بھی اس ویدانت کا رنگ موجود ہے۔ اور اس خیال کے لوگوں کو صوفی کہا جاتا ہے، مولانا روم، شیخ سعدی، حضرت بو علی قلندر، شمس تبریز، منصور انا الحق، شہزادہ داراشکوہ وغیرہ وغیرہ سب اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے، آج کل بھی بہت سے مسلمان اس تعلیم کے انویائی ہیں۔ اور مذہبی جھگڑوں سے لاتعلق رہتے ہیں۔ مذہب کے جھگڑے محض خود غرض اور اگیانی منشوں میں ہی پائے جاتے ہیں، گیان وان اور سچے ایشور اپاسکوں میں لڑائی جھگڑا نام کو بھی نہیں ہوتا۔ پورن مہاتما یا کامل فقیروں کی تمام دنیا عزت کرتی ہے، گورو نانک، یسوع مسیح، کبیر، فرید، بلھے شاہ، مولانا روم، شیخ سعدی وغیرہ کی ہندو مسلمان عیسائی سب میں یکساں عزت ہے اور وہ قابلِ تعظیم مانے جاتے ہیں، سروم کھلو ادم برہم وید کا مہاواکیہ ہے اس کا ارتھ ہے: نشچے کر کہ یہ سب نام روپ آتمک جگت برہم ہی ہے۔ الکلمہ توحید لا الہٰ الا اللہ کا مطلب بھی یہی ہے۔ کہ سوائے خدا کے دوسری شے موجود نہیں۔

گویا ہندو مسلمانوں کی مذہبی کتب ایک ہی سچائی کو پرگٹ کر رہی ہیں پھر نامعلوم خود غرض لیڈر آپس میں کیوں نفرت پیدا کرتے ہیں۔ ایکنگ ست وپرا بہودا ودنتی۔ سچائی ایک ہی ہے

اُس کو دانا لوگ مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں۔

"ویدانت انک" کو شائع کرنے کا ہمارا مقصد یہی ہے کہ جہالت کا قلع قمع ہو۔ اور لوگ سچے آتم گیان کو پراپت کریں۔ صلح

اور پریم سے رہیں اور بھارت میں پھر سے شانتی اور سُکھ کا راج ہو۔

اوم شانتی شانتی شانتی اوم

گورکھ ناتھ نندہ ایڈیٹر

نئے سال کی مبارک

از شری سوامی پرمی پورنانند جی پورن

خودی کو اپنی مٹایا جسنے نوید اسکو ہے سالِ نو کی
ہُوا ہے جسکو وصالِ باری نوید اسکو ہو سالِ نو کی

کہاں ہے طاقت زباں میں میری بیاں کرے کچھ خوشی ہیں ایسی
جو ذاتِ حق میں سدا ہے قائم ہو نوید اسکو ہو سالِ نو کی

ہے جامِ وحدت کا گھونٹ بھرتی خوشی و دو نو جہاں میں پھیلی
پیا ہو جسنے وہ جام بھر بھر نوید اسکو ہو سالِ نو کی

وہ جاودانی سرورِ یزداں ہے اسم و صورت کی تہ میں پنہاں
یہ فضلِ مرشد ہو جسنے پایا نوید اسکو ہو سالِ نو کی

ہیں اسم و صورت یہ دو نو فانی بقا حقیقت ہیں علم و ہستی
فنا سے جسنے ہٹایا دل کو نوید اسکو ہو سالِ نو کی

نہ ہاتھ پاؤں جسم ہڈی نہ چشم گوش و زبان ہوں میں
میں ذاتِ یزداں ہوں جسنے جانا نوید اسکو ہو سالِ نو کی

ہیں علم و ہستی سرورِ واحد ہمیشہ یکساں بہ حال و ماضی
مثال اپنی ہوں آپ پورن نوید سب کو ہو سالِ نو کی

رات گنوائی سوکر۔ دوس گنوایا کھائے
ہیرا جنم انمول تھا کوڑی بدلے جائے

ارتھ

رات سونے میں گنوا دی اور دن کھانے میں ضائع کر دیا
انسانی ہستی قیمتی گوہر تھی۔ اس کو کوڑی بدلے یونہی برباد کر دیا

ویدانت

از قلم شری بھاگ مل جی سائیں

روحانیت کے ایک معلم نے ویدانت کی یوں تعریف کی ہے:

"وید کا انت ویدانت ہے، انت سے مراد خاتمہ حد، سرا اور مکمل صورت ہے۔ یعنی ویدانت گیان کی حد۔ گیان کا انجام۔ اور گیان کی اپروگش اوستھا ہے اور نہ محض گیان کا خاتمہ یا انتہا ہی ہے بلکہ گیان کا مقصد اعلیٰ بھی ہے اور دونوں غرض اس سے نکلتی ہیں یعنی ویدانت وید کا انت ہے۔ وید گیان ہے اور اس گیان کی چوٹی کا نام ویدانت ہے اور وہ گیان کی چوٹی کہا ہے: اپنی اصلیت اور حقیقت اپنی ذات اور اپنی ہستی کا علم اس کے سوا وہ اور کچھ نہیں اور صفائی سے یوں سمجھو کہ حقیقت کا ساکشات کار کرنے کا طریق، حقیقت کی تحقیقات اور خود حقیقت یہ وید کا انت ہے۔ اس کے سوا ویدانت کچھ نہیں۔

کسی نہ کسی طرح جیو وسیع نظری کو چھوڑ کر تنگ نظری کے دام میں پھنس گیا ہے۔ اپنے محدود اور ناقص جذبات اور محسوسات کی وجہ سے دکھ اٹھا رہا ہے یعنی تنگ نظری کی وجہ سے وہ ناقص العقل، ناقص الحواس، ناقص الجسم اور ناقص القلب بن کر رنج و غم کے سمندر میں غوطے کھا رہا ہے ویدانت اس تنگ نظری کے مرض کو دور کرنے کا علاج ہے۔ اور ویدانت کا اصل مقصد یہ ہے کہ جیو جیونے کے وہم کو ترک کر کے برہم ہونے کے خیال کو دل دے اور اپنی اصلیت کو ساکشات کار کرے یعنی ویدانت کا مقصد حقیقت کا عین الیقین یا ساکشات کار کر لینا ہے یا سفلی اہم جیو پنا کو علوی اہم (برہم پنا) میں تبدیل کر دینا ہے اور جملہ اقسام کے دکھوں اور کلیشوں کا قطعی خاتمہ اور دائمی سکھ کا حاصل کرنا یہ انسان کا اور انسانی زندگی کا مقصد ہے اور اس کا معاون اور مددگار بننا ویدانت کی اصل غرض ہے تاکہ قطعی طور پر دکھ کی جڑ ہمیشہ کے لیے کٹ جائے اور لاانتہا اور دائمی خوشی حاصل ہو۔

"شرد دکھ نورتی پرمانند پراپتی"

"ویدانت" آتم گیان کے سیلاب بہا کر ابد از زمین انسانیت کو سیراب کر رہا ہے۔ روئے زمین کے منصفین اس کی بے مثال فلسفیانہ بلندی کے قائل ہیں کیونکہ اس کا فلسفہ عقل و قیاس کی بجائے براہ راست کشف اپروکش انوبھوتی) پر مبنی ہے ویدانت کے فلسفہ سے پرے کچھ نہیں کیونکہ یہ فلسفہ کل علم و ہستی کی مقصود ہے اس کے سامنے کسی کی دلیل نہیں ٹھہر سکتی، یوں تو گھر بیٹھے ہوئے جو چاہو سنا کرو یہ وہ شیر ہے کہ جب اس کی گرج کی آواز سن کر جملہ شاستر گیدڑ کی مانند دُم دبا کر بھاگ جاتے ہیں سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ جملہ علوم و فنون تمام رموز و نکتے اس کے پیٹ میں رہتے ہیں۔ جس طرح چاہو اس کی تعلیم کو کسوٹی پر پرکھو۔ یہ دائم کندن کا کندن ہی ثابت ہوگا۔ جھوٹا کبھی نہ ٹھہرے گا۔

ویدانت پر مشہور عالم مغربی فلاسفر پروفیسر میکس مولر یوں فرماتے ہیں:

"میں اپنا سب سے زیادہ مسرت آمیز وقت

ویدانت کی کتب کے مطالعہ میں صرف کرتا ہوں۔ میرے لئے وہ صبح صادق کی روشنی اور کوہسار کی پاکیزہ ہوا کی مانند ہیں اگر وہ ایک دفعہ سمجھ میں آجائیں تو وہ نہایت سادہ اور پُر از صداقت ہیں۔‘‘

’’اُپنشدیں فلسفہ ویدانت کے سرچشمہ ہیں جو کہ ایک ایسا علم ہیں جن میں کہ مجھے انسانی خیال اپنے اعلےٰ ترین معراج پر پہنچا ہوا معلوم دیتا ہے۔‘‘

’’اگر آپ خیال کرتے ہو کہ میں مبالغہ سے کام لیتا ہوں تو میں آخر میں آپ کو بتاتا ہوں کہ فلسفہ کے نکتہ چینوں میں سے ایک نکتہ چین جو کہ بلاشبہ دوسروں کے خیالات کا خواہ مخواہ تعریف کرنے کا عادی نہیں ہے ویدانت فلسفہ خصوصاً اُپنشدوں کے متعلق کیا کہتا ہے۔ شوپن ہار لکھتے ہیں:۔

’’دُنیا میں کوئی مطالعہ اتنا مفید اور رُوح افزا نہیں ہے جتنا کہ اُپنشدوں کا ہے۔ یہ میری زندگی میں باعث راحت رہا ہے اور موت کے وقت بھی میری راحت ہوگا۔‘‘

ڈاکٹر پال ڈیوسن ’’بس فلسفہ ویدانت اپنی اصلی شکل وصورت میں پاکیزہ اخلاق کا مضبوط ترین ممد ومعاون ہے اور زندگی وموت کی مصائب میں اعلیٰ ترین تسکین خاطر بخشنے والا ہے اے ہندوستانیو! اسی پر عمل پیرا ہو۔‘‘

ڈاکٹر گولڈ سٹیکر ’’ویدانت اعلیٰ ترین مشنری ہے جس کا مشرقی خیال محرک ہے۔‘‘

بقول ایک مہاتما:۔ اب ویدانت کی جنم بھومی سب سے زیادہ دُکھی ہے، مریض ہے، مفلس ہے، کھانے کو روٹی نہیں۔ تن کو کپڑا نہیں۔ چرخا، قحط کی مصیبت وبال جان ہے لوگ کتوں کی موت مر رہے ہیں نہ کوئی دوا دیتا ہے نہ علاج کرتا ہے نہ کسی کی ہمدردی کا فائدہ حاصل ہوتا ہے یہ کیوں ہے؟ کیا خود ہندوستانیوں نے یہ حالت اپنے میں پیدا کرلی۔ ہمارا جواب ہوگا ہاں۔ اس کے لئے ہم ہندوستانی خود جواب دہ ہیں اس انقلاب کو تو دیکھو کیسی گھنگھور گھٹا انقلاب کی چھائی ہوئی ہے۔ جہاں ویدانت کا شیر ببر گرجتا ہوا زندگی کا شور مچاتا تھا وہاں کے ذرہ ذرہ سے لڑکے اس شیر کو بکری سمجھ رہے ہیں۔ اُن کے حقیر دماغ کو یہ جرأت ہے کہ ویدانت کے علم کو، اشٹنگ کے فلسفہ کو، گوتم بدھ کے باریک مسائل پر ٹھٹھا اور مخول کرتے ہیں۔ چمگادڑ کو سورج نظر نہیں آتا کیونکہ اس نے اپنے دماغ کو اس قدر تنگ بنا لیا کہ روشنی کے ذرات ادھر رجوع نہیں ہوتے کاش اگر اب بھی ایسے لوگ پیدا ہو جائیں تو آتما کے رُوحانی نغموں کو حقانی راگ میں گاتے ہوئے لوگوں کو اپنے دل کی اَپار شکتی کی خوشخبری سُنادیں اور اُس کو کام میں لانے کی ہدایت کریں کاش ایسے لوگ پھر پیدا ہوں جو ہم سے آکر کہیں — اُٹھو بیدار ہو۔ جب تک منزل مقصود تک نہ پہنچو کبھی چین نہ لو‘‘ تو ہم میں پھر نئی زندگی آجاتی۔

درحقیقت ویدانت کتاب نہیں ہے۔ یہ کوئی اور چیز ہے لوگ ویدانت کے مضمون کو دلیل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں اور اپنے اپنے خیال کی حمایت میں متعصب ہو جاتے ہیں۔ ویدانت میں تعصب، تنگدلی، حمایت اور تفرقات کی گنجائش نہیں ہے وہ محض انوبھو کی بات ہے مجموعی طور پر دُنیا کا کوئی خیال ایسا نہیں جو ویدانت کی تدانی اور تفصیلی فہرست میں کھپ نہ سکتا ہو بھگتی، پریم، پوجا، مذہب، جیہار، سائنس اور فلسفہ سب کچھ ایک لفظ ویدانت میں آجاتے ہیں۔ جتنے علوم فنون اور علوم فنون کی شاخیں ہیں یا ہو سکتی ہیں سب کی گنجائش اس کے اندر ہو جاتی ہے۔ کوئی شخص بھول کر بھی یہ نتیجہ نہ نکالے کہ ویدانت کوئی محدود چیز ہے یہ نہایت ہی وسیع مضمون ہے وہ کسی دین آئین یا طریق وملت کا مخالف نہیں ہے یعنی وہ کسی کو بُرا بھلا نہیں کہتا اور نہ ہی ان میں سے کسی کو بھی غیر ضروری قرار دیتا ہے۔ یہاں کوئی شے بھی غیر ضروری نہیں ہے یہ سب اپنا اپنا مقصد رکھتے ہیں اور عقلی اور دلی نشوونما کے لئے ان کا ہونا لازمی ہے لیکن یہ سب کے سب ابتدائی مرحلے

ہیں۔ اور جو لوگ ان کے دلدادہ ہیں اُن سے بخوشی تمام تعلق رکھیں جن کو بہشت کی آرزو ہے وہ بہشت کے لئے روزہ نماز اور دھرم کرم کے فرائض انجام دیتے رہیں جن کو اور قسم کی خوشیوں، پیشوں، دولت، عزت، علم و ہنر کا خیال ہے وہ اُس کی یا اُن کی پیروی اور تکمیل و تحصیل میں لگے رہیں ویدانت کسی سے لڑنے جھگڑنے کے لئے تیار نہیں لیکن ہاں! جن کی طبیعتیں ان سب سے بھر گئیں ہیں اُکتا گئی ہیں۔ سیر ہو چکی ہیں۔ دل اپرام ہو گیا ہے صرف انہیں کی مدد اور ان کے خیالات کا طریق ہے اور وہ باآواز بلند بلا خوف و خطرہ اُن کو صدا دیتا ہے کہ آخر میں سب کو اپنی اصلیت کے گیان کی طرف آنا ہوگا۔

جب تک انسان ویدانت کی نظر سے بچگی کے طبقہ میں ہے تب تک ایشور جیو اور پرکرتی کے رگڑوں جھگڑوں میں پڑا رہتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اُس کی اپنی سمجھ ہی بہت کچھ ہے اور دوسروں کا جو بالغ ہیں کہنا نہیں مانتا۔ یہ بالغ اُس سے دست باگریباں نہیں ہوتے بچے تو بچے ہیں وہ اپنے کھلونوں سے محروم ہونا کیسے گوارا کریں۔ اُن کا کھلونا چھین لو اور وہ رونے لگیں گے ہاتھا پائی کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ بچے تو بچے ہیں، بچوں کو خوش رکھنا چاہئے یا ان کو دُکھی کرنا چاہئے نہیں کبھی نہیں۔ صبر سے اُس وقت کا انتظار کرنا چاہئے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائیں۔ بالغ ہونے پر دونوں فریق کو سوال اور جواب دینے کا مزہ آئے گا اور اطمینان کی صورت پیدا ہوگی۔

عین ممکن ہے ایسی باتیں کہنے سے کسی کی دلآزاری ہو ویدانت کسی کا مزاحم نہیں ہے اُس کے ہاں صرف حقیقت کے متلاشیوں کے واسطے حقیقت کا دروازہ کھلا ہوا ہے جن کو اِس کی خواہش نہیں ہے وہ برابر مذہبی کھیل کھیلا کریں منع کون کرتا ہے۔

ویدانت دلآزار نہیں ہے اور نہ اُس کا طریق دلآزاری کا ہے اُس کے یہاں دلآزاری گناہ عظیم اور مہاپاپ ہے

اگر چتانے کی غرض سے کوئی بات کہہ بھی دی جائے تو اُسے حکیم کا یا جراح کا نشتر سمجھو ساتھ ہی مرہم پٹی کا سامان موجود رہتا ہے نہ سنو گے تو سمجھو گے کیسے۔ نہ سمجھو گے تو مانو گے کیسے! نہ مانو گے تو یقین کرو گے کیسے! نہ یقین کرو گے تو پھر حقیقت تک رسائی حاصل کرو گے کیسے!

ویدانت اپنے خیال کو نہیں چھپاتا۔ نہ کسی کو دھوکے یا بھرم میں پھنساتا ہے۔ یہ بال کی کھال نکال کر رکھ دیتا ہے آج تک دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں ہوا جو اُس کے دعووں کو غلط ثابت کرتا۔ زبردستی اور ہٹ دھرمی کچھ اور چیز ہے انصاف پسندی اور حق پسندی اور ہے۔

دوسروں کو برا بھلا کہو۔ اپنے آپ کو ایماندار اور دوسروں کو بے ایمان سمجھو۔ لیکن یاد رکھو، یہ تعصب یہ ہٹ دھرمی، یہ انصاف کا خون یہ برا بھلا کہنا۔ یہ ایمان اور بے ایمانی کے ڈھکوسلے کب تک چلیں گے! تعصب یا ہٹ دھرمی ایک روحانی مرض ہے، جس کا اگر معقولیت کے ساتھ علاج نہ کرایا گیا تو وہ روحانی جذام یا روحانی کوڑھ کی صورت میں جسم، دل اور دماغ کو بدشکل، بدنما اور مکروہ بنا دیتا ہے اور روحانی ترقی تو درکنار رہی یہ جسم شتھل چلا جاتا ہے۔ اِس لئے اپنے دل کو مذہبی وسوسات ہٹ دھرمی اور تنگ دلی کے خیالات سے خالی کرو وسیع دلی سے ویدانت کا پیغام سنو۔ اِس سے تمہارا نقصان نہیں ہوگا۔ بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے اور علم الیقین، حق الیقین کے مرحلوں کو اِس کی برکت سے طے کرتے ہوئے تم بآسانی عین الیقین کی کیفیت اپنے اندر حاصل کرو گے تب اصلی شانتی ملے گی۔ جس کا ویدانت بڑے زور شور کے ساتھ دعویٰ کے ساتھ اور اپنی مدلل تقریر اور تحریر کے ساتھ اعلان کر رہا ہے،

ویدانت اپنے آپ کو ایک دیرینہ سالی بزرگ اور اہل مذاہب کو کم سن اور ناتجربہ کار سمجھتا ہے اور یہ ظاہر ہی سا ہے کہ بوڑھے آدمی بچوں کی باتوں کی طرف مطلق

دھیان نہیں دیتے دوسرے سچے ویدانتی ویدانت کو مکمل طریق سمجھتے ہیں جو صحیح ہے۔ اور مکمل طریق کی پیروی بچوں یا اُن مذاہب سے نہیں کی جاسکتی جو ابھی بچپنے کے طبقہ میں ہیں۔ جب یہ جوان ہوں گے تب جاکر کہیں سمجھنے کے قابل ہوں گے۔ یہ مذہبی بچوں یا عقلی لڑکوں کے سمجھنے کا مضمون نہیں ہے۔ یہ بالغوں، تجربہ کاروں اور سمجھ رکھنے والوں کا ہے۔

محض انجان لوگ ویدانت کی اس لئے نِندیا کرتے ہیں کہ وہ واچک گیانی بنا دیتا ہے۔ یہ درست ہے کہ ویدانت محض زبانی جمع خرچ تک محدود رکھنے کی شئے نہیں ہے بلکہ زندگی بسر کرنے کا اصلی راز ہے اُسے زندگی کا اصول، دستور العمل، اور کاروبار بنا لینا مقصود ہے لیکن انہیں خوب یاد رکھنا چاہئے کہ ویدانت کا زبانی جمع خرچ بھی غیر قدرتی نہیں ہے۔ یہ بھی ایک نہایت ضروری مرحلہ ہے جو جلد یا دیر میں عملی صورت اختیار کر لیتا ہے واچک گیانی کو زبانی علم ہوتا ہے۔ لکش گیانی کو علمی علم ہوتا ہے۔ علم دونوں کو ہے علم سے خالی دو میں سے ایک بھی نہیں ہے۔ اور یہ بُرا کیا ہے۔ جس کو علم ہے۔ وہ کبھی نہ کبھی عمل کرکے اُسے عین الیقین کے درجہ پر لائے گا۔ تجربہ کی وسعت اُسے اس طرف مجبوراً لائے گی۔ کیونکہ خیال کی جڑ مضبوط ہوگئی ہے۔ یعنی دل کے کھیت میں آتم گیان کے سنسکاروں کے جو بیج ڈالے گئے ہیں وہ وقت پاکر ضرور بالضرور کبھی نہ کبھی عملی گیان روپی انکھوے کی صورت میں نمودار ہوکر کونپل پتے اور پھول لائیں گے جو لکش گیان ہے وہ اگر واچ گیان سے خالی ہے تو اُس کی وہی کیفیت رہے گی جو ابتدائی حالت میں واچک گیانی کی ہوتی ہے بغیر سمجھے بُوجھے ہوئے وہ لکش پر بہت دنوں تک ہرگز ہرگز قائم نہ رہ سکے گا۔ بغیر واچ کے لکش کیا؟ دونوں لازم الملزوم ہیں۔

جب تک واچک گیان نہ ہوگا پتھارتھ گیان کیسے ہوگا۔ کہنا سُننا تو لازمی ہی ہے بغیر واچ (کلام) کے لکش (معراج) تک رسائی کیسے ہوگی جب تک شبد نہ ہوگا سرت (توجہ) کس پر ٹھہرے گی۔ بہرحال واچک گیان اور لکش گیان دونوں ضروری ہیں ویدانت کوئی بُری بات تو نہیں ہے جس کی تقلید سے کسی کا نقصان ہو وہ مذہبی دُنیا کا نہایت زبردست اصول ہے بغیر اِسے سمجھے ہوئے کسی کو اصلی راحت کب نصیب ہونے لگی اور اس لئے اگر ویدانت کا اثر معمولی طور پر بھی دلوں کے اندر داخل ہوجاتا ہو سکتا یا کیا جاسکتا ہے۔ تو معراج نما بن جانے سے وہ کبھی نہ کبھی تو پھول پھل لاکر رہے گا۔

یہ لوگ ویدانت کے خیالات کو دبانے کی درپردہ کوشش کرتے ہیں اور اُس کو کئی طرح کے اُلٹے سیدھے نام دیتے ہیں جس سے اُس کی مذاحمت پر دھبہ لگانا مقصود ہے۔ بعض تو اُسے ناستک کہنے پر بھی تامل نہیں کرتے لیکن جو نتیجہ اس کمینہ پن کا نکلا ہے وہ سب پر روز روشن کی مانند ظاہر ہے۔ عیاں راچہ بیاں۔ باوجود اتنی مخالفت کے ویدانت کے خیالات خود بخود پھیلتے چلے جاتے ہیں ویدانت کے خیالات کو دبانے کی درپردہ کوشش کرنے والے بے شمار انجان لوگ ہیں جو تثلیث کے رگڑوں جھگڑوں میں پڑے ہوئے باہمی جنگ و جدل میں مبتلا ہورہے ہیں یہ قدرت کا مسلمہ اصول ہی ہے کہ جس میں تعصب اور تنگدلی آئی اُس کی روحانی نشوونما کو دھکہ پہنچ گیا۔ جو اُس میں اڑا وہ لڑا، جو لڑا وہ پڑا۔ جو پڑا وہ گڑا اور جو گڑا وہ سڑا اور اُس کے دل میں سڑاندھ آگئی اگر وہ اصلیت کی نظر سے دیکھتے تو یہ مرحلہ طے بھی ہو جاتا۔ لیکن ہٹ دھرمی اور متعصب آگیا تو مفت میں مرگئے اور اب اِن کو کرم کے اٹل قانون کے مطابق کئی کئی جنم لینے ہوں گے تب اس متعصب اور تنگدلی کے نامراد مرض کا علاج ہوگا اور پھر اصلیت کی تلاش کا سلسلہ

جاری ہوگا۔

پیارے دوستو! ادھیک گیان ایک ضروری مرحلہ ہے کوئی وجہ نہیں کہ انسان اس پر غور نہ کرے۔ غور تو کرنا ہی پڑے گا۔ آج نہ کرو گے کل کرو گے۔ کل نہ کرو گے پرسوں۔ اس سے بچ کر کہاں جا سکتے ہو؟ تعصب کا دم بھرو۔ ہٹ دھرمی کرو، انصاف کا خون کیا کرو۔ آخر سچائی کو ماننا پڑے گا۔

ویدانت خدا پرستوں کو نابالغ کہہ کر ان کی دلآزاری نہیں کرتا اگر اس کی بات کوئی نہ سمجھے اور سمجھ میں نہ آئے اور سمجھنے کی کوشش نہ کرے تو اس میں ویدانت کا کیا قصور ہے۔ ویدانت ایسے خدا کا قائل نہیں ہے جو اس کی ذات سے جدا ہو۔

ویدانت کو اس بات کا بخوبی احساس ہے۔ کہ اس نے کئی مذہبی کتب کی تعلیم کے خلاف دلیرانہ اور پورن سچائی سے برتر خیالات ظاہر کیے ہیں اس کو اس بات کا بھی مکمل احساس ہے کہ ان مقدس کتابوں کی تعلیم کئی انسانوں کو دکھ درد میں تسکین اور سہارا دیتی ہے اور یہ ان کی واحد ڈھنگوری ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اگر ان انسانوں سے ان کا ایشور درشن کا یہ اعتقاد چھین لیا جائے تو وہ نہایت مایوس ہو جائیں گے لیکن اس کے نزدیک ایسی امید کی خوشی ہیں جو غلط فہمی پر مبنی ہے، مایوسی کا آزار ہزار درجے بہتر ہے کیونکہ اس آزار کے اندر حقیقت کا پتہ چل جاتا ہے لیکن جن مخالف لوگوں نے تنگ خیالی بن کر اپنے دلوں میں تنگی تعصب اور محدودیت کی مہر لگا رکھی ہے۔ یہ مہر ٹوٹے تب حقیقت کی سمجھ آئے نہ ان کے خیال میں وسعت آتی ہے نہ تعصب کا پردہ دلوں کی تماشہ گاہ سے اٹھتا ہے سچی تعلیم کی یہی غرض ہے کہ آنکھیں کھلیں بھرم ٹوٹے۔ تاریکی جائے اور روشنی آ جائے، اصلیت سے پردہ ہٹے حقیقت کی سمجھ آئے اس کے سوا روحانی تعلیم کی اور غرض کیا ہوتی ہے اور کیا ہونی چاہیے تم ہی بتاؤ؟

ویدانت کی منادی کیا ہے وہ حضرت مہر دہلوی کے الفاظ میں سنیے:-

تمہیں کچھ خبر میرے پربانت کی ہے۔ انہیں فکر بھی کچھ نہ دیہانت کی ہے
غرض میں نے فکر اپنی سب شانت کی ہے۔ منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے
کسی نے عبث ڈر کے بھی کچھ لیا ہے۔ تمہیں ڈر ہے کس کا تمہیں خوف کیا ہے
جگت سفنا ہے جگت سفنا ہے۔ منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے
بکھیڑوں سے دنیا کے تم کیوں حزیں ہو۔ بکھیڑوں میں تم پھنسنے والے نہیں ہو
جہاں خواب ہے اور تم خواب میں ہو۔ منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے
نہ برہما کی پروی کی تم چاہ کرنا۔ کہ برہما بھی سفنا ہے سفنا ہے دنیا
بس ایک سانس تم ہو دم اپنا ہی بھرنا۔ منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے
نہ کچھ دھرم میں ہے نہ کچھ دھیان میں ہے۔ نہ کچھ کرم میں ہے نہ کچھ گیان میں ہے
یہ سب کھیل مایا کے امکان میں ہے۔ منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے
وہ تم ہو جو مایا سے کوئی بری ہے۔ سوا اس کے سر پر جو یہ سروری ہے
یہی بہتری ہے یہی برتری ہے۔ منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے
وہ تم ہو جو چھوٹا ہی مایا سے کوئی۔ عبث فکر میں عمر کیوں تم نے کھوئی
یہ ہے سر مخفی کرو راز جوئی۔ منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے
کرم میں تم دل کو ہرگز لگانا۔ بہشت بریں کا ہے جھوٹا فسانہ
نہ آنا تمہیں ہے کہیں اور نہ جانا۔ منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے
تمہارا ہے جو کام وہ ہے شریعت۔ تمہاری ہے جو راہ وہ ہے طریقت
تمہیں معرفت ہو تمہیں ہو حقیقت۔ منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے
تمہیں کون سے نور کی آرزو ہے۔ کس آنند کی اس طرح جستجو ہے
وہ نور اور سرور آپ اے شخص تو ہے۔ منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے
تعین کے معبود پابند۔ تم ہو تعین کے بے قاعدہ خدا تم ہو!
خودی اے دوستو سچدانند تم ہو۔ منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے
تمہیں بھول کر بھی کسی کا نہ ڈر ہو۔ ابھے تم ہو بے خوف اور بے خطر ہو
اجل ہو، اٹل ہو اجر ہو امر ہو۔ منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے
تم اے دھیان کی راہ میں بڑھنے والو۔ تم اے گیان کے بام پر چڑھنے والو
اسی بھید کو پہنچو میرے پڑھنے والے۔ منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے

تمہارا اگر مدعا شانتی ہے۔ سنو مہر دنیا ہی مانتی ہے کہ بس شانت وہ ہے جو ویدانتی ہے۔ جہاں کہیں جہاں میں یہ ویدانت کی ہے

حضرت مہر کا کتنا سچا صحیح کلام ہے ہمارے سوا دنیا میں اور ہے کیا؟ یہ سارا جگت ہم سے ہے اور ہم میں ہے اور ہمارا آتما ہے ہم سے الگ نہیں ہے ہماری ہستی اسکو بہت ہے ہماری زندگی کا عکس پاکر یہ زندہ ہے۔ یعنی آتما سے ہی سب کچھ جانا جاتا ہے اسی سے اپنی ہستی کی سمجھ بوجھ آتی ہے اسی سے انسان سمجھتا ہے کہ جو کچھ اس جگت میں پرتیت ہو رہا ہے وہ آتما ہے اور آتما سے ہے۔

جو انسان پورن آتم گیان رکھتا ہے اور اپنی آتما کی اصلیت اور حقیقت سے ماہر ہے۔ اور اس کی بزرگی وعظمت سے واقفیت رکھتا ہے وہ اس گیان کو پاکر جلدی پرم شانتی کو پراپت ہوتا ہے اور مجکتی اور برہمبھیا کی زندگی بسر کرتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب سکندر ہندوستان میں آیا اسے سچے مہاتماؤں کے درشن کرنے کی تمنا دامنگیر ہوئی۔ اس نے اپنے بزرگوں سے سن رکھا تھا کہ ہندوستان شانت اور بے خوف مہاپرشوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ بڑی تلاش کے بعد اسے ایک بے خوف اور بے پرواہ سادھو ملا۔

جو دریا کے کنارے ایک بڑی اونچی چٹان پر بیٹھا تھا۔ سکندر نے اس سے خوب بات چیت کی اور اس کے معقول جوابات کو سن کر دل ہی دل میں بڑا خوش وخرم ہوا بلکہ اسے سخت حیرانی ہوئی کہ اس طرح آبادی سے دور دراز رہ کر ایسے بیدار مغز انسان کس طرح تنہائی کی زندگی بسر کرتے ہیں اس نے خیال کیا کہ اس کو یہاں ضرور تکلیف ہوگی کیونکہ اس کی نظر میں عیش وعشرت کی زندگی ہی سب کچھ تھی اس نے مہاتما کو کہا "میرے ملک کو چلو" مہاتما نے جواب دیا کہ میں اس تنہائی کی زندگی میں نہایت خوش ہوں اور یہاں میری ہر قسم کی ضروریات زندگی کے رفع ہونے کا مکمل سامان موجود ہے سکندر نے کہا "میں روئے زمین کا مالک ہوں تم کو مال و دولت عزت اور آبرو سے مالامال کر دوں گا۔ مہاتما نے جواب دیا۔ "مجھے ان میں سے کسی شے کی ضرورت نہیں ہے" یہ جواب سن کر سکندر بڑا ناراض ہوا، اور غصہ میں قتل کرنے کی دھمکی دی۔ مہاتما زور سے ہنسا بادشاہ تم کو نہ اپنی نہ میری ذات کا علم ہے، میرا مار ڈالنا تیرے بس کا روگ نہیں:-

روح کبھی پیدا نہیں ہوتی فنا ہوتی نہیں
جسم میں آتی نہیں آکر جدا ہوتی نہیں
یہ ہمیشہ پاک و برتر ہے زوال ونقص سے
اس کی موت آتی نہیں مٹنے سے خاکی جسم سے
آگ میں جلتی نہیں تلوار سے کٹتی نہیں
سیل میں گلتی نہیں، طوفان سے گھٹتی نہیں
اس کا جلنا، کٹنا، گلنا، خشک ہونا ہے محال
یہ ہے ساکن خود بخود قائم، محیط لازوال

(مہجر) گیتا ادھیائے دوسرا شلوک ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۴

اس سلسلہ میں کٹھ اپنشد میں نچکیتا اور یم کے درمیان آتما کے مسئلہ پر نہایت دلچسپ مکالمہ ہوا ہے۔

نچکیتا پوچھتا ہے۔ آتما کیا ہے؟ یم راج یوں جواب دیتا ہے ——

"تو سمجھ لے روح (جیو آتما) سوار ہے جسم رتھ ہے بدھی رتھبان ہے۔ من اس کے ہاتھ میں لگام ہے اندریاں گھوڑے ہیں اور لذات نفسانی ان کی سڑکیں ہیں گیانی کہتے ہیں اندری اور من کو ساتھ لے کر آتما بھوگنے والا ہے۔

جو اگیانی ہے وہ لگام نہیں دیتا اندریہ اس کے قبضہ میں نہیں آتیں اور رتھ کے گھوڑوں کی طرح مطلق العنان بن جاتی ہیں۔ لیکن جو شخص من پر قابو رکھتا ہے وہ رتھ کے اچھے گھوڑوں کی طرح اندریوں پر بھی اختیار رکھتا ہے،

جو اگیانی ہے اور من پر اختیار نہیں رکھتا۔ وہ ناپاک ہے وہ منزل پر نہیں پہنچتا اور پھر دنیا میں آتا ہے۔ لیکن جو گیانی ہے من کو اختیار میں رکھتا ہے، منزل پر پہنچ جاتا ہے اور دنیا میں پھر نہیں آتا۔

جس کا کوچوان ہوشیار ہے جس کے من کی لگام خوب کسی ہوئی ہے۔ وہ سڑک کے آخر تک جو منزلِ مقصود اور اونچا استھان ہے حاصل کر لیتا ہے۔

بھوگ اور لذت کے سامان اندریوں سے اونچے ہیں ان سامان سے من اونچا ہے بدھی من سے اونچی ہے اور بدھی سے اونچا آتما ہے،

آتما سے پرماتما اونچا ہے اور یہی سب سے اونچی منزل ہے۔" (شنیو)

ویدانت کی تعلیم کا لب ولباب یہ ہے کہ جسم اور من دونوں جڑ ہیں ان میں شعور ذات مطلق نہیں لیکن تم قائم بالذات آتما کی حیثیت سے گہری نیند کی بھی خبر رکھتے ہو جس حالت میں جسم اور من وغیرہ کا شعور تک باقی نہیں رہتا اصلی وجود (آتما) بغیر جسم اور من کے قائم رہتا ہے اگر تم اور جسم ایک ہوتے تو گہری نیند یا سشپتی میں تم کیسے موجود رہتے، ویدانت کے نکتہ نگاہ سے انسان کا حقیقی دھرم اور پرم پرشارتھ محض ہمتا (جسم کے ساتھ خود کو ایک ماننے کے خیال سے اوپر اٹھ کر بغیر کسی شک وشبہ اپنے آپ کو آتما جاننا ہے نہ کہ یہ ہونا یا وہ ہونا جب انسان اگیان کے زیر اثر (جسم کے ساتھ باطل عینیت) یہ کہتا ہے کہ میں یہ ہوں یا ایسا ویسا ہوں تو یہی خودی ہے یہی وہ بھاؤنا بدھی یا میں جسم ہوں کا پندار ہے جس کا مٹانا دنیا انسان کی جد وجہد کا آخری مقصد ہے ہر قسم کے ابھیاس کا مطلب محض اندرونی امن کو خلل سے بچانا ہے اور بس بقول مہرشی رمن خواہ تم ابھیاس کرو یا نہ کرو تم ہر وقت آتما ہو اور بغیر کسی شک وشبہ کے آتما رہنا تمہاری فطری حالت ہے اپ جنیں من میں چھپے ہوئے سنسکار اندرونی امن میں خلل ڈالتے رہتے ہیں یہ قلعہ میں پناہ گزیں ہوئے دشمنوں کی مانند ہیں۔ ان کا جب تک قبضہ رہے گا اس وقت تک ان کا زور ضرور باقی رہے گا اور وہ اٹھ اٹھ کر انسان کو بے چین کرتے رہیں گے آتم چنتن (میں آتما ہوں) کے ابھیاس کے ذریعہ ان کو اسی مقام پر فنا کر دینا چاہئے جہاں سے وہ پیدا ہوئے ہیں۔ بالآخر قلعہ ہاتھ آ جائے گا یعنی استواری وانضباط کے ساتھ آتما میں کبھی جدا نہ ہونے والا قیام پراپت ہو جائے گا۔ جس میں میں آتما ہوں، کے سوا کوئی دوسرا خیال نہ آنے پائے گا۔ اس لئے آتم چنتن (میں آتما ہوں) کے گہرے مراقبہ کے ذریعہ آتم پرکاش کا شعلہ پیدا کر کے اپنے کمزور اور بیمار خیالات کی بیخ کنی کرو۔ مبادا وہ مضبوط اور طاقتور ہو کر تمہارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیں یعنی ادھیاتمک ہیرو ہو اور دنیاوی زندگی جو اپوزنا مصیبتوں کمزوریوں اور بیماریوں کی آماجگاہ ہے پر فتح حاصل کرو یہی ڈیوائن زندگی ہے۔

اگر تم آتما میں مستقل قیام پکڑتے ہو تو پھر کیا کہنا ہے پھر موت وزندگی کے جھمیلے تمہارے لئے ہمیشہ کے واسطے حل ہو جاتے ہیں جو ایک دفعہ چھوٹ گیا پھر کبھی بندھن میں نہیں آ سکتا ہاں نہیں آ سکتا ہاں نہیں آ سکتا۔

اگر تم کو آتما میں مستقل قیام حاصل ہو جائے تو تم جیتے جی دنیا کے ساز وسامان کو بھوگ بھی سکو گے اور اس سے الگ بھی رہ سکو گے اور کسی قسم کا دکھ تم کو نہ بیاپیگا دنیوی دکھ تو اس کو ستاتا ہے جس کو پورن آتم گیان نہیں یعنی جو اپنا روپ نہیں جانتے۔

اگر اتنے پر بھی تم کو سمجھ نہیں آتی تو کسی ایسے مہاپرش کا دامن پکڑو جو اگیان کے تعلقات سے بالکل آزاد ہے اس کی صحبت سے اس کی تعلیم سے اس کی ذاتی مثال سے تھوڑے دنوں بعد تم خود بخود سمجھنے لگو گے۔ کہ آتما کیا ہے یعنی اپنی ذات اپنا سروپ اور اپنا گیان اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گا۔ شری بھولے بابا بھی منش کو آتم گیان دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

کوٹستھ ہوں ادویت ہوں میں بودھ ہوں میں نتیہ ہوں
اکھنڈ تتھا اسنگ آتما ایک شانت ستیہ ہوں
نہیں دیہہ ہوں نہیں اندریاں ہوں سوچ کبھی سو چھوڑ کر
ایسی کیا کر بھاونا ناش شوک ہو سکھ سے رہو

میں وہ ہوں بھانسی جہاں اِس پاش میں جکڑا گیا
چر کال تک پھرتا رہا جنما گیا پھر مر گیا
"میں بودھ ہوں" گیان استرے اگیان کا بے کاٹ سر
سوچھند ہو نردوند ہو آنند کر سُکھ سے وِچر

آکار متھیا جان سب آکار بن تو ہے اچل
جیون مرن ہے کلپنا تو ایک رس نرمل اٹل
جیول جیوری میں سرپ تیوں ادھیست تجھ میں چراچر
ایسی کِرپا کر بسا دنا تشٹ ہو سُکھ سے وِچر

آکاش گھٹ کے باہر ہے اکاش گھٹ بھیتر لیا
سب وِشو میں ہے پورن تو ہی باہر بھیتر ایک سا
شُرتی سنت گورو کے واکیہ پر سچ مان نے وشواس کر
مجبولا انکل جگ جال سے نربندھ ہو سُکھ سے وِچر

یہاں یہ بات خوب یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس شخص
کے حواس اپنے قابو میں ہیں راحت اور تکلیف کو دائم یکساں
جانتا ہے اور دل کے یکسو کرنے پر قادر ہے اور جس کی رُوح
جہانِ سنسار کی خوشیوں کے درمیان اُس دائمی خوشی اور استمراری
راحت کی تلاش کرتی ہے جو سب سے اعلیٰ اور پاک پوتر ہے
اور مکتی کا زبردست خواہش مند ہے۔ شخص وہی انسان ویدانت
کے اصلی معانی و مطالب کو بخوبی سمجھ سکتا ہے دوسرا نہیں
یعنی جو شخص وویک ویراگ، کھٹ سمپتی مُکشتا سے بہرہ ور
ہے۔ وہی ویدانت کا اصلی معنوں میں ادھیکاری ہے
جس شخص میں یہ سادھن اصلی معنوں میں سرایت
کر جاتے ہیں وہی برہم کو پراپت کرتا ہے اُسے ہی بے حد
چین اور خوشی حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنی ہستی کو برہم کے
اندر تمام و کمال محسوس کرتا ہوا نفرت، پریشانی، مکروہ عادات
سے بالاتر ہو جاتا ہے اور اپنی جملہ طاقتوں کو سب کی بھلائی
میں خرچ کرتا ہے۔ یعنی اپنے تن من دھن کو دنیا کے کام
میں ظاہر کرتا ہے۔ اُس کا تمام زندگی بھر دکھاتا ہے غرض
اور مقابلے کی بجائے مشترکہ بہبودی، بہتری اور بھلائی
کے لئے جیتا ہے۔ اِس سلسلہ میں روحانیت کے پیغمبر شری
گورو نانک دیو جی یوں فرماتے ہیں:-

جو نر دُکھ میں دُکھ نہیں مانے
سُکھ سنیہ اور بھے نہیں جا کے کنچن ماٹی جانے
نہیں نندا اور اُستت جا کے لوبھ موہ ابھیمانا
ہرش شوک تے رہے نیارا نا ہیں مان اپمانا
آسا منسا سکل تیاگ کے جگ تے رہے نراسا
کام کرودھ جیہہ پرسے نا ہیں تیہہ گھٹ برہم نواسا
گورو کرپا جیہہ نر پر کینی تن یہہ جگت پچھانی
نانک لین بھیو گوبند سو جیوں پانی سنگ پانی

ترجمہ: جو انسان دُکھ کو دُکھ نہیں سمجھتا۔ جس میں جھوٹی خوشی
محبت اور ڈر نہیں ہے اور سونے مٹی کو یکساں جانتا ہے
نہ جس پر تعریف اور مذمت کا کچھ اثر ہوتا ہے، نہ دل میں
لالچ ہے نہ جھوٹی محبت ہے نہ غرور۔ جو خوشی و رنج سے
اونچا رہتا ہے اور جس کو عزت اور بے عزتی برابر ہے وہ
جملہ خواہشات کو چھوڑ کر سنسار سے کوئی امید نہیں
رکھتا جس کو عاشقی و عشرت اور غصہ چھو تک بھی نہیں اُس کا
برہم میں قیام ہے۔ جس شخص پر گرو کی کرپا ہوتی ہے وہی
اِس حقیقت کو جانتے ہیں ایسے خیال کر کے گورو نانک دیو
جی پرماتما میں ایسے لین ہو گئے جیسے جل میں جل لین ہو جاتا ہے
جو لوگ حیوانی زندگی سے اوپر اُٹھ کر ویدانت کو اپناتے
ہیں اُن کو ہی نقد آنند ملتا ہے اور وہی مکت پُرش ہیں طوطے
کی مانند محض "میں برہم ہوں" کہنے سے مکتی نہیں ملتی اگر
زندگی میں اِس پر عمل نہیں اور اندرونی خیالات کا رُخ وِشے
وکاروں کی جانب ہے تو "میں برہم ہوں" ڈھونگ بازی ہے
جو لوگ محض بھیک مانگنے اور مفت روزی کمانے کی غرض
سے فقیری کا لباس پہن کر منہ سے "میں برہم ہوں" کہتے پھرتے
ہیں وہ پاکھنڈی ہیں اُن کے زبان اور عمل میں زمین و آسمان

کا فرق ہے جو لوگ منہ سے تو گیان کی باتیں کرتے ہیں۔ لیکن ہاتھوں سے شرمناک کام کرتے ہیں ایسے لوگوں کو کس درجہ میں شمار کیا جائے اگر ان کو اگیانیوں کا سرتاج کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہیں اس سلسلہ میں مجودسے بابا جی یوں فرماتے ہیں: -

تیاگی نہ بھیو جن لالسا لاکھوں بھری من کا ہتا
نر شناری چھوٹی نہیں چاہت جگت میں ایتا
سوادھین ناہیں اندریاں من بھی نہیں وش میں کیا
سادھن کیا نہ ایک بھی ویدانت پڑھ کر کیا کیا

روکھا نہ بھیو جن مجلے سوکھی نہ کھایا جاتا ہے
میٹھا سلونا دیکھ کر مکھ ماہیں جل بھر آتا ہے
سواد تشٹ بھیو جن مل گیا تو پیٹ بھر اتنا لیا
نہ جاتے بیٹھا نہ چلا ویدانت پڑھ کر کیا لیا؟

سُن کر پرشنسا آپ کی تو پھول من میں جاتا ہے
نندا اپنے جب کبھی سُن کر تو من ہو جاتا ہے
شیت اشنا دُکھ سُکھ سہنے کا نہیں ابھیاس تو نے ہے کیا
سُکھ دُکھ سہہ سکتا نہیں ویدانت پڑھ کر کیا لیا؟

چنتا نہیں تیری گئی نہ شوک تجھے تیرا گیا
نہ موڑھتا تیری گئی میں اور میرا نہ گیا
تیاگا نہ دُرجن سنگ ناہیں مونگ سنتوں کا کیا
آسکتی تن کی نہ گئی ویدانت پڑھ کر کیا لیا؟

اے میرے خوش پڑھنے والو! ویدانت کا مطالعہ محض علمی تفریح کی نظر سے کبھی نہ ہونا چاہیئے ورنہ وہ ناکارہ اور بےسود ثابت ہوگا۔ وہ زندگی کو گھڑنے اور زندگی کو سانچے میں ڈھالنے کی چیز ہے جو لوگ اسے بغور پڑھیں اور سمجھیں گے اور اُسے زندگی کا جزو بنائیں گے۔ وہ مستفید ہونے سے محروم نہ رہ سکیں گے۔ اور ان کی زندگی برہم دھام یعنی ست کی زندگی، نردان کی زندگی اور کیولیہ کی زندگی ہو جائے گی۔ اور اسی غرض سے یہ مضمون لکھا گیا ہے تاکہ میرے خوش پڑھنے والوں کو شانتی اور بھرم اور اگیان دور ہوں بیخوفی کی وراثت ملے جیتے جی اصلیت کی زندگی کی لذت نصیب ہو جو ہماری ہے اور ہم وہی ہیں۔

جب انسان اپنے من اور اُس کی چنچل برتیوں پر مسلسل آتم چنتن کے ذریعہ قابو پا لیتا ہے تو پھر اُس کو نئی اور دائمی زندگی مل جاتی ہے اور اس دائمی زندگی کو امرت کی زندگی، دیوتاؤں کی زندگی اور پاکی کی زندگی کہا جاتا ہے اور الوہیت اور تقدس کی معراج اس کی درشٹی کے سامنے دائمی طور پر قائم ہو جاتی ہے اور پھر ہمیشہ کے لئے موت کے خوفناک سیلاب حوادث کے بھیانک اور ڈراؤنے طوفان سے مخلصی پا جاتا ہے یعنی پھر اس کے اور ایشور کے درمیان ایک ایسا گہرا عشق پیدا ہو جاتا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اپنی اصلیت اپنی حیثیت اور اپنی ذات کی ہستی کو سمجھ جاتا ہے بلکہ وہ روحانی حالت میں آکر کچھ کا کچھ بن جاتا ہے۔ اور بھی زیادہ صفائی سے یوں سمجھو کہ وہ ست چت آنند بن جاتا ہے۔

اے میرے خوش پڑھنے والو اب اس بات کا فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے کہ آیا تم نے ویدانت کی تعلیم کے ذریعہ ست چت آنند میں پرویش پا لیا ہے یا کہ نہیں اور تم اپنے آپکو ویسا ہی محسوس کرتے ہو یا نہیں اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل روحانی نقاط اپنی جانچ پڑتال اور پرکھ کے تعلق میں نہایت مفید ثابت ہوں گے۔

انسان کی حقیقی زندگی میں موت ہے ہی نہیں زندگی اور موت ایک لگاتار عمل ہے جس کا نہ ہی آغاز نہ ہی انجام نہیں اور جس کے متعلق حقیقی زندگی (آتما) کے محض جسمانی ظہور سے ہے نہ کہ خود حقیقی زندگی سے۔ انسان اپنی حقیقت کو نہ جاننا ہوا ہر وقت موت اور اُس کے تعلق میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں میں پریشان حال رہتا ہے جب تک اُسے موت کا خوف ہے اُس وقت تک وہ درحقیقت مردہ ہی ہے جب تک حقیقی معنوں کی خودشناسی سے یہ خیال، سارا جگت ہی میرا جسم ہے جب تک اُس کا ایک

ذرہ بھی باقی ہے میں کیوں کر رہ سکتا ہوں" انسانی زندگی کی میراث نہیں بن جاتا محض بے سمجھی" میں برہم ہوں" "میں ذات کل ہوں" "میں ہر جگہ لبیطا ہوں" کے بھو کے بلند نعرے اندرونی چھپی ہوئی کمزوری اور موت کو دور نہیں کر سکتے۔ جو شخص کامل ہو جاتا سوامی رام تیرتھ کی طرح موت کو للکار کر یہ کہہ سکتا ہے: -

" اے موت! بیشک اڑا دے اس ایک بدن کو، میرے دیگر ابدان بھی مجھے کچھ کم نہیں، محض چاند کی کرنیں چاند کی تاریں پہن کر ہی میں چین سے کاٹ سکتا ہوں " پہاڑی ندی نالوں کے روپ میں گیت گاتا پھروں گا۔ میں ہی بادِ خوش خرام نسیم مستانہ گام ہوں، میرا یہ سیلانی روپ ہر دم روانی میں رہتا ہے ..."

وہی سچے معنوں میں بقول ایک مہاپرش موت کی آنکھوں میں دھول ڈال سکتا ہے۔ جب تک موت کا خیال تم پر غالب ہے تم نے حقیقی آبِ حیات پیا ہی نہیں، ستیہ کا موت سے کیا تعلق۔ زہر کی آبِ حیات سے کیا نسبت تم ابھی تک ستیہ سے دور ہی کھڑے ہو۔ حقیقی امرت کے گھونٹ پی کر موت کا بھے نہیں رہتا تم خود اپنے جج بن کر دیکھ لو کہ آیا تمہارے اندر موت کا ڈر ہے یا نہیں۔ تمہاری ضمیر فوراً کہہ دیگی کہ تم نے ستیہ میں پرویش پالیا ہے یا ابھی ستیہ سے دور ہی کھڑے ہو۔

زندگی کا دوسرا پہلو چت ہے بقول ایک مہاتما چتین جو چاہے کرے یہی وجہ ہے کہ چت والا صاحب ہمت انسان شیر پر سواری کرتا ہے ہاتھی پر چڑھتا ہے سمندر کا سینہ چاک کر کے اس پر جہاز چلاتا ہے آگ کو غلامی کے لئے مجبور کرتا ہے سورج سے براہِ راست گرمی لیتا ہے بجلی سے روشنی حاصل کرتا ہے اور سب اس کے تابع فرمان رہتے ہیں۔ ذرا اس کو اپنے چیتن روپ کو سنبھال لینے دو پھر کون ہے جو مقابلہ پر آوے کسی کو مقابلہ پر آنے کی طاقت نہیں رہتی یہ چت شکتی زندگی کی دوسری علامت ہے جس کے ماتحت جملہ طاقتیں ہیں۔

زندگی کا تیسرا پہلو آنند ہے آنند کہیں اور جگہ نہیں ہے تم میں ہے اور تم سمجھ سکتے ہو کہ سوشپتی کی حالت میں سوا تمہاری اپنی ذات کے اور کچھ نہیں رہتا تم سکھی رہتے ہو اپنی ذات کو خوب سمجھو اور تم کو سکھ کا سروپ نظر آوے گا۔ اسی وجہ سے بھولے بابا آنند کو جاننے اور سمجھنے والے پرش کے متعلق فرماتے ہیں: -

آنند سے ہے بیٹھتا آنند سے سو جاتے ہے
آنند سے باہر پھرے آنند سے گھر آتے ہے
آنند کا آچار ہے آنند کا دیوہار ہے
بھوجن کرے سکھ شانتی سے بھوشن سوپا ہے

پیارے آتما! تیرے ہی ڈر سے ہو کر صبا کو اٹھکیلیاں سوجھتی ہیں تیرے بھے سے ہوا چلتی ہے تجھ سے دہشت زدہ ہو کر آفتاب چڑھتا ہے تیرے خوف کے مارے اگنی اندر تگ و تاز میں رہتے ہیں تجھ سے ہراساں ہو کر موت کا فرشتہ مارا مارا گھومتا ہے لیکن تو خود فراموشی کی وجہ سے ایچ در ایچ تصورات ــ فلاں شخص کا لڑکا، فلاں نام، فلاں فرم، فلاں سکونت، یہ عمر، فلاں دفتر میں ملازم، فلاں تنخواہ وغیرہ وغیرہ میں مبتلا ہے تیرا کوئی خاص عزم یا مقصدِ زندگی ہے جدھر کی ہوا آئی ادھر اڑ گئے چاروں طرف لذیذ میووں کے بیچ میں رہ کر بھی بھوکے رہے تو افسوس صد افسوس ہے شرتی بھگوتی تیرے سرہانے بیٹھ کر تجھ کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لئے سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کے ذریعہ پیغام آزادی دیتی ہے۔ پر ہائے! تیرے کان پر جوں تک نہیں رینگتی ــ

بیرونی جاہ جلال، دنیوی کر و فر اور چند روزہ شان و شوکت کے بدلے حقیقی سرور اور لازوال خوشی کو ہاتھ سے مت دو بجھی ہوئی قلعی (چونے کا چھوٹا سا گولہ) دیکھ کر اس کی سفیدی پر دلدادہ ہے اس کے بدلے اپنے ہاتھ والا تازہ مکھن کا پیڑا مت بدل، پچھتاؤ گے۔ یہ چونا کھایا ہوا کلیجہ پھاڑ دے گا۔ جگر خون کر دے گا مار ڈالے گا۔

" پیارے! جس اشتیاق سے دولتِ دنیا کو اکٹھا کرنے میں روز و شب محنت کرتے ہو اور کچھ ہاتھ نہیں آتا اسی جانفشانی سے روحانی ترقی کے لئے کچھ بھی وقت صرف کرو تو حیاتِ ابدی حاصل ہو جاتے "

" اُٹھ! جاگ تو سہی! اگیان رُوپی نزن (احنفہ) سے ہم آغوش ہوکر کب تک سویا رہے گا؟ تو خواب دُنیا میں پھنس کر موت کو طبیب اور مرض کو اپنی دوا کب تک سمجھتا رہے گا؟ جانِ جہاں اپنی ذات کا جلوہ دیکھو۔ بسترِ جہالت پر انگڑائیاں لینی چھوڑ دو۔ دولت منطق سائینس اور فلاسفی کے گورکھ دھندوں میں کب تک اپنے آپ کو گُم کئے رکھو گے؟ کہاں تک دوزخ اور تکالیف کے جیل خانوں میں دھکے کھاؤ گے؟

" اے کرشن! اب جاگو اودیا (جہل) کی نیند بہت سو چکے ہیں صدقے تمہارے! اب ہوشیار ہو۔ سنسار رُوپی گائے کا مکھن (حقیقت) کھالو۔ اپنے اندر داخل کر لو۔ یا یُوں کہ شرتی رُوپی کام دھینو (گئو) کا مکھن یعنی مہاواکیہ (کلامِ عظیم) منہ میں ڈال لو یہ شکتی بھرا (تقویت بخش) سفید سفید میٹھا مکھن (گیان، چت آنند اور حقیقت) کو چکھ لو۔ بڑا زور آجائے گا طاقت بھر جائے گی۔

گوردھن) اُٹھانا بائیں ہاتھ کا کرتب نہیں۔ چھنگی اُنگلی کا کھیل ہو جائے گا۔ دامودر کی کمر کی ڈوریوں، رسیوں (قیود مکانی زمانی نفسانی) کو توڑنا کچھ بات نہ رہے گی۔ کالی ناگ کے تمام پھنوں (نفس امارہ کی تمام برتیوں) کو پیر تلے کچلنا آسان ہو جائے گا۔ یہ ماکھن (ویدانت) سب پٹھوں کو مضبوط، ہڈیوں کو لوہے کی طرح سخت اور چہرے کو روشن کر دینے والا ہے پھیپھڑوں میں بل بھر دے گا جادو بھری بانسری بجاتے کبھی تھکنے ہی نہ پاؤ گے۔

ایسے ہی ایک اور مہاتما فرماتے ہیں ---

ہو جا اجر! ہو جا امر
جو ہو کش ہے تو چاہتا وش سم وشئے بخ تا تا رے
آر جو کھشما سنتوش شم دم پی رہا دن رات رے
سنسار جلتی آگ ہے اس آگ سے جھٹ بھاگ کر
آ شانت فنتیل دیش میں ہو جا اجر ہو جا امر

بھگوان کریں کہ یہ اصلیت کا پیغام، یہ خاموشی کی صدا یہ سروش غیبی کی آواز آپ کی زندگی پلٹنے کا باعث بنے اور آپ کی روزانہ زندگی شاندار اور خوبصورت بن جائے اور سب کے سب اپنی ذات اور ایشور کے ساتھ اپنی حیثیت د نسبت کو سمجھ کر اس میں قائم ہو جائیں اور امرت پیر مُن کر مرنے جینے کے کھٹکے سے چھوٹ جائیں۔ آمین!

اودم شانتی! شانتی!! شانتی!!!

ویاپکتا

از قلم
شری سوامی پرماپورنانند جی
مہاراج پورن

۱۔ سب میں رما ہوا ہے سب سے جدا بھی تو ہے
سب کچھ بنا ہوا ہے سب کی بقا بھی تو ہے

۲۔ بولے تو ہی بلائیں کوئی بھی نام لے کر
تو ہی زبیں زباں ہے خود ماسوا بھی تو ہے

۳۔ ساقی شراب عاشق معشوق و جام گلگوں
محفل سرور و مستی نازک ادا بھی تو ہے

۴۔ ملبوس گرچہ مخمل زربفت ہیں پھر و تم
خستہ خراب گدڑی پہنے گدا بھی تو ہے

۵۔ کیا دیو جن ملائک انساں چرند پرندے
آغاز سب کا تو ہی اور انتہا بھی تو ہے

۶۔ جاہل کی جہل تو ہے عاقل کی فہم تو ہے
سادہ مزاج عارف علم الرسا بھی تو ہے

۷۔ شہوت غضب یہ لالچ شرک اور خودی تو ہی ہے
بے خوفی اور فرحت دل کی جلا بھی تو ہے

۸۔ سنتے ہیں عنصروں سے پیدا ہوئی یہ دنیا
یہ خاک آب نار و باد و خلا بھی تو ہے

۹
کس کو کہیں کہ تجھ سے باہر جہاں بنا ہے
خود بن گیا تو سب کچھ پورن خدا بھی تو ہے

پورن ویدانت

از
پروفیسر
نول چندر
جی

ویدانت کے معنی اور تعریف (۱)

ویدانت دو لفظوں سے مرکب ہے۔ وید اور انت وید سے مراد دنیا کا وہ قدیم ترین ادب ہے جسے چار وید کہا جاتا ہے اور جسے ہندو سب سے بڑھ کر مستند اور ایشوری (الہامی) گیان مانتے چلے آئے ہیں۔ ویدوں میں کرم کانڈ، بھگتی کانڈ اور گیان کانڈ پائے جاتے ہیں۔ کرم کانڈ میں یگیوں اور ان کے مہاتمیہ اور بھگتی کانڈ میں اُپاسنا کی تعلیم دی گئی ہے۔ جب کہ وید کے آخری (گیان) کانڈ میں آتم گیان اور برہم گیان کا ورنن ہے۔ اور چونکہ یہ گیان وید کے آخری حصے سے متعلق ہے اس لئے اسے وید + انت = ویدانت کا نام دیا گیا ہے۔

ویدانت وہ اونچی سے اونچی تعلیم ہے۔ جو پراچین رشیوں کی راہ سے دی گئی ہے اور اس کی بنیاد اُپنشدوں پر ہے جن میں رشیوں اور جگیاسوؤں کے باہمی مکالمات یا سوالات و جوابات کو بیان کیا گیا ہے بھگوت گیتا میں اُپنشدوں کو ایک گائے سے تشبیہ دیکر گیتا کو اس کا دُودھ امرت بتلایا ہے، اور بعض کی رائے ہے "وید" کے معنی گیان ہیں۔ اور جس گیان سے پرے کوئی جا ہی نہیں سکتا اور اس لئے جو گیان (جانتے) کا انت ہے وہی ویدانت ہے۔

سنسار میں گیان کے کئی درجے دیکھے جاتے ہیں گیان صرف منشیہ کو ہی ہو سکتا ہے اور کسی پشو کو نہیں پشو صرف احساسات و جذبات رکھتے ہیں۔ سوچنا اور سمجھنا ان کے حصہ میں نہیں آیا۔ عام لوگوں کی معمولی واقفیت کو سادھارن گیان کہتے ہیں۔ سادھارن گیان میں کئی قسم کی غلطیوں اور توہمات و روایات کا اختلاط پایا جاتا ہے مگر سنسار کا سادھارن بیوہار اسی گیان کے اُجالے میں چلا کرتا ہے۔

اس سے اُونچے طبقے کا گیان، وگیان (وشیش گیان) ہے۔ جسے سرب سادھارن نہیں جانتے، وگیان میں سادھارن گیان (مشاہدہ و تجربہ) کی چھان بین کر کے اشیا اور واقعات کے درمیان رشتے اسباب اور قوانین قدرت دریافت کئے جاتے ہیں۔ اور قوانین قدرت کو جان کر انہیں انسانی مقاصد میں برتنے کے لئے ایجادات کی جاتی ہیں۔ وگیان کے ذریعے پرش پرکرتی کا جاگتا ہوا پرشو ہو کر اس میں من مانی تبدیلیاں پیدا کر کے اپنے ماحول کو حسب دلخواہ بدلنے کے قابل ہوتا ہے۔

عہد حاضرہ میں وگیان (سائنس) کا دور دورہ ہے۔ مختلف اقوام طاقت اور ترقی کے لئے دوڑ میں دوسروں سے آگے بڑھنے اور اپنی پیداوار بڑھانے کے لئے باہمی مقابلہ میں مصروف ہیں۔

وگیان منشیہ کو شکتی دیتا ہے مگر شانتی نہیں۔ یہ ایک مفید بلکہ ضروری آلہ کار ہے مگر زندگی کے معنی و مقصد پر روشنی نہیں ڈالتا۔ اس کی نظر بیرونی ہونے سے یہ مادہ پرستی سے آگے نہیں جا سکتا۔ اور موجودات میں طاقت یا مادہ کے سوا کچھ دیکھ نہیں پاتا۔ وگیان نے مکان و زمان کی تسخیر کے ذریعے ساری زمین کو ہی ایک شہر میں بدل ڈالا ہے مگر وہ اقوام میں اندرونی اتحاد اور توازن پیدا نہیں کر سکا۔ اسی لئے وگیان انسانی زندگی کے سوالات کے حل میں اسپھل رہا ہے۔

وِگیان سے اوپر کا طبقہ درشن (فلسفہ) کا ہے

جس طرح وِگیان مختلف اشیا اور واقعات میں رشتے اور اسباب دریافت کرتا ہے۔ اسی طرح درشن وِگیان کی انیک شاکھاؤں میں ایکتا کو ڈھونڈتا ہُوا ان کے درمیان موافقت پیدا کرتا ہے۔ اور جہاں وِگیان کی کھوج اس دُنیا کے اجزا پر ہی محدود رہتی ہے، وِگیان کُل موجودات کی حقیقت یا اصلی سبب جاننا چاہتا ہے،

درشن ہمیں یقین دلاتا ہے کہ کُل موجودات وجود واحد ہے۔ اس کی تہ میں ایک ہی آخری حقیقت یا علت اُولےٰ موجود ہے۔ وِگیان علل (کارنوں) اور قوانین (نیموں) کی کھوج کرتا ہے مگر درشن تمام ظہورات کو ایک تاگے میں پرونا چاہتا ہے۔ وِگیان اور درشن دونوں ہی انیک میں ایک اور متغیر میں بے تغیر دیکھنے کا مقصد رکھتے ہیں، مگر جہاں وِگیان جزوی نظر رکھتا ہے، درشن کلی نقطہ نگاہ سے کائنات کا مطالعہ کرتا ہے۔ وِگیان مادہ یا طاقت سے پرے ایک قدم نہیں رکھ سکتا۔ اس کا دائرہ تحقیق محسوسات پر محدود ہے مگر درشن عالمِ مادیات سے اوپر مابعد (METAPHYSICS) میں پرواز کرتا ہے۔ اس کی نظر کل، ایک، حقیقت کی طرف لگی رہتی ہے۔ اور اس کا تعلق معقولات سے ہے

مگر درشن بھی حقیقت کی قیاسی ٹٹول ہی کرتا ہُوا ہے ہو۔ براہِ راست دیکھنے کی بصیرت نہیں رکھتا۔ سائنس عقل سے اور فلسفہ قیاس سے پرے نہیں جا سکتے۔ ان کا جاننا صرف عقلی یا قیاسی ہی ہوتا ہے اور اس جاننے پر شخصی میلان یا مزاج۔ تعلیم و تربیت اور قومی اور نسلی روایات مخصوصہ کا رنگ چڑھ جانے سے مختلف نظامات فلسفہ کی پیدائش ہوتی ہے،

ویدانت۔ سادھارن گیان اور درشن سے بھی پرے حقیقت کو جو ایک اور کُل ہے۔ ہُوبہو دیکھتا ہے۔ اور اگرچہ درشن کا لفظ بھی دیدار کی طرف اشارہ دیتا ہے مگر درشن منطقی قیاسات سے اوپر نہیں اٹھ سکتا۔ اور اگرچہ کھٹ درشنوں میں

ویدانت بھی ایک درشن سمجھا جاتا ہے لیکن درحقیقت ویدانت درشن سے پرے ہے۔ کیونکہ یہ براہِ راست تجربہ و دیدار حقیقت ہے، یہ شک و شبہ سے پرے دکھلاتا ہے۔ کہ "میں کون ہوں؟، یہ (دُنیا) کیا اور کیوں ہے؟ اصل حقیقت کیا ہے؟ اور زندگی کے معنی و مقصد کیا؟"

یہ ست ہے، کوئی ایک مت نہیں

ویدانت دیدارِ حقیقت ہے، کوئی عقلی یا قیاسی رائے نہیں۔ دُنیا میں بے شمار نظامات فلسفہ ہیں۔ جو ایک دوسرے سے اختلاف بلکہ تضاد رکھتے ہیں۔ اسی لئے دُنیا میں زندگی کا کوئی مشترکہ اور حادی کُل نظریہ یا مقصد نہیں پایا جاتا۔ عقلا، علما اور اہل قیاس اپنے اپنے نقطہ نگاہ کی تائید اور دوسروں کی تردید میں منطق چھانٹا کرتے ہیں اور رائے (لیبلوں) کے لیبول انسان بٹا ہُوا اپنی ہمہ گیر انسانی وحدت کے رشتے کو جاننے یا محسوس کرنے کے قابل نہیں ہو سکا۔ انسانیت اور اس کا مقصد ایک ہے مگر مختلف متوں کی رنگ رنگ کی عینکیں اس وحدت کو دیکھنے میں مانع ہو رہی ہیں۔ اگرچہ ایک حقیقت اندر اور باہر سب کے درمیان ہے مگر متوں (راؤں) کی رنگین عینکیں اس کی ایکتا پر پردہ ڈال کر اسے کچھ کا کچھ دکھاتی ہے، چنانچہ ایک کہتا ہے کہ اصل حقیقت مادہ ہی ہے۔ تو دوسرا دعوے کرتا ہے کہ ساری دُنیا ایک طاقت (انرجی) کا کھیل ہے، تیسرا کہتا ہے کہ زندگی (حیات) کُل ظہورات کا چشمہ ہے، تو چوتھا اعلان کرتا ہے کہ سب کچھ خیال کی ایجاد ہے،

لیکن غور سے دیکھا جائے۔ تو تمام متوں میں کچھ نہ کچھ سچائی ضرور ہوتی ہے مگر کوئی مت بھی ساری سچائی پر حاوی نہیں ہوتا۔ ہر ایک مت اپنا جزوی نقطہ نگاہ رکھتا ہوا حقیقت کے صرف ایک جزو یا پہلو کو ہی دیکھا کرتا ہے۔ وہ حقیقت کو ایک کہتا ہُوا بھی اس پر اپنا خاص رنگ چڑھا دیتا ہے۔ متوں والے ان اندھوں کی مانند ہیں جو ایک ہی ہاتھی کے مختلف اعضا کو ٹٹولتے ہوئے اسے مختلف چیزیں خیال کرتے ہوئے نہیں

جانتے۔ کہ ہاتھی تو ایک ہے۔ جس میں مختلف اعضا کی وحدت ہے۔

کھٹ درشن بھی دیگر نظاماتِ فلسفہ کی مانند عقلی اور منطقی نظریات رکھتے ہیں اور اپنے دائرہ نگاہ سے باہر کہیں سچائی نہیں دیکھ پاتے، جب کہ اپنشدوں میں کوئی خاص نظام فلسفہ موجود نہیں ہے اور نہ ان میں کوئی عقلی مباحثہ پایا جاتا ہے

مت انیک ہیں اور انیک رہیں گے۔ مت میں سب کی ایکتا نہ کبھی ہوئی ہے اور نہ ہوسکیگی۔ کیونکہ یہ سب کے سب ذہنی نظریے ہیں۔ روحانی نہیں۔ مٹول ہیں۔ یافت نہیں مگر ست ایک ہے جسے علما و عقلا طرح طرح کے لیبل دیا کرتے ہیں مت دیے ہیں اور ست سورج ہے، مت رنگ ہیں اور ست بے رنگ روشنی ہے جو سورج سے اشاعت پاتی ہے،

مذہبی دُنیا جس کی بنیاد عقائد و رسوم پر ہے، اور بھی تضاد اور تفرقہ ظاہر کرتی ہے، اہل عقل و قیاس تو شاید کسی امر میں متفق الرائے ہوسکیں، مگر اہل مذہب مقلدین ہونے کے سبب عقائد، تعصبات اور عاداتِ ذہنی کے غلام ہونے کے باعث آپس میں تبادلہ خیالات اور تحقیقِ حق میں تعاون کرنے کی قابلیت ہی نہیں رکھ سکتے۔ یہ جانتے ہی نہیں کہ سہ

پردۂ پندارِ تست این نقش غیر
نیست غیر از یک صنم در جملہ دیر

یا گیتا کے الفاظ میں "سبھی لوگ میری ہی راہ پر گامزن ہیں"۔ اہل مذہب کو ساری دُنیا مومن اور کافر، آستک اور ناستک میں بٹی ہوئی دکھائی دیتی ہے، وہ تمام مذاہب کی اصل یا علتِ غائی میں کہیں وحدت کے نشان دیکھ نہیں پاتے۔ اور وہ اپنے اپنے نظریے کو دوسروں پر تھوپنے کا دیوانہ وار خبط رکھتے ہیں۔ اور جب کہ وگیان اور درشن سے تو نزدیک یا دور کی آشا ہوسکتی ہے کہ وہ مختلف خیالات کے لوگوں کو ایک دوسرے کے نزدیک لانے میں ایک حد تک کامیاب ہوسکیں گے۔ مگر اہلِ مذہب تو صرف اپنے عقائد کی دوہائی دینے کو ہی اپنا فرضِ مقدس مانتے ہوئے دوسروں کی طرف سے اپنے کانوں میں سکہ ڈالتے رہتے ہیں۔ اور اس لئے مذہب نے جہاں اپنے محدود دائرے کے اندر لوگوں کو جمع بھی کیا ہے۔ وہاں اُنہوں نے جو نفرت پھیلائی ہے۔ اسے دیکھ کر شاعر پکار اُٹھتا ہے۔ کہ

الحذر اے کفر و ایماں الحذر!

مگر جو لوگ متوں کے تنگ پنجروں سے نکل کر ایک ست کو جو لاغیر ہے۔ اپنا لیتے ہیں۔ وہ کفر و ایمان، ناستک آستک کے جاہلانہ اور زہریلے تفرقہ سے اوپر اُٹھ جاتے ہیں، وہ نہ تو شک سے ڈرتے یا اسے دباتے ہیں اور نہ یقین سے بندھتے یا دوسروں کو باندھتے ہیں۔

ویدانت وہ کشف ہے جو متوں سے اوپر اُٹھا دیتا ہے تبھی تو انسان انسان ہوتا ہے، ورنہ اس سے پہلے وہ کسی نہ کسی ریوڑ یا غول یا دھڑے یا جماعت کا ممبر ہی ہوتا ہے۔ صحیح معنوں میں پختہ انسان نہیں۔ اُپنشدوں کے آدھار پر جو ویدانت کے مولک گرنتھ ہیں۔ اہل عقل نے ویدانت کے نام پر بھی "ادویت واد" "وششٹا دویت واد"، کے مت رچ لئے ہیں۔ مگر ان میں سے درحقیقت کوئی ایک بھی "پورن ویدانت"، نہیں ہے پورن ویدانت میں بھید، ابھید اور بھید ابھید تینوں کے لئے ستھان ہے۔ فرق، جمع اور جمع الجمع ایک ہی حقیقت مطلقہ کے ناقابل جُدائی پہلو ہیں۔ تعجب ہے کہ جو ویدانت ایک۔ ادویت۔ پورن، اننت حقیقت کو تمام ظہورات کا مصدر اور مرجع بتلاتا ہے عقلی فلسفہ نے اس میں بھی کانٹ چھانٹ کردی ہے۔ عقل میں، اتنی قابلیت ہی نہیں۔ کہ وہ ایک ہی وقت میں وجود اور عدم، واجب اور ممکن یا حقیقت کے بے انداز ظہوری پہلوؤں اور درجوں کو بیک نگاہ دیکھ پائے۔ زندگی کی تکمیل اور زندہ سرور کے لئے پورن ویدانت ہی ایک روشنی ہے۔ جو ست اسدت، آتما، اناتما، جڑ چیتن، پرش پرکرتی حرکت و سکون، تبدیلی اور یکسانیت کے تضاد کو قطعاً دور کرسکتی ہے۔

پروکش اور اپروکش گیان

پورن ویدانت کی عظمت اور اہمیت کو جاننے کے لئے پروکش اور اپروکش گیان (انو بھوتی) میں صاف صاف امتیاز درکار ہے، ورنہ یکطرفہ ین کی مرض جس سے اختلافات مذاہب کی تباہ کن پیدائش ہوتی ہے، دور نہیں ہو سکتی۔

پروکش گیان۔ سے مراد بالواسطہ گیان ہے، جو حواس اور ذہن کی راہ سے حاصل ہوتا ہے، جس میں دوئی اور تفاوت کا تفرقہ بہرحال موجود رہتا ہے۔ خواہ یہ گیان پرتکش یقینی اور عملاً کارآمد بھی ہو۔ اس گیان میں شک کی جڑ برابر قائم رہتی ہے اور اکثر نام نہاد ویدانتی ویدانت کے زبردست حامی ہو کر بھی اصل۔ زندہ اور جانفزا کشف حقیقت سے محروم رہ کر ترک و اختیار، کرم اور نشکرم، بندھ اور موکش، وکشیپ اور سمادھی کے دوند میں ہی پھنسے رہتے ہیں۔

پروکش گیان میں ہم عقلاً "برہم ہے" کے قائل ہو کر بھی وحدتِ حقیقی کے راز سے بے خبر ہی رہتے ہیں اور دلائل اور قیاسات سے قطعی طور پر برہم ستّا کو ثابت کرتے ہوئے بھی ہم براہِ راست برہم گیان نہیں رکھتے۔ اس حالت میں ہم برہم اپاسنا اور برہم دھیان کرنے میں سرگرم رہ کر بھی برہم کا انکشاف نہیں کر پاتے۔ ہم تصور کرتے ہیں۔ کہ برہم ست چت آنند (ہستی و نور و سرور محض) ہے، مگر خود اس کے اپاسک اور بھگت بنے رہتے ہیں۔ اور یکسوئی سے پیدا ہونے والے سرور کو برہم آنند خیال کرتے ہیں۔

مگر اپروکش (بلاواسطہ، براہِ راست) گیان کوئی عقیدہ یا ایمان یا تصور نہیں ہے۔ اس کی بنیاد وجدان (سہج گیان INTUITION) پر ہے۔ اس میں ہم یہ کہنے کی بجائے کہ برہم ہے، ہم صاف صاف شک و شبہ سے پرے براہِ راست اپنی بود سے ہی جانتے ہیں۔ کہ حقیقی اپنا آپ ہی برہم ہے "ایم آتما برہم" (یہ آتما ہی برہم ہے) اور بلا تامل سا[illegible] وجود اور شعور کے ساتھ اعلان کرتے ہیں،

"اہم برہم اسمی" (میں برہم ہوں) انا الحق

اپنے مقابلے میں یا اپنے سے اوپر جو ایشور یا برہم مان لیا جاتا ہے، اس میں لطیف ناستکتا موجود رہتی ہے اپنی ہستی کا خیال ہی برہم سے کائنات میں حائل ہو جاتا ہے پورن آستکتا یہ ہے، کہ اپنا آپ (اپنی بود) ہی برہم ہے، جو کل تجربے کی بنیاد اور روشنی ہے۔ اور جس کا کوئی ثبوت نہیں کیونکہ وہ بذاتِ خود ثابت اور منور ہے۔ جب تک کسی شے کو عقل و قیاس سے ثابت کیا جاتا ہے، اس میں شک کا احتمال یا امکان موجود رہتا ہے۔ اپروکش انوبھوتی میں ہم برہم کو دلائل سے ثابت کرنے کی بجائے خود برہم ہوتے ہیں۔

پروکش گیان زیادہ سے زیادہ یہی ثابت کرتا ہے کہ پرماتما یا برہم ہے، مگر اپروکش گیان یہ دکھلا دیتا ہے، کہ اپنا ذات (اپنا آپ) ہی حقیقتوں کی حقیقت روشنیوں کی روشنی اور کل ثبوتوں کا ثبوت ہے، ہم ہی تو خیالی اور قیاسی برہم کے تصور کو ایجاد اور ثابت کیا کرتے ہیں اور جس شے کو ثابت کیا جائے۔ وہ بذاتِ خود ثابت نہ ہونے کے باعث شک کی پیدائش کا احتمال رکھتی ہے۔ اپروکش گیان ہی پورن آستکتا اور پورن وشواس ہے۔ اور اس کے اوپر ہی عالمگیر اور ابدی دھرم کی عمارت تیار ہو سکتی ہے۔

اپروکش گیان ہوتے ہی مت متانتر کے جھگڑے اسی طرح ہی دور ہو جاتے ہیں۔ جیسے طلوعِ آفتاب پر زمینی دیے بیکار ثابت ہوتے ہیں۔ اپروکش گیان پائے بغیر انسان اپنی روحانی پختگی کو حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ عقلاً برہم گیانی اور عملاً برہم اپاسک ہو کر بھی اپنے کو برہم کے آنشرت اور اس کے مقابلے میں ناچیز خیال کرتا ہے وہ خود بخود ہو جاتا ہی نہیں اور جب تک انسان اپنے سے الگ یا اوپر کسی اور طاقت یا ہستی کا سہارا لیتا ہوا اس کی طرف امداد یا رحمت کیلئے اپیل کرتا ہے۔ وہ اپورن ہی ہے، خود بخود نہیں ہو سکا، آزادی جوہر انسانیت ہے۔ جب تک وہ سہارا لیتا ہے۔ وہ روحانی بلوغت اور انسانی ذمہ داری سے محروم رہتا ہے

ویدانت کا بیدار کن پیغام "تتو مسی" (وہ تو ہے)

ہے۔ یہ تکمیل زندگی کی روشنی ہے اور اس روشنی کے بغیر وہ حقیقی معنوں میں اپنی اَلنہایت کو پورے طور پر حاصل کرتا ہی نہیں۔

"اپروکش گیان" نہایت ہی مشکل اور نہایت ہی آسان ہے۔ نہایت ہی مشکل ہے تب تک کہ انسان آتم جگیاسا کو ایک دوسرے سے مختلف جانتا ہوا یہ نہیں جانتا کہ ؎

علم خویش و علم حق ہر دو یکیست
ہر دانہ زیں معانی در شکیست

"آتم گیان اور برہم گیان ایک ہی بات ہے مگر مورکھ منشیہ یہ سن کر شک میں مبتلا رہتا ہے۔"

ست شاستروں میں اپروکش گیان کے اشارات ہی دیئے گئے ہیں کیونکہ یہ من اور بانی سے پرے ہے۔ صرف سانوک جگیاسو ہی اِن رموز کے معنی کو جان سکتا ہے، تامسک یا راجسک پرش سمجھی نہیں۔ اپروکش تو سب گیان سے پہلے ہی سب کو حاصل ہے مگر منش کی تاریکی اور رجس کے انتشار کے باعث ہم حاضر کو بھی غائب، آپ کو ہی غیر، پراپت کو ہی اپراپت اور سب سے بڑھ کر روشن اور ظاہر کو بھی مخفی مانا کرتے ہیں۔

ویدانت سار

صرف ایک حقیقت موجود ہے، جو اپنا غیر نہیں رکھتی (ایکم الیوم ادوتییم) اس کے سوا کچھ بھی وجود نہیں رکھتا۔ یہ کل اور غیر محدود ہے۔ اس سے کچھ بھی منفی یا خارج نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی اس کے علاوہ کسی واقعی یا خیالی ہستی کو تصور میں لایا جا سکتا ہے۔

یہ حقیقت روحانی ہے۔ مادی یا جسمانی نہیں ہے یہ ست۔ چت۔ آنند (یعنی ہستی و نور و سرور) ہے کل زندگی، طاقت، علم، فراست، خوبصورتی، خوشی، محبت کا اکھوٹ بھنڈار ہے، یہ ہے، مگر صرف ہے نہیں۔ کُل اندرونی، اور بیرونی ظہورات کا چشمہ ہے، یہ مکان و زمان و اشیا میں نہیں بلکہ مکان و زمان و اشیا اس میں اور اس سے ہیں۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں، کیونکہ یہ خود سب ثبوتوں کی آخری روشنی ہے

اور خود اظہاری اس کی ذاتی صفت ہے کیونکہ وہ زندہ ہے۔ وہ بذاتِ خود لبود ہے اور کُل واقعیت اسی کی نمود ہے جو خود کوئی لبود نہیں رکھتی۔

یہ حقیقت ہی کل کائنات میں خود بخود نمودار ہو رہی ہے اور یہ نمود مکان و زمان میں کہیں یا کبھی اپنا آغاز یا انجام نہیں رکھتی۔ "سرو کھلو اِدم برہم"۔ (یقیناً یہ سب کچھ ہی برہم ہے) اس لئے کہ یہ فقط برہم کا ظہور ہے۔ اپنے آپ میں بے لبود ہے۔ زندہ کل اپنے ہر ایک جزو میں کلیتاً موجود ہے اور ہر ایک جزو کل میں اور کل کے لئے اپنا وجود رکھتا ہے، کسی سے الگ یا بذاتِ خود نہیں۔ سب کا سب کے ساتھ لاینفک رشتہ ہے۔ سب کا سب کے ساتھ وصل ہے ہر چیز مندرج در ہر چیز ہے (سب سب میں اور ہر ایک میں سبھی کچھ موجود ہے)

اپنی غیر فانی زندگی کے باعث یہ حقیقت جبکہ اپنی ذات میں ایک یکساں حال ہے، اپنے ظہور میں انیک اور تغیر پذیر ہے۔ یہ کثرت اور تغیر دھوکے ہونے کی بجائے مایہ حسن و جمال و تازگی ہیں۔ ہر ایک ظہور بے مثال ہے۔ اور ہر آن اس کی نئی شان ہے۔ اور ظہورات میں لگاتار تجدید ہو رہی ہے۔ چونکہ زندگی کے ظہور کے لئے اختلاف (الف، واؤ) لگاتار تبدیلی کا ہونا لازمی امر ہے۔ اس لئے ساری کائنات اپنے جزو کل میں گوناگوں اور تغیر پذیر ہے۔ اور اس سے کائنات کا باطل ہونا تو کجا اس کا پُر از حیات ہونا ثابت ہوتا ہے۔ گویا زندگی کی دھارا دمبدم اپنے کناروں سے باہر اچھل رہی ہے۔ اور تضاد ہی اعلےٰ سے اعلےٰ تر ظہور کو پردۂ اخفا سے باہر کرتا ہے۔

یہ حقیقت اپنے ظہور میں ناظر بھی ہے اور منظور بھی، مگر اپنی ذات میں فقط ناظر ہے۔ ظہور میں چنین اور چڑ ہے، مگر اپنے آپ میں چیتنیہ ہے۔ اس میں شاہد و مشہود کے درمیان فاصلہ نہیں۔ خود ذات ہی شاہد کی صورت میں اپنے مشہود (ظہور) کا مشاہدہ کر رہی ہے اس حقیقت کو

الفاظ کی قید میں نہیں لا سکتے۔ ہاں اتنا اشارہ دیا جا سکتا ہے۔ کہ یہ ہے۔ گیان ہے اور اننت (ستیم گیانم اننتم برہم)

تمام جانداروں کے درمیان منشیہ ہی ایسی حقیقت کو جان پہچان سکتا ہے، کیونکہ وہ ایک تجلی خاص ہے جس میں کہ حقیقت خود آشکار ہوکر ہنس رہی ہے۔ حقیقت کے بیج سے ہی شجرِ کائنات نمودار ہو رہا ہے انسان اس درخت کا پھل ہے۔ جب تک وہ پختہ نہیں ہوتا۔ خود کو کائنات کا ایک نہایت ادنےٰ جزو جان کر سدا محتاج، منحصر اور خوف زدہ رہتا ہوا غلامانہ زندگی بسر کرتا ہے، مگر پختہ ہونے پر وہ اپنے اندر ہی اس بیج کو پا لیتا ہے۔ جس سے کائنات نمودار ہو رہی ہے اور تب وہ یہ کہہ سکتا ہے۔ اہم بیجم سرو بھوتا نام" (میں کل موجودات کا بیج ہوں)

تب ہی انسان سچے معنوں میں اپنی انسانیت حاصل کرتا ہے اور جیون مکتی اور جیون آنند بھی۔ اس سے پہلے وہ حیوانات پر کوئی خاص فضیلت نہیں رکھتا۔ تب ہی وہ خود انحصار، ذمہ دار، بے خوف، دلیر اور خالق ہوتا ہے، اور پناہ گزیں، التجا اور دست نگری کو نہ جانتا ہوا خود نگر اور خودگر اور اپنا منقصد آپ ہو جاتا ہے، خود شناسی کے بغیر انسان پشو ہی رہتا ہے، خواہ وہ دیوتاؤں یا پرم دیو کا پشو ہو۔

مگر آتم انوبھوتی انسانی زندگی کا نقطہ آغاز ہے یعنی خود آگہی سے ہی وہ انسانی طور سے جینا شروع کرتا ہے تب اس کی زندگی جینے کے لئے ہوتی ہے۔ کچھ اور پانے یا ہونے کے لئے نہیں، آتم انوبھوتی ہو چکنے پر ہم آتم پرکاش کے لئے جیا کرتے ہیں۔ اور اپنے ماحول میں آتم پرکاش کا نام ہی تو سورگ ہے، ہم آٹھوں قسم کی اپرا پرکرتی کے خام مسالے کے ذریعے پرا پرکرتی (اقدار روحانی = سچائی = بھلائی اور خوبصورتی) کو نمودار کیا کرتے ہیں۔ تب ہم سکھ، دکھ دونوں سے اوپر اٹھ کر تخلیق کے لئے جیتے ہیں۔ دولت کمانے اور اپنی طاقت بڑھانے کے لئے ہی نہیں۔ آتم گیان تو منشیہ کو منشیہ کے طور پر جینے کے لئے روشنی اور اعتماد دیتا ہے۔

پورن ویدانت انسان کو کہتا ہے :-

" اٹھو جاگو۔ تم آپ ہی برہم ہو، تمہارا دھن اور آنند تمہاری ہستی میں ہی موجود ہے، تمہارے امکانات کی کوئی حد نہیں۔ یہ جگت تمہارا اپنا ہی بنڈا اور لیپا ہے، کوئی غیر ہستی نہیں۔ جگت کی ساری طاقتیں تمہاری اپنی طاقتیں ہیں جنہیں عقل و ایجاد کے ذریعے اپنانا ہوگا۔ تم زمین کے کیڑے نہیں بلکہ خدائی اور ابدیت کے وارث ہو۔ آزادی اور خوشی تمہارا پیدائشی حق ہے جو اپنے آپ میں جاگے بغیر ہاتھ نہیں لگ سکتا۔ خدا کو ڈھونڈو مت، اپنے آپ میں نظر ڈال کر اپنی ذات کو ہو بہو پہچانو، تم یہاں جلاوطن ہو کر نہیں آئے۔ اور نہ ہی کرم بھوگ کے لئے، تم تو آتم وبھوتی کے پرکاش کے لئے وجود میں آئے ہو، تم سچ مچ امرت پتر ہو۔ تمہارے لئے موت نہیں، موت صرف زمانے میں جسم کے لئے ہے، تم زمان و مکان سے اوپر براجتے ہو، اٹھو جاگو۔ برہم کو جاننے والا برہم ہی ہوتا ہے، تچھ جیو ماتر نہیں۔"

بیتھار تھئہ پرکریا[۵]

ویدانت جو انسان کو جیون مکت کرنے اور اسی زمین پر ہی سچا اور دائما ترقی پذیر سورگ نمودار کرنے کے لئے ظہور میں آیا ہے۔ کیول دکرن اور یکطرفہ ہو جانے پر پوری طرح سپھل نہیں ہو سکا؟ ویدانت ہی تو انسانی زندگی کی روشنی اور سچائیوں کی سچائی ہے اور اس سے پرے کوئی سچائی نہیں ہے۔ وگیان ہمیں شکتی دیتا ہے جسے زندگی کی بہتری یا بربادی میں لگایا جا سکتا ہے مگر ویدانت جینے

[۵] راقم کی ہندی کتاب جیون آنند "جو جینے کی خوشی" کا ترجمہ ہے رسالہ "ادم" کے دفتر سے طلب کریں۔

کی روشنی مہیا کرتا ہوا جیون سپھل بناتا ہے،

مگر آج ویدانت کے نام پر یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ برہم ستیہ ہے اور "جگت متھیا" جگت برہم سے نہیں بلکہ گو مگو مایا کا جادو ہے، جگت برہم سے یا برہم میں کبھی نہیں ہوا۔ یہ تو برہم میں کلپت اور ادھشت ہے اور ایک لمبا چوڑا بے معنی خواب۔ جگت اسَت ہی نہیں بلکہ جڑ اور دکھ روپ بھی ہے۔ یہ اگیان سے پیدا ہوتا ہے جیسے نیند سے خواب، مگر اس میں بندھن، دکھ اور کلیش کے سوا کچھ نہیں، ہم اودیا کے کارن اس سنسار میں کرنی بھگت رہے ہیں۔ اگرچہ ہم سکھی اور امر رہنا چاہتے ہیں، مگر جوں جوں عمر گذرتی ہے، دکھ اور کلیش بڑھتے چلے جاتے ہیں اور موت دمبدم نزدیک سے نزدیک تر آتی چلی جاتی ہے،

عقلمندی یہی تقاضا کرتی ہے کہ ہم جگت جال سے چھٹکارا پانے کی تدبیر کریں۔ تاکہ پھر جنم مرن کی مصیبت اور قید نہ سہنی پڑے۔ بس ہم برہم میں ہی محو ہو جائیں۔ بوند جل میں سما جائے۔ اس سنسار میں ہونا ہی سب سے بڑا پاپ اور ابھی شاپ (لعنت) ہے۔ اگر وقت پر تدبیر نہ کی گئی تو پھر مکت ہونے کا چانس ملنا مشکل ہوگا۔ اور چوراسی لاکھ یونیوں کا چکر کاٹنا پڑے گا۔ یہاں پر صرف ایک ہی کام ہے جو کرنے کے لائق (پرشارتھ) ہے اور وہ ہے کوشش جنم مرن روپ سنسار سے مکتی۔

پرحلیت ویدانت انسانی زندگی کو جینے کا ایک نادر موقع بتلانے کی بجائے اسے زندگی سے ہی چھٹکارہ پانے کا ڈھڈھورا سر بتلاتا ہے، اس کی نظر میں زندگی ایک نایاب برکت نہیں بلکہ ایک طرح کی قید اور مصیبت ہے۔ جس سے چھٹکارا پانے کے لئے چھن پل کی دیر بھی نہیں کرنی چاہئے۔

اب سوال یہ ہے کہ پرکرت ویدانت نے یہ وکرت روپ کیوں دھارن کر لیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ویدانت کو جو ایک وجدانی روشنی ہے، عقلی اور منطقی مرتبے پر نیچے گھسیٹا گیا ہے۔

عقل ایک انسانی قوت ہے، جس کے بغیر انسان انسان ہی نہیں ہوتا، مگر عقلی نظر صرف اجزا کو ہی دیکھ سکتی ہے کل کو نہیں۔ صرف ظہورات کا مطالعہ کر کے ان کے اسباب کو جان سکتی ہے، قوانین فطرت دریافت کرنے اور کام میں لانے کے قابل ہے مگر وہ حقیقت کو اسی طرح ہی نہیں جان سکتی جیسے آنکھ آواز کو، اور کان رنگ و صورت کو نہیں جان پاتے۔

اپنشدوں میں جس پورن ویدانت کی تعلیم دی گئی ہے وہ سہج گیان کا پھل ہے۔ اس کا طریق کار، دیکھنا اور انوبھو کرنا ہے، کتر بیونت یا چیر پھاڑ نہیں عقل آلہ امتیاز ہے۔ یہ تحلیل تو کر سکتی ہے مگر ترکیب (سمنوے) کو نہیں جانتی۔ یہ حقیقت کے بے شمار پہلوؤں میں سے ایک وقت میں کسی ایک پہلو کو ہی دیکھ سکتی ہے۔ زندہ اور ناقابل تقسیم کل کو کبھی نہیں۔ یہ جسم کائنات کا اوپریشن کرنا جانتی ہے مگر اسے صحت یاب کرنے کی روشنی نہیں رکھتی۔

جب اہل عقل حقیقت کو جاننا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے وہ اس زندہ کل کے دو ٹکڑے کر دیتے ہیں، آتما (چیتن) اور اناتما (جڑ)، اور اعلان کرتے ہیں کہ آتما اناتما ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ اور جب کہ آتما ست چت آنند سروپ ہے، اناتما اسَت، جڑ اور دکھ روپ ہے، اس عقلی تحلیل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ ہم اناتما سے ویراگ اور آتما انوراگ کی طرف بڑھتے ہوئے یہی زبردست آکانکشا رکھتے ہیں کہ اناتما (جگت) سے کوئی بھی تعلق نہ رہے اور چونکہ زندگی ہمیشہ تعلق میں جیتی ہے، ہم زندگی سے دمبدم بھاگا کرتے ہیں اور ہماری یہی تمنا ہوتی ہے کہ اس زندگی سے قطعی طور پر چھٹکارا پا کر ہم جس ذات سے نمودار ہوئے ہیں پھر سے اسی میں محو ہو جائیں۔ تب ہم نہ تم دفتر گم ہو کر زندگی کا قضیہ ختم ہو جائے گا۔

عقل کی جگہ لیبارٹری میں ہے، زندہ کل میں نہیں، یہ صرف نیم کو جان سکتی ہے۔ زندگی کو کبھی نہیں۔* مادہ ہی دیکھ

پانی ہے، اور روح کی خبر ہی نہیں رکھتی۔ چیرا دینے میں تو ہوشیار ہے، مگر زخم کو بھرنا نہیں جانتی۔ عقلی ویدانت کرم اور اُپاسنا کو عارضی قیمت دیتا ہے۔ اس کا مقصد صرف تتو گیان ہے اور بس، مگر زندگی میں علم، جذبہ اور عمل تینوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی وسیلہ اور کوئی مقصد نہیں ہے۔

اہل نظر ساکشات دیکھتے ہیں: "یہ سب کچھ برہم ہی ہے۔ میں برہم ہوں، آتما ہی برہم ہے۔ اور برہم ہی پربرہم ہے۔ اس سے پرے کچھ نہیں، یہ جگت برہم کی وِبھوتی ہے اس میں جہاں بھی خوبصورتی، شان، طاقت دکھائی دیتے ہیں۔ وہ برہم کے اپنے چمتکار ہیں۔ جگت برہم میں مفروض یا متوہم نہیں۔ بلکہ برہم کا ذاتی ظہور ہے۔ برہم کی اننت شکتی ہی جگت روپ میں اننت دیش کال میں اپنی لیلا کر رہی ہے۔ اناتما آتما کا ہی روپ ہے اور آتما اناتما کی روشنی اور جان ہے، آتما اور اناتما کے سمنوے میں ہی جیون ہے اور آنند ہے اور ان کی جدائی میں زندگی کا خاتمہ ہے۔ یہ جگت برہم درپن ہے اور اسی میں ہی تو برہم کے سروپ کا راز کھلتا ہے۔ بھلا درخت سے الگ بیج کی اصل حقیقت کہاں دکھائی دیگی؟ جگت برہم پر پردہ نہیں۔ یہ تو اس کا پرم ادبھت۔ نت نیا چمتکار ہے، گیت ہے، لیلا ہے۔ نرتیہ ہے، سب ایک ہے۔ اس میں جو کچھ ہے۔ پُر معنی اور حقیقت مفید و معاون ہے۔ اس لئے ہمیں جگت سے فرار ہونے کی بجائے جگت سے جنم لے کر اپنی انسانی حیثیت اور ذمہ داری کو سنبھالنا ہوگا۔ جگت کے سمبندھ میں پرکرتی اپنا کام کر چکی ہے کہ منشیہ پیدا ہو گیا ہے۔ اب اس سے آگے جگت کو بہتر سے بہتر بنانا منشیہ کا شاندار کام ہے۔ ہم زندگی سے بھاگنے کے لئے تو ظہور میں نہیں آئے۔"

یہی پرکرت ویدانت اور یہی اپروکش انوبھوتی ہے اس کا طریق کار عقلی تحلیل کی بجائے وجدانی ترکیب ہے اور اسی میں ہی جیون کی سپھلتا، مکتی اور آنند ہے، سہج گیان ایک اور کُل کو دیکھا کرتا ہے۔ جب کہ عقل اس کے ٹکڑے ٹکڑے دیکھتی ہوئی نہیں جانتی کہ درحقیقت ہے کیا؟

(۶)

بیوہار اور پرمارتھ

پورن اور پرکرت ویدانت بیوہار اور پرمارتھ میں تمیز تو کرتا ہے، مگر ان میں تفرقہ اور جدائی پیدا نہ کرتا ہوا انہیں ساتھ ساتھ رکھتا ہے کیونکہ ان کے ملاپ میں زندگی اور اس کی سپھلتا ہے۔ یہ ہمیں زندگی سے بیزار اور اداس کرنے کی بجائے یہ سکھلاتا ہے کہ زندگی برہمانند کی لیلا ہے اور اسے آتم وشواس آشا، ساہس اور انوراگ کے ساتھ پرمارتھ کے اکھاڑے میں کھیلنا پرم آنند دیتا ہے

بیوہار سے مراد عام ظہورات ہے، جس میں انسان بطور ایک جزو کے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس عالم کا تجربہ حواس اور ذہن کی راہ سے حاصل ہوتا ہے اور اس کا ذرہ ذرہ اٹل قوانین کے تابع ہے، جنہیں کوئی انسان بدل نہیں سکتا، البتہ انہیں جان کر ان کا اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر سکتا ہے، بیوہار میں بے انداز اختلاف اور لگاتار تبدیلی پائے جاتے ہیں۔ بیوہارک جگت میں کوئی شے بھی ایک حال پر نہیں رہتی۔ جگت گتی شیل ہے اور سینما کی متحرک تصاویر کی مانند ہمارے حواس کی گولکوں میں لگاتار پیدا ہو کر مٹتا چلا جا رہا ہے عالم ظہورات میں سب کچھ ہی لمحاتی (کشنک) ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے اجسام بھی بہاؤ کی حالت میں ہیں اور ہمارا شعور بھی شعلہ کی مانند پل پل میں بدلتا جا رہا ہے، اس دنیا میں کوئی شے بھی ایک حال پر نہیں رہتی۔ یہاں تک کہ چٹانیں بھی نہایت تیزی کے ساتھ حرکت پذیر اور متغیر ہو رہی ہیں۔ اور تمام بیرونی اور اندرونی ظہورات مکان اور زمان میں وقوع پذیر ہو رہے ہیں ہر ایک شے، ہر ایک ظہور، ہر ایک خیال اور جذبہ، ہر ایک زندگی اور حرکت حادثات اور فانی ہے، سب کچھ گذران اور بہاؤ کی حالت میں ہے، سب رشتے اور تعلقات آخر ٹوٹ جائیں گے اور ہم سے

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

اور جب انسان عقلی روشنی میں اپنے ماحول اور اپنے وجود کا بغور مشاہدہ کرتا ہے۔ تو اس میں بے انداز کثرت، لگاتار تبدیلی، بے ثباتی، پیدائش و فنا اور دُکھ کلیش کو دیکھ کر اس سے بیزار ہو جاتا ہے۔ اسے یہ دُنیا سایوں کا کھیل معلوم ہونے لگتی ہے اور جینے کا رس سوکھنا شروع ہو جاتا ہے اور جب وہ اس بات پر غور کرتا ہے کہ جو شے اب نظر آ رہی ہے۔ وہ کبھی نہ تھی۔ اور پھر نہ رہے گی۔ تو وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ اس کی موجودیت بھی ایک دھوکہ ہی ہے، ورنہ وہ نیست سے ہست اور پھر ہست سے نیست نہ ہو سکتی۔ یہ صرف معلوم ہوتی ہے جیسے رسی میں سانپ۔ غور سے دیکھنے پر اس میں کوئی ستّا دکھائی نہیں دیتی۔ یہی حال اس کے اپنے وجود کا ہے۔ زندگی ایک بہاؤ ہے، جسم و ذہن پل پل میں پیدا ہونے اور مٹنے جا رہے ہیں۔ وہ حیران ہوتا ہے کہ وہ یہاں کیسے، کدھر سے اور کیوں نمودار ہو گیا اور اب اس خواب پریشاں سے چھٹکارا پانے کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے۔ اور اگر اس کے اندر تشوگن کی پردھانتا ہو۔ تو سنسار اور اپنی ہستی سے بیزار ہو کر زندگی کو بھنے ہوئے بیج کی مانند ختم کرنا چاہتا ہے۔

اور جب اسے ست سنگ دوارا پتہ لگتا ہے کہ پرمارتھ ستّا بھی ہے جو ست چت، آنند سروپ اپار اور اننت، نلیپ، شدھ بدھ، مکت شوروپ ہے۔ تو وہ سنسار (ولیوہارک ستّا) سے ویراگ کر کے اپنی ساری توجہ پرمارتھ پر لگانے لگتا ہے کیونکہ پرمارتھ میں انسانی دکھ، بھے، کلیش، وکار، مرتیو اور دویت نہیں پاتا۔ اس کی یہی کوشش ہوتی ہے۔ کہ اس کی توجہ حتے الامکان بیوہار سے ہٹ کر پرمارتھ میں لگ جائے، اور وہ اپنی ہستی اور دنیا کا دھوکا قطعی طور پر مٹ جائے۔ اسے ہی وہ نجات کا نام دیتا ہے اور نہیں جانتا کہ انسان یہاں زندگی سے نجات پانے کے لئے نہیں بلکہ زندگی کے اکھنڈ جھنڈے اور شکتیاؤں کو نجات

دینے (ظہور پذیر کرنے) کے لئے نمودار ہوا ہے۔

اگر ہم روح موسیقی نہ رکھتے ہوں۔ تو ہمیں اچھے سے اچھا گانا بھی ایک طرح کا ناقابل برداشت شور سا پرتیت ہوگا۔ اگر ہم کسی بولی کو نہ سمجھتے ہوں۔ تو اس بولی میں اعلےٰ سے اعلےٰ تقریر بھی بے معنی شور محسوس ہوگی، ہمیں نہ تو راگ کی اندرونی اور پائدار خوبصورتی کا احساس ہوگا اور نہ ہی لگاتار آنے جانے والے الفاظ میں پائدار معنی کا دیکھنا نصیب ہوگا۔ اور قدرتاً راگ اور تقریر کی طرف ہمارا نظریہ بیزاری کا ہی ہوگا۔ لیکن اگر ہم راگ کی روح اور تقریر کی سمجھ سے بہرہ ور ہوں تو ہم راگ اور تقریر سے بھاگنے کی بجائے اس کی طرف بصد شوق بھاگتے ہوئے اس میں بے انداز دلچسپی محسوس کریں گے۔

یہی حال بیوہار اور پرمارتھ کا ہے۔ یہ دو جداگانہ حقائق نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو ضروری پہلو ہیں۔ بیوہار کیا ہے؟ دراصل پرمارتھ کا گیت ہے، وشو جگت ہی برہم سنگیت ہے، جو اننت دیش میں لگاتار تجدید کے ساتھ گایا جا رہا ہے۔ یہ ایک نہایت پرمعنی ڈرامہ ہے۔ صرف حرکات کا تماشا نہیں۔ اور انسانی وجود بھی نہایت چھوٹا اور عارضی ہو کر بھی غیر محدود اور ابدی اہمیت رکھتا ہے۔ انسانی وجود مندروں کا مندر ہے، اور انسانی شعور روشنیوں کی روشنی ہے۔ یہ پنج کوش حقیقت پر پردے ہونے کی وجہ سے آتم پرکاش کے بے بہا آلات ہیں۔ حواس سورگ کے پانچ دروازے ہیں۔ عقلی چیر پھاڑ گو زندگی کو ختم کر دیتی ہے۔ لیکن جب ہم آتم درشٹی سے زندگی کو دیکھتے ہیں۔ تب یہ ایک نایاب برکت بے بہا تحفہ اور انتہائی مسرت کی شے محسوس ہوتی ہے۔

بیوہار میں پرمارتھ کو دیکھنا ہی پرم یوگ ہے، درشٹا ساکشی پرمارتھ ہے اور درشیہ بیوہارک ستّا ہے، درشٹا اور درشیہ، پرش اور پرکرتی، چیتن اور جڑ ایک دوسرے کے تعلق میں ہی ہستی اور معنی رکھتے ہیں، اور ایک دوسرے سے جدا ہو کر مہمل ہو جاتے ہیں۔ زندگی کی خوبصورتی اور خوشی بیوہار اور پرمارتھ، حرکت و سکون، کرم اور نشکرم، کثرت اور وحدت

تبدیلی اور یکسانیت، شکتی اور شانتی کے یکجا ہونے ہیں پورن ویدانت تعلیم دیتا ہے۔ وہ پرمارتھ پورن ہے۔ یہ دیوہار بھی ایورن ہے۔ پورن سے پورن کی پیدائش ہوتی ہے انہیں ایک دوسرے سے جدا کرنے اور ان میں سے ایک کو ست اور دوسرے کو است تسلیم کرنے کی کوشش روحانی خودکشی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ برہم ست ہے اور جگت ست کا پرکاش ہے وہم نہ اندر ہے اور نہ باہر۔ صرف جہالت اور ناسمجھی میں ہے۔ برہم اندر بھی ہے۔ اور باہر بھی ہے اور برہم گیان خودشناسی میں ہے۔ پورن ویدانت کہتا ہے صرف بیوہار میں شکتی اور شانتی نہیں اور صرف پرمارتھ میں شانتی تو ہے مگر شکتی نہیں زندگی کی پورنتا شکتی اور شانتی کے سنیوگ میں ہے ان کے ویوگ میں کبھی نہیں۔

مایا واد اور برہم واد

مایا واد کہتا ہے کہ جیو اور جگت دونوں ہی دھوکے ہیں، جو مایا ٹھگنی نے اپنے جادو سے رچ لئے ہیں۔ کیول برہم ہی موجود ہے، جو ستیہ، شدھ، بدھ، مکت شانت، اچل، اپار، اننت ہے اور وہ نربھید شونیہ ہے۔ وہ صرف ہے اور ساکشی ہے اس کا کسی سے یا اپنے اندر کوئی بھید نہیں ہے۔ اور نہ اس میں وکار اور پریورتن ہے۔ اس لئے جگت برہم سے نہیں ہو سکتا۔ برہم ست ہے اور جگت ناشمان، برہم نروکار اور جگت وکارشیل ہے۔ برہم ایک ادویت ہے اور جگت انیک روپ۔ اس لئے جگت کا برہم کے ساتھ کوئی سمبندھ ہو ہی نہیں سکتا بھلا روشنی اور اندھیرا کیسے یکجا ہو سکتے ہیں؟

مایا وادی جگت سے یا تو اداس رہتا ہے۔ یا اس سے ڈر کر بھاگنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے حواس اور ذہن کو دھوکے کی سمگری جانتا ہوا انہیں ساکن اور معطل کرنا چاہتا ہے۔ وہ مستی پر عاشق ہوتا ہے۔ تاکہ یہ پرانا اور ہمہ گیر دھوکہ بھول ہی جائے۔ اسے مجبوراً اپنے اعضا قوٰے، حواس و ذہن کا استعمال کرنا پڑتا ہے مگر اسے جینے میں ذرا دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ سد دھارم، بھنبھی اور ترقی کے الفاظ میں کوئی معنی دیکھ نہیں پاتا۔ اور جب وہ برہم کو جان کر اس میں قیام پذیر ہو رہتا ہے، تب گایا کرتا ہے کہ

پالیا جو تھا کہ پانا کام کیا باقی رہا
جانا تھا سو جانا کام کیا باقی رہا
کچھ نہیں مطلب کسی سے سو ہو تھی لیا
اب نہیں کا ہے کو جانا کام کیا باقی رہا

زندگی سے نجات ہی مایا واد کا ایک ماتر لکشیہ ہے کیونکہ اس کی نظر میں زندگی ایک طرح کی قید ہے

مگر پورن ویدانت کا برہم واد مایا واد کے ساتھ اس بارہ میں تو سہمت ہے کہ کیول ایک ادویت برہم ہی موجود ہے۔ دوسرا کچھ نہ تھا ہے اور نہ ہی کبھی ہوگا، مگر وہ جگت اور جیو کو برہم میں کلپت ہونے کی بجائے انہیں برہم کے پرکاش جانتا ہے، جگت ست چت۔ برہم کا پرکاش ہے۔ اسی لئے تو جگت میں غیر فانی زندگی، قوانین قدرت بے انداز حکمت اور ناقابلِ بیان حسن و جمال دیکھنے میں آتے ہیں۔ اور جیو برہم پرکاش کے مرکز ہیں۔ اگر کوئی وہم یا دھوکہ ہے تو وہ جہالت اور بے سمجھی میں ہے، واقعیت میں کہیں اور کبھی نہیں۔

دنیا میں کثرت اور رنگا رنگی کیوں ہے؟ اس لئے کہ برہم وبھوتی کسی ایک یا کئی روپوں میں سما نہیں سکتی۔ اس کے اظہار کے لئے گوناگوں روپ درکار ہوتے ہیں۔ یہ بوقلمونی فریب نظر نہیں ہے اور لگاتار تبدیلی اس لئے ہے کہ برہمانند کا ابدی گیت اپنی کسی ایک یا کئی سوزوں میں پورے طور سے ظاہر نہیں ہو سکتا۔ کثرت اور تغیر دنیا کو جھوٹ ثابت کرنے کی بجائے اس کے پس پشت غیر محدود زندگی، طاقت، خوشی اور خوبصورتی کی علامات ہیں۔ یہ کہنا کہ گانے میں صرف آواز ہی آواز ہے، تقریر میں صرف الفاظ ہی الفاظ ہیں، مشین کے پرزوں میں صرف لوہا ہی لوہا ہے پرلے درجہ کی نادانی ظاہر کرتا ہے، برہم وادیہ

تعلیم دیتا ہے کہ برہم سب کا اپنا آپ ہے۔ یہ جگت اس کا پرکاش ہے اور ہم اس پرکاش کو اور بھی اعلےٰ سے اعلیٰ تر صورتوں میں نمودار کرنے کے لئے وجود میں آتے ہیں۔ اگر دُنیا میں کہیں بدی نظر آتی ہے۔ تو وہ نیکی کے باغ کے لئے نہایت قیمتی کھاد ہو سکتی ہے بشرطیکہ اس کا صحیح استعمال کیا جائے۔ اگر دُنیا میں غلاظت اور بدصورتی موجود ہے تو وہ ہمارے حواس طہارت و حُسن کے لئے ایک چیلنج ہے کہ ہم انہیں مثبت اقدار میں بدل ڈالیں اگر رُکاوٹ اور مزاحمت ہے تو وہ ہماری طاقتوں کو جگانے کے لئے ہے اور اگر نفرت اور دُشمنی ہے۔ تو ہماری شرافت اور محبت کو چمکانے کے لئے ہے اور اگر دُنیا میں دُکھ ہے تو صرف ہمارے شعور کو جگانے اور گہرا کرنے کے لئے تاکہ ہم پرم آنند کا اُپ بھوگ کر پائیں۔

برہم واد تجربے کے کسی پہلو کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہُوا منفی نہیں کرتا۔ وہ ہر ایک شے اور ہر ایک طاقت کو زندگی میں اس کی مناسب جگہ دیتا ہے۔ کیونکہ برہم کُل۔ ایک۔ ادویت ہے۔ جو کچھ ہے۔ برہم ہی مفروض نہیں۔ برہم سے نمودار ہوا ہے جیسے بیج سے برکش، راگنی سے راگ اور اس لئے قابل قدر ہے اور چونکہ انسانی لباس میں گویا خود برہم ہی جاگ اُٹھا (خود آگاہ ہو گیا) ہے۔ اس لئے انسان کا کام صرف قدر دانی ہی نہیں بلکہ قدر آفرینی بھی ہے۔ صرف انسان ہی تو اقدار (سچائی، نیکی، خوبصورتی) کا علم رکھتا ہوا اس کی تخلیق کر سکتا ہے۔ اس لئے اس کی صحیح زندگی تخلیق میں ہے، نقل و تقلید میں نہیں۔

جگت اور جیو دونوں اپنی اصل حقیقت میں برہم ہی تو ہیں۔ برہم ہی جیو کے روپ میں درشٹا اور جگت کے روپ میں درشیہ ہو کر پرتیت ہوتا ہے، "برہم میں ہی سب کچھ ستھت ہے اور برہم سے ہی سارا وستار ہے۔" جیو برہم نہیں ہوتا۔ وہ اپنے سُوروپ میں سدا ہی برہم ہے، صرف وہم تعین (جیوپن) دُور ہو جاتا ہے۔ یہ پراپت کی پراپتی ہے جو کہ اودیا کی نیند میں اپراپتی کا رُوپ دھارن کئے ہوئے تھی۔

اپنشدوں اور گیتا میں برہم واد ہے مایا واد نہیں۔ برہم کی اپنی ہی قوت خالقہ کو مایا کا نام دیا جا سکتا ہے شیو لوگ اسے چِت شکتی کے نام سے پکارا کرتے ہیں۔ یہ شکتی برہم سے تا میں اس سے اَبھِن ہے۔ ورنہ اس اور شکتی کے درمیان باہمی خیالی تعلق کی توجیہ ناممکن ہوتی۔

حقیقت واقعہ میں جیتی ہے برہم آپ ہی جگت اور جیو کے رُوپ میں نِت نئے سے نئے روپوں میں نمودار ہو رہا ہے،

اگر مایا کو ست مانا جائے تو برہم کا ادویت کھنڈت ہو جائے گا۔ اگر اسے اَست کہا جائے تو مایا کے بدار تھ اپنا اثر نہ دکھیں گے۔ اور اگر اسے ست اور اَست کہا جائے۔ تب تناقض عائد ہوگا جو کہ باطل ہے،

اختلاف اور تغیر کا رازِ حیات

جس قدر بڑا اور خوش راگی ہوگا۔ اس کے راگ کی سُروں میں اسی قدر اختلاف اور تغیر بھی پائے جائیں گے۔ صرف اس لئے اس کا اندرونی سرور کسی ایک سُور میں پورا ظہور نہیں پاتا۔ کوئی ترنک جتنا ہی اپنے فن میں ماہر ہوگا۔ اسی قدر ہی اس کے ناچ میں حرکات کی گوناگونی اور تبدیلی دیکھنے میں آئے گی۔ کوئی مشین جس قدر اعلےٰ درجہ کی ہوگی۔ اس کے پرزوں میں اختلاف اور اس کے اعمال میں تغیر موجود ہوگا۔ کوئی زندہ جسم جس قدر بھی عمل ارتقا میں بلند پایہ ہوگا۔ اس کے اعضا و قوے میں اسی قدر ہی اس کے اعمال میں اختلاف اور تغیر دیکھ پڑیں گے۔

اختلاف اور تغیر موجب پریشانی ہوتے ہیں جب کہ وہ کوئی معنی مقصد نہ رکھتے ہوں جیسے پانی میں جھاگ، بلبلے

اور لہریں۔ یا شور کی آوازیں، لیکن اگر اختلاف اور تغیر کسی معنی یا مقصد یا خوبصورتی یا محبت کے ظہور کے وسائل ہوں۔ تو وہ خوشی کے نہایت قیمتی ذرائع بن جاتے ہیں۔

اگر کسی باغ میں صرف ایک قسم کے ہی پودے یا پھول ہوں۔ تو اس میں کیا خوبصورتی ہوگی؟ اگر راگ میں ایک طرح کی شوریں، رقص ایک قسم کی حرکات، تقریر میں صرف وہی کے وہی الفاظ اور جسم میں سارے انگ ایک ہی صورت یا عمل رکھتے ہوں۔ تو ان میں کوئی زندگی، خوبصورتی، خوشی اور معنی نہ پائے جائیں گے،

کسی کتاب میں ایک ہی سیاہی اور کاغذ پائے جاتے ہیں، مگر اس کی قیمت اور اہمیت اس کے مختلف الفاظ اور فقروں میں ہوا کرتی ہے اور ہو سکتا ہے، کہ دو تصویریں رنگوں میں ایک دوسری کے مشابہ ہوں، مگر اپنے نقوش کی وجہ سے ان کی قیمتوں میں زمین آسمان کا فرق پایا جائے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ جگت جو بے شمار چیزوں سے بھرپور اور جانداروں سے آباد ہے۔ اپنے اپنے بے انداز تکثر اور لا انتہا تغیر کے کوئی معنی بھی رکھتا ہے یا نہیں؟ اس کی حرکات، کوئی مقصد رکھتی ہیں یا اتفاقیہ اور اندھا دھند طریق پر ہو رہی ہیں؟ اگر ان سوالوں کا جواب نفی ہو۔ تو واقعی زندگی جینے کے لائق نہیں ہے۔ اس سے جس قدر جلدی چھٹکارا پایا جائے، بہتر ہے اور اس میں فقط ہونا ہی بڑے سے بڑا گناہ اور بھاری سے بھاری مصیبت ہے کیونکہ یہ ایک انسانی خصوصیت ہے۔ کہ معنوی لیول پر ہی انسان حقیقی خوشی حاصل کر سکتا ہے، صرف حسی یا جذباتی مرتبے پر کبھی نہیں۔ اور جب وہ زندگی یعنی ماحول کے ساتھ اپنے تعلق میں کوئی معنی نہیں دیکھ پاتا۔ تو اس کے اندر زندگی کے بے معنی ہونے کا احساس بڑھنے لگتا ہے،

لیکن ویدانت دکھلاتا ہے۔ کہ یہ کائنات حقیقت کا ابدی ظہور ہے نہایت ہی پر جمال و پر جلال، یہ کائنات زندہ اور ارتقا پذیر ہے اور مجسم طاقت، حکمت، محبت، حسن اور سرور ہونے کے باعث پر از اختلاف اور تغیر پذیر ہے اس میں اختلاف اور وحدت، تبدیلی اور یکسانیت ساتھ ساتھ موجود رہتے ہیں۔ یہ دنیا مختلف طاقتوں اور حادثات کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ وجود واحد حقیقت سے حقیقت کی طرف حرکت پذیر ہے۔ "جس سے سب جاندار پیدا ہو کر جس کے سہارے رہتے ہوئے جس کی طرف لوٹتے ہیں۔ وہی برہم ہے اس کی جگیاسا کرو۔ آنند سے ہی یہ سارے جاندار پیدا ہو کر آنند کے سہارے جیتے ہوئے آنند کی طرف ہی لوٹتے ہیں۔ آنند ہی پرہم ہے،"

اس لئے جو کچھ ہے اور ہو رہا ہے۔ پر معنی اور پر اسرار ہے، جینا خوشی اور دلچسپی کی نعمت ہے، قیمیا وبال نہیں ہے اگر ہم اپنے تجربے کے معنی نہ سمجھیں۔ تو یہ سب شور ہے۔ اور اگر اس کے معنی کا دیدار پا سکیں۔ تو یہ ایک وجد آور سنگیت ہے، سوندریہ اور آنند کا اچھالا ہے، معنی کی نظر نہ ہو۔ تو سب کچھ ہی فانی اور موجب انتشار ہے۔ لیکن چشم بصیرت کھل جائے۔ تو کائنات اور اس کی ہر ایک شے غیر فانی اور مسرت بخش ہے۔

ویدانت کوئی عقلی فلسفہ نہیں۔ بلکہ صحیح نظر ہے۔ جو اشیا کو ہو بہو دیکھتی ہے اور زندگی کو بے انتہا قیمت اور عظمت دیتی ہے، ہمارے اجسام، حواس، اذہان اور قوائے دیریتہ آپا دھیاں نہیں ہیں۔ اور اختلافات، تضادات اور تغیرات حقیقت کی تجلیات کے ظہور کی شرائط ہونے سے قابل فہم اور قابل قدر ہیں۔ اگر حقیقت محض ہستی ہی ہو۔ تب تو اختلافات اور تغیرات بے معنی دکھائی دیتے ہیں۔ پانی سے بلبلے اور لہریں اٹھیں یا اس میں سما جائیں۔ حقیقت سدا وہی کی وہی اور جیوں کی تیوں رہتی ہے، مگر یہ نظریہ روحانی نہیں بلکہ مادہ پرستانہ ہے،

زندگی صرف وحدت نہیں بلکہ اختلاف میں وحدت ہے یہ اختلاف زندگی کی گہرائی ظاہر کرتا ہے، جیسے کہ آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں کا ظاہری اختلاف ان کی معنوی اور عملی وحدت کا ثبوت ہے۔

(باقی پھر)

ایشوری ستّا یا کثرت میں وحدت

از قلم شری جگن ناتھ جی صفی برندابن ۔

وہی خود خالقِ کون و مکاں ہے ۔ وہی خود مالکِ ہر سہ جہاں ہے
یہ سارا جگت ہے اسکا پسارا ۔ وہی آدھار ہے سب کا سہارا
اُٹھا کر دیکھتے آنکھیں جدھر ہیں ۔ اُسی کو دیکھتے زیر و زبر ہیں
وہی آکاش میں ہے خود سمایا ۔ وہی وایو، وہی جل بن کے آیا
وہی اگنی ہے، مٹی خود بنا ہے ۔ وہی ظلمت، وہی نور و ضیا ہے
ستاروں میں ہے خود آکے چمکتا ۔ وہی چاند اور سورج میں دمکتا
ہے پرگتی جہاں کی اُسکے دم سے ۔ ہیں ہوتے کام سب اُس کے کرم سے
اُسی کے دم سے ہے رونق جہاں میں ۔ طراوت ہے اُسی کی گلستاں میں
وہ عاشق خود ہے رنگیں ادائیں ۔ ہے خود معشوق اور اُسکی نگاہیں
وہی ہے مبتلا، دلدار خود ہے ۔ اور عاشق کا بنا آزار خود ہے
وہی گل، عندلیبِ زار خود ہے ۔ وہ اخفا میں، اور اظہار خود ہے
وہی خوشبو ہو کر گل میں چھپا خود ۔ وہی ہے بحر و بر، ارض و سما خود
وہ ہے حسن و جوانی خود مروت ۔ وہی طاقت، وہی صحت و دولت
جلال اُس کا، اُسی کی شان و شوکت ۔ جمال اسکا، اُسی کا حسنِ صورت

وہی برکت وہ ثروت اور قدرت ۔ وہی عقلِ رسا ہے اور جدت
وہی ہے نازنینوں کی نزاکت ۔ ملاحت ہے وہ خود انکی صباحت
وہی حاکم ہے اور محکوم خود ہے ۔ وہی خادم ہے اور مخدوم خود ہے
وہی ناظر، نظر ہے خود نظارہ ۔ وہی مخفی، وہی ہے آشکارا
وہی عابد ہے اور معبود خود ہے ۔ وہی حامد ہے اور محمود خود ہے
وہ سجدے میں ہے اور مسجود خود ہے ۔ ہر اک جا بس وہی موجود خود ہے
وہی خود ذرے ذرے میں نہاں ہے ۔ وہی ہے خود مکیں اور لامکاں ہے
فراوانی اور کثرت ہے اُسیکی   یہ قلت اور وحدت ہے اُسیکی
ہے موجِ آب میں وہ خود ہویدا ۔ ہُوا کہسار میں ہے خود وہ پیدا
وہی میداں کی ہے پہنائیوں میں ۔ وہی بحر کی گہرائیوں میں
مگر ہے چشمِ بینا کی ضرورت ۔ کہ جس سے دیکھ پائیں ہم وہ صورت
وہ صورت جو نہاں بھی ہے عیاں بھی ۔ نشاں رکھتی ہے اور ہے بے نشاں بھی
عبادت کر رہے ہیں جسکی عابد ۔ ہے جسکی فکر میں ہر وقت زاہد
اُسی کے ڈھونڈتے پھرتے نشاں ہیں ۔ صفی انکو مگر پاتے کہاں ہیں

سگن اور نرگن برہم

از
مہاتما دولت رام جی
سپدیشیہ

سگن کے معنے ہیں گنوں کے سہت یعنی گنوں والا اور نرگن کے معنی ہیں گن رہیت یعنی گنوں سے پرے۔ اگر گنوں سے پرے ہونا بھی ایک گن مان لیا جائے۔ تو یقیناً وہ سگن کی کوٹی میں ہی آئے گا اس لئے نرگن یا تو کوئی وستو ہی نہیں ہوگا یا جو بھی گن اُس میں مانا جائے گا اُس گن سے علیحدہ ہونے سے نرگن سب گنوں سے نیارا ہی ہوگا۔ اور سگن اور نرگن دونو نسبتی یا सापेक्ष شبد ہیں اس لئے نرگن وستو ہی اگر کوئی نہیں تو سگن بھی تو کوئی مقابل کی وستو نہیں ٹھہر سکتی۔ کیونکہ لمبا شبد چھوٹے قد والے چھوٹا شبد بڑے اور کم شبد زیادہ، اونچا شبد نیچے اور اسی طرح ہر شبد اپنے مقابل کے سامنے ہی کھڑا ہو سکتا ہے اگر ایک ہی وستو میں دونو سگن اور نرگن الفاظ آئیں تو یقیناً ہم کو یہ وچار کرنا پڑے گا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ وہی وستو دو مختلف لکشنوں والی ہو۔ آؤ ذرا دھی کو ایکاگر کر کے وچار کریں۔

مثال کے طور پر ایک معمولی ٹمپریچر کے پانی کا برتن لیجیے۔ اُس میں دونو ہاتھ ڈال کر دیکھیے۔ نہ وہ سرد محسوس ہوگا اور نہ گرم اب اگر اُس پانی میں سے تھوڑا لے کر اُبال لیں اور کچھ حصے میں برف ڈال دیں۔ اور کچھ حصہ ویسے کا ویسا پڑا رہنے دیں اور اب ایک ہاتھ برف والے پانی میں ڈالیں اور دوسرا اُبلتے ہوئے پانی میں اور کچھ دیر بعد دونو ہاتھ نکال کر اصلی حالت والے پانی میں ڈال دیں تو آپ محسوس کریں گے کہ گرم پانی میں سے آیا ہوا ہاتھ اُس پانی کو ٹھنڈا اور ٹھنڈے پانی سے آیا ہوا ہاتھ اُسے ہی گرم محسوس کرنے لگیگا۔ اگرچہ وہ پانی بدستور ویسے کا ویسے ہی ہے اور بدلا نہیں مگر آپ کو اس سے بھی انکار نہیں کہ وہی پانی ٹھنڈا بھی ہے اور گرم بھی اور اصل میں وہ گرم اور سرد دونو سے نیارا بھی ہے۔

اسی طرح ایک ہی واحد ستا پر برہم پرماتما اودیا کی اُپادھی سے یعنی من ستوگن اور جوتمو سے دبے ہوئے ستوگن) کی اپادھی سے گرم اور تپتا ہوا دُکھی سکھی سمجھیے۔ برف کی اُپادھی سے یعنی ستو پردھان مایا کی اُپادھی سے سروگیہ سرب انترجامی سرب شکتی مان پرماتما سمجھیے۔ مگر یہ دونو کیفیر اپادھیوں کے کارن سے پرتیت ہو رہے ہیں اصل ذات پانی کی اب بھی پانی ہی ہونے کی طرح پر برہم پرماتما تو اپنے سروپ سے بدلا نہیں۔

اگر آپ گرم پانی کو تھوڑی دیر پڑا رہنے دیں اور اسی طرح سرد پانی کو پڑا رہنے دیں تو یقیناً اِن کی سردی اور گرمی دونو ہی مناسب وقت پر اپنے آپ دفع ہو کر اصل پانی ہی اپنی معمولی ٹمپریچر کا رہ جاوے گا۔ جس کو ہم نے گرم اور سرد دونو سروپ اور دونو سے علیحدہ بھی دیکھا۔ اسی طرح گیان وان کی درشٹی تو پانی کی اصل تمبندھ نہیں رکھتی اور اُس کے پانی ہونے کو نہ تو دور کر سکتی ہیں۔ اور نہ گھٹا بڑھا سکتی ہیں۔ اور دونو اُس میں مفروضی اور اودھیت ہیں۔ اسی طرح جیو اور ایشور اور ان کے دھرم اور اُن کا بھید اودھشٹھان برہم سروپ کی درشٹی سے بالکل علیحدہ کوئی ہستی نہیں رکھتے مگر باہم ایک دوسرے کے مقابل میں ضروری گرم اور سرد یعنی مختلف دھرم والے ہیں۔ اسی طرح جیو ایشور نہیں اور ایشور جیو نہیں۔ مگر گرم بھی پانی ہی ہے اور سرد بھی پانی ہی ہے۔ یوں ہی جیو اور ایشور کی اصل ذات برہم ہی ہے جو اُپادھی سے جیو اور ایشور کہلاتا ہوا بھی اصل ذات سے اس جیو ایشور بھاؤ سے رہت اصل نرگن کہلا سکتا ہے، نہیں تو سگن ہونا جیسے ایک گن ہے اسی طرح نرگن ہونا بھی ایک گن ہو جاوے گا اور یوں وہ نرگن ہی نہیں کہا جاوے گا بلکہ سگن ہی کہا جاوے گا۔ اور جب وہ بھی سگن

ذات پر مبنی ہے اور جانتا ہے کہ اُس میں آئی ہوئی اپادھیاں اس سے اصل

ہی نکلو تو نرگن کے مقابل میں ہی تو سگن شبد کلپت تھا اور نرگن ہوتا اگر گن ہو گیا تو نرگن ہی نہ رہا وہی سگن ہو گیا اس لئے یہ نشچے کرنا پڑتا ہے کہ جہاں تک من بانی کا تعلق ہے، اُس سے پرے وہ نرگن اسی سگن اور نرگن کہلانے والے دونو گنوں سے پرے ہے۔ صرف آپ کے سمجھانے کے لئے شاستر نے نرگن شبد کلپنا کیا ہے ورنہ وہ من بانی کا اوشیہ अविषय. ہی ہے،

جیسے پانچ کا انک چھوٹا ہونے پر بھی پانچ چیزوں کے معنی دیتا ہے۔ اور اگر دیوار پر بہت بڑا پانچ کا انک لکھ دیا جائے تو وہ بھی پانچ کی قیمت سے زیادہ نہیں ہوتا، مگر دیکھنے میں چھوٹا ہندسہ اور بڑا ہندسہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں بالکل الگ ہیں اور قیمت میں دونو برابر۔ اسی طرح یہاں جیو جو کہ محدود گنوں والا ہے اور ایشور جو کہ لامحدود گنوں والا ہے دونو کی اصل قیمت پانچ کی طرح یکساں ہے جو کہ نہ چھوٹے ہندسہ سے کم اور نہ بڑے سے بڑا ہو گیا ہے یا الگ الگ سیاہی میں لکھے جانے سے وہ قیمت کی درشٹی سے نیلا یا لال نہیں ہو گیا اسی طرح ہر جیو کا آتما اپنی اصل قیمت سے برہم سروپ ہے اُپادھی کی درشٹی سے چھوٹا بڑا بھی۔ مگر جیسے گھٹ اور گیا رہ دونو زمین روپ ہیں۔ گھٹا کاش اور مٹھا کاش دونو ہی آکاش روپ ہیں۔ بندو اور سندھو دونو جل روپ ہیں۔ اسی طرح سگن ایشور اور جیو دونو ہی اصل نرگن سروپ برہم ہی ہیں۔ اور وہی اصل نرگن سروپ اُپادھی کی درشٹی سے جیو اور ایشور بھی ہیں اور تھوڑا دھان پرکرتی سے وہی جگت بھی ہے،

جس طرح ہمارے سامنے مشرق لامحدود ہے اور دوسری طرف مغرب نامحدود ہے مگر وہی مشرق سامنے کھڑے ہوئے آدمی کے لئے مغرب ہے اور دوسرے مقابل میں کھڑے ہوئے آدمی کے لئے مغرب مشرق کہلا رہا ہے اسی طرح شمال اور جنوب بھی اصل میں نہ تو وہ دِشا مغرب ہے نہ مشرق نہ شمال اور نہ جنوب ابہار کی خاطر کلپنا کیا گیا ہے اور کسی کو ہم اصل میں مشرق مغرب آدی نام سے نہیں کہہ سکتے اس حالت میں وہ بے سمت بے نام بے روپ ہے اور ابہار کی کلپت درشٹی سے وہی سب نام کو لئے ہوئے ہے۔ ندی کی ایک طرف دوسرے کے لئے پار اور اپنے لئے وار کہلاتی ہے مگر ندی بھی کوئی وار یا پار نہیں ہو گئی۔ صرف سمجھانے کے لئے کہی گئی ہے اور جب ان دونو کلپناؤں کو چھوڑ کر اونکا پناؤں کے برہم سے انجن پر کاشک ساکشی چیتن میں برتی لین کر دی جائے وہاں جو وستو شیش رہ جاتی ہے اُسے نہ تو معلوم اور نہ ہی نامعلوم کہہ سکتے ہیں۔ نہ اُس میں سگن کی کلپنا ہو سکتی ہے اور نہ نرگن کی۔ اُس اوستھا والی ذاتی ہستی کو سمجھانے کے لئے نرگن نام سے پکارا گیا ہے ورنہ نرگن بھی ایک اپیشد نام اور نرگن نام والا کہلانے سے وہ گن والا ہی ٹھہرے گا۔ نیز جیسے اپنے چہرے کو دیکھنے کے لئے اپنی آنکھ کام نہیں کرتی مگر شیشے کو وسیلہ بنا کر وہی آنکھ اپنے چہرہ کو دیکھ بھی لیتی ہے اسی طرح اس نرگن سروپ برہم کا درشن برہماکار برتی سے لکشنا پورک ہو سکتا ہے جس کو یہ تمام سادھنوں سے سمپن گورو دوارہ مہاواکیہ کا شروَن کرنے اور منن ندھیاسن کرنے والا ہی پا سکتا ہے اور جس کا پھل یہاں جیون مکتی اور شریر چھوٹنے کے بعد ودیہہ مکتی ہے، اس تتو کو ہی کین اپنشد میں یوں کہا گیا ہے،

न तत्र चक्षुर्गच्छति न वाग्गच्छति नो मनो,
न विद्मो न विजानीमो यथैतदनुशिष्यादन्य
देव तद्विदितादथो अविदितादधि ।
इति शुश्रुम पूर्वेषां ये नस्तद्व्याचचक्षिरे ॥

केन: उ: १-३।

نہ وہاں آنکھ جاتی ہے نہ بانی اور نہ من نہ میرے جاننے میں آیا ہے اور نہ سے تجھے جتا سکتا ہوں۔ اسی لئے تجھ کو کسی طرح سامنے لا کر دکھلا نہیں سکتا اور کوئی سوائے اس کے کوئی صورت جتانے یا سمجھانے کی نہیں ہے کہ وہ معلوم اور نہ معلوم سے پرے ہے

پرارتھنا

از
کوی لوک ناتھ جی ترِل

ایسے جگدیشور کو نِت دن ہم اپنا ماتھ جھکاتے ہیں

جن کے سواگت کو نِت اوشا کرنوں کی مالا لاتی ہے
جن کے سواگت کو پرات سمے ہر کلی پھول بن جاتی ہے
جن کے پد پدم چومنے کو ہر ندی ترنگ میں آتی ہے
جن کے ملنے کو سندھیا بھی انمول سنگار لگاتی ہے
جن کے درشن کو رجنی بھی تاروں کے دیپ جگاتی ہے

ایسے جگدیشور کو نِت دن ہم اپنا ماتھ جھکاتے ہیں

جو سوریہ چندر میں رہتے ہیں تو تیجو مئے شیتل چھٹا بن کر
جو پشپ لتا میں رہتے ہیں رنگت اور باس سدا بن کر
جو کالے گھن میں رہتے ہیں سندر چنچل چپلا بن کر
جو ترلوکی میں رہتے ہیں ٹھنڈی اور گرم ہوا بن کر
جو نِت آکاش میں رہتے ہیں اِک شبد اناہد کا بن کر

ایسے جگدیشور کو نِت دن ہم اپنا ماتھ جھکاتے ہیں

جو دھرتی کے سنکیتوں سے تو سنسار ویوہار چلاتے ہیں
اُنھیں کی رچنا رچتے ہیں پرلے کا درش درشاتے ہیں
جیووں کا پالن کرتے ہیں سرشٹی کے نیم بناتے ہیں
سُر نر، جل چر، تھل چر، نبھ چر جن کی مہماں کو گاتے ہیں
رگ، یجر، اتھرو، سام جن کا جگدیشور نام بتاتے ہیں

ایسے جگدیشور کو نِت دن
ہم اپنا ماتھ جھکاتے ہیں

رمن مہارشی سے بات چیت

از لالہ جگن ناتھ جی کھنہ بی اے بی ٹی

تمہید: رمن مہارشی کا ظہور دکھنی بھارت میں ہوا اور وہیں انہوں نے اپنا ستر سالہ الوکک جیون وتیت کیا۔ شکتی کے شو انک "میں شولنگ کی کتھا اوم" کے پریمیوں کی نگاہ سے گذری ہوگی۔ اُس پہاڑی کا نام ارناچلم ہے، جس کا مطلب آگ کی پہاڑی ہے۔ آپ چودہ سال کی عمر میں تارک الدنیا ہو کر جب کہ وہ نویں جماعت کے ودیارتھی تھے، یہاں آگئے اور پھر اس کو چھوڑ کر آپ کہیں نہیں گئے۔ ان کی تمام سرگرمیوں کا مرکز وہ متبرک پہاڑی ہی تھی، جس کو پوران میں شِو روپ ہی مانا گیا ہے۔ اپنی تپسیا کے دوران میں آپ نے بہت ہی کشٹ اُٹھائے لیکن انہیں ان کا احساس ہی نہیں تھا۔ جیون مکت، اوستھا کا ہی آنند لیتے رہے۔ جب ان کے متعلق لوگوں کو حالات معلوم ہوئے تو دور نزدیک سے ان کے درشنوں کے لئے لوگ آنے لگے اور آہستہ آہستہ اسی ستھان پر ان کے نام پر رمناشرم قائم کیا گیا جہاں یاتریوں کے بھوجن اور ٹھہرنے کا پورا پورا انتظام کیا گیا۔ جوں جوں آپ کی شہرت پھیلتی گئی۔ توں توں درشن ابھلاشیوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی اور ان میں سے کئی ایک تو وہیں سادھو ہو کر رہنے لگ گئے۔ جن میں سے میجر اے ڈبلیو چیڈوک صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اب وہ "سادھو ارناچلم" کے نام سے مشہور ہیں، وہ مغربی سبھیتا کے ہوتے ہوئے بھی شری بھگوان رمن مہرشی کے زیر اثر بالکل تبدیل ہوگئے اور آشرم میں سب سے زیادہ تپسیا کرنے والے وہی صاحب سمجھے جاتے ہیں۔ "ٹاکس وِدھ شری رمن مہرشی" (یعنی رمن مہرشی سے بات چیت) نامی کتاب میں جو رمن آشرم نے شائع کی ہے سادھو ارناچلم جی کا لکھا ہوا دیباچہ قابل مطالعہ ہے۔ اس میں آپ نے مہرشی جی کے سمبندھ میں یہ لکھا ہے،

"۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۹ء تک کے چار سالوں میں آشرم پورے پورے عروج پر تھا، مہرشی جی کی صحت بھی بالکل ٹھیک تھی اور جس ہال کے سب میں وہ براجتے تھے وہ دن رات آنے والوں کے سواگت کے لئے کھلا رہتا تھا یعنی کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں تھی جیسا اکثر دوسرے ستھانوں اور سنستھاؤں میں دیکھا جاتا ہے، وہاں دنیا کے ہر کونے سے زائرین آتے تھے اور شاید ہی کوئی ایسا ملک ہوگا جس کی نمائندگی اس ست سنگ میں نہ ہوتی ہو، دوسری جنگ عالم غیر ملکی زائرین کے لئے کچھ رکاوٹ کا باعث ضرور ہوئی۔ لیکن ہندوستانی یاتریوں کی تعداد میں روز افزوں ترقی ہوتی رہی۔ ایسے موقعوں پر جو گفتگو ہوا کرتی تھی بالخصوص مغربی یعنی یورپین زائرین سے بہت دلچسپ ہوتی تھی۔ اہل یورپ کے مادیت اور لامذہبیت کی طرف موجودہ رجحانات کی کشتی مہرشی کی زبردست چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی تھی۔ وہ ان سے مقابلہ کی ٹکر کھا کر بالکل لاجواب ہو جاتے۔ مہرشی بھگوان (مراد رمن مہرشی جی) سورج کی طرح چمکتے تھے اور جو انکی باتوں کو سمجھنے کی اہلیت نہیں بھی رکھتے تھے یا ان کے الفاظ سے متفق نہیں ہوتے تھے ان پر بھی ان کی موہنی پڑ جاتی یا بالفاظ دیگر وہ ان کی نہایت بصیرت افروز گفتگو سے مسحور ہو جاتے اور ان کی حضوری میں روحانیت کی بلندیوں پر چڑھتے ہوئے محسوس کرتے۔ آپ انگریزی زبان بخوبی پڑھ لکھ سکتے تھے۔ لیکن اگر کوئی انگریز یا امریکن یا اور کسی دیش کا رہنے والا جو صرف انگریزی زبان میں ہی بات کر سکتا تھا تو

وینکٹا رامیہ کے ذریعے ہی ان سے بات چیت ہوتی تھی کیونکہ وہ دوبھاشیے یا ترجمان کا کام خوب کر سکتے تھے، مشکل یہ تھی کہ شری بھگوان رمن ایسے موقعوں پر انگریزی بہت کم بولتے تھے اور دکھنی زبان تیلگو یا تامل میں ہی بولا کرتے تھے اور ان کی روانی اتنی ہوتی تھی کہ وہ کسی نکتہ کی وضاحت کرتے وقت بولتے ہی چلے جاتے تھے اور کئی دفعہ انہیں رک جانے کے لئے پرارتھنا کی جاتی تھی۔ تاکہ سننے والے کو ان کے الفاظ کا صحیح طور پر مطلب بتایا جا سکے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ کام کتنا دقیق اور مشکل تھا اور اس کے لئے کوئی ایسا قابل آدمی ہی عہدہ برآ ہو سکتا تھا۔ جس نے اس آفتاب عظیم کے قدموں میں برسوں ہی گزار دیئے ہوں اور ان کے فلسفہ اور طرز بیان اور وضاحت سے کماحقہ واقف ہو۔ شری وینکٹا رامیہ، ان تمام قابلیتوں کا مالک تھا، اس لئے یہ کام ایسی قابل ترین ہستی کے سپرد کئے جانے سے کسی قسم کی غلطی یا تبدیلی کا احتمال نہیں ہو سکتا تھا۔ بھگوان سے بات چیت کا یہ سلسلہ تین جلدوں میں بزبان انگریزی شائع ہوا ہے اور شائع ہونے سے پہلے اس کی صحت اور درستی کے متعلق شری بھگوان کی اپنی خوشنودی کی مہر اس پر ثبت ہو چکی تھی، کیونکہ پریس میں بھیجنے سے پہلے ہر ملاقاتی کے سوالات اور بھگوان کی طرف سے ان کے جوابات وہ خود ملاحظہ فرمایا کرتے تھے۔ اور اب ان کے مطالعہ سے ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہم اسی پرانے ہال میں ان کے پوتر چرنوں میں بیٹھ کر ان کے مکھارہند سے نکلے ہوئے امرت روپی شبدوں کا پان کر رہے ہیں، یہ پڑھنے سے ہمیں ان کے ساکشات درشن ہو جاتے ہیں۔ کہ کس طرح بات کرتے وقت ان کا چہرہ مسکراہٹ سے کھل جاتا تھا اور کس طرح اپنے دست کملوں کو ہلا کر وہ کوئی دقیق نکتہ سننے والوں کے ذہن نشین کیا کرتے تھے،

شری بھگوان کی تعلیم کا لب لباب: بھگوان ہمیشہ اس ضروری اور واحد اہم سچائی پر زور دیا کرتے جس کے بغیر انسان نجات حاصل نہیں کر سکتا اور وہ یہ کہ سوائے آتما اور کچھ نہیں۔ بیاتمن کا گیان ہو جانے پر ہر ایک وستو کا گیان ہو جاتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ تم آتما ہو، اور سوائے اس کے اور کچھ نہیں، باقی ہر ایک چیز محض تمہارا تصور ہے۔ پس تمہیں اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کام کرتے ہوئے، آرام کرتے ہوئے یہ بات کبھی بھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ تم چیتن سروپ آتما ہو اور اس کے بغیر کچھ نہیں، اس ہستی کو پہچاننے کے لئے ضروری نہیں کہ تم سب کچھ تیاگ کر جنگل کو بھاگ جاؤ یا ایک کمرے میں بند ہو کر کوئی سادھن یا تپسیا شروع کر دو۔ تمہیں چاہیئے کہ اپنے سب ویوہارک کام کرتے رہو، ان سے جی مت چراؤ، صرف ان کرموں کے کرنے والے کرتا سے اپنے آپ کو بھن (علیحدہ) رکھو۔ کیونکہ آتما ساکشی ہے اور وہی تمہاری ذات ہے اس لئے یہ ورتی یا دھارنا پختہ کرنے کے لئے کسی وشیش سادھن کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے لئے کوئی خاص وستو پراپت کرنا بھی آوشیک نہیں ہے۔ اپنے آپ کو دھوکے میں مت رکھو۔ تم تو پہلے ہی آتما یا SELF ہو کوئی نئی چیز قابل حصول نہیں ہے۔ صرف تعلقات باطل سے آزاد ہونا ہی مقصود ہے اور محدودیت کو محض خیالی سمجھ کر ترک کرنے میں تاخیر نہیں۔ وہ حالت فطری حاصل ہو سکتی ہے، رشی مہرشی اس کے لئے جو سادھن بتاتے ہیں وہ صرف آتم نریکشن یا تحقیق خودی ہے، ہمیشہ انانیت یا خودی کے سروت یا ماخذ کو معلوم کرنے کی کوشش کرو، جو ظاہرا کرموں کا کرتا یا افعال گوناگوں کا فاعل معلوم ہوتا ہے اور جب یہ تحقیق تکمیل ہو جائے تو سب سے بڑی منزل طے ہو گئی اور مہرشی جی فرماتے ہیں کہ یہ منزل طے ہو جانے پر اہنکار یا خودی کہ میں موہن لال یہ کام کر رہا ہوں وغیرہ خود بخود ہٹ جائیگی اور آنند سروپ آتما کی ذات کے سوائے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ ذیل میں شری مہرشی جی کی چند ملاقاتیوں سے بات چیت کا خلاصہ دیا جاتا ہے، جس سے معلوم ہو جائیگا کہ آپ کتنے دقیق سوالوں کا جواب کتنے آسان طریقہ سے دیا کرتے تھے۔

Y.W. EVANS-WENTZ

ایک انگریز ریسرچ سکالر مسٹر وائی ڈبلیو ایوانز وینٹز

جنوری ۱۹۳۵ء کے آخر میں شری مہرشی سے ملاقات کے لئے آئے۔ وہ ہندوستانی طرز زندگی کے عادی ہو چکے تھے کیونکہ انہیں بہت دفعہ ہندوستان میں آکر ٹھہرنا پڑا تھا۔ آپ نے یوگ کے متعلق یہ دریافت کیا کہ آیا باگھمبر یا مرگ چرم حاصل کرنے کے لئے شیر اور ہرن کو مارنا جائز ہے، کیونکہ یوگی اس قسم کے آسنوں پہ بیٹھ کر ابھیاس کرتے ہیں۔

مہرشی جی۔ من شیر ہے یا ہرن؟

مسٹر ایوانس۔ اگر سب انتی ہی بھرانتی ہے تو پھر کسی کی جان لینے میں پاپ ہی کیا ہے۔

مہرشی جی۔ بھرانتی کس کے لئے ہے پہلے یہ معلوم کرو، درحقیقت ہر ایک شخص اپنی آتما کو مارنے والا یا آتما ہن ہے۔ اور زندگی کا کوئی ایسا لمحہ نہیں جس میں وہ اس گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا۔

مسٹر ایوانز۔ آسن (نشت) کونسا ٹھیک ہے۔

مہرشی جی۔ آسن کوئی بھی ہو۔ یعنی آپ کسی طرح سے بھی بیٹھ جائیں، عموماً سکھ آسن ٹھیک رہتا ہے لیکن گیان کے لئے کوئی خاص آسن یا طرز نشت ضروری نہیں۔

مسٹر ایوانز۔ کیا آسن سے انسان کی مزاج کا پتہ چل جاتا ہے

مہرشی جی۔ ہاں بے شک،

سوال۔ شیر کی کھال، مرگ چرم یا اون وغیرہ کی کیا خصوصیات ہیں یا ان میں کیا گن ہیں جو یوگی استعمال کرنا پسند کرتے ہیں۔

جواب۔ بعض یوگیوں کو ان کے متعلق کچھ معلوم ہوا ہے اور انہوں نے یوگ کے گرنتھوں میں ان کا ذکر کیا ہے ان کا تعلق مقناطیسی طاقت کو زائل نہ ہونے دینے سے ہے۔ لیکن گیان مارگ کا اس سے کچھ تعلق نہیں ہے، درحقیقت "آسن، یا طرز نشت" تو آتما "میں ستھتی سے تعلق رکھتی ہے یہ ایک بالکل (اندرونی) انترک وستو ہے اگرچہ بہت سے لوگ ان بیرونی آسنوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ لیکن جہاں تک گیان کا تعلق ہے ان کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

سوال۔ دھیان یا ابھیاس کے لئے کونسا وقت موزوں ترین ہے،

جواب:۔ وقت سے تمہاری کیا مراد ہے،

سوال۔ آپ ہی فرمائیں۔

جواب:۔ وقت محض ایک خیال ہے "حقیقت" ایک ہے جیسا تم خیال کرتے ہو ویسی ہی چیز تمہیں دکھائی دیتی ہے۔ اگر تم اس کا نام وقت رکھ لو۔ تو یہ وقت ہے اگر اسے ہستی محض کے نام سے پکارو تو وہ ہستی محض ہے وغیرہ وغیرہ اس کا نام 'وقت' رکھ لینے سے تم اسے دن رات، ہفتوں مہینوں، سالوں، گھنٹوں، منٹوں میں تقسیم کر دیتے ہو گیان مارگ میں 'وقت' کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا اگرچہ اس قسم کے کچھ قواعد اور ضوابط شروعات میں مبتدیوں کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔

سوال:۔ گیان مارگ سے کیا مراد ہے،

جواب۔ دل کی یکسوئی یا چت کا نرودھ گیان اور یوگ دونو کے لئے ضروری ہے، یوگ کا مقصد ایک ویکتی کو عالمگیر ہستی یا سیتہ سے ملا دینا ہے یہ رت وستو اب کوئی نئی نہیں ہے، یہ ہمیشہ ایک رس۔ ایک حالت میں قائم بالذات رہتی ہے اس لئے گیان مارگ یہ بتلانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ یوگ کیسے واقع ہوا۔ وہ یوگ صرف اس حقیقت اعلیٰ یا ذات حقیقی سے ہے،

سوال۔ کیا خود شناسی کے لئے کام (بیوہار) رکاوٹ پیدا کرتا ہے،

جواب:۔ بالکل نہیں، گیانی کے لئے تو اس کی آتما ہی ایک اصلیت ہے، جو کام وہ کرتا ہے وہ نمائشی ہوتے ہیں۔ اور آتما سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، جب وہ کوئی کرم یا فعل کرتا بھی ہے۔ تو وہ بطور ایک ایجنٹ یا کارندہ کے انہیں نہیں کرتا۔ محض ایک درشٹا یا ساکشی کے طور پر اور اس کا کسی کام سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔

سوال۔ ابھیاس کیا ہے۔

جواب:۔ "میں" کی دائمی تلاش اور جستجو یا جو در اصل خودی

اور اہنکار کا ماخذ ہے۔ "خالص ہیں پن"، ہی ایک حقیقت اور سچائی ہے، جو اصل میں سچدانند گھن کا ہی سروپ ہے جب ہم اسے بھول جاتے ہیں، تو سب مصیبتیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ جب اس خیال کو ہم مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں تو مصائب ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں اور ان کا ہمارے من پر کچھ بھی اثر نہیں ہو سکتا،

سوال:۔ کیا معرفت حقیقی یا خود شناسی کے لئے "برہمچریہ" ضروری نہیں ہے؟

جواب:۔ برہمچریہ کا مطلب برہم میں رہنا ہے، "برہمچاری" اس کا "تجرد" سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جیسا کہ عام طور پر لوگ خیال کرتے ہیں، اصلی برہمچاری یعنی وہ جو برہم میں رہتا ہے صرف برہم میں ہی آنند محسوس کرتا ہے جو دراصل اس کی اپنی آتما سے بھن نہیں ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر تم خوشی کے اور نروان کے ڈھونڈنے کے کیوں درپے ہوتے ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ اپنی آتما سے اپنے آپ کو الگ سمجھنا ہی تمام مصیبتوں کا باعث ہے۔

سوال۔ کیا کوئی شادی شدہ انسان بھی اس آتم گیان کو پراپت کر سکتا ہے،

جواب:۔ یقیناً یہ اس شخص کی قابلیت پر منحصر ہے شادی شدہ یا غیر شادی شدہ آتما کو پہچاننے کے کام میں کوئی رکاوٹ اس کے سامنے نہیں آ سکتی کیونکہ وہ تو ہمیشہ قائم بالذات ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا یعنی کبھی یا کسی خاص وقت تو ہم اس کھوج میں کامیاب ہو جاتے اور باقی اوقات میں نہیں تو یہ کام بالکل نرا شک یعنی فضول ہوتا کیونکہ جو چیز قدرتی سوبھاوک نہیں ہے وہ دائمی دائمی نہیں ہو سکتی۔ لیکن میں تو یہ کہتا ہوں کہ آتما اب بھی ہے جیسی کہ پہلے تھی۔

کیف و مستی

از شری سوامی نرمل جی مہاراج

ہر سمت چھا گئی ہیں ایجاں شکن گھٹائیں
اب چشم آرزو کو صورت وہ کیا دکھائیں
جن پر ہوں تنگ یک سر کونین کی فضائیں
نظریں ہوں سیر کیوں کر ایسی تجلیوں سے
غمزہ ہو یا جفا ہو، شوخی ہو یا حیا ہو
اے ہم نشیں! ابھی تک ہیں جنت تصور
چند چھپا گئی ہیں آنکھیں پردے کو دیکھتے ہی
ہوئی خطا تو کیوں کر محشر نہ لوٹ پڑتا
کچھ اور ہی ہوائیں جب اپنا دل ہے نرمل

اے روح کیف و مستی! اب آ کے میں پلائیں
لب تک کبھی نہ آئیں اس دل کی التجائیں
وہ بے پناہ جلوے کس آنکھ میں سمائیں
آنکھوں میں جو سمائیں لیکن نظر نہ آئیں
ہیں عشق ہی کے دم تک سب حسن کی ادائیں
وہ مے فروش نظریں، وہ کیف زا ادائیں
کیا جانے کیا ہو عالم جب سامنے وہ آئیں
جب بے گناہیوں پر ملتی رہیں سزائیں
کیوں کان بج رہے ہیں؟ وہ آئیں یا نہ آئیں

صہبائے ناب۔ سوا روپیہ
آب گنگ۔ سوا روپیہ

سوامی نرمل جی مہاراج۔ ویدانت نکتین امرتسر کی یہ پستکیں دفتر رسالہ "ادوم" دہلی سے حاصل کر کے اپنے جیون کو سپھل بنا دیں۔ (مینیجر)

ایش اُپنشد

از
لالہ کانشی رام جی چاولہ

"اُپنشد" لفظ دو لفظوں سے مِل کر بنا ہے، یعنی "اُپ" "انشد" اُپ کا ارتھ ہے پاس اور نشد کے معنی ہیں بیٹھنا یعنی اُپنشد وہ گیان ہے جو ہمیں بھگوان کے پاس بٹھانے کا مارگ دکھاتا ہے، اِس لئے اُپنشد ادھیاتم ودّیا یا برہم ودّیا کو کہتے ہیں۔ وید کا انتم بھاگ ہونے سے اسے ویدانت بھی کہا جاتا ہے اور ویدانت سمبندھی شرتی سنگرہ گرنتھوں کے لئے بھی اُپنشد شبد کا استعمال ہوتا ہے،

اُپنشد وید کا گیان کانڈ ہے۔ یہ گویا گیان کا روشن چراغ ہے جو ابتدائے کائنات سے جیووں کو تاریکی میں حقیقی بہبودی کا راستہ دکھا رہا ہے اور اسی طرح سے دکھاتا رہے گا۔ بھارت ورش کا یہ وہ بیش بہا خزانہ ہے کہ جس کے سامنے ساری دنیا سر جھکاتی ہے اور جس کو حاصل کرنے کے لئے سب کو آرزو رہتی ہے،

شاستروں میں انسان کے لئے چار چیزیں حاصل کرنے یوگیہ ہیں یعنی دھرم، ارتھ، کام، موکش۔ سب سے پہلے دھرم کی ضرورت ہے۔ یہ زندگی کی بنیاد ہے، جیسے کوئی مکان بنیاد کے بغیر کھڑا نہیں کیا جا سکتا اسی طرح انسانی زندگی کا محل دھرم روپی بنیاد کے بغیر تعمیر نہیں کیا جا سکتا۔ دھرم کے معنی ہی ہیں وہ چیز جو سہارا دے یا قائم رکھے۔ اِس لئے دھرم کو دھارن کر کے ارتھ اور کام حاصل کرنے چاہییں اور پھر انسانی کا آخری مقصد حیات موکش ہے۔ وید اِن چاروں پداارتھوں کے حصول کے سادھن اور وسائل بتاتے ہیں۔ لیکن آخری منزل موکش ہے اس موکش کو حاصل کرنے کی راہ وید کا یہ حصہ یعنی ویدانت یا اُپنشد بتایا ہے۔ اُپنشد گیان ہی اودّیا کو دور کرتا ہے اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔ اور موت کی طرف سے ہٹا کر امرت کی طرف لے جاتا ہے،

آغازِ کائنات سے ہی انسان پرم سُکھ اور شانتی کے حصول کے لئے کوشش کرتا رہا ہے۔ اسی خواہش کا نتیجہ ہی ہیں دھارمک جگت میں جدا جدا سدھانت اور مارگ۔ ابتدائی منزل میں ہر ایک مت میں کثرت دکھائی دیتی ہے لیکن لگاتار ابھیاس سے اور وسیع النظری سے جوں جوں انسان کے رغبت ونفرت انانیت اور اہنکار وغیرہ اگیان سے پیدا شدہ دوش دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور صداقت یا حقیقت کی جھلک دکھائی دینے لگتی ہے، توں توں بھید بھاد مٹتا جاتا ہے اور کثرت میں وحدت دکھائی دینے لگتی ہے، ہر ایک ذی روح اور غیر ذی روح چیز میں ایک ہی شکتی کام کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، اِس موضوع کو جس خوبی، وضاحت اور شرح کے ساتھ اُپنشدوں میں بیان کیا گیا۔ ہے ویسا اور کہیں نہیں ملتا۔

اُپنشدوں کے سدھانت اتنے اعلیٰ اور فلاح بخش ہیں کہ اِن کا اثر ہر ایک ملک کے وِدوانوں پر پڑا ہے، غیر ممالک میں دوسرے کسی دھرم گرنتھ کا اتنا احترام حاصل نہیں ہوا۔ جتنا اُپنشدوں کو اور اِن کے نچوڑ شریمد بھگوت گیتا کو ہوا ہے۔ بھارت ورش میں بہت سے سمپردائے ہیں۔ اِن کے جدا جدا دھرم سدھانت ہیں بلکہ دھرم گرنتھ بھی علیحدہ علیحدہ ہیں، لیکن اُپنشدوں کی عظمت سبھی سمپردائے تسلیم

کرتے ہیں۔ غیر ملکی وِدوانوں کو رُوحانیت کے میدان میں جن سوالات کا جواب اور مسائل کا حل دیگر دھرم گرنتھوں میں نہ مِل سکا وہ اِن کو اُپنشدوں کے اندر مِل گیا۔ مثلاً یہ کہ برہم یعنی ایشور کا سروپ کیا ہے۔ جیو آتما کس تتو سے بنا ہے، اس کائنات کی خلقت کس عنصر سے ہوئی ہے، جیو سورگ یا نرک میں کچھ عرصہ تک رہتا ہے، اس کے بعد کیا ہوتا ہے جسم میں آنے سے پہلے بھی روح موجود تھی یا نہیں۔ بعض لوگ پیدائش سے ہی سکھی اور بعض لوگ یوم ولادت سے ہی دکھی کیوں پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اور اسی قسم کے دیگر ایسے مسائل ہیں۔ جن کا مکمل اور تسلی بخش جواب اور حل اُپنشدوں میں ہی مل سکتا ہے،

اُپنشدوں کی تعداد بہت بڑی ہے، لیکن وہ سارے اس وقت ملتے نہیں، مختلف جگہ سے مختلف تعداد میں اُپنشد چھپے ہیں لیکن سب سے زیادہ تعداد کا سنگرہ گجراتی پرنٹنگ پریس بمبئی نے چھاپا ہے۔ اس میں ۲۲۳ اُپنشد بتلائے گئے ہیں۔ لیکن ایک دو دوبارہ لکھے گئے ہیں۔ ایک دو کا نفس مضمون نہیں ملتا۔ اس طرح اس وقت ۲۲۰ اُپنشد ملتے ہیں، سب سے پہلا اُپنشد "ایشاواسیہ اُپنشد" ہے، یہ اُپنشد یجروید کا چالیسواں ادھیائے ہے، یہ اُپنشد باقی سب اُپنشدوں کی لعنت یا کنجی یا خلاصہ کہا جا سکتا ہے اس لئے ناظرین ادم کے پاٹھکوں کے لئے اِسی اُپنشد کا با تشریح ترجمہ پیش کیا جاتا ہے، جو سجن اس کا پاٹھ دھیان اور وچار کے ساتھ بار بار کریں گے اِن کو آتم تتو گیان کا اور پرم آنند کے رس کا ضرور انوبھو ہوگا۔

تتھی

ایشاواسیہ اُپنشد

ॐ पूर्ण मदः पूर्ण मिद पूर्णात्पूर्ण मुदच्यते ।
पूर्णस्य पूर्ण मादाय पूर्ण मेवा वशिष्यते ॥
ॐ शान्तिः शान्तिः

ارتھ:۔ وہ سچدانند سروپ پربرہم سب پرکار سے پورن ہے، یہ سنسار بھی پورن ہی ہے، اس پورن پربرہم سے ہی یہ پورن جگت پیدا ہوا ہے۔ اُس پورن میں سے ۔ اس پورن کو نکال لینے پر بھی وہ پورن ہی بچ رہتا ہے۔

تشریح:۔ پربرہم پرمیشور کی ذات مکمل ہے، اس میں کوئی کمی یا خامی نہیں ہے ۔ اس کی لیلا سے جو یہ کائنات ظہور میں آتی ہے اس کے اندر بھی وہی ذاتِ احد سمائی ہوئی ہے۔ یا اگر یہ معنی لئے جائیں کہ یہ کائنات بھی بجائے خود مکمل ہے۔ تو بھی درست ہے کیونکہ۔

۱۔ جو چیز مکمل ذات سے آئی ہے، اس میں بھی کوئی کمی یا خامی نہیں ہو سکتی۔ جب ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلایا جائے۔ تو دوسرا چراغ بھی ویسا ہی روشن ہوتا ہے،

۲۔ جب اس کائنات کے نظام پر ہم نگاہ ڈالتے ہیں۔ سورج، چاند۔ زمین اور دیگر سیاروں کی گردش کو سامنے لاتے ہیں، پھول، پھل، پودوں اور درختوں کے اپنے وقت پر اور ایک خاص طریقے سے اگنے، پھیلنے اور پھولنے اور بڑھنے پر نظر جاتی ہے، پھر چھوٹے سے غلیظ قطرے سے خوبصورت سے خوبصورت ہستیوں کی پیدائش کو پیش نگاہ لاتے ہیں۔ غرضیکہ جدھر بھی آنکھ اٹھتی ہے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص نظام کام کر رہا ہے، جس میں کسی قسم کی خامی یا نقص نہیں ہے تو کہنا پڑتا ہے کہ یہ کائنات بھی از خود مکمل ہی ہے،

۳۔ اس دُنیا کے اندر آ کر ہم منش کا جنم پا کر پورن بھگوان سے واصل ہو سکتے ہیں۔ کوئی ناکارہ، نکمی یا کمزور چیز پورن بھگوان تک پہنچانے کا ذریعہ نہیں بن سکتی، ہمارا جسم جو ہماری آتما کو پرماتما سے ملانے کا سادھن بنتا ہے وہ بھی اس کائنات کا حصہ ہے اس لئے یہ دُنیا پورن پربھو تک لے جانے کے قابل ہونے کے باعث خود بھی مکمل یا پورن ہے،

۴۔ جس دُنیا میں اس مکمل ذات کا پرتو اور جلوہ ہو اسے ہم نامکمل کیسے کہہ سکتے ہیں۔ بصیرت رکھنے والوں کو اس کا جلوہ کائنات کے ذرّے ذرّے میں دکھائی دیتا ہے،

جلوۂ یار تو ہر شے میں موجود ہے رِند
آپ اندھا ہے تو تیری آنکھوں میں نور نہیں ہے
وہ تو دکھلاتا ہے ہر رنگ میں تجھ کو جلوہ
خواہ تو دیکھ اسے خواہ تو غفلت سے نہ دیکھ

اس لئے وہ ذاتِ باری خود مکمل ہے اور اس سے جس کائنات کا ظہور ہوتا ہے وہ بھی مکمل ہے، اسی مکمل صفتِ اعلیٰ سے ہی یہ دُنیا وجود میں آتی ہے۔ دُنیا کی ہر ایک شے اسی کی ایک کرن ہے ؎

وہی نور ہے سب طرف جلوہ گر۔ اسی کے یہ ذرّے ہیں شمس و قمر (حسن)

وہی ذاتِ نوری ہر ایک جگہ جلوہ گر ہے۔ کسی ایک خاص مقام پر یا کسی خاص ایک شے کے اندر اس کی ستّا کو دیکھنا تو اس ذات کو محیط، محدود اور نامکمل بتلانا ہے۔ اس بارہ میں اکبر نے کیا اچھا کہا ہے ؎

اسے برہمن! کھو نگا ہر پتھر کو باقی۔ موقوف نہیں ہے گنگا و نربدا پر

اس منتر کے آخری حصّہ میں کہا ہے کہ اس ذات مکمل سے یہ مکمل کائنات رونما ہونے پر بھی وہ ذاتِ مبارک مکمل ہی رہ جاتی ہے۔ اس کائنات کے باہر آجانے پر یعنی اس سے پیدا ہو جانے پر بھی اس ذات کی پورنتا میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے نہ کمزوری، وہ ویسی کی ویسی ہی مکمل رہ جاتی ہے۔ اس ذات میں کمی ہو بھی کیسے۔ وہ تو پہلے ہی پری پورن ہے۔ جو بھی چیز کسی نئی شکل میں اس کی ستّا سے ظاہر ہوگی۔ وہ اس کے دائرہ حکومت سے باہر نہیں جا سکتی۔ پھر اس ذات میں کمی ہونے کا سوال ہی نہیں اُٹھتا کیونکہ کمی تو تب ہو جب کوئی چیز کسی دوسری چیز سے نکل کر اس پہلی چیز سے دور چلی جائے۔ یہاں تو دور نزدیک نیچے اوپر دائیں بائیں وہی ذات سما رہی ہے بلکہ اور کوئی ایسی جگہ ہی نہیں جہاں کوئی چیز اس سے نکل کر جا سکے۔ اس لئے اس کی پورنتا میں فرق آنے کا کوئی سوال ہی نہیں اُٹھتا۔

یہ منتر اس اُپنشد کا شانتی منتر کہلاتا ہے ہر اُپنشد کے آغاز میں اور انجام میں ایک شانتی منتر آتا ہے۔ جس سے پتہ لگتا ہے کہ وہ اُپنشد کون سے وید سے تعلق رکھتی ہے، یہ منتر یجروید سے تعلق رکھنے والی اُپنشدوں کے شروع اور آخیر میں آتا ہے

ईशावास्य मिदं सर्वं यत्किञ्च जगत्यां जगत् ।
तेन त्यक्तेन भुञ्जीथा मा गृधः कस्य स्विद्धनम् ॥
१ ॥

ارتھ:۔ اس سارے برہمانڈ میں جو کچھ بھی جڑ چیتن روپ جگت ہے، یہ سب ایشور سے ویاپت یعنی گھرا ہوا ہے۔ اس ایشور کو ساتھ رکھتے ہوئے تیاگ پورو اسے بھوگتے رہو۔ اس میں پھنسو نہیں کیونکہ یہ سارے بھوگنے لائق پدارتھ کس کے ہیں؟ یعنی کسی کے بھی نہیں ہیں۔

تشریح۔ یہ منتر ایش اُپنشد کا پہلا منتر ہے۔ اور اگر یہ کہہ دیا جائے کہ اس کے اندر انسانی زندگی کا مکمل ضابطہ بند کرکے رکھ دیا گیا ہے۔ تو ایسا کہنا کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ اس کے پہلے حصّہ میں کہا گیا ہے کہ اس دُنیا میں جو کچھ بھی دکھائی دیتا ہے۔ یا بلکہ جو کچھ دکھائی نہیں دیتا یعنی جو اشیا اتنی لطیف ہیں کہ ان کو یہ مادی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ اس سب کچھ میں وہ ذاتِ احد سمائی ہوئی ہے یعنی اسی ذاتِ اعلیٰ کا ہر شے پر اختیار ہے۔ اور وہی ذات ہر لطیف و کثیف، خورد و کلاں شے کی مالک ہے۔ کوئی بھی شے اس کی مملکت اس کی ملکیت اور اختیار سے باہر نہیں ہے۔ اس لئے اس حقیقت کو کبھی اپنے دل و دماغ سے نہ نکلنے دو۔ اور ایسا سمجھ کر جو کچھ زر و مال، گھر بار زن و پسر ہمارے پاس ہے اس کا اصل مالک وہ پرمیشور ہے اس سچائی کو پوری طرح اپنے پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان اشیا کو اپنے استعمال میں لاؤ یعنی ان میں میرا پن نہ آنے دو۔ کیونکہ اگر میرا پن آگیا تو ان کے موہ میں پھنس کر اپنے مقصدِ حیات سے دور جا پڑو گے۔ پر بھو بھگت کو ہر ایک شے کا اصل مالک جان کر سدا یہ کہو ؎

کرتے ہیں۔ غیر ملکی وِدّوانوں کو رُوحانیت کے میدان میں جن سوالات کا جواب اور مسائل کا حل دیگر دھرم گرنتھوں میں نہ مِل سکا وہ اِن کو اُپنشدوں کے اندر مِل گیا۔ مثلاً یہ کہ برہم یعنی ایشور کا سروپ کیا ہے۔ جیو آتما کِس تتو سے بنا ہے، اِس کائنات کی خلقت کِس عنصر سے ہوئی ہے، جیو سورگ یا نرک میں کچھ عرصہ تک رہتا ہے، اِس کے بعد کیا ہوتا ہے جسم میں آنے سے پہلے بھی روح موجود تھی یا نہیں۔ بعض لوگ پیدائش سے ہی سکھی اور بعض لوگ یوم ولادت سے ہی دکھی کیوں پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اور اِسی قِسم کے دیگر ایسے مسائل ہیں۔ جِن کا مکمل اور تسلی بخش جواب اور حل اُپنشدوں میں ہی مِل سکتا ہے،

اُپنشدوں کی تعداد بہت بڑی ہے۔ لیکن وہ سارے اِس وقت مِلتے نہیں، مختلف جگہ سے مختلف تعداد میں اُپنشد چھپے ہیں لیکن سب سے زیادہ تعداد کا سنگرہ گجراتی پرنٹنگ پریس بمبئی نے چھاپا ہے۔ اِس میں ۲۲۳ اُپنشد بتلائے گئے ہیں۔ لیکن ایک دو دوبارہ لِکھے گئے ہیں۔ ایک دو کا نفس مضمون نہیں مِلتا۔ اِس طرح اِس وقت ۲۲۰ اُپنشد مِلتے ہیں۔ سب سے پہلا اُپنشد "ایشاواسیہ اُپنشد" ہے، یہ اُپنشد یجروید کا چالیسواں ادھیائے ہے، یہ اُپنشد باقی سب اُپنشدوں کی لغت یا کنجی یا خلاصہ کہا جا سکتا ہے اِس لئے ناظرین ادم کے پاٹھکوں کے لئے اِسی اُپنشد کا با تشریح ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ جو سجن اِس کا پاٹھ دھیان اور وچار کے ساتھ بار بار کریں گے اِن کو آتم تتو گیان کا اور پرم آنند کے رہسیہ کا ضرور انوبھو ہوگا۔

اوم

ایشاواسیہ اُپنشد

ॐ पूर्णमदः पूर्णमिदं पूर्णात्पूर्णमुदच्यते ।
पूर्णस्य पूर्णमादाय पूर्णमेवावशिष्यते ॥
ॐ शान्तिः शान्तिः ।

ارتھ:۔ وہ سچدانند سروپ پربرہم سب پرکار سے پورن ہے، یہ سنسار بھی پورن ہی ہے، اِس پورن پربرہم سے ہی یہ پورن جگت پیدا ہوا ہے۔ اُس پورن میں سے . . . اِس پورن کو نکال لینے پر بھی وہ پورن ہی بچ رہتا ہے۔

تشریح:۔ پربرہم پرمیشور کی ذات مکمل ہے۔ اِس میں کوئی کمی یا خامی نہیں ہے . . . اِس کی لیلا سے جو یہ کائنات ظہور میں آتی ہے اِس کے اندر بھی وہی ذاتِ احد سمائی ہوئی ہے۔ یا اگر یہ معنی لئے جائیں کہ یہ کائنات بھی بجائے خود مکمل ہے۔ تو بھی درست ہے کیونکہ۔

۱۔ جو چیز مکمل ذات سے آئی ہے، اِس میں بھی کوئی کمی یا خامی نہیں ہو سکتی۔ جب ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلایا جائے۔ تو دوسرا چراغ بھی ویسا ہی روشن ہوتا ہے،

۲۔ جب اِس کائنات کے نظام پر ہم نگاہ ڈالتے ہیں۔ سورج، چاند۔ زمین اور دیگر سیاروں کی گردش کو سامنے لاتے ہیں، پھول، پھل، پودوں اور درختوں کے اپنے وقت پر اور ایک خاص طریقے سے اُگنے، سینچنے اور پھولنے اور بڑھنے پر نظر جاتی ہے، پھر چھوٹے سے غلیظ قطرے سے خوبصورت سے خوبصورت ہستیوں کی پیدائش کو پیش نگاہ لاتے ہیں۔ غرضیکہ جدھر بھی آنکھ اُٹھتی ہے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص نظام کام کر رہا ہے، جس میں کِسی قِسم کی خامی یا نقص نہیں ہے تو کہنا پڑتا ہے کہ یہ کائنات بھی از خود مکمل ہی ہے،

۳۔ اِس دُنیا کے اندر آ کر ہم منش کا جنم پا کر پورن بھگوان سے واصل ہو سکتے ہیں۔ کوئی ناکارہ، نکمی یا کمزور چیز پورن بھگوان تک پہنچانے کا ذریعہ نہیں بن سکتی، ہمارا جسم جو ہماری آتما کو پرماتما سے مِلانے کا سادھن بنتا ہے وہ بھی اِس کائنات کا حصہ ہے اِس لئے یہ دُنیا پورن پربھو تک لے جانے کے قابل ہونے کے باعث خود بھی مکمل یا پورن ہے،

اور سکھ سے اپنا وقت نکال لوں۔ اور زیادہ دیر جینے کی بھی کیا ضرورت ہے جب اپنی کوئی چیز بھی نہیں بنتی۔

چونکہ اس قسم کے خیالات کا پیدا ہونا انسان کی ترقی کے لئے سخت مضر ہے اس لئے شرتی متنبہ کرتی ہے کہ انسان! کبھی خام خیالی میں نہ پڑ جانا۔ کبھی بھرم یا بھول میں نہ آ جانا۔ دنیا میں آ کر تیرا ایک مقدم اور واضح فرض ہے جس میں دو باتیں خاص طور پر پیش نگاہ رکھنے والی ہیں۔ ان دونوں کو پورا کرنے میں ہی تیرا کلیان ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تو نے نکما نہیں بننا۔ سستی اور کاہلی سے رشتہ نہیں جوڑنا بلکہ تو نے کرم کرتے رہنا۔ زندگی کا دوسرا نام ہی حرکت ہے ٹھہر جانے کا نام موت ہے، اسی لئے کہا ہے ؎

جنبش سے ہے زندگانی جہاں کی۔ یہ رسم قدیم ہے یہاں کی
اس راہ میں قیام بے محل ہے۔ پوشیدہ قرار میں اجل ہے
چلنے والے نکل گئے ہیں۔ جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں

سوال ہو سکتا ہے کہ کرم کرنے اور سو سال جینے کا باہمی کیا تعلق ہے کہ ان دونوں باتوں کا ذکر کیا آیا ہے اور دوسرا سوال یہ ہو سکتا ہے کہ سو سال تک جینا کیوں کہا گیا ہے اس سے کم یا بیش کیوں نہیں۔ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ زیادہ عمر وہی آدمی پا سکتا ہے جو کام کرتا رہے گا۔ اپنے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا کو حرکت دیتا رہے گا۔ ورنہ نکما رہنے سے سب اعضا ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے، خون میں زہریلا مادہ پیدا ہو جاتا ہے، جسم میں موٹاپا پیدا ہو کر مادہ فاسد بڑھ جاتا ہے۔ اور ان سارے اسباب سے عمر کم ہو جاتی ہے

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ انسان کی طبعی عمر سو سال بیان کی گئی ہے۔ ہر ایک جاندار کی طبعی عمر مختلف ہے۔ اس کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ جس عمر میں جو جاندار جوان ہوتا ہے اس سے چوگنی اس کی طبعی عمر ہوتی ہے انسان چونکہ پچیس سال کی عمر میں پورا جوان ہوتا ہے اس لئے اس کی طبعی عمر سو سال ہی کہی گئی ہے، آج کل ہماری اوسط عمر اسی لئے کم ہو گئی ہے کہ ہم ایک تو آرام طلب ہو گئے ہیں اور دوسرے دیگر قوانین صحت سے غافل رہتے ہیں۔ جن لوگوں نے لمبی عمریں پائی ہیں ان کی زندگی کا مطالعہ کر کے اور طبی اصولوں کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے طویل العمری کے لئے یہ اصول وضع کئے گئے ہیں۔

۱۔ ہمیشہ اپنے آپ کو مشغول رکھو، لیکن کام ایسے کرو جو بہتری اور بھلائی کے ہوں۔

۲۔ بہت زیادہ بھی جسمانی یا دماغی محنت نہ کرو بلکہ جسم کو مناسب آرام بھی دو،

۳۔ کوئی نہ کوئی تعطیل کا دن مناؤ۔ اور اس میں ہنسی خوشی اور کھیل کود کے مشاغل سے کام لو،

۴۔ چھ گھنٹے سے کم اور آٹھ گھنٹے سے زیادہ نیند نہ لو،

۵۔ روزانہ صبح ورزش اور کھلے میدانوں میں سیر کرو،

۶۔ زیادہ خوری سے پرہیز کرو، غلط غذائیں اور بے میل غذائیں نہ کھاؤ۔ بہت کم بھی نہ کھاؤ۔

۷۔ تمام قسم کی نشیلی چیزوں سے گریز کرو، حتےٰ کہ چائے سگرٹ وغیرہ کی بھی عادت نہ بناؤ۔

۸۔ جسم کو اور لباس کو ہمیشہ صاف رکھو، روزانہ تازہ پانی سے غسل کرو۔

۹۔ قبض نہ رہنے دو۔ اگر قبض ہو جائے تو اسے تبدیلی خوراک سے دور کرو،

۱۰۔ خیالات نیک رکھو۔ خوف، رنج، فکر اور غصہ سے دور رہو۔ یہ سب صحت کے دشمن ہیں۔

۱۱۔ سب سے محبت کرو، نفرت کا جذبہ نزدیک نہ آنے دو، سب کا بھلا چاہو۔

۱۲۔ ہمیشہ خوش و خرم رہو،

اس منتر کے پچھلے حصے میں کہا گیا ہے کہ اگر انسان کرم کرتا ہوا سو سال تک زندہ رہے گا تو یہ اس کا آدرش جیون ہوگا۔ اور چونکہ سو سال کی عمر پانے والا انسان لازمی طور پر نیک اعمال کریگا بلکہ نشکام کرم کرے گا۔ اس لئے وہ کرم اس کو جنجال میں نہیں ڈال سکتے۔ نہ ہی دکھ کا باعث بنیں گے

असूर्या नाम ते लोका अन्धेन तमसाऽऽवृताः ।
तांस्ते प्रेत्याभिगच्छन्ति ये के चात्महनो जनाः ॥
३ ॥

ارتھ:۔ ذلیل اور مصیبت وہ جو بے شمار قسم کی یونیاں اور نرک وغیرہ طبقات ہیں۔ اور جو سبھی دُکھ اور کلیش کے اندھیرے سے بھرپور ہیں۔ ان لوکوں میں وہی لوگ مر کر جاتے ہیں جو اپنی آتما کی ہتیا کرنے والے ہیں۔

تشریح:۔ پچھلے منتر میں انسان کا آدرش جیون بتایا گیا ہے اور اس کے لئے دو باتیں لازمی ٹھہرائی گئی ہیں یعنی ایک تو یہ کہ وہ کرم کرتا رہے، نکما، کاہل یا سُست نہ بنے اور دوسرے وہ سو سال تک جئے۔ اس منتر میں بتایا گیا ہے کہ جو ایسا نہیں کرے گا یعنی کاہل الوجود بن کر نکمی زندگی بسر کرے گا وہ اپنے لئے دکھ اور مصیبتیں کھڑی کرے گا۔ اس کے دونوں جہاں بُرے عذاب ہوں گے۔ اس جہاں میں تو وہ مختلف قسم کے عوارض میں مبتلا ہوگا۔ اور دائم المریض رہے گا۔ سدا بیمار رہنے والے انسان کی زندگی موت سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ اسی لئے نظیر نے کہا ہے۔ ؎

گر دولتوں سے اس کا بھرا ہے تمام گھر ، بیمار ہے تو خاک سے بدتر ہے سب وہ زر
بیمار گرچہ لاکھ طرح سے ہو بادشاہ ۔ تو اس کو جانئے کہ گدا سے بھی ہے تباہ
صحت ہو جس کو ایک کباب اور دو آب ۔ یہ نہیں تو زندگی پھر خیال و خواب ہے

عاقبت یا اگلی دنیا کے متعلق یہ منتر کہتا ہے کہ جن لوگوں کا جیون پچھلے منتر میں بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق نہ ہوگا۔ وہ مرنے کے بعد ذلیل طبقات میں اور گندی یونیوں میں جائیں گے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کے مقصد کو نہ سمجھ کر اپنے فرائض منصبی سے کوتاہی کی ہے۔

ایسے لوگوں کو آتم ہتیارا کہا گیا ہے یعنی وہ اپنا ناش کر لیتے ہیں اپنی تباہی کا باعث خود بنتے ہیں۔ اور یہ بات ہے بھی درست۔ اس آدمی سے بڑھ کر اپنی تباہی کون کر سکتا ہے جو اس دنیا میں دکھ بھوگے اور اپنی عاقبت بھی خراب کرلے۔ کرم کرنے کی اہمیت واقعی بہت بڑی ہے

اقبال نے ایک جگہ پر کیا اچھا کہا ہے:۔

صوفی کی طریقت میں فقط مستیٔ احوال ۔ مُلّا کی شریعت میں فقط مستیٔ گفتار
شاعر کی نوا مردہ و افسردہ و بے ذوق ۔ افکار میں سرمست نہ خوابیدہ نہ بیدار
وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو ۔ ہو جس کی رگوں میں تو فقط مستیٔ کردار

ان اشعار میں کرم کی اہمیت کو کتنی خوبی سے واضح کیا گیا ہے۔ شاعر کے خیال میں صوفی، مُلّا اور شاعر سبھی کمتر قسم کی ہستیاں ہیں لیکن اگر کوئی قابلِ قدر ہستی ہے تو وہ اس مرد کی ہے جس کی رگ رگ میں عمل کا جذبہ بھرا ہوا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ مستیاں کئی قسم کی ہیں۔ زر و مال کی بھی مستی ہے، حکومت کی بھی مستی ہے۔ اپنے آپ میں مست رہنے کی بھی مستی ہے صاحب تقریر ہونے کی بھی مستی ہے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ یہ سب مستیاں ادنیٰ قسم کی ہیں۔ اگر کوئی حقیقی مستی ہے اور اگر کوئی سچا سرور ہے تو وہ عمل کا ہے کردار کا ہے۔

انسانی عامل وہی ہو سکتا ہے جس کا عزم بلند ہو۔ کمزور ارادوں کا انسان دنیا میں کچھ نہیں کر سکتا۔ ارادوں کی پستی بدنصیبی کی نشانی ہے۔ انسان کی ترقی کا مدار ہے اس کے اعمال پر اور اعمال کا انحصار ہے ارادوں کی بلندی پر۔ اسی لئے کہا ہے۔

انسان کامیاب ہے گر عزم ہو بلند ۔ تکمیل ہر کتاب ہے گر عزم ہو بلند
معراج زندگی کا اسی پر مدار ہے ۔ عظمت کے گلشنوں پہ اسی سے بہار ہے
راسخ اگر ہو عزم تو انسان ہے سرخرو ۔ دنیا میں اس کی آبرو عقبیٰ میں آبرو
تسخیر آسمان بھی کرشمہ ہے عزم کا ۔ تعمیر دو جہاں بھی کرشمہ ہے عزم کا
فتح و ظفر نثار ہے عزم بلند پر ۔ اقبال کا مدار ہے عزم بلند پر
بنیاد قصرِ بخت کی ہے عزم استوار ۔ اور اصل تاج و تخت کی ہے عزم استوار
ہو عزم گر درست تو ہر شے درست ہے
بنیادِ عزم سُست ہو ہر کام سُست ہے

لہٰذا اس منتر میں شرتی متنبہ کرتی ہے کہ اگر اس دنیا میں سُکھی رہنا چاہتے ہو اور پرلوک کے سکھ بھی حاصل کرنا چاہتے ہو، تو صاحبِ عمل بنو۔ ارادے بلند رکھو، میدانِ عمل میں پیش پیش رہو۔ وہ کرم کیسے ہوں، وہ عمل کس نوعیت کے ہوں یہ جاننا بھی ضروری ہے، ورنہ غلط ڈھنگ سے کیا ہوا کرم

نجدھن کا کارن بھی بن سکتا ہے، کرم کی کشلتا دو باتوں میں ہے ایک تو یہ کہ جو کام کرو وہ پرمیشور کے نمت کرو اور دوسرے یہ کہ جو کرم کرو اس کے پھل کی خواہش نہ رکھو، ایسے کرم دونوں جہان میں کلیان کرنے والے ہوتے ہیں۔ کرم کرنے سے ہی انسان کا کلیان ہے۔

کر کام کہ اس سے دل ترا خوش ہوگا چھوٹا خوش ہوگا بڑا خوش ہوگا
یہ کام نہیں بڑی عبادت ہے یہ کر کام کہ کام سے خدا خوش ہوگا

अनेजदेकम्मनसो जवीयो नैनद्देवा आप्नुवन
पूर्वमर्षत् ।
तद्धावतो ऽन्यानत्येति तिष्ठत्तस्मिन्नपो मातरिश्वा
दधाति ॥ ४ ॥

ارتھ: - (جس پرمیشور سے یہ برہمانڈ بھرا ہوا ہے اور جس کی رضا کے لئے انسان کا ہر ایک فعل ہونا چاہیئے۔ وہ پرمیشور کیا ہے؟) وہ واحد لاشریک ہے وہ قائم بالذات ہے، وہ من کی اڑان سے بھی زیادہ تیز رفتار ہے۔ وہ سب سے پہلے تھا یعنی سب کی ابتدا اور آغاز وہی ہے۔ وہ سب کے جاننے والا ہے اس پرمیشور کو اندر وغیرہ دیوتا بھی نہیں جان سکے۔ وہ پرمیشور خود قائم رہتے ہوئے بھی ہر دوسری دوڑنے والی چیز سے آگے نکل جاتا ہے۔ اسی کی دی ہوئی طاقت سے ہی ہوا وغیرہ دیوتا اور بادلوں سے برسنے والا پانی ذی حیات جیووں کی زندگی کو قائم رکھنے کا فعل عمل میں لاتے ہیں۔

تشریح: - پچھلے منتر میں بتایا گیا ہے کہ جو انسان ٹھیک طرح سے کرم نہیں کرے گا۔ اسے بڑے دکھوں کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن جو کرم کی اہمیت کو سمجھ کر درست ڈھنگ سے کرم کرتا ہوا سو سال تک جئے گا وہ سرورِ سرمدی کا حقدار بن جائے گا وہ اس ذات سے واصل ہو جائے گا جو سرورِ مطلق ہے۔ اس منتر میں بتلایا گیا ہے کہ وہ ذات کیسی ہے۔ شرتی کہتی ہے، کہ اس کائنات میں اس کے سوائے کوئی دوسری ہستی نہیں۔ اسی کا جلوہ سب جگہ سمایا ہوا ہے، اسی کے نور سے سورج چاند چمک رہے ہیں، اسی کے دائرہ حکومت میں سب ستارے بیچارے گھوم رہے ہیں۔ وہ ذات قائم ہے یعنی اس میں کبھی

کوئی تغیر و تبدل یا کمی بیشی واقع نہیں ہوتی۔ اس دنیا میں پرندے بہت تیز اڑتے ہیں۔ پرندوں سے زیادہ تیزی سے اڑنے والے ہوائی جہاز بن گئے ہیں ہوائی جہازوں سے بھی تیز اور راکٹ ایجاد ہو گئے ہیں۔ لیکن ان سب سے زیادہ تیز رفتار خیال کی ہے راکٹ وغیرہ کو بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے میں کچھ وقت لگتا ہے لیکن خیال کو تو اتنا وقت بھی نہیں لگتا۔ مثلاً جس شخص نے لنڈن، واشنگٹن، نیویارک، ماسکو، رنگون اور کولمبو دیکھے ہیں وہ آن کی آن میں اپنے خیال سے ان سب شہروں کا چکر لگا سکتا ہے۔ لہذا خیال کی اڑان۔ خیال کی تیز رفتاری سب سے زیادہ ہے لیکن شرتی کہتی ہے۔ کہ اس پربھو کی ذات کی تیز روی اس سے بھی زیادہ ہے۔ اس لئے کہ آخر خیال کو بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں کچھ عرصہ تو لگے گا۔ خواہ وہ ایک ثانیہ کا بھی کچھ حصہ ہو لیکن بھگوان تو پہلے ہی ہر جگہ موجود ہیں اس لئے ان کو کسی بھی جگہ پہنچنے میں وقت لگنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا لہذا اس کی تیز رفتاری کا مقابلہ کوئی دوسری چیز کر ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ کوئی دوسری شے ایسی نہیں جو سب جگہ ہر وقت موجود ہو اس لئے کوئی بھی چیز اس کی تیز روی کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہو سکتی ہے، پھر شرتی بتلاتی ہے کہ وہ ذات سدا سے موجود ہے۔ اس کی ابتدا ہی کوئی نہیں۔ ابتدا اسی کی ہوتی ہے جو پیدا ہو وہ ذات چونکہ اجنما ہے یعنی کوئی ایسا وقت نہ تھا کہ جب وہ ذات نہ تھی تو ایسی صورت میں اس کی ابتدا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ ذات چونکہ لطیف از لطیف ہے اس لئے وہ ہمارے من سے بھی زیادہ لطیف ہونے کے باعث اس کے بھی اندر سمائی ہوئی ہے، اور اس وجہ سے دل کے ہر ایک بھید سے آگاہ ہے، جیسے ایک مکان ہو اور اس کے اندر کوئی خاص عمل ہو رہا ہو، جتنے اشخاص اس مکان کے اندر ہوں گے وہ سب اندر کی کارروائی کو دیکھ رہے ہوں گے جو اس سے باہر ہوں گے انہیں کوئی علم نہ ہوگا کہ اندر کیا ہو رہا ہے ہمارا دل بھی ایک مکان ہے ہماری آتما اس کی مکین ہے وہ ہمارے دل کے رازوں کو دیکھتی اور جانتی ہے۔ لیکن پرماتم ستا آتم ستا کی بھی ناظر ہے اس لئے

وہ ذات گھٹ گھٹ کے پٹ پٹ کی جاننے والی ہے۔ اس سے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ اس ذات کو اندر وغیرہ دیوتا بھی نہیں جان سکتے۔ لیکن اُپنشد میں ایک کتھا آتی ہے کہ اگنی اور وایو وغیرہ دیوتاؤں کو جب ان کے سردار اندر دیوتا کے ایکبار اپنی طاقت کا گھمنڈ ہو گیا۔ لیکن وہ اس بات کو بھول گئے کہ ان کی سب طاقت اس ذات احد سے حاصل ہوتی ہے وہ تو محض اس مہاراج کے ایک کارکن ہیں۔ ذات اعلیٰ نے مناسب سمجھا کہ ان کا گھمنڈ دور کیا جائے چنانچہ ایک روپ پرگٹ ہوا۔ دیوتا لوگ اس روپ کی اصلیت جاننے کے لئے ایک ایک کر کے گئے۔ پہلے اگنی گیا اور اس روپ کے پوچھنے پر اگنی نے کہا کہ میرے میں وہ طاقت ہے کہ میں ساری کائنات کو بھسم کر سکتا ہوں۔ تب اس روپ نے ایک تنکا زمین پر پڑا دکھا کر کہا کہ اس کو جلاؤ۔ اگنی نے سارا زور لگایا لیکن وہ تنکا ہی نہ جل سکا۔ چنانچہ اگنی شرمندہ ہو کر واپس چلا گیا۔ پھر وایو آیا وہ بھی اس تنکے کو اپنی پوری طاقت لگانے پر ہلا بھی نہ سکا۔ اسی طرح دوسرے دیوتا بھی اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ پھر اندر آیا تب وہ روپ انتردھیان ہو گیا۔ اور آکاش بانی ہوئی کہ اے دیوتاؤ تم اپنی طاقت کا ہرگز مت اتراؤ کیونکہ تمہاری سب طاقت اپنی نہیں بلکہ عاریتاً لی ہوئی ہے۔ اسی لئے شرتی کہتی ہے کہ اندر وغیرہ دیوتا بھی اس ذات پاک کو نہیں جان سکتے بلکہ وہ دنیا کا سارا کاروبار اسی پربھو کی شکتی سے چلاتے ہیں۔

तदेजति तन्नैजति तद्दूरे तद्वन्तिके ।
तदन्तरस्य सर्वस्य तदु सर्वस्यास्य बाह्यतः ॥ ५ ॥

ارتھ:- وہ پرمیشور چلتے ہیں اور نہیں بھی چلتے۔ وہ دور سے بھی دور ہیں اور نزدیک سے بھی نزدیک وہ اس ساری کائنات کے اندر بھی لین ہیں۔ اور وہ اس سارے جہان کے باہر بھی ہیں۔

نوٹ:- کئی ودوان اس کا ارتھ اس طرح پر کرتے ہیں:-

آتم تتو اچل یا قائم رہ کر بھی چلتا ہوا سا جان پڑتا ہے۔ اگیانیوں کے لئے ناقابل رسائی ہونے کی وجہ سے از حد دور ہے اور گیانیوں کے آتما میں ساکشات کار ہونے کی وجہ سے از حد نزدیک ہے۔ آکاش کی طرح ہر ایک شے کے اندر اور باہر بھی ہے۔

تشریح:- پچھلے منتر میں اس ذات واحد کے کچھ اوصاف بتائے گئے ہیں۔ اس میں کہا گیا ہے کہ وہ بھگوان چلتے بھی ہیں اور نہیں بھی چلتے۔ ظاہرہ طور پر تو ایک ہی ہستی میں دو متضاد صفات نہیں ہو سکتے۔ لیکن بھگوان کی تو ہر ایک لیلا ہی وچتر ہے۔ ہر ایک کھیل ہی ادبھت ہے۔ انسان کی محدود بدھی اس کی مہما اور مہاتما کو کیسے سمجھ سکتی ہے۔ اسی لئے تو کہا ہے ؎

سمجھ میں جو آگیا وہ خدا کیونکر ہوا۔ ذہن میں جو آگیا لا انتہا کیونکر ہوا

سائنس نے بہتیری ترقی کی ہے لیکن پربھو کی لیلا کی حقیقت جاننے سے وہ بھی قاصر رہی ہے تبھی تو کہا ہے ؎

ہزار سائنس رنگ لائے ہزار باتیں ہم بنائیں
خدا کی قدرت ہی رہیگی ہماری حیرت ہی رہیگی

اسی لئے شرتی اس ادبھت مہما والے کے متضاد گن بتاتی ہے کہا ہے کہ وہ پربھو چلتے بھی ہیں اور نہیں بھی چلتے نہیں تو اس لئے چلتے کہ وہ سرب ویاپک ہیں۔ چل وہی سکتا ہے جس کو چلنے کے لئے کوئی خالی جگہ ملے۔ لیکن بھگوان سے تو کوئی استھان خالی ہی نہیں ہے پھر ان کا چلنا ہو ہی کیسے سکتا ہے۔ خیر یہ بات تو سمجھ میں آگئی کہ ان کے چلنے کا سوال ہی اُٹھا تو پھر وہ چلتے کیسے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر ایک چیز حرکت میں ہے۔ زمین گھوم رہی ہے، سیارے چکر لگا رہے ہیں۔ ہوا دوڑتی رہتی ہے۔ درختوں اور پودوں کی جڑیں ان کی ٹہنیاں پھیل پھیل کر چلتی رہتی ہے۔ چرند پرند انسان حیوان سب چل رہے ہیں۔ ان میں چلنے کی شکتی کہاں سے آئی۔ یہ سب طاقت اسی پربھو کی دی ہوئی ہے۔ اس لئے حقیقت میں یہ چیزیں نہیں چل رہیں بھگوان ہی چل رہے ہیں۔ سرکار کا ایک سپاہی بڑے سے بڑے آدمی کو روک

سکتا ہے، پکڑ سکتا ہے، کیا وہ چیز ایسی یا سپاہی اتنی قدرت اور اختیار رکھتا ہے، ہرگز نہیں وہ اختیار سرکار کا دیا ہوا ہے حکومت کے چلانے والوں کے وہاں پر موجود نہ رہتے ہوئے بھی اِن کی حکومت چل رہی ہے۔ اِسی طرح پربھو کی شکتی سے ہر ایک شے متحرک ہے۔ تو گویا وہ پربھو ہی حرکت کر رہے ہیں اور اِسی طرح سے یہ دونوں متضاد صفات اِن کے اندر موجود ہیں۔

پھر کہا ہے کہ بھگوان دُور سے دُور ہیں اور نزدیک سے نزدیک ہیں۔ یہ دونوں صفات بھی متضاد ہیں لیکن بھگوان میں یہ دونوں ٹھیک اترتی ہیں، بھگوان چونکہ ہر جائی ہیں۔ سرو دیاپک ہیں۔ اِس لئے جو جگہ دُور سے دُور ہے وہ وہاں بھی ہیں۔ اور جو مقام نزدیک ترین ہے وہاں بھی ہیں۔ اِسلئے یہ کہنا کہ وہ دور سے دور ہیں اور نزدیک سے نزدیک ہیں سو فیصدی دُرست ہے۔ پھر دُوسری طرح سوچیں تو جنہیں پربھو کی ہستی میں وشواس ہے اِن کے لئے تو وہ نزدیک سے نزدیک ہیں اور جو اِن سے بے مکھ ہیں۔ اِن کے لئے دُور سے دُور ہے۔ اِسی لئے شرتی کہتی ہے کہ وہ اِس ساری کائنات کے اندر اور باہر ہیں۔ اندر اِس لئے ہیں کہ وہ لطیف سے لطیف ہیں۔ اور لطیف شے کثیف شے کے اندر سما جاتی ہے۔ چونکہ دُنیا کی ہر ایک مادی شے کثیف ہے، اِس لئے پربھو لطیف ترین یعنی سوکشم سے سوکشم ہونے کے باعث ہر ایک شے کے اندر سمائے ہوئے ہیں اور چونکہ وہ ہر جگہ موجود ہیں۔ اور اِن کی حکومت سب جگہ چل رہی ہے، یہ سارا نظام اِن کے احاطہ اختیار میں ہے، اِس لئے وہ اِس کائنات کے اندر اور باہر موجود ہیں۔ کہا ہے ؎

سمک سے تا سما چکر لگائیں باغِ امکاں کا
مکرر دیکھ لیں پر تال لیں دُنیا و ما فیہا
پھریں راہِ طلب میں عمر بھر پھر کیا ہے ہو سکتا
تصور جس کا دل میں لائیں ہم خالق ہر تو اُس کا
جہاں دیکھو وہاں اقرار ہے تیری خدائی کا
ہر ایک سو جوش زن ہے بحر تیری کبریائی کا

تجھے ہے جا بجا دیکھا کہیں ظاہر کہیں پہ ہے چھپا دیکھا
کہیں ممکن ہوا واجب کہیں فانی بقا دیکھا

وہ بھگوان تو اندر باہر نیچے اوپر دائیں بائیں ہر جگہ سمائے ہوئے ہیں۔ کوئی جگہ اِن سے خالی نہیں ہے، وہ پری پورن ہیں یعنی اتنے بھرے ہوئے کہ کسی اور چیز کے داخل ہونے کی وہاں گنجائش ہی نہیں ہے۔ وہ تو سب جگہ ہیں لیکن ہماری نگاہ وہ نگاہِ بینا نہیں جس سے انہیں دیکھا جا سکے۔ وہ تو ہر جگہ مل سکتے ہیں ؎

یہاں کیا اور وہاں کیا تم سے ملنا ہے جہاں بھی ہو
یہاں دیکھیں یہاں بھی ہو وہاں دیکھیں وہاں بھی ہو

यस्तु सर्वाणि भूतान्यात्मन्येवानु पश्यति ।
सर्व भूतेषु चात्मानं ततो न विजुगुप्सते ।। ६ ।।

ارتھ:۔ لیکن جو انسان ہر وقت تمام ذی روحوں کو پرماتما میں ہی دیکھتا ہے اور تمام ذی روحوں میں پرماتما کو دیکھتا ہے تب وہ کسی بھی جیو کو نفرت یا غیریت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔

نوٹ۔ کئی وِدوان اِس منتر کے ارتھ میں پرماتما کی جگہ آتما رکھتے ہیں۔

تشریح:۔ انسان کے دِل میں نفرت کا جذبہ غیریت سے پیدا ہوتا ہے، اگر غیریت نہ رہے اور ہر ذی رُوح کو انسان ایک پرماتما کا روپ سمجھے یا اپنا ہی روپ تصور کرے اِس قِسم کی وسیع النظری ہو جانے پر دوئی یا غیریت کا خیال ختم ہو جاتا ہے، پھر نفرت کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ ایک فارسی کا شاعر کہتا ہے، ؎

دوئی را چوں بدر کردم یکے دیدم دو عالم را
یکے بینم یکے دانم یکے گوئم یکے خوانم

یعنی جس وقت میں نے اپنے دِل سے دوئی کو نکال دیا اس وقت سے مجھے دونوں جہان ایک ہی دکھائی دے رہے ہیں۔ میں اب ایک ہی جلوہ دیکھتا ہوں۔ ایک ہی ہستی کو پہچانتا ہوں اسی ایک کا ذکر کرتا ہوں اسی ایک کا ہی وِرد کرتا ہوں۔ جس

انسان کی نگاہ ایسی فراخ ہو جاتی ہے کہ وہ ذاتِ واحد کا جلوہ ہی ہر جا دیکھتا ہے، اس ایک ذات کے سوا اسے کچھ نظر نہیں آتا تب وہ بیانگ دہل کہتا ہے ؎

کہاں غیر ہے اور کیسے غیر لوں۔ کہ جزذات اس کے نہ کچھ دیکھتا ہوں
جدھر دیکھتا ہوں جہاں دیکھتا ہوں۔ اسی کا ہی جلوہ یہاں دیکھتا ہوں
نہ تن دیکھتا ہوں نہ جاں دیکھتا ہوں۔ تجھی کو نہاں اور عیاں دیکھتا ہوں
اگر کوئی جانے جہاں غیر حق ہے۔ تو میں اس کو دھوکہ گماں دیکھتا ہوں

جب تک دوئی رہتی ہے اور دل میں غیریت کا جذبہ موجزن رہتا ہے، تب تک ہی کسی سے نفرت کرنے کا امکان ہوتا ہے۔ دوئی کے دور ہو جانے پہ کوئی دوسری ہستی ہی باقی نہیں رہتی پھر نفرت کس سے ہو۔ کہا بھی ہے ؎

تھی دوئی جب تک نظر آتی تھی لاکھوں صورتیں
سب میں جب دیکھا اسی کو تفرقہ جاتا رہا
کوئی بھی دشمن نظر آتا نہیں اب غیر دوست
قصہ اے ناسخ دوئی کا تھا سو یکسو ہو گیا

جب تک میں اور تو کی تمیز و تفریق دل میں رہتی ہے۔ تب تک وہ نگاہ حاصل نہیں ہو سکتی جس سے وہ ذاتِ احد سب جگہ اور ہر شے میں دکھائی دے، جونہی یہ خودی کا اندھیرا دل سے دور ہو جاتا ہے اسی وقت چشم بصیرت وا ہو جاتی ہے اور وہی ایک ذات نظر آنے لگتی ہے ؎

اُٹھے گر چشم ظاہر بیں سے پردہ خود نمائی کا
نظر آنے لگے ہر چیز میں جلوہ خدائی کا

جب تک وہ چشم بینا حاصل نہ ہو تب تک غیریت کا پردہ دل سے نہیں اُترتا۔ ان مادی آنکھوں سے تو وہی کچھ دکھائی دیتا ہے جو دل کی آنکھیں دکھاتی ہیں۔ دل کی آنکھوں میں فراخی اور وسعت پیدا ہو تبھی تنگ نظری ان مادی آنکھوں سے بھی دور ہو جاتی ہے۔ اسی لئے آنکھیں رکھنے والوں کو خبردار کیا گیا ہے ؎

دیکھنے دا۔ اگر چشم حقیقت باز ہے
دیکھ لے ہر ایک ذرہ جلوہ گاہِ ناز ہے

ہر ایک چیز میں جلوہ الٰہی کے درشن کرنے سے یا اپنی ہی آتما کے درشن کرنے سے نفرت کا باقی نہ رہنا قدرتی بات ہے کیونکہ جب سب اپنی ہی آتما دکھائی دینے لگیں تو انسان نفرت کس سے کرے، کیا کبھی کسی نے اپنے آپ سے نفرت کی ہے؟ سب کو اپنا آپ تصور کر لینے سے نفرت کرنے کا سوال ہی نہیں رہتا۔ اس نفرت کے جذبہ کے اُڑ جانے سے سکونِ قلب حاصل ہوتا ہے۔ دل بیدار ہو جاتا ہے جب تک دل میں جاگرتی پیدا نہ ہو کوئی سادھن سپھل نہیں ہوتا اسی لئے کہا ہے ؎

دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری

اصل نور تو دل کا ہی ہوتا ہے۔ ان مادی آنکھوں کا نور ہمیں سمتا حاصل ہونے میں مدد نہیں ہو سکتا۔ وہ دل کا نور جذبۂ نفرت اور غیریت کے دور کرنے سے حاصل ہوتا ہے جس کی آنکھیں ہی ہمیں حقیقت سے آشنا کر سکتی ہیں ؎

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب۔ آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

حقیقت کے نظارے دل کے چراغ کی مدد سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ دل کی چمنی اگر میلی ہے تو راہ حقیقت اوجھل رہتا ہے۔ راہ سے بھٹک جانے کا امکان ہوتا ہے ٹھوکر کھانے کی گنجائش ہوتی ہے۔ دل ہی انسان کی مشعل ہے ؎

تیری قندیل ہے ترا دل۔ تو آپ ہے اپنی روشنائی

اسلئے اس دل میں ایسی صفائی لانی چاہیئے کہ اس میں نفرت کا نام و نشان نہ رہے۔ اور سب ذی روح اپنا ہی عکس دکھائی دیں۔

यस्मिन सर्वाणि भूतान्यात्मैवा भूद्विजानतः ।
तत्र को मोह: क: शोक एकत्वमनुपश्यत: ॥ ७ ॥

ارتھ:۔ جس صورت میں حقیقی معنوں میں ایک گیانی کی نگاہ میں سارے ذی روح اُسی ایک پرمیشور کا روپ ہی بن چکے ہیں تب اس حالت میں اس وحدانیت کو عملی شکل دینے

والے سچے گیانی کے لئے کونسا موہ اور کونسا شوک یعنی رنج رہ جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ موہ اور شوک سے رہائی پاکر لودین آنندی بن جاتا ہے۔

تشریح :- اس سے پہلے منتر میں تمام ذی روح میں ایک ہی پرماتما یا آتم تتو دیکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس منتر میں ایسی نگاہ حاصل ہو جانے کا لابھ بیان کیا گیا ہے۔ دنیا میں ہر ایک انسان کو سکھ اور خوشی پراپت کرنے کی خواہش ہوتی ہے، دکھ سے دور رہنے کی بھاونا ہوتی ہے، دکھ کے کئی کارن ہیں، موہ اور شوک بھی انسان کے دکھ کا باعث ہوتے ہیں، موہ ہوتا ہے راگ سے اور شوک ہوتا ہے ان چیزوں کے ویوگ یا جدائی سے جن سے راگ یا رغبت ہو گئی ہو۔ موہ اُن چیزوں سے ہوتا ہے جن کو انسان اپنے سے الگ مان کر اپنی مانتا ہے ان میں اپناپن کا یا ممتو کا بھاو رکھتا ہے۔ چونکہ ان چیزوں سے اپناپن پیدا کر کے ان سے پیار پیدا ہو جاتا ہے، اسی جھوٹے پیار کو موہ کہتے ہیں۔ لیکن جب پھر وہی چیزیں اتفاق سے ٹوٹ جائیں یا جو اپنے سمبندھی اور ناطے جن سے موہ پیدا ہو گیا ہو موت یا اور کسی وجہ سے جدا ہو جائیں تو ان کے چلے جانے کی وجہ سے شوک یا افسوس ہوتا ہے۔

مگر بصورت کہ ایکتا کا گیان پراپت ہونے سے اور وحدانیت کی حقیقت سے آگاہ ہو جانے پر سب چیزیں ایک ہی ذات کا جلوہ دکھائی دیں۔ سب میں وہی ایک جوہر کام کرتا دکھائی دیتا ہو۔ یہ سب مورتیاں اسی کا عکس دکھائی دیں تو ان میں اپناپن کا بھاو پیدا نہیں ہوتا اس لئے موہ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ جن چیزوں سے موہ پیدا نہ ہو ان کی علیحدگی یا جدائی سے کوئی رنج و غم نہیں ہوتا ہے۔ جن چیزوں کو انسان اپنی خیال نہیں کرتا ان کی ہانی سے اسے کوئی افسوس نہیں ہوتا۔ دنیا میں سینکڑوں مکان جلتے رہتے ہیں، سینکڑوں آدمی موت کے منہ میں روزانہ جاتے ہیں۔ کیا ہر ایک مکان کے جلنے یا ہر ایک آدمی کے مرنے پر انسان روتا چلاتا یا رنج و غم سے کراہتا ہے۔ ہرگز نہیں کیونکہ انہیں وہ اپنے نہیں کہتا نہ انہیں اپنے مانتا ہے۔ لیکن جب اتفاق سے وہ مکان آگ کی لپیٹ میں آجائے جسے وہ اپنا کہتا ہے، یا وہ آدمی موت کے پنجے میں پڑ جائے جس کو اپنا بیٹا یا باپ اپنی ماں بہن یا بیوی تصور کرتا ہے تب وہ غم کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے اور دھاڑیں مار مار کر روتا ہے۔ جلنے والے دوسرے بھی تو مکان ہی تھے، اور مرنے والے دوسرے بھی تو زن و مرد تھے۔ ان کی ہانی پر انسان کو دکھ کیوں نہیں ہوتا کیونکہ ان سے اپناپن کا بھاو نہ ہونے سے ان کے ساتھ کوئی موہ نہ تھا اور ان کی جدائی پر بھی ممتو کا بھاو ہونے کے باعث شوک نہیں ہوا تھا۔ دل کو ٹھیس اسی وقت لگی تھی، من پر کاری ضرب اسی صورت میں پڑی جب ان چیزوں سے جدائی ہوئی جس کو اپنا کہہ کر اسے رغبت پیدا ہوئی تھی۔

اسی لئے شرتی کہتی ہے کہ اگر رنج و غم سے شوک اور دکھ سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ سب چیزوں میں سب جیووں میں اسی ذاتِ واحد کی ستا کے درشن کرو، جب یہ بھاو دل میں پختہ طور جم جائے گا۔ پھر اپنے اندر سے یہ آواز نکلیگی سے

سچ تو یہ ہے کہ سوا یار کے جو کچھ تھا یہاں
وہم تھا شک تھا گماں تھا مجھے معلوم نہ تھا

پھر نہ کوئی اپنا بھائی باپ یا بیٹا محسوس ہوتا ہے اور نہ کوئی اپنی ماں بہن یا بیوی دکھائی دیتی ہے۔ اسی لئے امیر مینائی نے کہا ہے سے

نادان سوائے حق ہے کسی کا کہاں وجود
باتیں خودی کی خوب نہیں ما و من کو چھوڑ دے

اسی ایک ہستی کا جلوہ ہر ذی روح میں نظر آنے پر تصور بدل جاتا ہے، موہ پیدا نہیں ہوتا۔ سبھی چھوٹے بڑے ایک ہی ذات کی مختلف تصویریں نظر آنے لگتی ہیں اپنا اور غیر کا بھاو اٹھ جاتا ہے، ساری مخلوق ایک ہی مالک دکھائی دینے لگتا ہے، تب انسان کا نظریہ یہ ہوتا ہے سے

زندہ ہے زندگی کا مالک ہے۔ جو وہ اس کے سوا ہالک ہے
اس کی ہستی سے سب کی ہستی ہے۔ خلقت اس کی بسائی بستی ہے

دیدارِ حق

شری سوامی پورنانند جی مہاراج پورن

۱۔ چشمِ حق بیں سے تجھے سب میں ہی حاضر دیکھا
طُرفہ یہ ہے کہ اِدھر تجھکو ہی ناظر دیکھا

۲۔ کون کہتا ہے تیرا دشت ہے اعلیٰ امسکن
دِل کے کونے میں تجھے ہمنے ہے حاضر دیکھا

۳۔ دِل کے صوفہ کو ملی تجھسے اچھیؔ زینت
چُپکے بیٹھے ہوئے ساحرِ ساحر دیکھا

۴۔ وقت تھا پھر رہے ڈھونڈتے میں تیری برسوں
خود کو دیکھا تو تجھے حاضر و ناظر دیکھا

۵۔ کس زباں سے ہو بیاں بخشش و احسان مُرشد
خاکِ قدموں سے تیری عرش بھی قاصر دیکھا

۶۔ دِل کے اندر ہی نہیں محض تُو تاباں دلبر
حُسن ویسا ہی تیرا نیّر ہے باہر دیکھا

۷۔ سب میں روشن ہوئے پردہ خودی کا اوڑھے
چھپکے رہنے میں تجھے ہمنے ہے ماہر دیکھا

۸۔ جسم میں رہتے ہوئے جسم ہی جانا خود کو
وقتِ رحلت یہ تجھے ساحری طائر دیکھا

۹۔ گرچہ خلقت سے ہوئے آپ ہیں پنہاں پُورن
ہم نے ہر جا ہی تجھے ناطق و باصر دیکھا

منشی سورج نرائن مہر دہلوی کی سوانح حیات

از
شری راج نارائن ایم اے

فلسفۂ ویدانت کی نشر و اشاعت میں جو فضیلت سوامی وویکا نند اور سوامی رام تیرتھ کو ہندوستان اور ممالک مغربی میں حاصل ہوئی وہی سرفرازی میرے والد منشی سورج نرائن مہر دہلوی مرحوم کو اردو داں پبلک میں ویدانت کے پرچار میں حاصل ہوئی ہے۔ ان کی متعدد تصانیف جو ہزاروں کی تعداد میں چھپیں اور بعض دوسری اور تیسری بار شائع ہو چکی ہیں ان کے تخیلات و تاثرات کی عام فہمی اور ہر دلعزیزی کا واضح ثبوت ہیں۔ مسئلہ ویدانت عام طور پر بہت دقیق اور غیر دلچسپ تصور کیا جاتا ہے اور اس کی روکھی پھیکی فلسفیانہ دلائل ہر کس و ناکس آسانی سے نہیں سمجھ سکتے۔ اسی وجہ سے ویدانت کی تحصیل اور اشاعت بہت محدود رہی ہے۔ یہ احساس منشی صاحب کو شروع سے ہی تھا۔ اپنی کئی کتابوں کے دیباچہ میں انہوں نے بلا کم و کاست اس الجھن کو متواتر دہرایا ہے۔ کہ طویل اور پیچیدہ بحثیں پڑھنے والوں کی پریشانی خاطر کا باعث ہوا کرتی ہیں۔ اور دیگر یہ کہ ہمارے نقادوں کی بعض باتوں کو آج کل کا مذاق قرین خیال تسلیم نہیں کرتا۔ اس عقدہ کو انہوں نے نہایت خوش اسلوبی اور کامیابی کے ساتھ کہانیوں کی مدد سے حل کیا جو موجودہ مذاق کے مطابق ہیں اور ویدانت میں شوق انگیزی میں کافی ممد ثابت ہوئیں ہیں۔ اس ضمن میں جو مقبولیت ان کی تصانیف "چہل درویش" "روحانی کہانیاں" اور "گیان کتھاؤں" کو حاصل ہوئی اس کی نظیر اردو لٹریچر میں کم ملے گی۔ منشی صاحب نے یہ بھی کئی مرتبہ کہا ہے کہ وہ زبان نہایت سیدھی سادی استعمال کرتے ہیں۔ روزمرہ کی بول چال کے الفاظ کو تکلف و تصنع پر ترجیح دیتے ہیں اور اپنی ہر نوشت کو عام فہم بنانے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ اسی طرح ایک کہنہ مشق شاعر ہونے پر بھی ردیف و قوافی دیدہ دانستہ بہت سیدھے سادے استعمال کرتے ہیں۔ ایسی مثالیں کم دیکھی گئی ہیں کہ ایک عظیم نثر ایک باکمال اور شہرۂ آفاق شاعر بھی ہو۔ منشی صاحب کی تصانیف میں جگہ جگہ ان کے برجستہ اور برمحل اشعار پڑھنے والوں پر نفیس مضمون کو صاف تر اور اچھی طرح دل نشین کر دیتے ہیں۔ ان کی تصانیف کی دلچسپی کا یہی راز ہے۔ چاہیں جیسا سنگلاخ مسئلہ ہو خود بھی بے تکان لکھتے ہیں اور پڑھنے والا بھی بے تکان پڑھے جاتا ہے۔

منشی صاحب نے اشارتاً اپنے سوانح حیات اپنی چند تصانیف کے دیباچوں میں دیئے ہیں مگر وہ مضمون زیر بحث کی توضیح کے واسطے ہی درج کئے ہیں تاہم جو تجربات انہوں نے گاہے بگاہے صحبت نیکاں یا سانحہ زیست یا کسی اور باعث سے محسوس کئے ان کی شخصیت پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ جو کچھ انہوں نے اپنی زبان سے کہا ہے وہ میں بعینہٖ ہی نیچے درج کروں گا اور جو کچھ میرے اپنے مشاہدات یا معلومات ہیں وہ میں اپنے طور پر پیش کروں گا۔

منشی صاحب نے ۱۳ ستمبر ۱۸۵۹ء کو ایک متوسط کائستھ ماتھر خاندان دہلی میں جنم لیا۔ ان کے پتا دہلی کے داروغہ جیل کے عہدہ پر سرفراز تھے۔ منشی صاحب ذہن رسا کی بدولت قابلیتی وظائف لے کر تحصیل علم کرتے رہے اوائل تعلیم کا فخر سنسکرت سکول دہلی کو حاصل ہے، اور کالج کی تعلیم گورنمنٹ کالج لاہور میں پائی۔ اس کے بعد سررشتہ تعلیم پنجاب میں ملازمت اختیار کی اور درجہ بدرجہ بحیثیت ہیڈ ماسٹر نارمل سکول دہلی پروفیسر ٹریننگ کالج لاہور۔ اسسٹنٹ

انسپکٹر آف سکولز حلقہ دہلی و راولپنڈی اور آخر میں رپورٹر آن کمیں ٹیکسٹ بک کمیٹی لاہور ملازمت سرکاری سے ۱۹۱۱ء میں بنا بر ناسازگی طبیعت پوری پنشن حاصل کرنے سے تین سال قبل ہی سبکدوش ہو گئے۔ لیکن اصل وجہ کچھ اور رہی تھی۔ ۱۹۰۹ء میں ان کا کلام مہر جلد اول اور سنہ ۱۹۱۰ء میں کلام مہر جلد دوم و شہرۂ آفاق کتاب جل و ردلیلیں و پردہ ونبل گلدستہ نظم ۱۹۱۱ء دوران ملازمت میں ہی شائع ہو چکی تھیں۔ علاوہ ازیں رسالہ ساد ھو لاہور میں دیگر موضوع پر بھی مضامین نثر و نظم لکھتے رہتے تھے بس اپنے شاستروں کی تحصیل و نشر کی دھن لگ گئی تھی اور آگے ملازمت کو تضیع اوقات تصور کرتے تھے کہا کرتے تھے کہ میں لکھتا اس واسطے ہوں کہ نفس مضمون میرے دل پر اچھی طرح عیاں ہو جاتا ہے اور علاج و بہبودی دیگراں چھپوا دیتا ہوں۔

قیام لاہور۔ لاہور میں بود و باش کے ایام کی یاد میری آنکھوں میں ایک پچاس سال پرانے سپنے کی سی ہے میں پہلے پہلے والد صاحب کے ساتھ لاہور میں رہنے کو آٹھ برس کی عمر میں ۱۹۰۷ء میں گیا تھا۔ میری والدہ جب میری عمر کچھ مہینوں کی ہی تھی رحلت کر گئیں تھیں۔ اور میرا پالن پوشن میری لوا آجو دہلی میں رہتی تھیں ان کے سپرد تھا لاہور میں ہمارا مکان بازار انارکلی کی پشت پر ایک نئی بستی میں تھا۔ برابر کے تین اور مکانوں میں کالستھ بورڈنگ ہاؤس تھا۔ جس میں دہلی کے کالستھ لڑکے قانون اور طب کی تعلیم کے واسطے آیا کرتے تھے کیونکہ ان دنوں میں دہلی میں لاء کالج یا میڈیکل کالج نہیں تھے لگ بھگ بیس پچیس طلبا ان مکانوں میں رہتے تھے اور والد صاحب کو اپنا بزرگ سمجھتے تھے اور وہ ان کا ہر طرح کا خیال رکھتے تھے، ہمارا گھر بھی بورڈنگ ہاؤس سا ہی نظر آتا تھا۔ جس میں والد صاحب اور ہم چار بھائی رہتے تھے، سب سے بڑے بھائی سادھو نرائن ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہے تھے دوسرے برج نرائن بی اے میں تھے تیسرے رام نرائن چھٹی جماعت میں اور میں تیسری میں۔ والد صاحب ان دنوں عہدہ رپورٹر آن کمیں ٹیکسٹ بک کمیٹی سررشتہ تعلیم پنجاب پر ممتاز تھے روزمرہ کا دستور تھا کہ صبح تین چار بجے کے درمیان خواب سے بیدار ہو کر چارپائی پر بیٹھے بیٹھے گھنٹہ دو گھنٹہ چنتن کرتے تھے۔ صبح کی سیر کا بھی بڑا شوق تھا پانچ سات میل روزانہ دور دراز سڑکوں پر ہواخوری کو جایا کرتے تھے اور مجھے ساتھ لے جایا کرتے تھے میری دلچسپی برقرار رکھنے کے لئے مجھے ایک پیسہ فی میل کے حساب سے روزانہ دیتے تھے زیادہ تر اپنے خیالات میں مستغرق رہتے اور کبھی کبھی ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر آجاتی تھی گویا سوچتے سوچتے کوئی پیچیدہ مسئلہ کا خاطر خواہ حل مل گیا ہو۔

صبح دس بجے دفتر جایا کرتے تھے اور شام کو چار یا پانچ بجے واپس آتے تھے۔ نہایت خوش پوش اور جامہ زیب آدمی تھے گرمیوں میں سفید لٹھے کا بند گلے کا کوٹ اور اسی کپڑے کی قمیض اور تنگ مہری کا پائجامہ پہنتے تھے جاڑوں میں کالی یا آسمانی رنگ کی سرج کا بند گلے کا کوٹ اور چوڑی دار فلالین کا پائجامہ، سر پر بیضوی شکل کی کپڑے کی ٹوپی اور پاؤں میں انگریزی وضع کا جوتا، ان کی تصویر جو کلام مہر میں چھپی ہے اس میں صرف تصویر کھچوانے کے ہی لئے انہیں پتلون پہنائی گئی تھی ورنہ انہوں نے کبھی پتلون یا نکٹائی کا استعمال نہیں کیا۔ ہاتھ میں چاندی کے مٹھے کی مضبوط سی بید رکھتے تھے اور کوٹ کی اوپر کی جیب میں چاندی کی زنجیر کے ساتھ گھڑی رہتی تھی۔ گھر میں دہلی والوں کی طرز کی دھوتی پہنتے تھے اور ململ کا کرتہ، کھانا نہایت اعتدال کے ساتھ کھاتے تھے یعنی صرف دفتر جانے سے پہلے ایک طعام اور دفتر سے واپسی پر پہلے عموماً چارپائی پر گاؤ تکیہ لگا کر کچھ آرام کرتے تھے اور حقہ پیتے تھے پھر شام کا کھانا۔ درمیان میں کبھی ناشتہ نہیں کرتے تھے اور نہ کبھی سگریٹ نوشی کرتے ہاں مکان پر حقہ ہر وقت تازہ رہتا تھا۔

رات کو اپنا مطالعہ جاری رکھتے تھے اور گھنٹوں لکھے جاتے تھے۔ اس زمانے میں کرسی میز کا استعمال کم تھا منشی صاحب بھی فرش پر بیٹھے تھے اور سامنے ایک بڑا سا ڈسک ہوتا تھا۔ ایک طرف مٹی کے تیل کا لیمپ اور ایک طرف قلمدان، دوران ملازمت میں ہی کلام مہر کی ترتیب کی اور چہل درویش جیسی ضخیم کتاب لکھی۔ ان دونوں کتابوں کی بڑی قدر ہوئی، کلام مہر جلد اول کے بارے میں دیباچہ کلام مہر جلد دوئم میں لکھتے ہیں کہ بیسیوں رسالوں اور اخباروں میں حوصلہ افزا تنقیدیں نکلیں۔ نمائش لاہور واقع ۱۹۰۹ء کی جنوری نے جلسے میں ایک تمغہ پیش کیا۔ اور لفٹیننٹ گورنر پنجاب نے اول درجے کا انعام عطا کیا اسی طرح دو اور انعامات بڑے "جغالیا" "چہل درویش اور کلام مہر جلد دوئم کے صلے میں تھے۔

ان میں ایک ۱۹۱۳ء میں ملازمت سے سبکدوش ہونے کے دو سال بعد ملا تھا۔ علاوہ ازیں سکولوں میں پڑھانے کے لئے ای مارسٹن صاحب کی شرکت سے اردو کے ریڈر سر انجام دیئے جو کئی برس تک سکولوں میں رائج رہے اور آئندہ کے ریڈروں کے لئے بطور نمونہ استعمال کئے گئے۔ دفتر سے آکر مجھے سامنے بٹھا لیتے تھے اور لکھوانے چلے جاتے تھے۔

اسسٹنٹ انسپکٹر آف سکولز کے زمانہ ملازمت میں ایک گھوڑی رکھی ہوئی تھی۔ جس پر دیہاتی مدارس کے معائنہ کے لئے جایا کرتے تھے اس سے بڑا انس تھا لاہور میں برسوں کھڑی کھاتی رہی شام کو سائیس مجھے اس پر بٹھا کر کبھی کبھی سیر کرانے لے جایا کرتا تھا۔ مگر میری یاد میں منشی صاحب نے کبھی سواری نہیں کی۔ سائیس اسے مکان کے پچھواڑے کی طرف سے صحن مکان میں لے آیا کرتا تھا وہ بھی فرط محبت سے انہیں دیکھ کر ہنہنایا کرتی اور منشی صاحب اپنے ہاتھ سے دو ایک ڈلی گڑ کی اسے کھلاتے تھے۔ پہلے تو اسے بیچنے سے بہت

عار کرتے رہے مگر بالآخر ایک روز اسے ایک بلا وجہ خرچ سمجھ کر بیچ دیا۔ چند روز بعد ملازم نے آکر بتایا کہ وہ تانگہ کھینچتی تھی۔ اور بہت لاغر ہو گئی تھی سن کر بہت افسوس کیا پر کر بھی کیا سکتے تھے۔

قیام لاہور کی سب سے دلکش یاد جو میرے دل میں ہے وہ مہرشی شیو برت لال کے ہاں آنے جانے سے وابستہ ہے، ہمارے مکان سے ان کا مکان تھوڑی سی دوری پر تھا۔ کچھ کمرے لب سڑک تھے ان میں رسالہ سادھو۔ مارتنڈ، سرسوتی بھنڈار اور ان کی دیگر مطبوعات کا دفتر تھا۔ ان کے داماد منشی گوری شنکر لال اختر بھی وہیں کام کرتے تھے پیچھے ایک چھوٹا سا صحن تھا اس کے تین طرف پھلواڑی اور بیلیں چڑھی ہوئی تھیں اور ایک طرف ایک پھوس کی جھونپڑی تھی۔ مہرشی جی اسی میں ایک پرم سنیاسی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ جھونپڑی میں ایک طرف ایک چبوترہ تھا جس پر ان کا بستر جو معمولی قسم کے کالے کمبل تھے صفائی سے لگا رہتا تھا۔ گرمیوں میں صرف لنگوٹی پر قناعت کرتے تھے اور جاڑوں میں کمبل اوڑھ لیتے تھے، پیسے کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے اگر کہیں سے روپیہ آتا تھا تو سیدھا دفتر بھیج دیتے تھے۔ چہرے پر متانت اور جلال برستا تھا اور ہلکی سی مسکراہٹ رہتی تھی بات کرنے پر منہ سے پھول جھڑتے تھے دوران گفتگو میں شعر، کبت، دوہے وغیرہ بڑی روانی سے بولتے تھے۔ منشی صاحب کے ساتھ دیر تک بحث مباحثہ ہوتا تھا اور میں تصویر حیرت بیٹھا سنا کرتا تھا۔ اس چھوٹی سی عمر میں بھی بہت کچھ میرے پلے پڑ جاتا تھا۔ انہیں دنوں میں نے منشی صاحب کی نظم "تین دوست"، "کوثر" میں لکھا اسے بڑے شوق سے مارتنڈ میں میرا نام چھپا ہے اور لکھ دیا عمر ۹ سال۔ میں نے کتنی مرتبہ دیکھا کہ چڑیاں ان کے سر پر بیٹھ جاتی تھیں کبھی کندھے پر اور کبھی زانو پر انہیں کبھی نہیں اڑاتے تھے منشی صاحب کو ان سے دلی انس تھا اور ان کو بڑی عزت کی نگاہ سے

دیکھتے تھے کلام مہر جلد دوم کے دیباچہ میں لکھتے ہیں: "مجھے آپ سے بہت کچھ حسن عقیدت ہے اور آپ کو آچاریہ یا مہرشی کی نگاہ سے دیکھتا ہوں" اسی کلام کی جلد میں جن مختلف مضامین پر طبع آزمائی کی ہے اس کے بارے میں لکھتے ہیں: "یہ شو مہاراج کی فیض صحبت کا اثر ہے"

ایک ہلکی سی یاد انہیں دِنوں کی ہے اور شاید ۱۹۱۰ء کا ذکر ہے کہ منشی صاحب کے پاس ایک نوجوان دھوتی کرتہ پہنے کندھے پر دو شالہ ڈالے آیا۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے پوچھا کون تھے۔ کہنے لگے ہردیال تھا یہ وہی ہردیال تھے جنہوں نے انگریزی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔

قیام دہلی ۱۹۱۱ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو کر لاہور کو خیر باد کہا اور دہلی میں محلہ دوشن پورہ میں ایک وسیع دو منزلہ مکان میں جو برلب نئی سڑک واقع تھا۔ سکونت پذیر ہوئے۔ اور آخری عمر تک اسی میں رہے۔

مکان پرانی طرز کا تھا۔ بیچ میں کشادہ صحن اور تین طرف لمبے چوڑے دالان در دالان تھے اسی وجہ سے نیچے کی منزل بھی خوب ہوادار اور روشن تھی۔ منشی صاحب نیچے کی منزل میں ہی رہتے تھے صرف کھانا کھانے اور شب بسر کو اوپر کی منزل میں آیا کرتے تھے۔ ڈیوڑھی کے سامنے کی دالان میں ان کی نشست تھی دریوں چاندنیوں کا فرش تھا اور ایک بیش قیمت قالین پر گاؤ تکیہ لگا کر تمام دن مطالعہ اور نوشت میں مصروف رہتے تھے۔ اگر کبھی طبیعت کی تو دس پندرہ منٹ لیٹ کر سو رہتے تھے، یا کبھی کبھی ان کے ایام طفولیت کے دوست سہ پہر کو آکر ان کے ساتھ چوسر کھیل کھیلتے تھے۔ دیواروں کے ساتھ ساتھ پندرہ الماریاں ان کے کتب خانہ کی تھیں جن میں عربی۔ فارسی اردو۔ ہندی اور سنسکرت کی مستند کتابیں سلسلہ وار رکھی رہتی تھیں کہا کرتے تھے کہ اگر مجھے ضرورت ہو تو میں اندھیرے میں بھی کسی کتاب کو اس کی مقررہ جگہ سے نکال سکتا ہوں

اسی لئے ہمیں ہر وقت تاکید ہوتی تھی جو کتاب جہاں سے نکالو وہیں رکھو۔ سامنے ایک بڑا آہنی صندوقچہ ان کے قلمدان کی خدمت سرانجام دیتا تھا۔ دائیں طرف کے دالان میں سادھو پریس کا چھاپہ خانہ تھا جس میں چار لیتھوگراف دستی مشینیں لگی ہوئی تھیں اور کل بارہ پندرہ آدمی ان پر کام کرتے تھے بائیں طرف کے دالان میں دفتر تھا جہاں مینجر بیٹھتا تھا اور یہیں سے رسالہ سادھو و دیگر کتب کی اشاعت ہوتی تھی۔ ان دنوں ہم دونوں چھوٹے بھائی ان کے پاس رہتے تھے کیونکہ سب سے بڑے برسرِ روزگار رہا تھے اور دوسرے پنجاب یونیورسٹی کا ایم اے پاس کر کے کلکتہ یونیورسٹی میں داخل ہو گئے تھے۔

اس جگہ میں چند سطور اپنے بھائیوں کے بارے میں لکھنی چاہتا ہوں۔ کیونکہ ان کے متنقل کے حالات سے منشی صاحب کی طبیعت، تیاگ اور توکل بہ رضائے ایزدی پر کافی روشنی پڑتی ہے،

دہلی میں قیام پذیری کے تھوڑے سے عرصہ بعد ہی سادھو رام جی جو ایف ایس سی کا امتحان پاس کر کے کشمیر کی فوج میں سواری چھاؤنی میں تعینات تھے شادی رچائی گئی۔ بڑی خوشیاں منائی گئیں لیکن تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا تین سال کے قلیل عرصہ میں یہ نونہال داغِ مفارقت دے کر راہی ملک عدم ہو گیا۔ منشی صاحب کے تاثرات اس بارے میں جو انہوں نے دیباچہ "مہر بھجناولی" میں مرقوم کئے ہیں کچھ طول کے ساتھ ذیل میں نقل کرتا ہوں جس سے ان کے صبر و تحمل اور ان کی نظر میں دنیائے دوں کی بے ثباتی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"فروری ۱۹۱۵ء میں ایک سانحہ جانکاہ پیش آیا میرا بڑا لڑکا اسسٹنٹ سرجن سادھو رام جی مہاراجہ کشمیر کی فوج میں ڈاکٹر اور لفٹیننٹ کے عہدے پر مامور تھا۔ جنگ جرمن شروع ہوئی تو مہاراجہ کی فوج مشرقی افریقہ بھیجی گئی یہ اٹھائیس سال کا نوجوان اس کے ہمراہ گیا ۱۸ر جنوری ۱۹۱۹ء

کو ایک لڑائی میں جب وہ اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی اور مجروحین کی تکالیفِ زخم کو رفع کرنے میں مصروف تھا یکایک گولی لگی اور وہیں جاں بحق ہو گیا۔ مجھے اس واقع کی خبر ۴ فروری کو ملی یہ نوجوان نہایت لائق، ہونہار اور اپنے فرائض ڈاکٹری کو خوش اخلاقی کے ساتھ ادا کرنے کی وجہ سے ایسا ہر دلعزیز تھا۔ کہ انگریزی اور اردو اخباروں میں اس کی وفات حسرت آیات پر ہمدردی کے نوٹ نکلے اور میرے پاس سینکڑوں تار اور خطوط آئے۔ فروری کے مہینے میں ہر روز یکے بعد دیگرے صبح سے شام تک غمزادی کو آدمی آتے رہتے تھے اور ہر وقت بس اسی بات کا چرچا ہوتا رہتا تھا۔

"فقیر مہر ویدانتی ہے لڑکے اور گھر بار کو کیا خود اپنے جسم کو خواب شبینہ کے جسم کی طرح نگاہ غیر سے دیکھتا رہا ہے آج سے نہیں برسوں سے ویراگ اور گیان کی آگ دل میں لگی ہوئی ہے۔ اس واقع نے اس آگ کو اور بھی بھڑکا دیا۔ دنیا کی بے ثباتی کی تصویر آنکھوں میں کھنچ گئی۔ کہ یہاں نہ کسی کو قیام ہے نہ دوام ہے۔ آدمی دل بستگی کرے تو کس سے کرے اور کس منہ سے کرے، برسم دنیا کے بموجب غمزادی کی باتیں اکثر اوقات آنے جانے والوں سے کرنی پڑتی تھیں، مگر دن میں جب خالی ہوتا اور رات کو تو لطف شب تک مہندی رامائن یا سنسکرت یوگ واشسشٹ پڑھتا یا اپنے بھجن لے بیٹھتا ان تینوں نے طبیعت کو شانتی دی اور من میں بشرام پیدا کیا"

اس واقعہ کے بعد منشی جی تقریباً سولہ سال حیات رہے مگر ان کے یہ وچار متواتر ہی ترقی پذیر رہے ویدانت اور بھگتی کی طرف دھیان بڑھتا گیا اور دنیا سے منہ موڑتے گئے۔

دوسرے صاحبزادے پروفیسر برج نرائن نے اقتصادیات کے میدان میں بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔ پچاسوں کتابیں علم اقتصادیات و علم المعیشت پر لکھیں جو آج تک کالجوں میں رائج ہیں۔ بال برہمچاری رہے۔ یہ بھی ایک بھگوان کی لیلا ہے کہ جب جرمن قوم کی گولی سے ان کے بڑے بھائی پرم دھام کو سدھارے تھے تقدیر نے ان کے چھوٹے بھائی کو جرمن میں بطور اتالیق تسلیم کیا گیا اور وہاں کی پر بدھ یونیورسٹی واقع کیل میں ایک سلسلہ لکچروں کا دیا۔ اور وہاں کے اقتصادیات کے رسالوں میں برسوں مضامین چھپتے رہے کیونکہ فلسفہ بھی پڑھا تھا منشی صاحب سے اکثر بحث مباحثہ کیا کرتے تھے مگر میٹریلسٹک خیالات کے ہونے کی وجہ سے ویدانت اور بھگتی کے قائل نہ تھے۔

منشی جی کی وفات۔ منشی صاحب دو مرتبے ان کے پاس بھیٹنے کو گئے آخری مرتبہ ۱۹۴۲ء میں تشریف لے گئے، ۷۲ برس کی عمر ہو گئی تھی مگر حافظہ ویسا ہی تیز تھا کئی سالوں سے دل کا عارضہ تھا۔ جب دہلی سے جانے لگے تو دوست اقربانے سمجھایا کہ منشی صاحب ایسی حالت میں واجب نہیں کہ اتنا سفر کر کے گھر سے دور جا رہے ہیں کہنے لگے

کہ میں کیا کروں جہاں کی مٹی ہے وہاں لے جا رہی ہے

لاہور کے عزم سے دو ایک روز پہلے ہی اپنی وصیت لکھی اور اسے ختم کر کے کہا کہ یہ بھی ایک آخری کام تھا کر دیا۔ لاہور میں احتیاطاً بھائی صاحب وہاں کے بڑے بڑے ڈاکٹروں سے ان کی صحت کے بارے میں مشورہ کرتے رہتے تھے۔ منشی صاحب رات کو دس گیارہ بجے تک ان سے مضامین فلسفہ و دیگر موضوع پر بات چیت کرتے رہتے تھے۔ صبح حسب معمول حقہ پیا کرتے تھے اور پھر نکاہت کی وجہ سے صرف دو چار فرلانگ سیر کرنے جایا کرتے ڈاکٹروں نے تاکید کر دی تھی کہ انہیں اکیلے باہر نہ جانے دیا جائے۔ ایک ملازم ان کے ساتھ جانے کے واسطے تعینات کر دیا تھا میں بھی ان دنوں لاہور میں ہی تھا۔ اور روزانہ اپنی اہلیہ کے ساتھ ان کے پیچھے پیچھے جایا کرتا تھا۔ ۹ مئی ۱۹۴۲ء کی صبح حسب دستور قبح خواب سے بیدار ہو کر شوشح آدی سے فارغ ہو کر پلنگ پر بیٹھے اور ملازم کو آواز دی کہ حقہ لاؤ عموماً پانچ منٹ کے بعد آگ تیار ہو جاتی۔ ملازم حقہ لے کر آیا دیکھا منشی صاحب لیٹ گئے ہیں آواز دی مگر جواب نہ ملا پر دفیسر صاحب کو اطلاع کر دی دیکھا تو ختم ہو چکے تھے۔ حرکت قلب یکایک

بند ہو جانے کی وجہ سے وفات پائی۔ کیسی پاکیزہ زندگی تھی اور کیسا بلا تکلیف انجام۔ چہرے پر دم آخر کے بعد بھی وہی سنجیدگی اور متانت برستی تھی۔ ان کی وفات کی خبر آگ کی طرح پھیل گئی اور دم کے دم میں سینکڑوں کی تعداد میں ان کے پریمی اور بھگت جمع ہو گئے۔ اور اس طرح وہ ویدانت کا پرچارک ذاتِ اقدس میں سما گیا۔

منشی صاحب کی تصانیف کی اشاعت اب میرے بڑے بھائی رام نرائن کے فرزند ارجمند لالہ دیا نرائن بی اے (کامرس) "مہر پبلیکیشنز" کے نام سے جاری رکھ رہے ہیں۔ پرماتما انہیں توفیق دے کہ وہ ان جواہر پاروں کو منشی صاحب کے پریمیوں کے ہاتھوں میں پہنچاتے رہیں۔

منشی صاحب کی زندگی کے حالات جو میں نے مختصراً اوپر لکھے ہیں کچھ ذکر ان کی ہمہ گیر علمیت، فلسفہ اور تصانیف خالی از لطف نہ ہوگا۔ ایک بیدار مغز مصنف کی تصانیف اس کے اپنے خیالات و تاثرات کا آئینہ ہوتی ہیں۔ جو کچھ وہ سوچتا اور محسوس کرتا ہے وہی اس کے قلم سے نکلتا ہے منشی صاحب کی تحریروں میں بہت کچھ ان کی ذات بابرکات کی نسبت پتہ چلتا ہے، جہاں تک ممکن ہوگا میں انہیں کے الفاظ اور اشعار میں ان کے رجحانِ طبیعت کو پیش کروں گا۔

(باقی پھر)

کوئے یار

از
شری جگن ناتھ جی
کھنہ بی اے بی ٹی

۱- من شبے رفتم بکوئے یارِ من — جانِ من، ایمانِ من، دلدارِ من

۲- آں شبِ مہتاب، ہمیں مے نمود — نور در چشمانِ ہر یک مے فزود

۳- آں ہوائے خوش فضائے دلفریب — عاشقاں را گم شدہ صبر و شکیب

۴- ہر طرف چوں من نظر انداختم — گوہرِ لطفِ عجیب دریافتم

۵- پیشِ من موجود یک گلزار بود — آں ہمیں خلوت گہِ دلدار بود

۶- ایستادہ در پسِ دیوارِ من — ماہ رخ دیدم، خراماں در چمن

۷- بے رخش در دیدہ جو نظرم فتاد — دلِ ز دستم رفت، گشتہ شاد شاد

۸- محفلِ رقص و سرود آمد بپا — پیدا شد آنجا فضائے روح فزا

۹- آنچہ من دیدم سراپا نور بود — من ندانم آں پری یا حور بود

۱۰- خادماں و دوستاں و ہمدماں — ایستادہ گرد و پیشِ شوخ آں

۱۱- یک صدائے دلربا آمد بگوش — خفتہ جذباتم بیامد زو بجوش

۱۲- یک بیک چشمانِ ما گردید وا — من کجا و کوئے دلدارم کجا

۱۳- آنچہ ما دیدیم یکسر خواب بود — نقشہائے سر بسر بر آب بود

۱۴- انتشارِ ہستیٔ مطلق ہمیں — آسماں گردو، کواکب، ہم زمیں

۱۵- عندلیبِ زار گشتم در چمن — ہم شدم گل ہم شدم زاغ و زغن

۱۶- غیرِ من ہرگز نہ آید در نظر — من نمایم صورتِ مہر و قمر

۱۷- خود شوم عابد و خود معبود من — سجدہ بکنم خود شوم مسجودِ من

۱۸- خود صنم باشم و ہم خود مبتلا — من نہ بینم در جہاں غیرِ خدا

۱۹- گنجِ عرفاں تو بیابی اے صفی — گر کنی خود راز خود یکسر نفی

ترجمہ

ایک رات مجھے اپنے محبوب کے کوچے میں جانے کا اتفاق ہوا جو میری جان ہے، دھرم یا ایمان ہے اور میرا محبوب ہے۔ چاندنی چھٹک رہی تھی۔ جس سے میری آنکھوں کی روشنی تیز ہوگئی۔ ہوا بہت ہی خوشگوار تھی اور فضا عجیب دلنا درن، نہایت

دلکش اور دلفریب، کہ جس سے عاشقوں کے دل بے تاب ہو جائیں۔ جب میں نے چاروں طرف نظر دوڑائی تو مجھے عجیب ہی لطف حاصل ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سامنے ایک پھلواڑی کھِل رہی ہے جو دراصل میرے محبوب کی خلوت گاہ یعنی علیحدگی یا تنہائی میں وقت گذارنے کی جگہ تھی۔ یہ دیکھ کر میں ایک دیوار کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور باغ کا نظارہ لینے لگا۔ اتنے میں میری نظر ایک پیکر حسن اور رشکِ قمر نازنین پر جا پڑی جو اس باغیچہ میں سرگشت یا چہل قدمی کر رہی تھی۔ اس کی دلفریب صورت نے مجھے مجبور کیا کہ میں نظر جما کر اس کی طرف دیکھوں اور دیکھتے ہی میرا دل باغ باغ ہو گیا اور میرا اس پر قابو نہ رہا۔ اس کے بعد وہاں گانا بجانا شروع ہو گیا اور عجیب روح فزا کیفیت پیدا ہو گئی (جو دیکھنے سے ہی تعلق رکھتی ہے) میں نے جو کچھ وہاں دیکھا وہ روشنی ہی روشنی اور پرکاش ہی پرکاش یعنی وہ جگہ بقعۂ نور بن رہی تھی۔ اس چکا چوند پیدا کر دینے والی روشنی میں مجھے یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ آیا وہ نازنین کوئی پری ہے یا اپسرا ہے۔ ہاں اتنا میں ضرور دیکھ سکا کہ اس کی نوکرانیاں اور سہیلیاں اور سکھیاں سب اس کے ارد گرد گھیرا ڈال کر کھڑی ہیں (جس کی وجہ سے اس کی صورت ٹھیک طرح سے دکھائی نہیں دیتی) اس لئے میں اس کوشش میں تھا کہ اس کے دولتِ دیدار سے فیضیاب ہو سکوں۔ لیکن سب کوششیں بیہودہ ثابت ہوئیں اتنے میں خوش قسمتی سے) میرے کانوں میں ایک عجیب دل کو لبھا لینے والی آواز آئی۔ جس کو سننے سے میرے سوتے ہوئے جذبات بھڑک اٹھے اور عجیب بے تابی اور اضطرابی کی حالت پیدا ہو گئی۔ اس سے اچانک میری آنکھیں کھل گئیں اور میں کیا دیکھتا ہوں کہ نہ تو وہ میرے محبوب کی خلوت گاہ یا کوچہ ہے اور نہ ہی میں وہاں ہوں۔ اس لئے مجھے احساس ہوا کہ جو کچھ میں دیکھ رہا تھا وہ محض سوپن یا خواب تھا یا بالفاظ دیگر پانی پر کے نقش جن کی کچھ حقیقت نہیں ہوتی۔ اصلیت پانی کی ہوتی ہے نہ کہ ان نظر آنے والی مختلف شکلوں کی جو پانی پر بنتی دکھائی دیتی ہیں۔ بعینہٖ یہی حالت اس سنسار کی ہے جو دراصل اس ہستیٔ مطلق (یا برہم) کے لبادے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ وہ ذاتِ احد ہی آسمان کی صورت میں نظر آ رہا ہے، وہی ستارے ہے اور وہی زمین کی شکل میں ہمیں دکھائی دے رہا ہے، وہ خود ہی معشوق ہے اور خود ہی اس پر عاشق ہے سوائے اس ذاتِ مطلق کے (یعنی خدا جو اپنے آپ ہی پیدا ہوتا ہے۔ اس کو کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے) مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ باغ میں وہی بلبل ہے وہی پھول ہے اور وہی کووں کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ جب یہ حالت ہے تو وہ دیکھنے والا بھی اسی ذاتِ باری کا ایک جزو ہے اس سے علیحدہ اس کی کوئی ہستی ہی نہیں ہے۔ اس لئے ایسا احساس پیدا ہونے پر یا جب اس کی باطنی آنکھیں کھلتی ہیں تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ میری اپنی ذات کے سوا تو کوئی چیز نظر ہی نہیں آتی۔ سورج اور چاند بھی میرے ہی روپ ہیں۔ میں ہی بھگت ہوں اور میں خود ہی بھگوان، میں خود ہی سجدہ کرتا ہوں اور خود ہی وہ ہستی ہوں جس کے آگے لوگ سجدہ کرتے ہیں ... ۔ اس لئے اسے منشی تو اس معرفت یا گیان کی دولت سے مالا مال ہو سکتا ہے اگر اپنی خودی اور انانیت کو اپنے دل سے بالکل خارج کر دے بالفاظ دیگر اپنے جیوپن یا جیو بُدھی کو چھوڑ کر اپنے آپ میں شدھ چیتن سروپ برہم کا احساس پیدا کرے۔

نوٹ:۔ ناظرینِ اوم سے استدعا ہے کہ وہ فارسی نظم کوئے یار، اور اس کا سلیس ترجمہ بزبان اردو ملاحظہ فرمانے کے بعد سطور ذیل میں استعارات مستعملہ کی تشریح بھی ملاحظہ فرمالیں تاکہ نفسِ مضمون بخوبی ان کی سمجھ میں آجائے۔

نظم ہذا میں کوئے یار سے مراد جسمِ انسانی یعنی نشیمہ شریر ہے جس کو پاکر انسان اپنا آپ بھول کر اس مایا دنیا میں بھٹکتا ہے وہ مہ جبین او رنازنین جو اس کا حقیقی محبوب ہے اس کی اپنی آتما ہے اور اس کی سہیلیاں اور نوکرانیاں اس کی واسنائیں اور تریناں ہیں جن کی وجہ سے آتما اچھادت رہتا ہے۔ آتما تو حقیقی کی چمک ہونے کی وجہ سے نور علٰے نور ہے ارتھات پرکاش سروپ ہے لیکن کمی کا دلوں سے اس کا ساکشاتکار یعنی مشاہدہ عینی نہیں ہوتا۔ مجلس رقص و سرود خواہشات نفسانی کو پیدا کرنے کے لئے

طرح طرح کے سامانوں کی فراہمی ہے ۔ ان میں آسکت ہو جانا ہی خواب غفلت ہے ۔ جس میں غلطاں رہنے سے جیو کو اپنے آپ کی پہچان یعنی خود شناسی کا موقعہ نہیں ملتا لیکن جب کسی تتو دیا اور تتو درشی مہاپُرش کا اپدیش سن کر اس کو جاگرتی ہو جاتی ہے تو اُس کی حقیقی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور اُسے اپنے سروپ کا گیان ہو جاتا ہے ۔ جسے آتم ساکشاتکار کہتے ہیں جو حقیقت میں انسانی زندگی کا ماحصل ہے ۔ یہی اس نظم میں بتانے کی کوشش کی گئی ہے ۔

خاکپائے صوفیائے کرام جگن ناتھ کھنہ صفی بندابن

گذشتہ سے پیوستہ

سومناتھ کا مندر

از
شری امرت لال سرپال

نمسکار شوائے ۔ شوائے نمہ! گورو دیو نے جواب دیا۔ بھیم سنگھ گھوگا باپا کے پتر سجن اور ساونت آئے ہیں ، غزنی کا امیر چڑھا آ رہا ہے ۔ گئو براہمن کا وَدھ اندھا دھند ہو رہا ہے کوئی مندر اس کے اتیاچار سے بچا نہیں کوئی استری پُرش اس کے سامنے اگر زندہ رہے نہیں ۔ کہو کیا وچار ہے ۔۔

بھیم بولے "گورودیو بھگوان نے ہماری پریکشا لینی ہے نا اس سے پیچھے کیوں ہٹیں ۔ مجھے تو اس سماچار سے بہت پرسنتا ہوئی ہے ، آج بھگوان نے گجرات کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے ۔ اپنی رکھشا کرنے کا گجرات کے راجاؤں کے ہوتے ہوئے وہ سومناتھ کی طرف دیکھ نہیں سکتا ، ہماری بھجاؤں میں بھولا ناتھ نے اتھاہ شکتی کا پرداہ کر دیا ہے ہمارا من بلیوں اُچھل رہا ہے ، ہم تو محمود سے بھڑنے کے واسطے ویاکل ہو رہے ہیں ۔"

گورودیو آپ سجن اور ساونت کو بدا کر دیں وہ جاتے ہوئے راستہ میں سبھی راجاؤں کو تیاری کی سوچنا دیتے جاویں ۔ میں بھی آج ہی واپس پاٹن جاؤنگا ۔ پوری تیاری کرنے کا سمے مجھے ملنا ہی چاہئے ۔ اور اسی سمے سجن اور ساونت آئے دونوں مہاراج بھیم سے گلے ملے کچھ جانکاری ہوئی ۔ کچھ انتظام کے متعلق بات چیت چلی اور سب خوشی خوشی بدا ہوئے ، سجن اور ساونت دو دن کا راہ چلتے ہوئے ریگستان کے اس سرے پر پہنچے ،

یہاں سے گھوگا گڑھ کو دو راستے جاتے تھے ، ایک نزدیک کا تھا دوسرا بہت خطرناک ۱۲ دن کا راستہ ۔۔۔ جس پر آج تک کوئی بچ کر صحیح سلامت نکلا نہیں ، دوسرا وہ ملہار استہ ایک راہ کا جس پر کر دونوں تیاپتر ہو کر سومناتھ پہنچے تھے دونوں نے رک کر صلاح کی ۔ تیا نے پتر کو اکیلے ہی اسی راستے سے واپس کیا ، خود خطرناک راستہ اکیلا ہی نکل پڑا ۔ وہ تو ایک دوسرے کو حسرت بھری نگاہوں سے آنکھوں میں پریم کے آنسو لئے ہوئے جدا ہوئے ۔ سجن نے تین دن کا راستہ تو طے کیا چوتھے دن ہوا گرم تھی ۔ ریت آگ کی طرح تپنے لگی ۔ لُو جسم کو جلانے لگی ۔ اونٹنی گھبرانے لگی ، مگر وہ آگے بڑھتا چلا گیا ۔ اس کے پران گھوگا گڑھ میں تھے وہ وہاں جلد سے جلد جا کر گھوگا باپا کے چرنوں میں اپنی سیوا ارپت کرنا چاہتا تھا ۔ دو دن اور گزرے دن رات بھاگتے سفر کرتے ریت کا بے پایاں سمندر نیچے اوپر سے آگ برستی ہوئی ساتویں دن آگے موت سامنے ناچتی ہوئی نظر آنے لگی اس نے ہنکار کی "جے سومناتھ" اونٹنی نے بھی سر ہلایا ۔ اور ایک جانور اور ایک انسان پھر اس سنسان آگ کے سمندر میں آگے بڑھے ۔ دوپہر کا وقت تھا ۔ کہ اونٹنی اچانک کھڑی ہو گئی ۔ اس کا سارا جسم تھر تھر کانپنے لگا ۔ سجن حیران تھا ۔ کہ کیا ہوا کہ اتنے میں اونٹنی نے زور سے ایک چیخ

ماری ۔ اور پوری قوت سے بائیں طرف بھاگنا شروع کیا اسے سنبھالنے کی ساری تدبیریں اکارت گئیں، سجن نے اپنے بھاگیہ کو اونٹنی کے حوالے کر دیا۔ نہ جانے کہاں جائیں کیا ہو مگر بے بس سجن اونٹنی پر ڈٹا بیٹھا رہا۔ اس نے اچانک بادل آتے دیکھے ۔ اونچے بادل مگر یہ بادل نہ تھے، ریگستان میں ریت کا طوفان تھا کتنے ہی میلوں میں زمین سے لے کر آسمان تک ریت کا انبار اپنی قوت سے اس طرف بڑھ رہا تھا اب سجن کو اونٹنی کی سمجھ پر حیرانی ہوئی، میری بہو۔ تو نے آج میری جان بچائی ۔ کہہ کر سجن اونٹنی سے چپٹ گیا۔ کچھ گھنٹوں کی دوڑ کے بعد طوفان ہار مان کر رہ گیا ۔ اور سجن نے رات آتی دیکھ کر بھگوان کے آسرے سب کچھ چھوڑ اونٹنی سے نیچے اُترا اور رات کی ٹھنڈک میں چند گھنٹوں کے واسطے آرام کرنے کی ٹھانی۔ اونٹنی اور سجن اس لمبے سفر کے ساتھی، ایک دوسرے کے گلے لگ کر سو گئے۔ دن چڑھا، سجن اٹھا۔ بن سوچے سمجھے ایک طرف چل دیا کچھ ہی میل گیا ہوگا کہ سامنے سے دو راجپوت آتے نظر پڑے۔ ان کے ساتھ کچھ پٹھان تھے۔ انہوں نے اسے للکارا تم کون ہو، سجن ایک ہی نظر میں سب کچھ سمجھ گیا۔ "میں راہبر ہوں اس ریگستان میں بھولے بھٹکے مسافروں کو راستہ دکھلانا میرا کام ہے،، تو ٹھیک ہے آؤ ہمارے ساتھ چلو۔" کہاں"؟ غزنی کے امیر کے پاس ۔ یہ چھوٹا سا قافلہ چل پڑا تھوڑی دیر کے بعد سب لوگ امیر کی فوج میں پہنچے ۔ راستہ میں راجپوتوں سے بات چیت کرتے کرتے سجن کو معلوم ہو گیا۔ کہ راج گڑھ اجڑ گیا۔ اجمیر کی خاک اڑا دی گئی۔ گھوگا گڑھ تباہ ہو گیا۔ دوسرے راجوں نے اپنی موت کو دعوت دی۔ جو محمود کا مقابلہ کیا، سجن نے سب کچھ سنا۔ چپ ہو رہا۔ اب گھوگا گڑھ میرا کیا دھرا ہے۔ باپا مرے، سارا ونش سماپت ہو گیا: سبھی رانیاں ستی ہو گئیں۔ اور — اور سامنت، میرے پتر کا کیا ہوا، بھگوان کی اچھیا جان کر وہ چپ ہو رہا۔ اب وہ امیر کے سامنے تھا۔ ایک ہاتھی برے ڈیل ڈول کا یوں امیری ٹھاٹھ میں مست بیٹھا تھا۔ اس کے اردگرد بڑے جنگجو

بہادروں کا پہرہ تھا۔ اور اس کے اردگرد لاکھوں خیمے گڑھے تھے ہاتھیوں کی، گھوڑوں کی اور انسانوں کی ان گنت قطاریں، سجن یہ سب کچھ انتظام دیکھ کر زیر لب مسکرایا۔ اگر میں دلیپ ان سب کی جانچ کرنا چاہتا تو کون نزدیک آنے دیتا، بھگوان تیرا کام ہے تو ہی سہائتا کر رہا ہے،، امیر نے اپنے سامنے نڈر نوجوان کو اس طرح کھڑے دیکھ کر غصہ سے گھورا "کون ہو"۔ "راجپوت،، — ہم سومناتھ جانا چاہتے ہیں، راستہ دکھلاؤ گے — کیوں نہیں ان داتا،، — "مگر جان لو کہ ذرا غلطی ہوئی تو جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔،، "حضور میرا اور میرے باپ دادا کا کام یہی ہے۔ میں بھلا کس طرح بھول سکتا ہوں، اس کے بعد سجن نے ہر طرح سے امیر کو یقین دلایا کہ دوسرے رہبر امیر کو دھوکہ دے سکتے ہیں، مگر اس کا تو یہ پیشہ ہے۔ کسی کو دھوکا دینے سے کیا غرض امیر نے ریگستان کی دوسری طرف پہنچ کر بہت انعام دینے کا اقرار کیا اور سجن نے دلی خوشی ظاہر کر کے ایک خیمہ میں آیا۔ آج اتنے ہی دنوں کے بعد وہ اور اس کی جان بچانے والی اونٹنی آرام سے بیٹھے سجن ساری رات نہ سو سکا گھوگا گڑھ کی تباہی اسے رلا رہی تھی۔ بیٹے کا غم کھائے جا رہا تھا۔ اس چنتا میں رات گزر گئی۔ دن چڑھا۔ چھاؤنی میں چلنے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سجن نے اٹھ کر اونٹنی کا منہ چوما پیار کیا۔ تو جس موت سے تو نے مجھے بچایا تھا۔ آج ہم دونوں خوشی اس کے منہ میں چلیں گے، دیکھا دھوکہ نہ دینا، سجن اونٹنی پر چڑھا خوشی خوشی آگے آگے تھا اس کے پیچھے تین لاکھ جرار فوج اٹکھیلیاں کرتی چلی آ رہی تھی۔ چند گھنٹوں کے بعد گرم ہوا چلی فوج کے جوانوں کے چہرے اڑنے لگے گھوڑوں نے آگے چلنے سے انکار کر دیا، ہاتھی گھبرا گئے۔ اونٹنیاں اڑنے لگیں۔ محمود کو شک گزرا۔ اس نے للکارا۔ سجن۔ میرے ساتھ آنے ہوئے راہبر کہہ رہے ہیں کہ تم غلط راستے لے جا رہے ہو، تم اپنی موت کو بلا رہے ہو۔ سجن نے قہقہہ لگایا — سلطان! میں سمجھتا تھا کہ تمہاری فوج کو راہ دکھلانے والے اتنے دھوکا باز ہوں گے اور تمہارے سومناتھ کو فتح کرنے کو جانے والے جوان

حوم سے کے بت ہوں گے، غزنی سے چلتے وقت سوچا تھا۔ کہ اس ریگستان کو پار کرنا کتنا مشکل ہے سمندر میں بھول کر انسان کنارے لگ سکتا ہے مگر اس ریگستان میں بھول کر موت کے منہ میں جانے کے برابر ہے اگر تم آنا چاہو تو آؤ نہیں تو میرا راستہ یہ ہے آپ کا وہ۔ سلطان کو اغتبار آگیا، پھر آگے بڑھے — فوج کی گھبراہٹ بڑھی، یہ تو دوزخ میں لئے جا رہا ہے "سجن" سلطان نے پکارا۔ فوج بے قابو ہو رہی ہے کیا یہی راستہ ہے کوئی اور آسان راستہ نہیں: "سلطان"! سجن نے کہا "میری طرف دیکھو، میری اونٹنی کی طرف دیکھو، ہم آگے بڑھ رہے ہیں، ہنسی خوشی آپ گھبراؤ نہیں، ریگستان کا سفر اس طرح کا ہوتا ہے"

تین لاکھ فوج پھر آگے بڑھی۔ اچانک سامنے سے ریت کا پہاڑ اُٹھا۔ ہوا آگ برسانے لگی، سلطان نے جلدی فوج کو تین ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ ایک لاکھ کا ایک ٹکڑا، تینوں کچھ فاصلہ رکھ کر آگے بڑھنے لگے، سلطان کے ساتھ آتے ہوئے رہبروں نے سلطان کو اس ریگستانی طوفان سے آگاہ کیا، مگر سجن وہ تو پہلی ٹکڑی کے ساتھ سب سے آگے بڑھا چلا جا رہا تھا، سلطان نے اونٹنی کو ایڑ لگائی۔ آگے بڑھا "سجن یہ کس راستے جا رہے ہو — سجن ہنسا۔ زور زور سے امیر تم سومنات توڑنے چلے ہو — تمہاری قبر ابھی ریگستان میں نہیں گی۔ وہ دیکھو سامنے زور سے اسی طرف بڑھتا ہوا ریت کا طوفان ابھی تھوڑی دیر میں سب کو یہیں دبا لے گا۔ منوں ریت کے نیچے تمہاری فوج کا پتہ بھی نہ چلے گا۔ اور تم جانتے ہو میں کون ہوں — میں ہوں گھوگا باپا کا پُتر جسے تم نے ختم کیا — یہ سنتا تھا کہ غزنی کے امیر کا دم رکنے لگا۔ وہ جلدی سے پیچھے مڑا مگر ایک لاکھ فوج کو بچا دینی اتنی آسان نہیں تھی۔ ان کو ان کی قسمت پر چھوڑ امیر بھاگا۔ پورے زور سے آگے آگے وہ پیچھے اس کے بے ترتیب میں پریشان ہوئی فوج، مگر جہاں امیر بچ کر کافی آگے نکل گیا۔ فوج اس ریت کے طوفان میں قابو آگئی۔ چاروں طرف الہائی چیخیں، ہاتھیوں کی دوڑ دھوپ سے تباہی گھوڑوں و اونٹنیوں کے بے قابو ہو جانے سے ہاہاکار، طوفان سر پر آگیا منوں ریت برسنے لگی۔ چند لمحوں کے بعد یہ ایک لاکھ فوج مع ہاتھی گھوڑوں کے ریت میں دفن ہو چکی تھی سجن اور اس کی اونٹنی کا صرف کلاہی باہر تھا وہ مسکرایا۔ سچ سوچا تھا بھگوان شو بھولے ناتھ نے آج میرا جنم دھنیہ کر دیا۔ اب میں سکھ سے مروں گا"۔ — اور سجن چوہان ویر اپنے سامنے یونوں کی ایک لاکھ سینا کو دم توڑتے دیکھ اس سنسار سے جدا ہوا۔ امیر نے خداوند کریم کا شکر کیا کہ وہ کسی طرح اپنی بچی فوج اور اپنی جان بچا سکا۔ راہبروں کے کہنے پر پھر سے سفر جاری ہوا اور ایک بار پھر سومنات کی طرف یہ ٹڈی دل چلا۔

سجن کے پتر نے دوسری راہ سے ریگستان کا سفر طے کرنا تھا ابھی وہ راستہ ہی میں تھا کہ اُسے محمود غزنوی کی تباہ کاریوں کا پتہ چلا، گھوگا گڑھ کے متعلق سن کر وہ پاگل سا ہو گیا۔ بہر حال کسی طرح یہ سفر طے کر کے جب وہ گھوگا گڑھ کے قلعہ میں داخل ہوا تو وہاں پر سب دروازے کھلے ہوئے ملے سارے گڑھ میں نہ کوئی آدم نہ جانور نظر آیا، تباہی چاروں طرف کھلی کتاب کی طرح پڑی تھی سووہ آگے بڑھا۔ چوپال میں گڑھ کی ستیوں کی راکھ پڑی تھی۔ اس میں اس کی ماں بھی تھی، بہن بھی، استری بھی اور گڑھ کی دوسری نوجوان بڑی بوڑھی اور بچیاں بھی وہ اور آگے گیا۔ مندر! مندر کے دروازے کھلے تھے۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ شوجی کی مورتی کے چرنوں میں بیٹھ گیا اُسے دادا یاد آ گئے ان کی بہادری کے قصے یاد آ گئے، گڑھ کے جانبازوں کی تصویریں ایک ایک کر کے سامنے آنے لگیں، گھوگا باپا کی انہاری شان یاد آئی، ماں کا پیار، بہن کا سنیہ، پتنی کا پریم۔ اس کا دل اُمڈ پڑا۔ وہ بے اختیار بچوں کی طرح رونے لگا۔ اس کی گھگی بند ہو گئی اس کی چیخیں نکل گئیں۔ اچانک مندر کے تہ خانے کا دروازہ کھلا مندر کا بوڑھا پجاری سامنے کے سامنے آیا دونوں ایک دوسرے کو لپٹ گئے۔ دل کا بخار آنسو بن کر نکلنے لگا۔ رات ہونے کو آئی مگر کسی کو بھی سدھ نہ رہی۔ جب آنسو ختم ہو گئے بے ہوشی طاری ہونے لگی۔ تو دونو مورتی کے چرنوں میں بیٹھ گئے۔ "سامنت — میں ابھی تک زندہ ہوں" — اور میں — گورو دیو، میں

"میرا من دیاکل ہو رہا ہے۔ گوردیو۔ پتا و دادا کہاں گئے۔ سارے ونش کا کیا بنا۔ یہ گڑھ۔ وہ رونق صرف ہمارے جانے آنے میں ہی ختم ہو گئی"، گوردیو رو رو کر آنکھیں لال کر چکے تھے بولے "سامنت۔ بیٹیا دل پتھر کا کر کے سن میں اس لئے زندہ ہوں کہ تجھے سب کچھ بتلا سکوں۔ مجھے وشواس تھا کہ تم ضرور آؤ گے، سجن ضرور آویں گے۔" سامنت آنکھوں میں آنسو لئے بولے "پتاجی تو سوریہ چندر سے ہی علیحدہ ہو گئے تھے تاکہ یہاں پر جلدی واپس آسکیں۔ ان کا کیا بنا مجھے کچھ پتہ نہیں۔ اب میں شاید جیون بھر انہیں نہ دیکھ سکوں۔ آپ مجھے یہاں کا حال سنائیں، میرا من گھبرا رہا ہے۔ جلدی کیجئے!" —

اور اپنے سفید بالوں کو جو پریشانی سے بکھرے ہوئے تھے سنبھالتے ہوئے گوردیو کہنے لگے، "تمہارے جانے کے کچھ دن بعد ملتان نریش کا ایک دوت یہاں آیا۔ گھوگا بابا چوپال میں منتریوں سے بات چیت کر رہے تھے۔ دوت نے ہیرے جواہرات سے بھری تھالی بابا کے چرنوں میں رکھ دی —

"یہ کیا ہے" — بابا غرائے۔ "مہاراج" دوت کہنے لگا۔ "غزنی کا امیر سومناتھ کی طرف جا رہا ہے اس نے یہ بھینٹ بھیجی ہے اور پرنام کہنے کے بعد آپ سے ریگستان کا راستہ مانگا ہے۔ ملتان نریش نے بھی کہلا بھیجا ہے کہ آپ اسے سویکار نہ کریں۔ اسی میں گڑھ کا اور سب کا بھلا ہے۔" یہ سننا تھا کہ بابا کا ہاتھ تلوار پر گیا۔ بھویں تن گئیں۔ آنکھیں سرخ انگارہ بن گئیں۔ بھجائیں پھڑکنے لگیں۔ وہ اٹھے زور سے تھالی کو ٹھوکر ماری، ہیرے جواہرات سارے چوپال میں کنکروں کی طرح بکھر گئے۔ وہ گرجے — جا۔ اٹھا تھالی کو اپنے مالک سے کہدے کہ ماں کی چھاتی میں کٹار مار کر جو اس نے پراپت کیا ہے اس کی مجھے چاہ نہیں۔ امیر سے متر تا کر کے شوجی مہالانا تھو کے مندر پر جو آکرمن کرنے کا سمجھوتہ کیا ہے وہ پورا ہو گا نہیں گھوگا گڑھ راستے میں ویسے ہی نہیں کھڑا، امیر کی بے پایاں سینا آئے یہ پاپ کرنے کو پروا الساھن کر رہی ہے مگر چوہانوں کو سومناتھ پربھو پر وشواس ہے۔ لیٹروں کو کب سے اس نے چھوڑے سمجھا

شروع کر دیا۔ بھگوان شو کو ان چند پتھروں کی خاطر گھوگا بابا بیچیں گے۔ یہ اس سے کس نے کہہ دیا۔"

دوت واپس چلا گیا۔ دوسرے دن کو پو پھٹتے ہی سامنے سے امیر کی بے پایاں فوج بڑھتی ہوئی آ رہی تھی گڑھ کے دروازے بند کر دیئے۔ بابا گھوڑے پر سوار چاروں طرف بجلی کی طرح گھوم رہے تھے، کنگروں پر چوہان ویر ہاتھوں میں تیر کمان لے کر سنبھل گئے۔ قلعہ کے دروازوں کے پیچھے ہاتھی کھڑے کر دیئے گئے۔ لیکن بابا حیران ہو گئے جب انہوں نے دیکھا کہ امیر کی ساری سینا گڑھ کے گھیراؤ ڈالنے کی بجائے اس کے بغل سے ہو کر ریگستان میں پرویش کرنے کے واسطے آگے بڑھتی جا رہی ہے۔ بابا جیسے پاگل ہو گئے آنکھیں لال بھبھوکا ہو گئیں۔ دانت پیس کر بولے "کاٹر بچ کر جانا چاہتا ہے" اور اسی وقت گڑھ کے دروازے کھول دیئے گئے۔ ساری سینا کو تیار ہونے کا حکم دیا گیا۔ "جے سومناتھ" کے نعروں سے آسمان گونج اٹھا۔ اور گڑھ سے گھوڑوں پر سیلاب کی طرح بڑھتے ہوئے ویروں نے یون سینا پر دھاوا بول دیا۔ بابا سب سے آگے کیسری پگڑی پہنے چاروں طرف گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے، یون سینا میں ایک دم کے حملہ میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی تھی، مگر جلد ہی وہ سنبھل گئے۔ اور جم کر یدھ ہونے لگا۔ چند ہزار ویر چوہان ٹوٹ کر جے سومناتھ کی گرجنا کرتے ہوئے اس ٹڈی دل پر ٹوٹ پڑے۔ ایک ایک نے پانچ پانچ دس دس کی جان لی۔ بابا پر چاروں طرف سے تلواریں برسنے لگیں۔ کچھ دیر کے بعد جے سومناتھ کی گرجنا میں بابا نے گھوڑے کو آگے بڑھایا مگر زخموں نے اس قدر نڈھال کر دیا کہ وہ نیچے آ رہے۔ ایک بھی چوہان نہ بچا۔ میں یہاں سے کھڑا سب دیکھا کیا۔ میں پتھر کا بن گیا تھا۔ سارے ونش کو سماپت ہوتا دیکھنے والا کیول میں ایک پرانی مورد بچا تھا۔ میں رات کو یدھ کے ستھان پر گیا بابا کا سر بڑی مشکل سے ملا۔ میں اسے روتا ہوا اٹھا کر لے آیا اب میں واپس رتھ اس میں آیا۔ الگ الگ ٹکڑیاں اکٹھی کیں۔ چتا

بنا ٹیں۔ سبھی رانیاں اور گڑھ کی استریاں نئے نئے وستروں میں سج کر آئیں۔ ان میں بڑی بوڑھی بھی تھیں۔ جوان الہڑ کنواریاں بھی تھیں۔ وہ بھی تھیں جنہیں میں نے اپنے گود میں کھلایا۔ اور وہ بھی جن کو سہاگن میں نے بنایا۔ میرا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ کل پروہت ہونے کے ناطے یہ کاریہ بھی میں نے ہی کرنا تھا۔ چتا پر سارے گڑھ کی جنم داتا مائیں بہنیں، کومل سندریاں۔ لاڈلی پتنیاں، معصوم بچیاں خوشی خوشی آ بیٹھیں گھوگا باپا کے بیٹوں نے سر کو چتا میں رکھا۔ روتے روتے نینوں اور چیختے ہوئے من کے ساتھ میں نے آرتی اُتاری، اگنی دی۔ اور کچھ ہی دیر میں چتا کی اگنی نے سب کو بھسم کر دیا۔ اب میں ہی ایک ایک قسمت کا مارا بچا ہوں۔ سارے ویروں کو سورگ بھیج کر یون سینا گڑھ کے اندر آئی۔ چاروں طرف خوب لوٹ مچی۔ میں مندر کے تہ خانے میں جا بیٹھا۔ دو گھڑی کے بعد وہ لوگ چاروں طرف تباہی مچا کر چلتے بنے اس دن سے میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ اب مجھے پرانوں سے کچھ موہ نہیں۔ میں بھی بھگوان سے یہی پرارتھنا کرتا ہوں۔ کہ مجھے بھی لے چلے۔" ساحنت نے سب کچھ سنا۔ ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہا۔ "گرو دیو ہمیں چلنا ہوگا۔ کل ہی سویرے ہمیں سلطان کی فوج کا پیچھا کرنا ہوگا۔"

دوسرے دن وہ دو گھڑی سفر طے کرکے آگے چلے ہوں گے کہ خیموں کی قطاریں نظر آئیں۔ وہ اور آگے بڑھے خیموں کے پاس چوکیدار نے روکا۔ تو ساحنت نے کہا۔ "ہم امیر سے ملنا چاہتے ہیں، ہمیں ملتان کے مہاراج نے بھیجا ہے، ہم صرف سلطان سے ہی کچھ عرض کرنا ہے۔" یہ خبر سلطان تک پہنچا دی گئی، ساری فوج میں سے گزرتے ہوئے دونوں سلطان کے سامنے حاضر ہوئے کیا حال ہے مہاراج کا، سلطان نے پوچھا۔ جواب ملا "آپ کی وجے کی پرارتھنا کرتے ہیں امیر" مہاراج کو پتہ لگا ہے کہ ریگستان کی دوسری طرف، راجپوت، راٹھور، چوہان اور گجرات کے راجے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کے پاس اگنت سینا ہے مہاراج نے آپ کو سندیسہ بھیجا ہے کہ آپ واپس چلے آئیں۔ آگے بڑھنا بہت بھیانک ہوگا۔" امیر نے مشکوک نگاہ سے ساحنت کو دیکھا "ہوں — میں ضرور جاؤں گا۔ مہاراج کو کہہ دو چنتا نہ کریں۔ اگر خدا نے چاہا تو میں مندر میں ضرور جاؤں گا اور مندر کو ختم کر کے واپس آؤں گا۔" ساحنت کے دل پر چھری سی چلی۔ اس نے دوسری تدبیر سوچی۔ اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر اسے عملی جامہ پہنانے چلا اس نے دیکھا کہ امیر دوسری طرف منہ کئے کچھ سوچ رہا تھا اُس نے جلدی سے کٹار نکالی اور بجلی کی طرح اُس نے اُچک کر امیر پر حملہ کر دیا۔ اس کا خیال غلط نکلا۔ امیر چوکنا تھا ہی اُس نے اس کا ہاتھ مروڑا کر کٹار نیچے گر گئی۔ وہ بے بس کھڑا تھا چاروں طرف ننگی تلواریں ساحنت کے خون کی پیاسی ہو رہی تھیں۔ امیر نے اشارے سے اپنے سب محافظوں کو دور کر دیا۔ اور بلند آواز میں کہنے لگے "مجھے پہلے ہی تم پر شک تھا مگر اس قسم کی حرکتیں محمود کو اپنے عزم سے باز نہیں رکھ سکتیں وہ سومناتھ ضرور جائے گا۔ فوج کے ساتھ نہیں تو اکیلا ہی سہی۔" — امیر کے سردار اور فوج جو کہ ساحنت کی خبر سے دل برداشتہ ہو رہی تھی۔ اس کے اس عزم اور بہادری کو دیکھ کر پھر سے کمر بستہ ہو گئی۔ کئی لوگوں نے مطالبہ کیا کہ ساحنت کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ تاکہ اسے قتل کر دیا جائے مگر امیر نے یہ صلاح منظور نہیں کی اس نے ساحنت کو مخاطب کر کے پوچھا "کون ہو تم" — "میں گھوگا باپا کا پوتا ہوں۔ امیر! اور جب تک شریر میں جان ہے تمہارے واسطے کال بن کر سر پر منڈلاتا رہوں گا۔" امیر کے چہرے پر حیرانی کے آثار نمودار ہوئے۔ وہ بہادر تھا۔ بہادروں کی قدر جانتا تھا — "ساحنت! میں کس منہ سے تمہارے خاندان کی بڑائی کروں۔ مٹھی بھر سپاہی لے کر بوڑھے گھوگا باپا نے جو مار کاٹ میری فوج میں مچائی اسے میں بھولا بھی نہ تھا۔ کہ اس کے بہادر بھتیجے نے میری فوج کا تیسرا حصہ ریگستانی طوفان کے نذر کر دیا اب تم نے اتنی جرأت کی کہ ہم پر حملہ کے واسطے یہاں تک پہنچ گئے۔ مگر یاد رکھو میں بزدل نہیں ہوں جو تم کو مار دوں گا" اس کے بعد اس نے اپنے سپہ سالار اعظم کو حکم دیا۔ ساحنت اور اس کے ساتھی کو فوج کے باہر حفاظت سے پہنچا دو۔ اگر کسی نے

ان کو گزند پہنچائی تو کھال کھچوا دوں گا۔ حکم کی تعمیل ہو گئی۔ امیری فوج۔ اور یہ دو تو سامنت اور گوردیو۔ ایک بار پھر مختلف مقاصد لے کر سومناتھ کی طرف بڑھے۔

سومناتھ پہنچنے سے پہلے برق رفتار اونٹنیوں پر یہ دونوں پہلے پاٹن گئے۔ وہاں پر مہاراج بھیم سے ملاقات کی۔ پچھلا سارا حال کہہ سنایا۔ اور بھیم مہاراج سے سومناتھ کی رکشا کے متعلق تمام حالات جان لئے، مہاراج نے گجرات سے بھی فوج کو اکٹھا کر لیا تھا۔ کچھ راٹھوروں اور دوسرے راجپوت راجوں کو بھی نمنترن دیا۔ مگر ابھی ان کے پہنچنے میں دیر تھی۔ سارا حال سننے کے بعد مہاراج بھیم نے سامنت اور اپنے وزیروں سے صلاح مشورہ کیا، سامنت نے کہا کہ سومناتھ سے دور مقابلہ کرنا ٹھیک نہ ہو گا۔ اس واسطے پاٹن کی اور دوسرے گجرات کے راجوں کی فوجیں سومناتھ ہی چلی جائیں۔ شہر خالی کروا لیا جائے اور سومناتھ کو بچانے کے واسطے وہیں پر پربھو کے چرنوں میں ہی مقابلہ ہو۔ اس کے دو کارن تھے۔ پہلا یہ کہ وہاں پر لڑتے ہوئے بھی مہاراج اور ان کی فوجیں اپنے شیو جی بھولاناتھ کے لئے لڑتے ہوئے جان لڑا دیں گے۔ دوسرے یہ کہ سومناتھ میں لڑنا بھگوان کے لئے لڑنا ہو گا۔ اور وشواس کے انوسار بھگوان انہیں اپنی رکشا کے لئے پورن شکتی دیں گے۔ صلاح مشورہ کے بعد یہی طے ہوا کہ سبھی فوجوں کو پربھاس جانے کا حکم دیا جائے۔ سامنت نے بھی یہ کہا کہ فوجوں کے چلے جانے کے بعد پاٹن کو خالی کر دینا بہتر ہو گا۔ کیونکہ ہماری فوجی طاقت بٹ نہ جائے، دشمن پاٹن کو خالی دیکھ کر اسے برباد نہ کرے گا۔ اور آگے بڑھ جائے گا۔ یہ بھی نشچے ہوا کہ کچھ ہزار لڑاکے نوجوان سامنت لے کر نزدیکی جنگل میں رہے اور جب سلطان کی فوج پربھاس کا محاصرہ کر لے تو اس کی فوج کو پیچھے سے تنگ کیا جائے۔ اس طرح کے انتظامات کئے گئے اور سب اپنی اپنی ذمہ داری کو نبھانے پر جُٹ گئے۔

پربھاس خالی ہو چکا تھا، تمام آبادی کو کھمبات بھیج دیا گیا تھا۔ ہر گھر ہر مکان پر فوج کا قبضہ تھا۔ پربھاس میں تھے صرف گوردیو سروگیہ جنہوں نے ہزار بار کہنے پر بھی مندر کو نہ چھوڑنے کا پرن کیا ہوا تھا۔ ان کے علاوہ وہاں پر تھی گنگا دیوداسی اپنے اشٹ دیو کی دیوداسی۔ گوردیو کی سیوکا اور اس کی اپسرا کے سمان نویلی چولا۔ ان سب نے پربھاس سے نہ جانے کا پرن لیا تھا۔ ان کے علاوہ یہاں رہ گئے تھے شیو رشی۔ گوردیو کے بڑے ششیہ۔ جو کہ چولا کے پریم کی آگ میں اندر ہی اندر بھسم ہو رہے تھے اور چولا اٹھارہ برس کی ہرنی ایسی گورے رنگ کی اور مست آنکھوں والی دیوداسی اپنے شیو بھولاناتھ کی پاربتی بننے کے وچاروں میں دن رات مست رہنے والے مندر کی ۴۰۰ دیوداسیوں میں سبھی سے سندر۔ مہاراج بھیم کی آگیا انوسار ان سب کو بھی بھولاناتھ پربھو کے مندر سے کچھ دور ایک اٹاری پر کر دیے گئے۔ وہیں پر گوردیو گنگ سروگیہ اور مہاراج بھیم کے رہنے کا پربندھ ہوا۔

آدھی رات کا وقت ہو گا کہ سامنے جنگل میں مشعلیں جلتی ہوئی نظر آئیں۔ سبھی ہوشیار ہو گئے۔ غزنی کا امیر آ پہنچا تھا فوج دور ہی رک گئی۔ پڑاؤ پڑ گئے اور دیگر انتظام ہونے لگے۔ پربھاس کا آسمان جے سومناتھ کے نعروں سے گونج اٹھا۔ راجپوت بہادروں کی بھجائیں پھڑکنے لگیں۔ راٹھوروں کے گھوڑے بے قابو ہونے لگے۔ دن چڑھا اللہ ہو اکبر کے نعروں کے ساتھ امیر فوج کا بڑا حصہ لے کر آگے بڑھا۔ آگے آگے امیر کا ہاتھی تھا۔ وہ آگے آ کر رک گیا، گڑھ کے بچاؤ کا جو انتظام کیا گیا تھا اس کا معائنہ کیا۔ اور کمان پر تیر چڑھا کر گڑھ پر پھینکا۔ مگر وہ دیوار سے ٹکرا کر نیچے جا رہا۔ مہاراج بھیم کی آنکھیں پھیلیں ہاتھ ترکش پر گیا اور دوسرے ہی لمحے ان کا تیر امیر کے ہاتھی کے جسم میں پیوست تھا۔ پہلی جیت، کو سب سے شبھ مان کر جے سومناتھ کے نعروں سے کافروں کے دل دہلا دیئے۔

امیر کی فوج ایک قطار میں آگے بڑھنی شروع ہوئی آگے

آگے سینکڑوں ہاتھی تھے، جنگجو نوجوان تیر کمان سنبھالے حکم کی انتظار کر رہے تھے ان کے پیچھے گھوڑوں کی کئی قطاریں تھیں۔ اور سب سے پیچھے پیدل فوج اللہ اکبر کے نعروں سے گونج پیدا کر رہی تھی۔ ہاتھیوں کے نزدیک آتے ہی اس طرف سے مہاراج بھیم نے تیر پھینکا۔ دوسرے کنگروں پر کھڑے ویروں نے تیروں کی ورشا شروع کر دی۔ دوسری طرف سے بھی تیروں کی باڑھ پڑنے لگی۔ آسمان سے تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ دو طرف کے لشکروں میں نوجوان چیخ چیخ کر مرنے لگے مرنے والوں کی جگہ دوسرے آ جاتے گھمسان کا یدھ شروع ہو چکا تھا۔ امیر خود چاروں طرف حکم دے رہا تھا۔ ادھر مہاراج بھیم گھوڑے پر سوار گڑھ کے چاروں طرف برق رفتاری سے چکر لگا رہے تھے۔ جدھر نڈرا۔ بکھر دیتے دیکھتے خود ٹوٹ جاتے۔ مہاراج بھیم کی تیر اندازی دیکھ ان کے جاں نثار سپاہی جان پر کھیل رہے تھے۔ اسی طرح شام ہونے لگی۔ اچانک امیر کی فوج پیچھے ہٹنے لگی۔ اور ہٹتے ہٹتے دور چلی گئی۔ "جے سومناتھ" کے جے کاروں سے برہمانڈ گونج اٹھا۔ یہ پہلی فتح تھی، دشمن پیچھے ہٹ گیا۔ گڑھ کے اندر پھر سے بندوبستا شروع ہوئی، مرے ہوؤں کو ٹھکانے لگایا گیا۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کی گئی۔ تھوڑے سپاہی رات کی چوکیداری کے واسطے وہیں رہ گئے۔ باقی آرام کرنے کو اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔ مہاراج بھیم کے مصاحبوں نے انہیں آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ "کہ آپ ذرا سو لیں۔ کل سے پل بھر بھی وشرام نہیں کیا۔" — مہاراج اپنے ساتھیوں کی اچھیا انوسار اٹاری پر چلے گئے۔ وہاں پہنچنے پر چولا نے سادر پرنام کیا۔ سندرتا کی اس بجلی کو مہاراج نے اٹھایا۔ ان کا من کھل اٹھا۔ آج وہ چولا کو چاندنی رات کی چاندنی میں دیکھ چکت رہ گئے۔ ایسی سندرتا انہوں نے آج تک نہ دیکھی تھی۔ چولا جس نے اٹاری پر سے سارا دن مہاراج کی ویرتا کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ من ہی من میں ان کی پوجا کرنے لگی۔ "مہاراج کی جے ہو— آج تو آپ نے ادبھت ویر کا روپ دھارن کر لیا تھا۔ یدوں کو بھاگتے ہی بنی" — مہاراج چولا کے مدھر بول سن کر مسکرائے "چولا، بھگوان بھولے ناتھ سہائتا کریں گے۔" — "آپ آج بہت تھک گئے ہوں گے پربھو" — "نہیں تو! دل کی دل میں رہ گئی۔ اگر وہ پیچھے نہ ہٹتے تو بہت ہانی کرواتے۔" انہوں نے چولا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چند قدم آگے بڑھتے ہنستے کہا "اگر وجے ہمارے ہاتھ رہی تو تم رانی بنو گی۔ چولا تم نے میرے جیون میں ایک مدھرتا بھر دی ہے۔" "کیا کہہ رہے ہو مہاراج۔" "ٹھیک تو ہے چولا۔ جب پہلے پہل میں نے تم کو بھگوان کے چرنوں میں نرت کرتے دیکھا تھا اسی سمے میرا من تمہاری چنتا میں لگ گیا تھا۔ پھر آپ کئی دنوں سے ان نینوں دوارہ پربھاس میں تمہارے روپ اور یوون کے رس پان کر رہا ہوں" — "اچھا اب آرام کریں۔" دو تو جدا ہوئے۔ مگر دوسرے ہی دن گورو دیو کی آگیا لے کر دو لونیتی اور رتینی کے بندھن میں بندھ گئے۔ دوسرے دن یون فوج مکمل تیاری کر کے آگے بڑھی۔ وہ بیونامے گئے، نئی رچنا فوج کی گئی۔ اس بار گھوڑ سوار آگے بڑھے۔ ادھر سے تیروں کی باڑھ نے ان کا صفایا کرنا شروع کیا۔ مگر مرنے والوں کی جگہ فوراً نئے سوار آ جاتے۔ دوسری طرف امیر کی فوج کے دوسرے حصے نے کھائی کے اوپر پل باندھنے کا کام شروع کیا۔ اس کوشش میں کتنے ہی جانفروش کام آئے۔ پہلے سے بنے ہوئے پلوں کے ٹکڑوں کو پانی پر جوڑ کر تیرا دیا گیا۔ ادھر راجپوت گڑھ کی دیوار سے ہی حملہ کر کے ٹڈی دل فوج پر ٹوٹ پڑے۔ ان میں سے کچھ نے پل کو نذر آتش کر دیا۔ امیر اپنے کمال کو اپنے سامنے تباہ ہوتے دیکھ کر جھنجلا سا گیا۔ پوری قوت سے پھر حملہ ہوا۔ ہاتھیوں سے تیروں کی بوچھاڑ کی گئی۔ کتنے ہی تیراک کھائی میں کود کر تیرنے لگے کچھ کھائی پار کر کے اوپر چڑھنے کی کوشش کرنے لگے، مگر کامیابی بہت دور تھی۔ اس طرف کے نوجوانوں اور جانبازوں کی مار نے فوج میں گھبراہٹ مچا دی۔ بہت بڑا نقصان اٹھا کر امیر ایک بار پھر پیچھے ہٹا۔ "جے سومناتھ" — آسمان پھر گونجا — رات کے اندھیرے میں سمندر میں کچھ آواز پیدا ہوئی۔

صاف دکھائی نہ دیتا تھا۔ لیکن ایسا جان پڑا کہ کوئی نزدیک آ رہا ہے اور ساتھ ہی سمندر کی آواز تو سماپت ہو گئی۔ مگر کنارے کی آواز نزدیک آئی۔ کیا دیکھا کہ بڑے بڑے بیڑے ایک دوسرے کے بعد کھینچ کر لائے جا رہے ہیں اور گڑھ کا جو حصہ سمندر کے ساتھ لگتا تھا وہاں تک لا کر انہیں باندھ دیا گیا، مہاراج نے یہ سب دیکھا۔ خون کا دورہ رک گیا۔ اس ... تباہی سے اب کیسے بچا جائے۔ دن چڑھتے ہی امیر بیڑوں کے ذریعے کھائی میں آکر اور باہر سمندر کے راستہ سے حملہ کر دیگا۔ پو پھوٹنے میں ابھی دو گھڑی تھی، تمام تدبیریں رد کی جا رہی تھیں۔ کہ بیڑے کھسکنے شروع ہو گئے۔ اور دھیرے دھیرے بکھر گئے۔ بھگوان سوم ناتھ نے تباہی سے بچایا۔ سب کے چہرے پر خوشی چھا گئی۔ یہ کیا ہوا کیسے ہوا۔ مگر اس معمہ کو سمجھنے میں دیر نہ لگی۔ جب کہ مہاراج نے سامنت کو اپنے سامنے کھڑا پایا۔ سامنت جو کہ امیر کی فوج کو پریشان کرنے کے واسطے پاٹن کو خالی کروا چکنے کے بعد جنگل میں چلے گئے تھے۔ جب حالات کی خبر پائی۔ تو سمندر کے راستہ کھمبات ہوتا ہوا وہ ریچھ کے سمندر میں رات کو بڑھ آیا اور بیڑوں کے رسوں کو کاٹ کر تتر بتر کر دیا۔ سمندر میں جو آواز آتی تھی۔ وہ اس بہادر اور اس کے جانباز ساتھیوں کی تھی۔ مہاراج نے خوشی سے سامنت کو گلے لگایا۔ "تم نے آج ہماری لاج رکھ لی۔ سامنت ہم تو حیران تھے کہ کیا کریں۔"

"میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے مہاراج — میں ابھی واپس جاؤں گا۔ دن چڑھنے والا ہے، میرے ساتھی میرا انتظار کر رہے ہیں۔ اگر بھگوان نے چاہا تو امیر کو بھاگنا پڑے گا ہم سب اسے بہت تنگ کر رہے ہیں۔ وہ جب گڑھ پر حملہ کرتا ہے تو ہم پیچھے سے اس کا ناک میں دم کرتے ہیں؟" مہاراج سے آگیا لے کر سامنت واپس روانہ ہوا۔ اور مہاراج اٹاری کی طرف چلے وہاں چھپر کے نیچے چولا نے بہت رات مہاراج کی انتظار میں گزار دی اندھیرے میں کوئی آتا نظر نہ آتا تھا۔ پھر بھی ہر دم آشا تھی کہ وہ ضرور آئیں گے اور شودرشی جس نے کہ چولا کے لئے پرانوں کی بازی لگانے کی سوچ رکھی تھی — مہاراج کے پیچھے پیچھے دبے دبے چلا۔

سامنے ایک سایہ کھڑا تھا۔ دوسرا سایہ مہاراج کا دھیرے دھیرے وہاں پہنچا۔ کچھ آواز آئی جو یہ سمجھ نہ سکا۔ اس کے بعد دونوں سائے ایک دوسرے سے چپٹ گئے۔ مہاراج کے لب چولا کے لبوں کا رس چوسنے لگے۔ شودرشی جل اٹھا۔ آج اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ اس نے دیکھا کہ مہاراج اور چولا کمرے میں چلے گئے۔ دروازہ بند ہو گیا۔ شودرشی آگ بھبھوکا ہو کر واپس لوٹا۔ اس کی پرتیا، مہاسندری دیو داسیوں میں چندر ماسیوں سوگ کی دیوی اس کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ وہ تیست کر دی گئی۔ "چانڈال" شودرشی بڑبڑایا۔ "بھیم! بھیم! تم سب کتے کی موت مرو گے۔ مرنگی گنگا بڈھا گورو۔ یہ مہاپاتکی بھیم اور ان کے سبھی ساتھی نرک میں جائیں گے۔" شودرشی نے انتقام لینے کی ٹھانی۔ وہ جوش انتقام میں اندھا ہو گیا۔ وہ وحشی درندہ بن گیا۔ اس نے اپنے ایک چیلے کو بلایا جو کہ اس کی سیوا کے واسطے رہ گیا تھا اور کچھ سمجھا کر گڑھ کے چور دروازے سے اسے باہر کر دیا — سورج چڑھنے والا تھا۔ "جے سومناتھ" کا جے گھوش کر ادھر کی سینا پھر سے تیار ہوئی۔ سبھی نے مورچے سنبھال لئے۔ امیر بھی پوری تیاری کے ساتھ ساری طاقت اکٹھی کر کے آگے بڑھے۔ ہر طرف آگ اور تیروں کی ورشا کرتا ہوا۔ مگر کچھ پیش نہ گئی۔ یودھاؤں کی مار نے اسے بدحواس کر دیا۔ آج اس طرف پوری فوج ڈٹ کر آگئی تھی۔ ڈٹ کر مقابلہ ہو رہا تھا — مگر یہ کیا؟ سب کیا کرایا مٹی میں مل گیا شودرشی نے اپنے سوارتھ کی خاطر وشواس گھات کیا تھا۔ گڑھ میں ایک بڑا دروازہ کھائی کے نیچے ہو کر جنگل میں جاتا تھا، شودرشی نے اسی راستہ سے امیر کو اندر بلایا تھا۔ ایک دم جنگ کا پاسہ پلٹ گیا۔ ساری یون سینا کا دباؤ ادھر ہو گیا۔ مہاراج بھیم پر جیسے پہاڑ گر پڑا ہو ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ غصہ سے کو بے گر دشمن کی سینا کو پیچھے ... گڑھ کی ساری شکتی یون سینا کے پرواہ کو روکنے میں لگ گئی ... گڑھ کے سبھی کھمبے دروازے کھل چکے تھے اور شترو ... اندر دباؤ ڈال رہا تھا کہ اب بچاؤ مشکل نظر آنے لگا۔ بھیڑ ... کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ مار و کاٹ — "جے سومناتھ" "اللہ اکبر" کے سوا اور کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ ہزاروں ہاتھ ...

رہی تھی۔ جوان کٹ کٹ کر گر رہے تھے، مہاراج بجلی کی طرح کوند رہے تھے۔ جس طرف بڑھ جاتے پرے کے پرے صاف کر ڈالتے، ان پر چاروں طرف سے وار ہو رہے تھے، ایسے وقت میں مہاراج ڈھال ہو کر زمین پر آ رہے، دو ویر آگے بڑھے۔ مہاراج کے شریر کو اٹھا کر ایک طرف لے گئے۔ کچھ سامنت چوگل اور مہاراج کا رتن جڑت مکٹ دلیپ کے سر پر رکھ دیا۔ جو جان توڑ کر وہیں لڑ رہا تھا — اور ادھر مندر میں گورودیو گنگ سر و گمبھیر۔ دیو رتی گنگا، اور سورگ کی اپسرا سمان چوکی حیران و پریشان بھگوان کے چرنوں میں بیٹھے۔ ہر اچھی بری خبر کا بے صبری سے انتظار کر رہے تھے۔ اسی سمے سامنت نے پرویش کیا۔ گورودیو بات کرنے کا سمے باقی نہیں رہا۔ اس سنکٹ کو جان کر میں کشتی لے کر آیا ہوں۔ جلدی کیجئے۔ جلدی نکل چلئے ہم لوگ۔ گورودیو بھگوان شو کی طرح شانت، سمندر کی طرح گمبھیر۔ مدھم سوروں میں بولے سامنت میرا جیون بھگوان سے بچھڑا ہے سمجھو میں انہی کی سیوا کے واسطے پیدا ہوا تھا اور ان ہی کے سامنے مروں گا — اور اسی وقت مہاراج کا شریر ایک دو گھڑی کا مہمان — وہاں لا کر رکھ دیا گیا۔ زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ مگر نبض ابھی چل رہی تھی۔ جلدی میں بتایا گیا کہ مہاراج کے گرتے ہی اس وچار سے کہ فوج کا دل نہ ٹوٹ جائے ان کا مکٹ دلیپ سنگھ جی کے سر پر رکھ دیا گیا۔ سبھی ویر بیٹیوں کے جھنڈے میں شیر کے سمان لڑ رہے ہیں اور وہاں سامنت تم گنگا، چولا اور مہاراج کے شریر کو لے کر جلدی نکل جاؤ — میں نہیں جاؤں گا جلدی کرو!!" — سامنت گورودیو کو جانتے تھے۔ بھولا ناتھ پر ان کا کتنا وشواس ہے اور شردھا کتنی گہری ہے وہ جانتے تھے۔" اس وقت گنگا بولی "گورودیو میرا استھان آپ کے چرنوں میں ہے۔ میں نے جیون بھر آپ کی سیوا کی۔ آپ کی آرتی اتاری اور اب آپ کو اکیلے چھوڑ کر چلی جاؤں۔ نہیں دیکھئے میں کائر نہیں ہوں، مرنا جانتی ہوں اور سامنت مہاراج کے ادھ مرے شریر، چولا اور کچھ جانباز ساتھی لے کر سمندر میں آگے بڑھا۔ کشتی سمندر کی چھاتی پر تیزی سے سفر طے کرتی ہوئی دور تک نکل گئی — سبھی لوگوں کو مندر میں بھیجتے چھوڑ

کر اور گڑھ کے اندر کی سیناؤں کو باری باری شو چرنوں میں پرانوں کو ارپن کرنے چھوڑ کر — اب مندر کے دروازے کے قریب گھمسان کا یدھ ہو رہا تھا۔ دشمن ہر دم بڑھ رہا تھا۔ گورودیو! اگر میں مر نہ سکوں تو دشمن کے ہاتھ میں پڑنے سے پہلے مجھے کٹار سے سماپت کر دینا — گورودیو اب بھی سمندر کی طرح شانت تھے۔ بالکل خاموش — دور سے ایک دروازے کے ٹوٹنے کی آواز آئی۔ گنگا نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سونے کی کنگھی نکالی۔ اس کے دانتوں کو انگلی سے چھوا — گورودیو کے چرنوں میں پرنام کیا ... اور کنگھی کو گلے میں رکھ کر زور سے دبایا۔ خون کا فوارہ چھوٹ پڑا۔ گنگا اسی مندر میں سماپت ہو گئی جہاں اس نے بچپن۔ جوانی اور بڑھاپا دیکھا تھا۔ گورودیو نے گنگا کی ساڑھی سے ہی اس کے شو کو ڈھانپ کر بھگوان کے چرنوں میں رکھ دیا اور تھالی میں دھوپ دیپ رکھ کر شو جی بھولا ناتھ کی آرتی اتارنے لگے۔ گڑھ کی ساری سینا سورگ لوک جا چکی تھی کوئی بھی یودھا اب نہیں بچا تھا — محمود غزنوی نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور آگے بڑھا۔ لاشوں کے ڈھیروں کو روندتا ہوا ادھ مردوں کو سماپت کرتا ہوا وہ جھٹ سے سینک دل کے ساتھ وجے کے نشے میں شیولنگ کو توڑنے جا رہا تھا اور شو درشی اپنی من کی آگ کو اس طرح ٹھنڈا کر خوش ہو رہا تھا:

"مہاراج مرے۔ پربھاس سماپت ہوا۔ گنگا گئی۔ اور اب چولا میری رانی بنے گی۔ میں اسے جا کر لے آؤں گا۔ وہ چاہے کہیں بھی کیوں نہ ہو۔ محمود گھوڑے پر آگے بڑھا۔ تو شو درشی آگے سے آکر آداب کر کے کھڑا ہو گیا۔ ہزاروں یودھاؤں کے سنگھار کے بعد ایک بے ہتھیار پاکو اس طرح کھڑے دیکھ حیران ہوا۔ اتنے میں شو درشی بولا "امیر المحترم! میں نے بھی تیری مدد کی ہے۔ میری مدد کے بغیر تم کبھی یہاں نہ آ سکتے۔ میں نے تیرے سینکوں کو سرنگ کا راستہ بتلایا تھا۔ اور اب میں چاہتا ہوں کہ تم میری اور میرے دیو کی رکھشا کرو،" امیر قہقہہ مار کر ہنسا "کافر! محمود مورتیوں کو بچانے والا نہیں توڑنے والا ہے اور اس نے اپنی

تلوار شودرشی کے سر پر زور سے ماری ۔ یہ تھا وشش ورو ہی کا صلہ انعام ۔ محمود کا گھوڑا شودرشی کے شریر کو روندتا ہوا آگے بڑھا ۔ اور یہاں پر گورو لیو گنگ سردگیہ نظر آئے ۔ اس مندر میں پچاس برس انہوں نے ایک چھتر راجیہ کیا تھا ۔ منشیوں کی آتماؤں اور شریروں پر یہاں بیٹھ کر انہوں نے چکرورتی راجاؤں کے اگھیہ سویکار کئے تھے ۔ یہیں بیٹھ کر انہوں نے بھارت ورش کے بہادر والوں اور سنسکاروں پر شاسن کیا تھا ۔ یہاں بدھ بھگوان کے اتر ادھیکاری تھے ۔ وہ وشو کے لئے موکش دوار کا مہامنتر گانے والے تھے ۔ محمود کو آتے دیکھ کر انہوں نے آرتی زمین پر رکھدی اور کمر پر ہاتھ رکھ کر گبھدوار پر کھڑے ہو گئے ۔ امیر نے ہونٹ دبا کے بڑھ ۔ وہ رہٹ ۔ کیوں موت بلا رہی ہے ؟“ ۔ گورو دیو مسکرائے ۔ بالکل شانت چت سے انہوں نے کہا یوں ۔ میں تو بھگوان کے ساتھ جیا ہوں اسی کے ساتھ مروں گا ۔ امیر فتح کے نشہ میں چور ۔ دلیل سننا نہیں چاہتا تھا ۔ اس کے ہاتھ میں تلوار چمکی اور دوسرے ہی لمحہ میں گورو دیو کا دھڑ بھومی پر گر کر لوٹنے لگا ۔ ایک ہی چھلانگ مار کر محمود گربھ دوار میں پہنچ گیا پاس ہی کھڑے ایک یودھا سے لوہے کی گدا لی اور گھما کر ماری ۔ مورتی کے شروع میں ستھاپت بھگوان سومناتھ کے لنگ کے تین ٹکڑے ہو گئے ۔ وہ مندر کے اندر گیا چاروں طرف مدھم روشنی میں ہیرے جواہرات چمک رہے تھے ، مندر کے فرش ، چھتیں ، دیواریں سبھی قیمتی ہیرے جواہرات سے جڑے ہوئے تھے ۔ اب مندر اور مندر کے باہر لوٹ مچی ۔ ایک دن ، دو دن ۔ اور تب تب من اکتانے لگا ۔ پربھاس پر موت کا چھایا پڑا ہوا تھا ۔ لاشیں بدبو چھوڑ رہی تھیں ۔ آسمان پر بے شمار چیلیں اور گدھ منڈلا رہے تھے ۔ وہاں اب ٹھہرنا محال ہو رہا تھا ۔ امیر کا خیال تھا کہ پاٹن میں جا کر اب راجیہ ستھاپت کرے ، مگر دن سے گھر بار چھوڑ کر نکلی فوجوں کے من میں اتساہ نہیں رہا تھا ۔ وہ واپس جانے کو بے قرار تھیں وہ بغاوت کرنے پر آمادہ تھیں ۔ پھر اسی ریگستان کو پار کرنے کی بابت سوچ کر ان کے حوصلے پست ہو رہے تھے ۔ تین لاکھ کی ۔ اتنا جرار لشکر ۔ تین حصہ ریگستان میں ختم ہو گیا گھوگھا باپا کے کچھ سو نوجوانوں نے ہزاروں کی کمی کر دی ۔ اور اب پربھاس میں لڑ بھڑ چکنے کے بعد کتنے بچے ۔ اور ان میں سے واپس کتنے غزنی پہنچیں گے یہ سوچ کر ہی اس کا سر چکرانے لگا ۔ اور محمود اس کی بیقراری کی حد نہ تھی ۔ وہ پریشان تھا ۔ جیت کر بھی وہ ہار رہا تھا اسے خبریں آنی شروع ہوئیں ۔ مہاراج بھیم کی جان بچ گئی ۔ سامنت آندھی کی طرح دیش میں چاروں طرف گھوم گیا ۔ جہاں جا کر سومناتھ بھگوان کی تباہی کے قصے سناتا لوگ پاگل ہو اٹھتے اس کے لئے دن نہیں ۔ رات نہیں ، بھوک نہیں ۔ پیاس نہیں ، تھکان نہیں نیند نہیں ۔ اس کا یہ اتساہ دیکھ کر نراشا بھی آشا میں ... بدلنے لگی ۔ امیر گھبرایا ۔ کیمپ میں کر بیٹے انداز ہندو فوجیں اب اس کی واپسی کو ناممکن بنانے کے درپے ہیں ۔ اجین اور مارواڑ کی فوجیں آ پہنچیں ۔ سانبھر سے بھی کمک آ پہنچی ۔ پاٹن سے ٹکڑیاں گجرات اور ان کے متر راجوں کا جال سا بچھ گیا ہے ۔ مہاراج بھیم نے اب خود کمان سنبھال لی ہے ۔ دیش بھر کے راجے مہاراجے سب سکھ اور آرام چھوڑ کر تیزی سے محمود کو ختم کرنے کو بڑھ رہے ہیں ۔ کیسری بانا پہنے جان باز مرنے اور مارنے کے لئے ہتھیلی پر رکھ کر نکل پڑے ہیں ۔ محمود کی اطلاعات غلط نہیں تھیں ۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر کچھ عرصہ پہلے کمک پہنچ جاتی تو اس کی فوج کا کوئی سپاہی جیتا بچ کر نہ جاتا ۔ دھارمک استھانوں پر ہندو سنگٹھن اس قدر تیز ہو گا اس کا خواب میں بھی خیال نہ آیا تھا ۔ اسے پھر اپنی بہادری پہ شرم آئی اس نے بہادری سے نہیں شودرشی کی غداری سے پربھاس فتح کیا ۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ اب چاروں طرف سے گھرتا جا رہا ہے اس نے کوچ کر دیا ۔ کچھ ہی منزل طے کی ہو گی کہ سامنت کے چھاپہ ماروں نے اسے تنگ کرنا شروع کر دیا ۔ راؤ کما جیسے جرنیل اور لکھانی جیسے راجے اس کا قدم بڑھانا ناممکن بنا رہے تھے ۔ پھر طرہ یہ کہ مہاراج بھیم اس کی بے طرح کھدیڑنے سمندر کی طرف لئے جا رہے تھے ایسے بھاگنا پڑا ۔ بڑی مشکل سے کچھ کے راستہ وہ بچے کھچے سپاہیوں کو لے کر ہندوستان سے بھاگ نکلا

”جے سومناتھ“ کی گونج پھر سے گونجنے لگی ۔ کھمبات میں خبر پہنچی ۔ لوگ خوش ہوئے دیپ مالا کی گئی ۔ پھر سے پربھاس میں

سب لوگ اکٹھے ہو گئے۔ ایک دوسرے کو بدھائی دی جانے لگی سبھی راجے وداع ہو گئے اور پربھاس کا پنر نرمان شروع ہوا۔ سامنت گیا۔ کھمبات اور پاس کے لوگوں کو اپنے اپنے گھر پہنچنے کی خبر دی۔ لوگ ایک بار پھر محمود کی تباہی کی یاد کو مٹانے میں جٹ گئے۔ مندر کو پھر سے بنایا گیا۔ لنگ استھاپت کیا گیا۔ گورو دیو کے شلیہ گگن سدھر گئے تھے اور دو سال کے قلیل عرصہ میں پھر سے سومناتھ جی کی اسی طرح پوجا ہونے لگی۔ سارے بھارت کے راجے مہاراجے، رانا، رنک، عورت مرد بھولا ناتھ کے درشنوں کو دوڑ پڑے اور سامنت — یہ سب کچھ کرنے والا جس کے بغیر سب کچھ ادھورہ رہ جاتا۔ شاید امیر کو اور بھی لوٹ کا سمے مل جاتا اور جس کے بغیر مہاراج نہ بچتے، سنگٹھن نہ ہوتا۔ وہ سامنت ہر چیز سے بے نیاز نہ جانے کہاں کھو گیا۔ سارے دیش کی ایک ہی نشانی کیول بھارت کے سومناتھ کے واسطے سارا کل سماپت کر دینے والا اس کے بعد کسی کو نظر نہ آیا۔ مہاراج

بھیم نے جان توڑ تلاش کی۔ مگر وہ اسے پا کر ایک صدمہ کو من میں لئے چپ رہ گئے اور چولا، شیو جی بھولا ناتھ کی اپاسکا۔ معصوم گناہ کے خواب سے کوسوں دور — مہاراج بھیم کے ساتھ کھمبات جانے کے بعد سے آج تک خوش نہ رہ سکی۔ اسے اپنے بھولا ناتھ کے برہ کی آگ جلاتی رہی۔ وہ سارا جیون اپنے آپ کو پاربتی سمجھ کر شیو جی کی پوجا کرتی گئی کے بعد ان کی کمزوریوں سے بچ نہ سکی۔ اس نے مہاراج بھیم کو شیو جی کے روپ میں پایا۔ ان سے بیاہ کیا۔ ایک لڑکا پیدا ہوا، تب وہ سمجھی کہ وہ پاربتی نہ ہو کر کے سادھارن استری ہے اور مہاراج بھیم بھولا ناتھ نہ ہو کر کے صرف سادھارن مہاراجہ ہیں اور وہ رات۔ ایک ہی رات جس کو اس نے مکتی کی راتری سمجھا تھا۔ اس کے من میں ایک کانٹے کی طرح چبھنے لگی وہ کبھی خوش نہ رہ سکی اپنی اس ادھم اور گراوٹ پہ وہ سارا دن روتی رہتی۔ مہاراج اور داسیاں اسے خوش نہ رکھ سکیں ایک دن اپنے جیون کا آخری ورت کرتے کرتے اس نے بھگوان کے چرنوں میں

از قلم شری نرنجن داس لو اسسٹنٹ اکاؤنٹس آفیسر، ڈپٹی لیبر (ریٹائرڈ)

شری گیتا گیان امرت

شریمد بھگوت گیتا کے ذیل شلوکوں پر آزادانہ وچار

دوہا۔

سوچ اسوچ کی کرت ہے کہت گیان کی بات

سوچ نہ پنڈت کرت ہیں۔ جیوت اور گت جات

(ادھیائے ۲ شلوک ۱۱)

بھاوارتھ۔ ہے ارجن۔ جن کے لئے شوک نہیں کرنا چاہیئے تو ان کے لیے شوک کرتا ہے اور باتیں گیان کی بتاتا ہے۔ پنڈت لوگ کیا مرتک اور کیا جیوت کسی کے لئے شوک نہیں کرتے۔

تشریح۔ بھگوان شری وید ویاس نے تمام اُپنشدوں کے گیان کو جو بڑے وِستار میں ہے۔ ایک جگہ جمع کر دیا اور اسے گورو ششیہ سمواد کی ریتی سے گیتا روپی پستک کے روپ میں سنسار میں پرگٹ کیا۔ اس کے لئے دو پاتر بھگوان شری کرشن و یودھا ویر ارجن اور اُپدیش کا استھان کوروکشیتر کی رن بھومی کو چُنا۔ شری کرشن اور ارجن کو نارائن اور نر کا اوتار بھی بیان کیا جاتا ہے۔ غرضیکہ گیتا نارائن کا نر کے لئے اپدیش ہے۔ جگیاسو کو اس ادھیاتمک درشٹی سے گیتا پر وچار کرنا یوگیہ ہے جو لوگ اس طرح گیتا روپی سمندر میں غوطہ خوری کرتے ہیں وہی گیان اور شانتی روپی آبدار موتی حاصل کرتے ہیں۔

گیتا کا پہلا ادھیائے جگیاسو کی مانسک دشا کو ظاہر کرتا ہے، تذبذب، بے چینی، نا فیصلہ کُن حالت، دُکھ، وشاد، ویراگ و تیاگ کی بھاوناؤں کی پربلتا اور بالآخر شرناگتی؛ جب جگیاسو اپنے آپ کو بھگوان کے ارپن کر دیتا ہے اور دین عاجز ہو کر یوں پرارتھنا کرتا ہے

۲۔ دین تمہاری شرن ہوں وشیے جگت تاتے

اُس وقت بھگوان سویم اس کی رہبری قبول کرتے ہیں۔ اور ستگورو کے روپ میں دستگیری کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔ یعنی ارجن کا حال ہوا۔ دو سینا وں کے درمیان کھڑے ہو کر جب اُس نے وشادیکت ہو کر بھگوان سے رہبری کے لئے درخواست کی۔ انہوں نے کرپا پوروک اس طرح سے بچن کہے۔ اے ارجن تو گیان ویراگ اور تیاگ کی باتیں تو بہت بتاتا ہے لیکن تو ان کے لئے رنج اور غم ظاہر کرتا ہے جن کے لئے غم کھانے کی ضرورت نہیں۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ تو اگیانی ہے تیری بدھی بھرمانی ہوئی ہے اور تیرا من وکھشیپت ہے۔ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ سنسار کا چکر۔ جیووں کا آنا جانا دُکھ سُکھ تیرے محدود پریتن پر منحصر ہے، اور تیری عقل اور سوچ کے بغیر سب درہم برہم ہو جاویگا۔ تیری یہ بھول ہے۔ کیونکہ یہ اس جہان کھلاڑی کا کھیل ہے جہاں تیجومی اور پرکاش روپ کا پرکاش ہے۔ جہاں بدھی ان کی بدھی پوروک رچنا ہے۔ اس لئے یہاں کی ہر شے معقول اور مکمل ہے۔ اظہار (ظاہر ہونا) اور اخفا (چھپ جانا)

اس کے دو پہلو ہیں۔ "تیبی یا اس کا زیور ہے، نانا تو (کثرت) اس کا ہتھو دوپایا ہے۔ اس طرح کارخانہ حیات میں شوک کرنا دانائی نہیں۔ جو لوگ دانا، عالم "تتو کو جاننے" والے ہیں۔ وہ مرتے ہوئے کا یا جینے کا سوگ یا غم نہیں کرتے، سب انتظام جب پربھو لیلا دھاری کے ہاتھ میں ہے، جو مر گیہ یا جو شکھی ہیں تو فکر و غم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس لئے جگیا سو کو واجب ہے۔ کہ پیدائش روپ سے آتم سمرن کرے، سب کچھ پربھو آگیا میں دیکھے۔ جس سے ہو میں یا اہنکار مِٹ جاوے، شوک اور غم دور ہو جائے۔ اپنشد میں آیا ہے "ترتی شوک آتم وت" یعنی آتم کو جاننے والے دھیر گیانی پرش شوک کو ترجانتے ہیں۔

اس شلوک کا ترجمہ خواجہ دل محمد نے اردو نظم میں یوں کیا ہے ؎

تو باتوں سے عاقل نہ ہو دل ملول۔ نہ کر ان کا غم جن کا غم ہے فضول
ستاتیں نہ دانا کو رنج والم۔ مرے کا نہ سوگ اور نہ جینے کا غم

دوہا

ہم تم ارنرپتی جیتے۔ ان کو ناش نہ ہوئی
تینوں کال ہیں تھر رہیں، ایسے سب جو کوئی

(ادھیائے ۲ شلوک ۱۲)

ارتھ بھاو۔ چونکہ آتما نت یعنی دائم قائم ہے، شوک کرنا نامناسب ہے، درحقیقت نہ تو ایسا ہے کہ میں تو اور راجہ لوگ کسی کال میں نہیں تھے۔ یا آگے نہیں ہوں گے۔ یعنی ہم سب آتما اناشی ہیں۔

تشریح:- پچھلے شلوک میں بھگوان شری کرشن نے اپنے سکھا دیر ارجن کی غمناک صورت دیکھ کر اسے الاہنا دے کر یہ کہا تھا۔ کہ تو باتیں تو گیان کی بناتا ہے، لیکن ان کے لئے غم کرتا ہے جن کے لئے کوئی غم نہیں کرنا چاہئیے، کیوں کہ اس جیون میں کسی شئے کے لئے بھی شوک کرنا اُچت نہیں ہے۔ ابا ہی باتیں ہیں جنھیں بتاتے ہیں۔ شوک من کی ایک برتی ہے جو کہ اس وقت اٹھتی ہے۔ جب منش اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے۔ یا

مطلوب شئے کے کھو جانے میں اور غیر مطلوب کے حاصل ہونے پر منش میں شوک کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ مطلوب اشیاء کے ملنے میں اور غیر مطلوب کے ناش میں جو خوشی کی لہر پیدا ہوتی ہے۔ اس کو ہرش کی برتی کہتے ہیں، تمام انسان دنیاوی زندگی میں روزمرہ ان ہرش اور شوک کی برتیوں کا ملاحظہ کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک تیسری برتی بھی گاہ بگاہ اٹھا کرتی ہے۔ وہ ہے "اداسین برتی"، جن چیزوں میں ہم کو نہ راگ ہے نہ دویش۔ ان چیزوں کے ملنے میں ہم کو نہ ہرش ہوتا ہے۔ نہ شوک۔ ان دونوں سے دلکش اوسطا ہی اداسین برتی ہے۔ مثال کے طور پر یوں لو کہ ہم ایک راستے پر جا رہے ہیں۔ اچانک راستے میں ہماری نظر ایک کالے سانپ پر پڑی جو کہ پھن اٹھائے راستہ گھیرے پھنکار رہا ہے۔ فوراً ہی ہماری بدھی میں دویش کی بھاونا اتپن ہوتی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ یہ ہمارا شترو جلد از جلد راستے سے ہٹ جائے یا اس کے ناش کا کوئی سامان ہو اگر وہ راستہ سے نہیں ہٹتا۔ یا ہمارا پیچھا کرتا ہے تو فوراً ہمارے اندر ایک شوک کی برتی پیدا ہوتی ہے اور جونہی وہ راستہ چھوڑ کر چل دیتا ہے یا کوئی لٹھ بند آ کر اس کو مار دیتا ہے اس وقت ہرش یا خوشی کی برتی اٹھتی ہے، تھوڑی دور آگے جا کر سونے کی انگوٹھی نظر آتی ہے۔ اس کو دیکھ کر ہمارا راگ لوبھ وش جاگ اٹھتا ہے۔ اور ہرش کی برتی کو اتپن کرتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جلد از جلد اس انگوٹھی کو اٹھا لیویں۔ لیکن ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے کسی دوسرے نے اس کو اٹھا لیا تو یہ دیکھ کر پھر شوک برتی پیدا ہوتی ہے۔ وہیں راستے میں ایک پتھر پڑا ہوا ہے نہ اس میں ہمیں راگ ہے۔ نہ دویش۔ ہم اس کو ایسے ہی اٹھا بھی لیتے ہیں اور پھر پھینک بھی دیتے ہیں۔ من میں راگ دویش نہ ہونے سے اداسین برتی ہی رہتی ہے۔ اس طرح منش کے اندر راگ دویش اور اداسینتا تینوں سے رہتے ہیں۔ اور موافق حالات میں

ظاہر ہوتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے، کیونکہ ہم کسی کو انوکول یعنی موافق جانتے ہیں اور کسی کو پرتی کول یعنی غیر موافق مانتے ہیں۔ کچھ چیزوں سے جن کے ساتھ ہمارا کوئی سمبندھ نہیں ان سے اسنگ رہتے ہیں۔ انوکول پدارتھوں کو مِتر اور سم پدارتھوں میں ہی راگ دویش اور اداسینتا یا ہرش، شوک اور اداسین برتیاں اٹھتی ہیں۔ اب انوکول اور پرتی کول دونوں منش کے ستھول اور سوکشم شریر سے سمبندھت ہیں۔ جتنی جتنی ہماری ممتا شریر اور انتہ کرن میں ہے۔ اتنی اتنی وشمتا (بھید) ہمیں باہر کی سرشٹی میں پرتیت ہوتی ہے۔ اسی وشمتا کے کارن ہرش، شوک آدی ورتیاں انتہ کرن میں اٹھتی ہیں، نتیجہ یہ نکلا کہ راگ دویش اور ہرش شوک آدی دوند دھ اگیان یا شریر ادھیاس کی وجہ سے ہیں۔ شریر ادھیاس ہی وہ بیماری ہے۔ جس کے کارن منش تینوں تاپوں سے تپ رہے ہیں۔ اور اس کا علاج سوائے آتم گیان کے دوسرا نہیں اسی لئے بھگوان شری کرشن جو کہ اپنے وقت کے بہت بڑے روحانی معالج تھے۔ ارجن کی اس بیماری کو بھانپ گئے۔ اور اسے آتما کا اپدیش سب سے پہلے دیا انھوں نے کہا۔ اے ارجن تو جو اپنے سامنے اور ارد گرد جو شتر و متر روپی سیناؤں کو دیکھ رہا ہے۔ اور ان کے ناش کی چنتا سے ویاکل ہو رہا ہے۔ یہ اکارن ہے ہمارے تمہارے سمیت جتنے یہ راجہ لوگ ہیں۔ ان کا کبھی ناش نہیں ہو سکتا۔ یہاں تمہیں جو کچھ ہستی والا پرتیت ہو رہا ہے وہ تینوں کالوں میں قائم رہنے والے ہیں۔ تو ان کے ظاہری شکل و صورت پر مت بھول۔ یہ شریر بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں۔ آکار میں وکار آسکتا ہے۔ لیکن ہم سب یاد رکھو شریر ماتر نہیں، ہم شریر کے سوامی، سنچالک اور مالک ہیں، شریر ہمارا رتھ ہے اور ہم اس کے سارتھی۔ یہ ہمارا مکان ہے اور ہم اس میں مکین ہیں یہ ہمارا کارخانہ ہے اور ہم اس کے ڈائرکٹر ہیں۔ شریر ہماری سیر گاہ ہے اور ہم اس میں سیر کرنے والے ہیں۔ اے ارجن سب شریروں کا یہی حال ہے لہٰذا ہم وہ ویاپک ستا ہیں جو انتریامی سوتر آتما برہم کے نام سے وکھیات ہے آکار وکار سے رہت، نراکار اور نروکار ہیں۔ ترکال ابادھ اور ست ہیں۔ ایسا ہمارا اپنا آپ (آتما) ہے۔ اس لئے تم شریر کا موہ چھوڑ دو۔ اس سے ناطہ توڑ دو۔ آتما برہم میں نشٹھا جوڑ دو۔ اپنے دھرم سے منہ نہ موڑو۔ اس آتم ودیا کا آشرہ لے کر دیکھو۔ جب ہم سب اویناشی آتما ہیں تو پھر ناش کس کا ہو سکتا ہے۔ ایک اویناشی آتما کے سوائے دوسرا کوئی ہے نہیں۔ ناش کوئی ہوگا نہیں تو تم شوک کس بات کا کر رہے ہو۔

اسی طرح جگت گرو شری کرشن نے جگیاسو کے لئے سب سے بڑا سادھن شریر ادھیاس کو دور کرنے کا آتم گیان دوارہ "نا ہم شریرم" "میں شریر نہیں" کا ابھیاس بتایا۔ جس کے پک جانے سے شوک موہ اور بھے تینوں کا یکدم ناش ہو جاتا ہے، سہ

ازل سے تھی موجود ہستی مری۔ ازل سے تھی موجود ہستی تری
یہ راجے سبھی اور یہ خلقت تمام ہمیشہ سے ہیں اور رہیں گے ودام

(ادل محمد)

دوہا

بال جوانی برودھتا۔ یا دیہی ملیں ہوت
تیسے دیہی نر لئے دھیر نہ موہت ہوت

بھاؤ ارتھ۔ جس طرح اس شریر کے اندر بچپن جوانی اور بڑھاپا باری باری آتے ہیں۔ اسی طرح جیو آتما کو شریر کے بعد دوسرے شریر کی پراپتی ہوتی ہے۔ اس تتو کو جاننے والے رازداں بدھیمان پرش موہ اتھوا شوک نہیں کرتے ؎

تشریح۔ بھگوان شری کرشن ارجن کا موہ دور کرنے کے لئے وویک کا اپدیش دے رہے ہیں۔ آتما اور اناتما میں بھید درشاتے ہوئے آپ نے تبلایا کہ آتما نتیہ ہے سدا

سے ہے۔ اور سدا رہے گا۔ شریر فانی ہے، آتما کا شریر سے کوئی سمبندھ نہیں۔ ہم تم اور سب راجہ لوگ آتما ہیں۔ شریر نہیں۔ اس لئے ہمیشہ سے ہیں۔ اور ہمیشہ رہیں گے ان کے ناش کا کوئی بھے نہیں۔ الغرض شوک کا کوئی کارن نہیں۔ اسی وِشے کو درڑھ کرنے کے لئے بھگوان اب ایک اور یکتی سے کام لیتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جن جیووں کو انادی کال سے اگیان وش شریر ادھیاس دوارا یہ بھرم ہو رہا ہے۔ کہ وہ شریر ماتر ہی ہیں۔ شریر کے ساتھ ان کا خاتمہ ہوتا ہے۔ شریر کے انت میں اِن کا انت ہے ان کو اتنا کہہ دینے سے کہ "وہ آتما ہیں شریر نہیں ہیں" یقین نہیں آ سکتا۔ نہ ان کا شریر ادھیاس اتنا جلدی دور ہو سکتا ہے لہذا یہ ضروری ہے کہ آتما اور شریر کا نِرنے سروپ ا جداگانہ طور پر صاف صاف بیان کیا جاوے جس سے بدھی میں ان کا بھید ساکشات پرتیت ہو کیونکہ اسی سے ست نشچے کی پراپتی ممکن ہو سکتی ہے اس شلوک میں شریر اور آتما کا سمبندھ جتلانے کے لئے ایک سادہ مثال سے کام لیا گیا ہے، شریر کی چھ حالتیں ہوتی ہیں۔ گربھ میں آنا۔ پیدا ہونا۔ بال پن۔ جوانی، بڑھاپا، اور موت ان کو ہی کھٹ اُرمی کہتے ہیں۔ ایسے تبدیل ہونے والے شریر کو چھن بھنگر کہا جاتا ہے، کیونکہ لمحہ بہ لمحہ ناش کی طرف جا رہا ہے۔ اس شریر کی مندرجہ بالا حالتیں اپنے آپ قدرتی قاعدہ کے مطابق آتی اور جاتی ہیں

جیو آتما جو اس شریر میں نواس کرتا ہے وہ ان تمام تبدیلیوں سے مبرا اور پاک ہے۔ کیونکہ وہ بھی اگر جسم کی حالتوں کے ساتھ ساتھ بدلتا جاتا۔ یا اس کا بھی جنم اور مرتیو ہوتی تو وہ آد اور انت والا وکار وان استھیر وستو ہوتا۔ وہ شریر کو اس کی مختلف حالتوں کو جیون کی گھٹناؤں کو نہ جانتا اور نہ یاد کرتا۔ لیکن امر واقع یہ ہے، کہ جیو بڑھاپے میں بھی اپنے بچپن جوانی کے واقعات کو یاد کرتا ہے، جسم پر مبنی ہوئی تمام باتوں کا بیان کرتا ہے۔ اور جو انوبھو کرتا ہے وہ دیکھتا ہے۔ وہی یاد بھی کر سکتا ہے۔ یہ قاعدہ ہے اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ جیو جو بچپن میں تھا وہی جیو جوانی اور بڑھاپے کے شریر میں ہے۔ وہی اُس وقت دیکھنے والا تھا وہی اب بیان کرتا ہے لہذا جیو جسم سے الگ شے ہے جیو دیکھنے والا اور جاننے والا ہے، شریر دکھائی دینے والی شے اور جانی گئی وستو ہے۔ جیو وکار (تبدیلی) سے رہت یا نروکار ہے اور شریر وکاری (تبدیلی ہونا) ہے

ایک دوسرا قاعدہ کلیہ یہ ہے۔ کہ دیکھنے والا شے دکھائی دینے والی شے سے علیحدہ اور الگ ہوتا ہے میں گھوڑے کو دیکھتا ہوں۔ میں گھوڑے سے علیحدہ بھن وستو ہوں۔ میں درشٹا ہوں اور گھوڑا درشیہ ہے اسی طرح شریر اندریہ من بدھی انہکار آدی تمام قبیلہ درشیہ ہے ان سب کا درشٹا اور گیاتا میں ہوں۔ اس قاعدہ سے بھی آتما اور جسم دو الگ الگ وستو ہیں۔ جن کے دھرم بھی جداگانہ ہیں۔ بلکہ بالکل ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ مثلاً آتما چیتن ہے، نراکار، نروکار، ست ہے، شریر جڑ ساکار، وکاری اور اَست ہے جس طرح روشنی اور اندھیرا ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ اسی طرح آتما اور شریر کا کوئی سمبندھ نہیں ہو سکتا۔ اور جو سمبندھ نظر آتا ہے۔ وہ ایک بھرم ہے، مِتھیا ہے، آتما شریر کے گربھ میں آنے سے پہلے اور شریر ناش ہونے کے بعد اپنے نج سروپ میں قائم رہتا ہے اور شریر کے ہونے اور نہ ہونے میں اس کی ہستی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ لہذا جنم اور مرتیو شریر کا ایک سوبھاوک دھرم ہے اور یہ اثر نک کریا ہے جو آتما کو کسی پرکار سے وکار یا کھید سے یکت نہیں کر سکتی۔ جس طرح پانی کی لہر بحر اور نہر کی تقسیم یا جھین بدبدے وغیرہ کی کثرت کسی صورت میں تبدیل نہیں کر پاتی۔ جس طرح سونے کی برنگ مختلف زیورات کی شکل میں نمو داری سونے کی اصلیت میں کوئی فرق نہیں پیدا کرتی۔ جس

طرح مٹی کے ہزاروں نام اور رُوپ والے برتن مٹی میں کوئی دکار پیدا نہیں کرتے۔ جس طرح لوہے کے تمام ادزار باوجود انیک نام اور روپوں کے لوہے میں بالکل پریورتن نہیں کر سکتے۔ اسی طرح چیتن اور نردکار آتما میں انیک پرکار کے شریروں کا بھاو اور ابھاو اس ستنا سامانیہ کو اپنے شدھ سُروپ سے چلائیمان نہیں کر سکتا۔ وہ نتیہ پری پورن وستو اپنے آپ میں جوں کی توں قائم ہے۔ اسی لیے مستنگورو شری وششٹ جی نے بھگوان رام کو کہا تھا۔ ہے رام جی۔ جگت تینوں کال ہوا نہیں۔ اگیان ہی کو جگت اور گیان وان کو برہم دکھائی دیتا ہے۔

بھگوان شری کرشن ارجن سے کہتے ہیں۔ جس طرح جسم میں بال پن کے بعد جوانی اور جوانی کے بعد بڑھاپا آتا ہے۔ مگر آتما میں کوئی وکار اُتپن نہیں ہوتا۔ اسی طرح سے پرش ایک شریر چھوڑنے کے بعد دوسرے شریر کو گرہن کر لیتا ہے۔ اس قاعدہ ازلی کو سمجھنے والے گیان وان شریروں کے بھاو ابھاو میں اگیانیوں کی طرح نہ موہ کو پراپت ہوتے ہیں اور نہ شوک ہی کرتے ہیں۔ اے ارجن تو اگیانی نہ بن۔ گیان وان بدھیمان بن۔ اور شوک اور موہ سے پاک ہو جا۔ گوش ہوش سے سن۔

کرے روح جیسے تغیر بغیر
رنگین جوانی بڑھاپے کی سیر
نہیں بھیر سے تن میں ہوگی کمیں
اگر دل ہے مضبوط چھٹتا نہیں   (زوال محمد)

گیتا کا راز

از شری کنور بہادر ماتھر

زندگی کہتے ہیں کس چیز کو مرنا کیا ہے
غم کسے کہتے ہیں کس چیز کا ہے نام خوشی
جن کو سمجھا ہے یگانہ وہی بیگانے ہیں
سب پرائے ہیں۔ نہیں ایک بھی انمیں اپنا
جسم کے میل سے جب ہوتے ہیں کپڑے میلے
گرم پانی سے نکلتے ہیں وہ جب جل بجھ کر
پوری قوت سے پٹکتا ہے اُنھیں سو سو بار
پھر کلف اُن پہ چڑھاتا ہے صفائی کیلئے
دیکھ انصاف سے کیا ظلم ہے یہ دھوبی کا
ہیں یونہی پاپ سے میلے یہ سیہ کار تمام
تو تو کھتری ہے نڈر، فرض ادا کر اپنا
تیغ کی آنچ سے ناپاکوں کا قصہ کر پاک
ہیں جو مظلوم بچا ظالموں سے تو اُن کو
کر خلاف اس کے نہ ہرگز یہ نصیحت سُن لے
پیارے ارجن ابھی تو اس کو نہیں سمجھا ہے
ظلم و انصاف میں کیا فرق سمجھ رکھا ہے
ہیں وہی غیر کہ اپنا جنھیں تو کہتا ہے
وہ عقارب ہیں۔ اقارب جنھیں تو سمجھا ہے
پہلے دھوبی اُنھیں بھٹی پہ چڑھا دیتا ہے
سالہا پھر اُنھیں پتھر سے پٹا کرتا ہے
ہاتھ رکتا نہیں جب تک کہ ذرا دھبا ہے
استری کر کے نیا اُن کو بنا دیتا ہے
کوئی عادل اُسے ظالم نہیں کہہ سکتا ہے
تو انھیں صاف کر۔ انصاف یہی تیرا ہے
بس خدائی میں اسی کام کو تو آیا ہے
آب پیکاں سے دُھلا اس کو جو دل میلا ہے
عدل و انصاف جسے کہتے ہیں نام اس کا ہے
ورنہ انصاف کا ہر کار مجھے دھوکہ ہی ہے

ویدانت کی سیڑھی

از قلم
مہاتما رنجیت رام جی

ایک مہاتما اور متلاشی کی گفتگو

وہی ہر رنگ میں ہو کر نمودار ۔ دکھاتا طالبوں کو اپنے دیدار
اُسی نے خلعتِ دانش دیا ہے ۔ اُسی نے عقل کو ہادی کیا ہے
اُسی کی ذات کا شاہد ہے سارا ۔ دو عالم کا جو ہر دیکھو لپسارا
ہوا جس ذات سے روشن جہاں ہے ۔ وہی ہر جا میں ظاہر اور نہاں ہے
قلم رنجیت اب جلدی اٹھاؤ
جرعہ اِک جام وحدت سے پلاؤ

پہلی مجلس ۔ ایک متلاشی راہِ حق مختلف مذاہب کے پیشواؤں کی صحبت سے دلی اطمینان نہ ہونے کے باعث ادھر اُدھر بھٹکتا پھرتا تھا ۔ آخر کار ایشور کی کرپا اور پورب لے جنم کے اشکام کرموں کے پھل سے اُسے ایک مہاتما ، عارف ، کامل آزاد منش کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع مِلا ۔ مہاتما کی خدمت میں وہ بڑے شوق اور پریم سے نمسکار کر کے بیٹھا ۔ اور اُن کی شکل وصورت کو بڑے پریم اور پیار کے ساتھ غور سے دیکھ دیکھ کر یہ سوال کیا کہ مہاراج آپ کون ہیں ؟ مہاتما نے مسکرا کر جواب دیا : ؎

ہر کس بچشم ظاہر ما را کجا شناسد
ما تو بہ کردگار یم در آب و گل دمیدہ

متلاشی ۔ جناب اس سوال سے میرا یہ مطلب تھا کہ آپ کس مذہب یا ملت کے پیرو ہیں ؟

مہاتما ۔ (بشاشت سے) آپ کو اس سوال کی کیوں ضرورت محسوس ہوئی ؟ ۔

متلاشی :۔ مہاراج ! اس سوال کی ضرورت مجھے اس لئے پیش آئی ہے ۔ کہ میں نے بہت سے مذاہب کی چھان بین کی ہے ۔ لیکن شانتی کہیں نظر نہیں آئی ۔ بلکہ برخلاف اس کے تعصب ، ہٹ دھرمی ، بے قراری ، بے چینی ہی دیکھنے میں آئی ہے ۔ مگر آپ کی شکل وصورت کو دیکھتے ہی میرے ہر رُوئے میں آنند کی بارش شروع ہو گئی ہے ۔ اور اس تپیدہ دل میں ٹھنڈک پڑ رہی ہے ۔ گویا آپ کی مقناطیسی کشش مجھ کو کھینچ رہی ہے ۔ اس لئے متعجب ہو کر پوچھتا ہوں ۔ کہ آپ کا کونسا مذہب ہے ۔

مہاتما ۔ (ہنس کر) ؎

ط ۔ طور محبوب دا نظر آیا ، مکھ وہینڈیاں سارا بیچالی ہوئے
سُندر روپ انوپ دی ڈَلک ڈِٹھی ہیروں دِکھاں دے دُور جنجال ہوئے
ہی دین نہ مذہب دی جا کوئی سبھے بھرم دے بھوت پامال ہوئے
نِتہاروگ نے سوگ رنجیت رامان جدوں مہر سنتی گُرو دیال ہوئے

بھائی ہمارے ہاں تو دین مذہب کی کوئی جگہ نہیں ہے ہم تو یہ جوا گردن سے اُتار چکے ہیں ۔ نہ تو کسی کے پابند ہیں اور نہ مقید ۔ بالکل آزاد ہیں ۔ اور بے قید ہیں ۔

متلاشی ۔ (ذرا سوچ کر) مہاراج آخر کچھ تو اُس کا بھی نام ہو گا ۔ لا مذہب یا آزاد بھی تو آخر ایک نام ہی ہے ۔

مہاتما ۔ آپ نام کے بڑے دلدادہ معلوم ہوتے ہیں ۔ ہم تو نام روپ ، اسم و شکل کو کلیت ۔ فرضی ، منفیا یا آب سراب کی طرح بے حقیقت سمجھتے ہیں ۔

صنعہ ۔ ضائع گئی کل عمر تیری دِتوا اپنا آپ بھلا یا را تا
تیری ذات ہی ذات خدا دی اے دِلوں دوئی دا بھرم گوایا را
تے کال ترنگ جل روپ ہو یا وجوں نام تے روپ اُٹھا یارا
ہستا آپ ہیں آپ رنجیت راماں دی ذات صفات دسجا یارا

ہمارا یہی مذہب ہے، کہ ہم کسی بشر کی خواہ وہ کسی مذہب یا ملّت کا ہو۔ دل آزاری کرنا بھاری گناہ سمجھتے ہیں۔ اور ہر ایک انسان کے ساتھ محبت و خلق سے پیش آنا اور حلم و نرمی سے گفتگو کرنا اپنا اعلیٰ فرض سمجھتے ہیں۔ اس لئے محبت اور پریم و انکساری ہی ہمارا مذہب اور شیوہ ہے۔ بقول بزرگے ؎

خلق گر راضی ہو تیرے خلق سے
خالقِ ارض وسما راضی رہے

بہر حال بوجہ آپ کے بار بار اصرار کے آپ کی خاطر ہم بھی اس کا نام "ادویت مت" یا مذہب توحید رکھ لیتے ہیں کیونکہ یہ نام بظاہر تھوڑا بہت ہمارے خیالات کی توضیح کر سکتا ہے ہم ایک ہی ہستی حقیقی کو مانتے ہیں۔ اور میں تو وہ تینوں ضمیروں یعنی متکلم مخاطب غائب میں ایک ہستی حقیقی کا ہی جلوہ دیکھتے ہیں۔ گویا یہ وحدت کی تین شاخیں ہیں۔ اور ان میں کچھ بھی فرق نہیں۔ ہمارا ضمیر متکلم کی حالت میں یہ کہنا کہ

"آپ ہی آپ ہوں یاں غیر کا کچھ کام نہیں
ذات مطلق میں مبری شکل نہیں نام نہیں

یا ضمیر مخاطب کی حالت میں اس طرح کا اظہار کہ:۔

"دل بھی تو ہیں دلبر بھی تو ہیں دید تو ہیں دکھ تیرا
نین پران حیاتی تو ہیں حرف نہیں وِچ میرا"

یا ضمیر غائب کی صورت میں اس طرح یاد کرنا کہ:۔

آں کس کہ خاک ما را گِل کرد و خانہ ساخت
خود در میاں آمد و ما را بہانہ ساخت

یہ سب ایک مقصد کو ہی واضح کرتے ہیں۔

متلاشی۔ آپ کے دیدار سے ہی طبیعت میں کچھ شانتی آ گئی تھی۔ اور گفتگو سن کر تو ایسا آنند آ رہا ہے کہ آپ کے قدموں میں ہی پڑا رہوں۔ کرپا کر کے مجھ کو شش شیہ بنا لیجئے۔ میں اپنا تن من دھن آپ کی بھینٹ کرتا ہوں۔

مہاتما۔ ہم تو اپنے تن من دھن سے ہی بیزار ہیں۔ آپ ایک اور بلا ہمارے گلے چڑھاتے ہیں۔ آپ کی یہ نعمتیں آپ کو ہی مبارک رہیں۔ ہمیں ان سے معاف رکھیں۔

متلاشی۔ (ذرا حیران ہو کر) خیر اگر آپ کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں۔ تو نہ سہی۔ لیکن تب آپ کا نہایت مشکور و ممنون ہوں گا۔ اگر آپ کرپا کر کے مجھ کو بھی اسی رنگ میں رنگ دیں۔ جس میں کہ آپ رنگے ہوئے ہیں۔ کیونکہ مجھ کو یقیناً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ آنند کے محیط اعظم ہیں۔

مہاتما۔ ممنون و مشکور ہونا آپ کی مرضی، ہمیں شکر گذاری کی خواہش نہیں۔ کیونکہ ہمارے خیال میں غیریت سے ہی نہیں۔ جب سب اپنا ہی آپ ہے۔ تو پھر یہ خواہش کیسی؟

جج۔ جند جہان دی میں آپے وچ سرب جہان دے وِسناہاں
کِتے ٹھگوراں دی دیہہ دھار بیٹھا بھیا آپے آپ نوں سناہاں
کِتے گھور اگیان دے وِچ رُنا کِتے نیر گیان دے کماہاں
نانی شرع دی پھاہی رنجیت راہاں کِتے دُور دُرادُرانہاں

جب آپ ہی اپنا بھید آپ کو بتلاتا ہے۔ تو پھر مرہونِ منت یا گرویدہ احسان کس کو کرنا ہے۔

متلاشی۔ (نہایت خوش ہو کر) تو کرپا کر کے آپ مجھ پر یہ راز ظاہر کر دیں۔ کہ اس تمام موجودات کا خالق جس کی قدرتِ کاملہ سے زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، ہوا، انسان، حیوان، نباتات، جمادات، پہاڑ، معدنیات، دریا، وادی، حیوان وغیرہ اشیا بنتی ہیں۔ کہاں ہے۔ اور کیسا ہے۔

مہاتما ؎ تو خود محبوب خود ہستی وگرانہ ماچہ می جوئی
تو خود گوہر بکف داری واز دریا چہ می جوئی

بھائی! بلبلے اور حباب تلاش کرتے ہیں۔ کہ پانی کیسا ہے اور کہاں ہے؟ ٹہنیاں، پتے، شاخ، پھول متفکر ہیں۔ کہ بیج کہاں ہے۔ اور کیسا ہے؟ بعینہ تمہارا یہی حال ہے۔ جس کی تم تلاش کرتے ہو، خود وہی روپ ہو، تمہاری تلاش ایسی ہے، جیسے ہرن کستوری کی تلاش میں کبھی مشرق اور کبھی مغرب کی طرف دوڑتا پھرتا ہے اور نہیں جانتا۔ کہ جس کستوری کی خوشبو مجھ کو آ رہی ہے۔ وہ میری ہی ناف میں ہے۔ دوسری چیز تو کوئی وجود میں ہی نہیں آئی۔ تم خواہ مخواہ

ایک تمہیں مار خاں محض اگیان کے سبب نیچ میں بن گئے ہو۔

پیارے! اس موہومہ ہستی یعنی جھوٹی خودی کو جو عذاب اور وبال کا باعث بن رہی ہے۔ ترک کر دو۔ اور اپنے اصلی سروپ یعنی ہستی حقیقی میں محو ہو جاؤ۔ جدائی کا تو نام و نشان ہی نہیں ہے،

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجابِ خودی حافظ از میان برخیز

یا یوں سہی کہ پہلے تلاش کنندہ کی تلاش کر لو۔ کہ وہ کون ہے پھر ہمارے بغیر بتانے کے تمہارے سوال کا جواب تم کو خود بخود مل جائے گا۔

ح۔ خاص نے عام سب روپ تیرا کھل آپ توں جھوکہاونا ہیں
نہیں بھیا الا بھلانے ہارتا ہیں نیرتہ یاتوا توں اٹھ دھاؤ ہیں
آپ ہے بھرم سے جال بنا بیٹھوں۔ آپے اپنا آپ پھنساونا ہیں
نہیں دوسرا کوئی بخیت راماں کہ سے بھلانے نے چت لاونا ہیں

عشلاشی۔ مہاراج جو کچھ آپ فرماتے ہیں۔ سچ ہے۔ لیکن تلاش کنندہ تو میں ہی ہوں۔ جو آپ کے سامنے حاضر بیٹھا ہوں،

مہاتما۔ کیا آپ اس جسم کو اپنا آپ سمجھتے ہیں؟

عشلاشی۔ جی اور کیا۔

مہاتما۔ یہی سمجھ تمہارے لئے سرگردانی کا موجب بن رہی ہے اور اسی کے باعث تم آواگون کے چکر میں گرفتار اور رنگ اور سوگ کے پھندے میں مبتلا ہو، تمام دکھوں کی بنیاد اور سب گناہوں کی جڑ یہی ہے۔ کہ اپنے اصلی سروپ سے بھول کر اپنے آپ کو جسم تصور کر لینا۔ یہ جسم تو پانچ بھوت کا کارج ہے۔ جو حسب ذیل ہیں:۔

اول۔ اکاش جس کا گن شبد یعنی آواز ہے
دوم۔ پون یا ہوا۔ جس کا گن سپرش یعنی چھونا ہے
سوم۔ اگنی جس کا گن روپ ہے۔
چہارم۔ جل جس کا گن رس یعنی لذت ہے،
پانچویں۔ مٹی جس کا گن بو ہے۔

اور ان پانچوں صفات کے معلوم کرنے کے لئے پانچ گیان اندریاں ہیں۔

اول:۔ آواز کو جاننے کے لئے شروتر اندری ہے جس کا نام کان ہے،

دوم سپرش جس کو عربی میں قوتِ لمس اور ہندی میں چھونا کہتے ہیں۔ اس کا علم بذریعہ توچا یعنی کھال کے ہوتا ہے

تیسرا۔ روپ جس کو گیان چکشو اندری سے جو آنکھ میں ہے۔ حاصل ہوتا ہے،

چوتھا۔ رس رسنا اندری سے جو زبان اور عضو مخصوصہ میں ہے، معلوم ہوتا ہے،

پانچویں بو بذریعہ گھران اندری جو ناک میں موجود ہے کے جانی جاتی ہے،

اور انہی پانچ بھوتوں سے پانچ کرم اندریاں۔
اکاش سے نطق یعنی بانی۔
پون سے ہاتھ۔
اگنی سے پاؤں۔ جل سے لنگ۔ اور
پرتھوی سے گدا جسم میں موجود ہیں۔

ان کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھو۔ کہ ستوگن رجوگن، تموگن یعنی تمیز، شہوت غضب یہ تینوں گن پرکرتی یا مایا کے ہیں۔ جس کا ظہور یہ پانچوں بھوت ہیں۔ یا یوں سمجھو کہ مایا نے ہی پانچ بھوت کا روپ دھارا ہوا ہے۔ پس یہ پانچوں ان تینوں گنوں کے احاطہ سے باہر قدم نہیں اٹھا سکتے، ستوگن سب سے اعلیٰ اور لطیف ہے۔ رجوگن، درمیانہ اور تموگن ادنےٰ ہے،

اس لئے پانچ بھوت کے جداگانہ ستوگن انش سے پانچ گیان اندریاں اور جداگانہ رجوگن انش سے پانچ کرم اندریاں پیدا ہوئیں۔ جن کا جدا جدا بیان پہلے تم کو سنا دیا ہے گیان اندریاں جاننے کا اور کرم اندریاں فعل کرنے کا ذریعہ ہیں۔

پانچوں بھوت کے مجتمع ستوگن انش سے انتہ کرن پیدا (ظاہر) ہوئے۔ جو یہ ہیں۔

اول من جس کا کام سنکلپ بکلپ کرنا ہے

دوم بدھ جس کا کام یقین یا نشچہ کرنا ہے،

سوم چت جس کا کام چنتن کرنا ہے،

چہارم اہنکار یعنی "میں" جس کا کام انانیت یا خودی ہے۔ اسی طرح پانچوں بھوت کے مجتمع رجوگن انش سے پانچ پران حسب ذیل ہیں۔ پران اپان سمان اودان ویان پیدا ہو گئے۔

پران۔ اس کا مقام ہردے میں ہے۔ اور اس کی حرکت اوپر کو ہے،

اپان۔ اس کا مقام گدا میں ہے۔ اور اس کی حرکت نیچے کو ہے۔ اور یہ کثافت کو دور کرتا ہے،

سمان۔ اس کا مقام ناف میں ہے۔ یہ غذا سے جسم کے ہر ایک حصے میں قوت پہنچاتا ہے،

اودان۔ یہ کنٹھ میں رہتا ہے اور غذا کو کھینچ کر اندر پہنچاتا ہے،

ویان۔ یہ سب جسم میں ہے،

بعضوں نے ان پانچ کے علاوہ پانچ اور بھی لکھے ہیں یعنی کرکل۔ کورم۔ ناگ۔ دیودت، دھننجے اور ان کو اُپ پران کہا ہے،

کرکل۔ معدہ میں رہتا ہے اور غذا کو ہضم کرتا ہے،

کورم۔ آنکھ میں رہتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ آنکھیں کھلتی اور بند ہوتی ہیں۔

ناگ۔ کے ذریعے ڈکار اور دیودت کے ذریعے جمائی آتی ہے۔ دھننجے موت کے بعد جسم میں ورم اسی کے سبب سے ہوتا ہے،

باقی جسم میں ہاڑ۔ ناڑی۔ گوشت۔ خون وغیرہ جو اشیا ہیں۔ یہ پانچ بھوت کا تموگن انش ہے،

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جو پانچ بھوت مثل مٹی و جل وغیرہ ہم کو نظر آ رہے ہیں۔ ان میں ہر ایک میں نصف حصہ تو اپنی خاصیت کا اور باقی نصف حصہ باقی چار کی خاصیت کا شامل ہوتا ہے۔ ایک مثال کے ذریعہ اس کی توضیح یوں ہو سکتی ہے۔

پانچ دوست سفر کو چلے اور ہر ایک نے گھر سے دو دو روٹیاں لیں۔ پہلے کے پاس گندم کی دوسرے کے پاس جو کی۔ تیسرے کے پاس چنے کی۔ اور چوتھے کے پاس مکی کی اور پانچویں کے پاس باجرہ کی دو روٹیاں تھیں۔ تھوڑا سا سفر طے کرنے کے بعد کھانا کھانے کے لئے ایک کنوئیں کے قریب بیٹھ گئے اور اپنی اپنی روٹیاں کھانے کے لئے تیار ہوئے پہلے دوست نے جس کے پاس گندم کی دو روٹیاں تھیں ایک روٹی تو اپنے پاس رکھ لی اور دوسری روٹی کے چار ٹکڑے مساوی کر کے ہر ایک دوست نے ایک ایک ٹکڑا ہر ایک کو دے دیا۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں نے جن کے پاس چنے مکی اور باجرہ کی دو دو روٹیاں موجود تھیں عمل کیا۔ اب ہر ایک کے پاس نصف کھانا تو اپنا موجود ہے۔ اور دوسرا نصف باقی چاروں سے تبادلہ میں آ گیا ہے، بجنسہ یہی حال ان پانچ بھوتوں کا ہے۔ ان میں سے ہر ایک میں نصف حصہ اپنا اور نصف مستعار ہے۔ ان پانچوں بھوتوں کے پچیس پرکرت حسب ذیل ہیں۔

اوّل۔ آکاش کے گن۔ لوبھ، کام۔ کرودھ، موہ بھے ہے اس میں لوبھ اپنا، کام وایو کا۔ کرودھ اگنی کا موہ جل کا اور بھے یا خوف پرتھوی کا خاصہ شامل ہے،

دوم۔ پون۔ کے گن، دوڑنا، پھیلنا، اچھلنا، سکوچنا چلنا۔ ان میں سے دوڑنا تو اپنا ہے، پھیلنا آکاش کا اور اچھلنا اگن کا ہے، سکوچنا پرتھوی کا اور چلنا پانی کا ہے،

سوم اگنی کے گن، بھوک۔ پیاس، نیند۔ آلس، کرانتی ان میں سے بھوک اپنا۔ پیاس ہوا کا، نیند آکاش کا آلس پرتھوی کا اور کرانتی جل کا خاصہ ہے،

چہارم جل۔ اس میں بیرج یا منی پسینہ، پیشاب لالاں۔ خون۔ جس میں بیرج اپنا، پسینہ وایو کا، پیشاب اگنی کا، لالاں آکاش کا۔ اور خون پرتھوی کا خاصہ شامل ہے

پنجم۔ پرتھوی۔ ہاڑ۔ ماس۔ ناڑی۔ تو چا۔ روم ان

ہیں سے ہاڈ اپیا۔ ماس جل کا۔ ناڑی اگنی کا۔ توچا وایو کا روم یعنی بال اکاش کا خاصہ ہے۔ اس لئے یہ بھوت مفرد نہیں بلکہ مرکب ہیں۔ چونکہ پرکرتی سے بنے ہیں۔ اس لئے پانچوں پرکرتی کا ہی روپ ہیں۔ پس ایک پانچ اور پانچوں ایک ہی ہے شاستر میں اس تمام واقفیت اور ان تمام اصطلاحات کو دویک کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور لکھا ہے۔ کہ جس شخص کو دویک نہیں ہوا۔ اسے گیان کی پراپتی نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ ساری واقفیت یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اور اسے کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ اس کے لئے آگے سنو۔ تمہارے تین اجسام ہیں۔

اول ستھول شریر یعنی جسم کثیف جس کو تم دیکھ رہے ہو اور اس وقت جاگرت میں یعنی بحالت بیداری اس سے کام لے رہے ہو،

دوسرا سوکھشم شریر یعنی جسم لطیف جو پانچ گیان اندریہ اور پانچ کرم اندریہ اور پانچ پران، من اور بدھ ان سترہ اشیا سے مرکب ہے۔ اس سے تم سپن یعنی خواب یا عالم ملکوت میں کام لیتے ہو۔ اور اپنے خیال سے نئی سرشٹی بناتے ہو۔ شہر، مکان، پہاڑ، دریا، سورج، چاند، انسان حیوان، نباتات وغیرہ سب اشیا تیار کر کے ان سے لطف اٹھاتے ہو۔ اور کبھی ڈراؤنی شکل مثل شیر، بھیڑیا، ریچھ وغیرہ بنا کر خوف دہ اس سے دوڑتے ہو کبھی تندرست اور بیمار بن جاتے ہو۔ بہ حالت بیماری ڈاکٹر و طبیب سے دوا کھاتے ہو۔ اور پھر تندرست کے تندرست ہو جاتے ہو کبھی دولت مند اور بھاری سیٹھ بنتے ہو۔ اور کبھی کاسہ لے گدا۔

تیسرا کارن شریر۔ جو اودیا کا ہے۔ اس سے بحالت سکھوپت یعنی خواب غفلت میں کام لیتے ہو۔ جس میں کوئی خبر نہیں رہتی۔

یہ بھی سمجھ لو۔ کہ جسم کے پانچ کوش ہیں۔ کوش کے معنی ہیں پردہ اور میان۔

پہلے ان مے کوش۔ کیونکہ جسم نطفہ سے بنتا ہے اور نطفہ غذا سے پیدا ہوتا ہے، پرورش جسم کی بھی غذا یعنی ان سے ہوتی ہے۔ اس سبب سے اس کو ان مے کوش کہتے ہیں۔ ان مے کوش یہی استھول شریر ہے جو دیکھ رہے ہو۔

دوسرا۔ پران مے کوش دس پرکار کی پون یعنی پران اپان وغیرہ جو تم کو بتا چکے ہیں۔ اس کا سروپ ہے،

تیسرا منومے کوش۔ جس کا سروپ من اور اس کے ماتحت پانچ کرم اندریہ ہیں۔

یہ تینوں کوش مذکورہ بالا سوکھشم شریر کے ذیل میں سمجھ لو)

پانچویں، آنند مے کوش، یہ سکھوپت کے کارن شریر کے متعلق ہے۔ چونکہ اس میں بوجہ غفلت کے سکھ کی پراپتی ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو اس نام سے نامزد کیا گیا ہے،

اب تم کو معلوم ہو گیا ہے، کہ جسم کا یہ سب کارخانہ پانچ بھوت سے ہی بنا ہے۔ اس لئے پانچ بھوت روپ ہی ہے،

اور بھی دیکھو جسم میں جب کوئی بیماری ہوتی ہے تو وہ بھی ان ہی بھوتوں کی کمی بیشی سے ہوتی ہے یعنی کبھی گرمی زیادہ ہو گئی یا کبھی سردی، کبھی بلغم کبھی خشکی جس کے سبب انواع و اقسام کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں پھر دوائی وغیرہ کے استعمال سے بیماری رفع ہو جاتی ہے دوائی کیا ہے وہ بھی پانچ بھوت کا کارج اور جسم کی خوراک بھی پانچ بھوت ہی ہے۔ اور مر کر بھی جسم پانچ بھوت میں مل جاتا ہے، پس جسم پانچ بھوت سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور پانچ بھوت سے ہی پرورش پاتا ہے۔ اور انجام پانچ بھوت میں ہی لے ہو جاتا ہے۔ اور یہ پانچ بھوت ایک ہی چیز کی پانچ شکتیاں یعنی پانچ طاقتیں ہیں۔ گویا ایک ہی کا ظہور پانچ صورت میں ہو رہا ہے،

اسی طرح باقی تمام موجودات کے اجسام کی بابت بھی

گویا تانے بانے ایک ہی سوت ہے۔ بس اس بیان سے تم کو کل موجودات کے اجسام کی ایکتا معلوم ہو گئی۔ پس اس میں تمہاری اہنگتا یعنی یہ خیال کہ میں جسم ہوں بالکل غلط ثابت ہوئی۔

ب - باجھہ گیان دی روشنی دے ہو وے نہ اگیان جو دور ناہیں

جدوں گیان اگیان نوں دور کیتا طبا نور خیال ہے نور سائیں

کوڑی ویہردی منگتا جن مٹھا ہو یا جہیں بہت قصور ناہیں

دنیا نا حق و بال نوں رام رادوکتہ داس رنجیت بھر لوہ سائیں

اب رہی یہ بات کہ اگر میں جسم نہیں ہوں۔ تو پھر کیا چیز ہوں۔ یہ آئندہ تم کو معلوم ہو جائے گا۔ اس وقت تم کو یہ ہدایت کرتے ہیں۔ کہ عبادت کرو۔ اور برائی سے بچو۔ اور نیک کاموں میں دل کو لگاؤ۔ اور اس سبق کو بھی جو تم کو جسم کے متعلق سنایا گیا ہے۔ یاد رکھو۔ تاکہ آئندہ تعلیم میں سہولیت ہو۔ کیونکہ ان اصطلاحات کی آئندہ بہت ضرورت پڑے گی۔

عملاشی۔ (دست بستہ ہو کر) اب وہ عبادت اور اس کا طریقہ مجھ کو سمجھا دیں۔ تاکہ اس پر کاربند رہوں۔

مہاتما۔ اچھا ذرا چوکڑی لگا کر بیٹھ جاؤ۔ اور دونوں گھٹنوں پر دونوں ہاتھوں کو جدا جدا رکھو۔ اور گردن و چھاتی کو سیدھا کرو۔ اور پہلے بہ آواز بلند ادوم ادوم کہو۔ جب اس طرح طبیعت لگ جائے تو پھر آہستہ آہستہ ہونٹوں میں ادوم ادوم بولو۔ جب اس طرح سے بھی مشق ہو جائے تو پھر چپ چاپ طبیعت کو خوب یکسو کر کے بے زبان و بے کام دل ہی میں ادوم ادوم کہو۔ اگر اس طرح طبیعت اکھڑتی ہوئی معلوم ہو۔ تو تھوڑی دیر پھر بہ آواز بلند ادوم ادوم کہو۔ جب یکسوئی ہو جائے۔ تو پھر دل ہی دل میں ادوم ادوم کا خیال کرنے لگ جاؤ۔ اور ادوم کو خوب لمبا کر کے سر کے ساتھ ہر سہ صورت متذکرہ بالا میں کہنا چاہیئے۔ ہر روز صبح کے وقت ضروریات سے فارغ ہو کر خوب صاف ستھری اور ایکانت جگہ پر

کام کیا کریں۔

اس کے علاوہ کھانا اور سونا بھی اندازہ سے ہی ہونا چاہیئے۔ یعنی نہ بہت کم نہ بہت زیادہ۔ تین چار گھنٹے سے کم اور آٹھ گھنٹے سے زیادہ نہ سونا چاہیئے اور برے کاموں کا کرنا تو کیا کبھی ان کا خیال بھی دل میں نہ لانا چاہیئے۔ مثلاً کسی جانور کو بے وجہ تکلیف دینا، بیگانی چیز کا ناجائز لالچ کرنا۔ ریاکاری، غیبت، جھوٹ بولنا حسد، بغض، کینہ، غرور، فضول گفتگو استعمال اشیائے نشہ اور نیک کاموں، مثلاً۔ دیا۔ سنتوکھ۔ حلم۔ بردباری استقلال۔ رضا۔ رحم النفس۔ سچائی کو اپنی عادت اور خو بناؤ۔

مستلاشی۔ مہاراج ایک دفعہ ایک سادھو نے مجھ سے کہا تھا۔ کہ کام، کرودھ، لوبھ، موہ، اہنکار جسم تمہارے دشمن ہیں۔ اگر انسان ان کو بالکل مار دے۔ تو پھر اس کی کلیان ہو جاتی ہے۔ کیا ان کے مار ڈالنے کا کوئی طریقہ ہے؟

مہاتما۔ یا تو اس سادھو کو خود علم نہیں ہوگا۔ یا تم کو اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ سنو یہ کام کرودھ وغیرہ در حقیقت تمہارے جسم کے مترو یعنی دوست ہیں۔ اگر ان سب کو جسم سے نکال دیا جائے۔ تو جسم میں باقی کیا خاک رہ جائے گا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے۔ کہ اپنی نادانی سے تم ان کو بجائے دشمن بنا لیتے ہو۔ سو یہ تمہاری اپنی ہی غلطی ہے۔ مثال کے طور پر دیکھو۔ کہ اگر آگ کو لے کر اس سے کھانا پکایا جائے یا ہون کیا جائے۔ تو کام نیک ہے لیکن اگر اسی آگ سے کسی کے خرمن کو جلا دو۔ یا کسی مکان میں آگ لگا دو۔ تو بڑا بھاری گناہ ہے۔ جس کا خمیازہ تم کو خود اٹھانا پڑے گا۔ پس اس میں آگ کا کیا قصور ہے یہ تمہارے اپنے استعمال کی خرابی ہے اسی طرح کام کرودھ وغیرہ کو بھی جائز طور پر برتو۔ تو یہ تمہاری زندگی میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

مختصراً ان کی بابت بھی ذکر کر دیتے ہیں۔

کام۔ اپنی استری کے ساتھ ایام حیض گزر جانے کے بعد ہر مہینے میں رات کے وقت جب کھانا ہضم ہو چکا ہو صرف ایک دفعہ ملاپ کرو۔ یعنی سال میں بارہ دفعہ حمل اور شیر خواری کے ایام میں کبھی بھول کر بھی عورت سے ہمبستری نہیں کرنی چاہیئے۔ مجامعت سے غرض پیدائش اولاد ہے۔ نہ کہ خواہش پوری۔ پس اس کا استعمال اسی حد تک جائز ہے۔ بجز اس کے باقی سب صورتوں میں ناجائز ہے۔

دوم۔ کرودھ۔ اس کا استعمال حسب ضرورت اپنی یا کسی مظلوم کی حفاظت کے لئے مناسب ہے، لیکن اُس وقت بھی اندازہ سے باہر نہ ہو جائے۔ خواہ مخواہ کسی کے ساتھ درشت کلامی سے پیش آنا۔ یا تھوڑی سی معمولی بات سے بھی غضب ناک ہو جانا ناجائز ہے بعض انسان غضب میں آکر ایسے اندھے ہو جاتے ہیں کہ اُن کو اپنا بیگانہ کچھ نظر نہیں آتا۔ اور ایسے ایسے کام کر بیٹھتے ہیں۔ کہ جن کا نتیجہ بہت خراب ہوتا ہے۔ آخر اپنے کئے کا پھل بھوگتے ہیں۔ یا بعض دفعہ آدمی بحالت غصہ ایسے وچن زبان سے نکال بیٹھتا ہے۔ کہ عمر بھر بھی اُن کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ راکشش جن کو کہتے ہیں۔ وہ یہ ہی مغلوب الغضب انسان ہیں۔ آدمی کو چاہئے۔ کہ جس وقت کسی بات سے غصہ آنے لگے۔ تو دل کو قابو میں کرے۔ اگر قابو سے باہر نکلنے لگے۔ تو جھٹ پٹ اس بات کی سوچ کرے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اس طرح سے اپنے آپ کو سمجھا لے اور حوصلہ و تحمل کا عادی بنے۔ جب اس طرح سے دل کو روکتا رہے گا۔ تو رفتہ رفتہ اس کی طبیعت میں استقلال پیدا ہو کر اس خود بخود سے بچ جائے گا۔ زیادہ غصہ سے انسان کے دوران خون پر اثر پہنچ کر کئی امراض بھی ہو جاتی ہیں۔ کبھی کبھی اس سے مالیخولیا کی خطرناک بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔ غصہ کرنے والا آدمی عموماً کمزور بدن اور نحیف رہتا ہے۔ کیونکہ ہر وقت غصہ کی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ غصہ آیا بس عقل کافور ہو گئی۔ کیونکہ ایسے آدمی معمولی معمولی باتوں کی تاب برداشت نہیں رکھتے۔ اس لئے ہمیشہ دُکھی رہتے ہیں۔ بعض کا تو یہ حال ہے۔ کہ ایک دفعہ کسی سے ناراض ہوئے۔ اور پھر اس غصہ کو دل میں ایسا بٹھاتے ہیں کہ ہر وقت انتقام کا خیال رہتا ہے۔ اس کو کینہ کہتے ہیں۔ لیکن بھلے پُرش وہی ہیں۔ جنہیں عفو کی عادت ہو۔ ایسے لوگوں کے دلوں میں کسی کی نسبت کبھی کینہ نہیں ہوتا۔ اور ہر وقت شانت چت رہتے ہیں۔

لوبھ۔ کھیتی، دوکانداری، صنعت و حرفت و ملازمت وغیرہ پیشوں سے جائز طور پر اپنے اور متعلقین کی پرورش کے لئے کمانا جائز لوبھ ہے لیکن کسی شے پر قناعت نہ کرنا۔ اور ہر وقت دولت کی تمنا میں پھنسی رہنا ناجائز ہے، آپ سے زیادہ دولت مند کو دیکھ کر حسد کرنا، اپنے حاصل شدہ آرام کو برباد کرنا ہے۔ گویا جو آرام میسر تھا وہ بھی مفت کھو دیا۔ اپنے کمائے ہوئے دھن کے لئے یہ سمجھنا۔ کہ بس اس میں میرا اور میرے متعلقین کا ہی حصہ ہے یہ بھی سخت نامناسب ہے۔ اس کمائی میں سے حسب توفیق خدا کی راہ میں خرچ کرے یعنی غریبوں اور مستحقوں کو دے۔ پبلک کے مفید کاموں میں روپیہ لگائے۔ اور شیخ سعدی کے اس شعر پر عمل کرے ؎

نیم نانے گر خورد مرد خدا
بذلِ درویشاں کند نیم دگر

جو لوگ باوجود دولت مند ہونے کے روپیہ سے نیکی حاصل نہیں کرتے۔ وہ روپیہ کے مالک نہیں ہیں۔ بلکہ پاسبان اور چوکیدار ہی ہیں۔ ایسا دھن ہوا یا نہ ہوا کسی کام کا نہیں۔ انسان کو لازم ہے کہ دولت کو نیک کاموں میں اور جائز طور پر صرف کرے اور دنیا اور عقبےٰ کی بھلائی خریدے جس دولت سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچتا۔ وہ مٹی اور پتھر سے بھی بدتر ہے،

موہ۔ اپنے اندازے تک موہ یعنی الفت کا ہونا بھی

ضروری ہے کیونکہ بغیر موہ کے کوئی کام دینی یا دنیوی نہیں چل سکتا اپنے جسم میں فرزند و زن میں و دیگر متعلقین میں درجہ بدرجہ ضروری ہے۔ لیکن ان سب میں یا ان میں سے کسی ایک موہ میں ایسا گرویدہ ہونا۔ کہ خدا کو بھی بھول جانا یہ درست نہیں۔ بچہ جب چھوٹا ہوتا ہے۔ تو ماں کس محنت سے اس کی پرورش کرتی ہے چھاتی سے دودھ پلاتی ہے اور ایام شیر خواری میں اپنے کھانے پینے کے متعلق بڑی احتیاط کرتی ہے کئی چیزوں کا کھانا ترک کر دیتی ہے۔ تاکہ بچہ کی صحت میں خرابی نہ ہو۔ بچہ کا پاخانہ اٹھاتی ہے اور باہر پھینکتی ہے۔ جب رات کے وقت بچہ بچھونے پر پیشاب کر دیتا ہے تو گیلی جگہ پر آپ سوتی ہے، اور بچہ کو دوسری طرف سلاتی ہے، چھاتی پر لٹاتی ہے غرض بڑی بڑی تکلیف اٹھا کر اس کو پالتی ہے۔ اگر موہ نہ ہوتا۔ تو بچہ کی پرورش کس طرح ہوتی؟ باپ خوراک و پوشاک کا بندوبست کرتا ہے، کھانے کے لئے کوئی اچھی چیز مل جائے تو خود اس چیز کو نہیں کھاتا اپنے بچے کے لئے گھر میں لے آتا ہے۔ جب بچہ بڑا ہوتا ہے۔ تو اس کی تعلیم کا فکر کرتا ہے۔ روپیہ خرچ کرتا ہے۔ آپ تکلیف اٹھا کر بھی بچہ کے آرام اور خوشی کی خاطر کوشش کرتا ہے۔ خدانخواستہ اگر بچہ بیمار ہو جائے۔ تو سب کام کاج بھول جاتا ہے، فوراً ڈاکٹروں اور طبیبوں کی طرف دوڑتا ہے۔ جب بچہ تندرست ہو جاتا ہے۔ تو اس کی جان میں جان آجاتی ہے، یہ سب ضروری تھا۔ اس لئے قادرِ قدرت نے موہ کو پیدا کیا۔

انسان تو انسان پرندوں کو تم نے دیکھا ہوگا۔ کہ کس طرح جستجو کر کے دانہ اٹھا لاتے ہیں۔ اور اپنی چونچ سے نکال کر بچوں کی چونچ میں ڈال دیتے ہیں۔ حاصل یہ کہ پروردگارِ حقیقی نے پرورش کے انتظام کے لئے موہ کا پیدا کرنا ازبس ضروری سمجھا۔ بچوں کا فرض ہے کہ بڑے ہو کر اپنے والدین کے حقوق کا لحاظ رکھیں۔ ایسا ہی دیگر متعلقین میں بھی موہ کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن اس حد تک درست ہے کہ اپنا فرض سمجھ کر اس کو پورا کرتا رہے۔ لیکن دل سے زیادہ اس میں غلطاں اور محو نہ ہو جائے۔ کیونکہ فانی اشیاء میں زیادہ وابستگی دکھ کا کارن ہوتی ہے،

(۵) اہنکار۔ اگرچہ جسم کی حفاظت کے واسطے ضروری ہے لیکن بس اس قدر کہ اس سے کاروبار چلتا رہے لیکن اس کو دوسری صورت میں تبدیل کر لینا یعنی یہ خیال کرنا۔ کہ میں بڑا طاقتور ہوں۔ یا دولتمند ہوں۔ یا عالم ہوں۔ یا خوبصورت ہوں۔ یا حکومت میرے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے اور لوگوں پر فوقیت رکھتا ہوں۔ اور دوسرے لوگوں کو بہ نظر حقارت دیکھنا اور اس بات کا خواہشمند رہنا۔ کہ دوسرے آدمی ضرور مجھ کو سلام کریں اور جو کچھ میں کہوں۔ اس کو خواہ مخواہ مانیں اور میری اطاعت اور تابعداری اٹھاویں۔ اس قسم کا اہنکار جو تکبر و غرور کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ نہایت ہی برا ہے کیونکہ خدا کے رستہ سے ہٹا کر زندانِ لعنت میں گرفتار کرا دیتا ہے اور غصہ اور کرودھ کا موجب بھی یہی بیجا اہنکار ہوتا ہے،

اچھا اب تم جاؤ۔ اور عبادت کے لئے جس طرح تم کو سمجھایا ہے اچھی طرح سے کرو۔ اور وقت کی بہت قدر کرو۔ ایک منٹ بھی رائیگاں ضائع نہ کرو۔ ہمیشہ یاد رکھو نکما فضول کام مثلاً تاش، گنجفہ، شطرنج، چوسر وغیرہ تضیع اوقات ہے۔ اس سے حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک مت جاؤ۔

مہاتما نے گفتگو ختم کی۔ اور متلاشی آداب بجا کر گھر کو روانہ ہوا۔ اور کچھ عرصہ تک مطابق فرمان کے تعمیل کر کے واپس آیا۔ اور کورنش بجا لا کر مہاتما کی خدمت میں یوں عرض حال کرنے لگا۔ (باقی پھر)

رسالہ "اوم" کے نئے خریدار بنا کر آپ دلیش اور جاتی کا بھلا کریں گے۔ دھارمک لٹریچر کو پھیلانا سب سے بڑا تپسیہ ہے
(ایڈیٹر)

مہرِ مُرشد

از
کوی لوک ناتھ جی دِل

مِلی آنکھ ایسی کہ ہر شے میں دیکھا

جہاں کے دہکتے نظاروں میں دیکھا   فلک کے چمکتے ستاروں میں دیکھا
وہ کھیتوں میں دیکھا، پکاروں میں دیکھا   وہ پھولوں میں دیکھا وہ خاروں میں دیکھا
خزاؤں میں دیکھا، بہاروں میں دیکھا
مِلی آنکھ ایسی کہ ہر شے میں دیکھا

کبھی ہونٹوں کی شادمانی میں دیکھا   کبھی آنسوؤں کی روانی میں دیکھا
اُبھرتی ہوئی زندگانی میں دیکھا   ختم ہونے والی کہانی میں دیکھا
بڑھاپے میں دیکھا، جوانی میں دیکھا
مِلی آنکھ ایسی کہ ہر شے میں دیکھا

چمن کی معطر ہواؤں میں دیکھا   سحر کی روپہلی فضاؤں میں دیکھا
گُلوں کی رنگیلی قباؤں میں دیکھا   فلک کی نشیلی گھٹاؤں میں دیکھا
اشاروں میں دیکھا اداؤں میں دیکھا
مِلی آنکھ ایسی کہ ہر شے میں دیکھا

جھکتے ہوئے سبزہ زاروں میں دیکھا   مچلتے ہوئے آبشاروں میں دیکھا
وہ سہمے ہوئے کوہساروں میں دیکھا   وہ ندیوں کے طوفانی دھاروں میں دیکھا
غباروں میں دیکھا، پھواروں میں دیکھا
مِلی آنکھ ایسی کہ ہر شے میں دیکھا

مسرت میں دیکھا کبھی غم میں دیکھا   وہ جنت میں دیکھا جہنم میں دیکھا
وہ آہوں میں دیکھا، تبسم میں دیکھا   وہ شادی میں دیکھا وہ ماتم میں دیکھا
خموشی میں دیکھا، ترنم میں دیکھا
مِلی آنکھ ایسی کہ ہر شے میں دیکھا

مسئلہ توحید اکبتو واد

از
مہرشی
شوبرت لال
جی ورمن ایم اے

۱۔ کوئی کہتا ہے : پہلے ایک تھا اُس سے یہ رچنا ہوئی۔ کوئی کہتا ہے ایک سے رچنا نہیں ہوتی۔ رچنا جب ہوگی دو ہی کے میل سے ہوگی، تیسرا کہتا ہے۔ جب دو ہوئے تو اُن کے میل کا نتیجہ تیسرا بھی ہوگا چوتھا بولا سے تین ہوئے تو چار کیوں نہیں ہوں گے۔ پانچویں کی رائے ہے وہ پانچ ہے۔ چھٹا کہتا ہے وہ ایک رہا ہوگا کسی کو کیا خبر ہے اُسی نے ایک ہوتے ہوئے کہا ہوگا۔ ایکو ہم بہو سیامی میں ایک ہوں ایک سے انیک ہو جاؤں اور وہی ایک ہے جو بہت سے بہت ہو رہا ہے،

۲۔ زبانِ خلق کیثر العدد اختنی زبانیں ہیں اُتنے خیالات ہیں اُن سب کا اندازہ لگانا سخت مشکل ہے کون کس کو جھوٹا کہے کون کس کو سچا کہے کسی کو کسی سے جھوٹا سچا کہنے کا حق کیسے ہے اور کیسے ہوا۔

۳۔ کسی کو ضبط سے ہر کام بن گیا ضابطہ کسی کو رابطہ کی سوجھی وہ ہوگیا رابطہ

سنت کہتے ہیں ایسی کو ست نام

نام زندہ ہو نہ مُردوں کا ہو وہ
شوق ہو تجھ کو تو لے آکے وہ
بے طلب بے شوق اور بے عشق کے
یہ کھلا ملنے لگا ہے کب سے
سہل ہے آسان ہے عملی بھجن
یہ نہیں محنت طلب ہے اور کٹھن
قول پر مرشد کے ہو سچا یقین
تب یہ مضمون ہوگا بیشک دلنشیں
ورنہ جاکیتوں کے وفوں میں اٹک
اور کچھ باقی بھٹکنا ہو بھٹک

واہ واہ باطن کھول کر سب کہدیا۔ جس کو لینا تھا اُسی نے لے لیا

خبر نہیں ہے وہ کیا شے ہے اور کیسا ہے
ہر اک ہے خبط میں اپنے با وہ خالط ہے

۴۔ یہ سب کے سب پرستار ہیں۔ پرنتارہ سمجھتے ہیں پوجنے والے غلام کو یہ سب کے سب اُسی اپنے خیال میں مست اور اپنی دھن میں بندے ہوئے بندے ہیں اور اُسی وجہ سے یہ بندگی کرتے رہتے ہیں ان کی بات کوئی عقیل اور دانشمند آدمی بغیر سمجھے بوجھے مانے تو کیسے مانے۔

۵۔ ایک کا ماننے والا مسئلہ توحید کا قایل وحدت پرست اکبتو وادی ابھید وادی ہے دو کا ماننے والا مسئلہ شرک کا معتقد مشرک ہے۔ دو بیت وادی ہے اسے بھید وادی بھی کہتے ہیں جب ماں باپ پُرش پرکرتی ہوئے تو اُن کی اولاد پیدا اور مخلوقات کیوں نہ ہوگی۔ یہ تثلیث پرست الیشور جیو پرکرتی کے ماننے والے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ،

۶۔ یہی تینوں اپنی اپنی باری پر اُن غریبوں کو طعنہ مارا کرتے ہیں، جو الیشور کو بھگوت روپ انیک روپ میں دیکھ کر پوجتے اور اُس کی بندگی بجالاتے ہیں۔

۷۔ فقرا ان میں سے کسی کو بُرا بھلا نہیں کہتے جو شخص جس عقلی طبقہ کا ہوگا۔ جس کے دل کی بناوٹ جیسی ہے اُس کی سمجھ بوجھ بیک وچار وشواس اور بھاؤ ویسا ہی ہوگا۔ ان میں سے قابلِ ملامت نہیں ہے،

۸۔ ہاں اپنے عقاید خیال اور بھاؤوں میں اُنھیں حیران اور پریشان دیکھ کر نہایت دیا اور مہر سے سنت ان کے خیال کی اصلاح اور تصیح کرکے ان کو راہ راست یا انسانیت کے طریق میں لانا چاہتے ہیں۔ یہ مان گئے تو اچھا اور نہ مانا تو بھی اچھا سنت پریم کا برتاؤ کرتے ہیں۔

۹ - پہلی خام خیالی حیوان جیووں میں ہے - وہ ان کے رایوں کی تنگی اور تنگدلی ہے - مذہب یا دین دھرم کو سب نے جن معنی میں سمجھ رکھا ہے وہ بالکل غلط ہے بہترین لفظ حیوان کے واسطے مستعمل ہونا چاہئے متعاد مت ہے مت والے کو کہتے ہیں، رایوں میں اختلافات کا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے ان میں مت بھید ہے اور رہے گا بھی

۱۰ - دوسری خام خیالی حیوان جیووں میں ہے وہ پرستش پرستاری بندگی کرنے اور بندہ بننے کی ہے - بندگی گندگی ہے بندہ ہونا گندہ ہونا ہے، جو بغیر سمجھے بوجھے اپنے کو بندہ قرار دیتا ہے - وہ بندھا ہوا قیدی ہے اس کی زندگی کی بنیاد ہی قید و بند ہے - یہی قید و بند کا خیال پختہ ہوتا چلا جائے گا اور اسے آزادی کا موقع نہ دے گا بندہ ہونے نہیں گرگندہ ہوتے ہیں کہ

لو تماشا کی آتی ہے مجھ بندہ پانی میں

۱۱ - آپ کی بات ہم نہیں مانتے
نہ مانو ہمارا کیا نقصان ہے

سنت اور فقراء میں بھی بندگی کا لفظ رائج ہے - بندگی اگر بری سمجھی جاتی تو وہ کبھی یہ لفظ استعمال نہ کرتے - تم سچ کہتے ہو وہ بندگی کرتے رہیں - لیکن کون ؟ سنت نہیں یہ نیچے درجہ کے جیو ہیں جو خاص گروہ میں پیدا ہوتے خاص قسم کے آداب اور رسم و رواج کے قبول کر لینے کی وجہ سے بندگی کی گندگی میں نہ خود پھنستے نہ اوروں کو ڈالتے ہیں بلکہ نیچے درجہ کے جیووں کو جو ہٹے دادی ہوتے ہیں، سنتوں کی یہ خوبی ہے کہ وہ سائل کے مافی الضمیر اور مادہ قبولیت کے لحاظ سے انہیں انہیں کی فطرت کے اعتبار سے تلقین کرکے راہ راست پر لاتے ہیں، سنت مت میں بندگی کا لفظ صرف ایسے جیووں کو سمجھانے کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے، جو پہلے صرف مت بھی اب مجلسی طریق سوشل ریلیجن اور سماجک دھرم بنا لی گئی اگر مت لفظ کے معنی و مراد کو سمجھ لیا جاتا تو کوئی نہ بندہ بننا چاہتا نہ بندگی کرتا نہ اسے دکھ

اور عذاب میں اضافہ کرنا پسند کرتا تم ذرا سوچو ماتحتی بہت بری ہے کسی کی بھی ہو ناقابل برداشت ہے اس سے زیادہ کوئی بلا اور کوئی نہیں ہے ماتحت کو خواب میں بھی سکھ نہیں ملتا بندگی غلامی اور ماتحتی ہے - سنت یا فقرا کی طریق آزادی ہے یہ بندگی تعلیم کیا کہتے ہیں - جن کا مت ایسا ہو وہ بندگی کی گندگی کو کب پسند کرتے لگے -

کیا ایشور کی بندگی غلامی اور قید و بند یہ ہر حالت میں ناپسند اور خلاف فطرت ہیں ؟ سنت ایشور کے مخمصے میں اپنے ہنسوں کو نہیں پھنساتے - بلکہ آزادی کے بال و پر جوڑ کر آسے تمانی اور پرم گتی کی اوستھا کو لے جاتے ہیں -

۱۲ - یہ بات نئی ہے جو آپ کی زبانی سن رہے ہیں ورنہ بار بار بندنا بار بار نمسکار بار بار آدھینتا کی ہر جگہ فقروں اور سنتوں میں بھی ہدایت ہے -

مثلاً　گرو کو کیجئے بندنا کوٹ کوٹ پرنام
کیٹ نہ جانے آپ کو گرو کرلیں آپ سمان

یہ سچ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ سنت کی کوئی قومیت ملت نہیں ہے یہ وہ لوگ ہیں جو قدرتی اصول کے ہر ملک ہر قوم اور ہر ملت میں پیدا ہوتے اور ہو سکتے ہیں یہ اکثر مادر زاد اور پیدائشی ہوتے ہیں - جن میں پیدا ہوتے ان کے آئین اور دین کو چھیڑے بغیر انہیں کی اصطلاحات مستعمل سے مدد لے کر ہمدردی اور محبت کے اصول کمان کا پیمانہ رکھا اپنی صحبت سے اُن کی آنکھیں کھول دیں - جب وہ سمجھ بوجھ والے ہو گئے پھر فرق نہیں رہا اس لفظ کی تہ میں اصلی مطلب تو صرف صحبت، خدمت اور کیمیائی اثر کا ہے اس کا نتیجہ جب ظہور پذیر ہوا تو غرضے مٹ گئے -

پارس میں اور سنت میں یہی انتر جان
وہ لوہا کنچن کرے یہ کرلیں آپ سمان

۱۳ - بندہ یا بندگی لفظ کا مخرج دو اصل سنسکرت وندن یا وندنا ہے، سنسکرت لغات میں وندنا کے کئی معنی ہیں مثلاً پرنام - گلے ملنا وصال ہونا تعریف کرنا نمسکار یا پوجا کرنا عزت

دنیا، عزت بڑھانا وغیرہ وغیرہ سنتوں کی اصطلاح میں وندنا کی مراد اپنے اشٹ میں جذب ہو کر اسی شکل رنگ و روپ کو اختیار کر لینا ہے وندیا وندن لفظ بگڑ کر بندیا بندہ خواہ بندگی بن گیا یہ لفظ فارسی زبان میں رائج ہے پہلے سنتوں اور فقیروں سے بالراست فیض پاکر پنڈتوں اور صوفیوں نے اس لفظ کے معنی و مراد کو اخذ کیا بعد میں جب کرم کانڈ اور شریعت کا زور ہوا یہ گرویدہ بری طرح سے ان کی زد میں آگیا اور مقتضائے وقت کے لحاظ سے اس لفظ کے معنی مراد مفہوم اور مطلب کو بدل کر کچھ کا کچھ کر ڈالا اور اب اردو زبان میں یہ لفظ حکم برداری غلامی بندش بندھن وغیرہ وغیرہ کا پہلو لئے ہوئے کثیر الاستعمال ہو گیا اصلیت کیا تھی اور کیا ہو گئی۔ وقت بدلا زمانے نے ورق الٹا ساتھ ہی مذہبی اصطلاحات کے اصلی معنی و مراد میں کافی ردو بدل ہو گیا

۱۴۔ مذہب طریق دھرم دراصل صرف مت کو کہتے ہیں، مت اور کچھ نہیں ہے۔ صرف راستہ ہے راستے کے لئے خواہ مخواہ لڑنا دانشمندی نہیں ہے،

ہل مل کھیلوں شبد میں انتر رہی نہ ریکھ
سمجھے کا مت ایک ہے کیا پنڈت کیا شیخ

مذہبی چھیڑ چھاڑ بری ہے اپنے اپنے مت پر سب رہیں دل اور عقل کی نشو ونما ہو ان کا رخ جب روح کی جانب ہو گا۔ خود حقیقت کی جانب راغب ہوں گے

۱۵۔ تمیری خام خیالی ہنسا ہے، اہنسا دلآزاری کو کہتے ہیں، کوئی شخص مت بھید کی وجہ سے من بچن کرم سے کسی کے دل کو کیوں دکھاوے، ہومن اپنے مت پر رہے، سومن اپنے مت پر رہے اور بس! فروگذاشت اور نظر انداز کرنا سنتوں کا اصول ہے،

۱۶۔ کیا گوشت کھانا نہیں ہے؟

ہے لیکن کس کے لئے! جو اسے ایسا سمجھتا ہے ورنہ نظام قدرت میں بڑے جانور چھوٹے جانور پر گزر کرتے ہیں، شیر بلی کتے وغیرہ کے لئے اصولِ فقرا کی

تعلیم نہیں ہے۔ برگزیدہ اقوام اس کے مستحق ہیں انسان کے اندر حیوانی عادتوں والے افراد بکثرت موجود ہیں ان سے چھیڑ چھاڑ کیوں کی جائے۔ غلطی یہ ہے کسی نے ان سمجھی سے تمباکو پینے کو حرام سمجھ لیا وہ اسی میں اٹک رہا حالانکہ یہ معصوم مشغلہ ہے طبی مسئلہ ہے، سنت کہتے ہیں جزویات اور فروعات پر نظر نہ رکھو صرف روح کی تکمیل کا خیال رہے اپنا کام کرو اسے تم انتہا پر پہنچا دو اوروں کو ان کے مت پر چھوڑ دو۔

۱۷۔ وحدت کے اصول کو دل دینا توحید ہے یہ سب سے اچھا ہے لیکن یہ منتہائے نظر نہیں ہے صرف درمیانی شق ہے اور وہ اس غرض سے کہ بہو واد اور کثرت سے خیال ہٹا کر ایکتو واد اور وحدت کو دیا جائے تب روح کی آخری منزل آئے گی سنت صرف روحانی معلم ہیں

اعتراض۔ توحید میں غلطی کہاں ہے؟

جواب۔ غلطی کی طرف سنتوں کی نگاہ نہیں رہتی تاہم چونکہ تم اعتراض کرتے ہو اس کا جواب بھی سن لو،

(الف) جو دلیل بازی سے توحید کے سلسلہ کو صحیح ثابت کرنا چاہتے ہیں اور رات دن ایسی عمل و شغل کی محبت اور قیل وقال یا بحث مباحثہ میں ایک توحیدی مسئلہ دوسری اس کی تائیدی دلیل! یہ دو ہو گئے یا نہیں توحید کی دلیل خود بخود توحید ہے جب ایک ہی ایک ہے تو ایک میں بات چیت کیسی! بات چیت تو جب ہوگی دو میں ہوگی۔ دیکھو یہاں خود شرک اور دوئیت واد آگیا یا نہیں۔

(ب) توحید اچھی ہے اس کی کمائی ہو فضول بحث مباحثہ کا مضمون اسے نہ بنایا جائے خیال کی لگاتار مشاقی روح کی جانب خود مائل کر دے گی۔ پھر وہاں نہ ایک ہے نہ دو ہے یہی منزل مقصود ہے۔

(ج) دوئیت وادی مشرک دو چیزیں صحیح تسلیم کرتے ہیں جیو پرکرتی یا روح اور مادہ ان کا دعویٰ ہے کہ انھیں دو اجزا سے دنیا کی پیدائش ہوتی ہے۔ یہ خیال ان کی سمجھ

کے موافق اچھا ہے بُرا نہیں ہے۔ اِس پر کیا لڑنا۔

(د) الیشور جیو پرکرتی تین چیزوں کے ماننے والے تثلیت پرست عوام الناس ہیں۔ وہ کہتے ہیں الیشور بادشاہ ہے، پرکرتی اس کا مُلک ہے۔ اور جیو اُس کی رعیت ہیں دُنیاوی طرز تمدن کی نظر سے اُن کا یہ خیال چھیڑ چھاڑ کرنے کے قابل نہیں ہے،

(ہ) چوتھا گروہ کہتا ہے ہمہ اُوست ہمہ اُز وست یعنی ایک الیشور ہے وہی سب کچھ ہے اور اُسی سے سب کچھ ہے۔ یہ وحدت کے ساتھ کثرت پرست اور کثرت لیند ہوتے ہوئے وحدت لیند بھی ہیں۔

ایک بیج کا گُھل گیا پھل پتہ اور پھول نیارا
بیج سے برکش برکش سے شاکھا جڑ ٹہنی ہو ہارا
بیج ہے آد بیج ہے انت بیا بیج بیج رہا ہے
ایک انیک کی پرگٹ یہ لیلا بیج نے ویا دکھائی
بیج ہے الیشور بیج پرکرتی بیج جیو سنسارا
جنم مرن سب بیج میں پرکھو بیج سار کا سارا

یہ کسی حد تک اچھے ہیں جو ایک واد کے ساتھ بہو واد اور انیک واد کو ساتھ رکھتے ہیں۔

(۱۸) یہ سب کے سب مت یا وادئیں ہیں۔ جس کی سمجھ جیسی ہے وہ ویسا ہی سمجھتا ہے۔ مت یا وادئے کے لئے لڑنے جھگڑنے سے حاصل ہی کیا ہے۔ ہر شخص کو حق ہونا چاہئے کہ وہ اپنی رائے یا خیال کے موافق برتاؤ کرے کسی کی رائے یا مت کے گلا گھونٹنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ انصاف تو یہی چاہتا ہے۔ وشنو اپنے مت پر رہیں شیو اپنے مت میں رہیں ورنہ دُنیا میں فساد بڑھے گا۔ کینہ بغض عناد دُشمنی اور عداوت پیدا ہوگی اور شانتی امن اور امان میں فسق و فجور بڑھے گا،

۱۹۔ طبیعتیں مختلف ہیں۔ رائیں جداگانہ ہیں۔ خیال سب کے یکساں نہیں نہ ہوں گے اور نہ ہو سکتے ہیں۔ یہ کی

سمجھ بالغ کی تمیز جدا۔ ادھیڑ کا گیان نرالا اور بوڑھوں کا گیان ان سب کے علاوہ! ایک قسم کا لباس سب کے جسم کے قابل کب ہوتا ہے۔ جو جیسا ہے ویسا رہے گا۔ اُسے ویسا ہی رہنے دو اسی میں خیریت عافیت اور بہتری ہے اور بھائیو! اگر تم نہیں مانتے تو مر و کھپو مارو کوٹو خونریزیاں کرو کوئی کیا کرے،

۲۔ کوئی کرسست وادی ذات کا موچی تھا، جوتے بنایا اور بیچا کرتا تھا وہ کسی خاص قسم کے مت وادیوں کے زیر اثر آگیا۔ اور اُس کی خواہش ہوئی کہ سب اُسی کے خیال کے ہو جائیں اُس نے بحث مباحثہ شروع کیا چھیڑ چھاڑ کرنے لگا لوگوں کا دم ناک میں آگیا اڑوس پڑوس میں دنگہ فساد مچنے لگا ایک دانشمند آدمی نے یہ حالت دیکھی دس بیس آدمی عورت مرد لڑکے لڑکی ساتھ لے کر اُس کی دوکان پر پہنچا درخواست کی سب کے جوتے بنا دو اور قیمت لے لو موچی دل میں بہت خوش ہوا چاہا کہ سب کے پاؤں کے ماپ لے دانشمند نے کہا شرط یہ ہے کہ سب کے جوتے ایک ہی پیمانہ کے ہوں موچی بولا یہ ممکن کب ہے جس کا جیسا پاؤں اس کا ویسا جوتا بچے بالغ، عورت مرد سب کے پاؤں یکساں نہیں ہوتے چھوٹائی بڑائی کا فرق رہتا ہے۔ دانشمند نے جواب دیا۔ جب یہ جوتوں کا حال ہے تو سب کے خیالات یکساں کیسے ہوں گے۔ کیا اُن میں بڑائی چھوٹائی نہ ہوگی؟ یہی کیفیت مذہب دھرم اور دین کی بھی ہونی چاہیئے موچی سکتہ میں آگیا دانشمند کا مطلب سمجھ گیا تب دانشمند نے موقع دیکھ کر اُسے سمجھایا۔

مختلف ہیں سب کے حال اور قیل و قال
مختلف ہیں جسم کے خط اور خال
مختلف رائیں ہیں سب کی اے عزیز
سب ہوں یکساں کیسے تو کر لے تمیز
بچہ ہے بچہ نہیں ہے وہ جواں
یہ ہے طاقتور وہ طفلِ ناتواں
پیر دانشمند ہے اور باخرد
وہ سمجھتا ہے جہاں کے نیک و بد
ایک مذہب ایک دھرم اور دین ایک
کب ہوئے تو سوچ لے اے مردِ نیک

موچی کو ہوش آگیا اُس نے اُس دن سے کھنڈن منڈن کی عادت ترک کر دی اور پھر تعصب ہٹ دھرمی تنگدلی اور کٹرپن کا نام نہیں لیا محلہ میں امن و امان ہو گیا۔

۱۲۔ بنارس کے کسی باغ موقوعہ ٹڈوا اڈیہ میں مذہبی میلہ تھا۔ ادویت وادی۔ دویت وادی تریتی وادی اور ہمہ قسم کے بادی بوادی اکٹھے تھے اُن کی بحثیں سننے کے لئے بیشمار آدمی غٹ کے غٹ آموجود ہوئے اور سب اپنے اپنے اصول کی منادی کرنے لگے سارا دن لفظی جھگڑے بکھیڑے میں ضائع ہو گیا کوئی بات طے نہیں ہوئی۔ یہ سب کے سب اُسی کے خیال کے تھے اپنے کو سچا اور دوسروں کو جھوٹا ثابت کرنے میں تضیع اوقات کر رہے تھے۔

موحد کہتا تھا۔

ایک ہے وہ ایک ہے اور ایک ہے
ایک ہو کر وہ سبھوں کی ملک ہے

مشرک کہتا تھا:۔

دو ہیں اور دنیا یہ دو کا کھیل ہے
روح اور مادّہ کا سارا کھیل ہے

تثلیث پرست دعویدار کہتا تھا:۔

راجا جب ہے پھر رعیت ہے ضرور
ملک اور اسباب ہوں گے با وفور
جیو پرکرتی اور ایشور تین ہیں
سخت ناداں سب یہ اہلِ دین ہیں

شام ہونے کو آئی لوگ پیاسے ہوئے کچھ لوگ گنگا مائی کی پاکی اور اُس کے پانی کی تقدیس کا راگ الاپ رہے تھے۔ چند نوجوانوں کی زبان پیاس کے مارے باہر نکل رہی تھی۔ ایک ریش دار بزرگ اپنا پانی سے بھرا ہوا مٹکا لایا کہنے لگا عزیزو! اس میں مقدس گنگا جل بھرا ہے پانی پیو کیوں پیاسے مرتے ہو! نوجوانوں نے پوچھا تم کون ہو؟ اُس نے جواب دیا میری صورت کو دیکھو میں کون ہوں یہ نہ پوچھو گنگا کا جل تو پاک ہے۔ اسے

پی لو اپنی پیاس بجھا لو کسی نے پانی نہیں پیا وہ بزرگ مسکرایا تم نے نہایت شاندار طریقہ میں گنگا جل کی پاکی کا ثبوت دیا ہیں کیا سمجھوں تم سچے یا بنارسی بات سچی وہ چپ اور لاجواب ہو گئے۔

ادویت وادیوں نے سمجھا یہ کوئی گیانی شخص ہے اُس کی طرف جھکے آپ بھی کچھ تقریر کیجئے بڈھا بولا اصول کی بات ہو تو زبان کھولی جائے آپ صاحبان کی گفتگو شروع سے آخیر تک بے اصولی کی ہتی ہیں کہوں بھی تو کیا کہوں۔

موحد نے کہا اصول تو یہی برہم ایک ہے۔ ایکو برہم دوتیو ناستی اب اور اصول کیا چاہتے ہو؟

بڈھا ہنسا۔ بہت اچھا! یہ بتاؤ وہ محیط ہے یا محاط ہے

موحد نے کہا وہ ایک ہے اُس کے سوائے اور کوئی بھی نہیں ہے بڈھا بولا معقول! (۱) اس کثیر مجمع کا خیال چھوڑ دو ایک برہم ہے ایک تم ہو دو ہوئے یا نہیں؟ (۲) ایک توحید کا مسئلہ دوسری اُس کی تائیدی دلیل اس بحث مباحثہ کے قیل و قال میں بھی دو ہیں یا نہیں؟ تم خود دلیل لا لا کر اپنے اصول کی تردید کر رہے ہو۔ توحید کی دلیل خود اُس کی تردید ہے (۳) جہاں دو ہوتے ہیں وہاں گفتگو ہوتی ہے۔ جب ایک ہی ایک ہے تو کون کس کی سنے کس سے کہے! تم سخت غلطی پر ہو جاؤ اپنے وڈہدارنیک اُپنشد کے پہلے ادھیائے کے چھٹے براہمن کو پڑھ کر تب میرے پاس آؤ۔

موحد ادویت وادی لاجواب رہ گیا۔

پھر بڈھا دویت وادی کثرت کی طرف جھکا جب اصول محیط کل ہے تو پرش پرکرتی دو ہو گئے ایک محیط کل اصول نہیں رہا اس لئے تمہارے محیط کل کا دعویٰ بالکل غلط ہے۔

ایک سے جب دو ہوئے دونو ہوئے باہم جدا
پھر کہاں ہو تم تمہارا ہے کہاں سچا خدا

وہ مشرک بھی چپ ہو گیا۔

بڈھا تثلیث پرست ایشور جیو پرکرتی ماننے والوں سے مخاطب ہوا۔ دوستو! جب تین ہیں تو وہ تین تیرہ کیوں نہ کہے جائیں آخر ان کی حیثیت ان کی جگہ مقرر کرو گے کہ نہیں؟ یا یوں ہی زبردستی بکواس کیا کرو گے جہاں ایشور ہے وہاں پرکرتی نہیں جہاں پرکرتی ہے وہاں جیو کہاں؟ تینوں نیارے نیارے ہو گئے تم نے حقیقت کے تین ٹکڑے کر دیئے ان تینوں میں سے ایک بھی توڑ دیا یک اور محیط کل نہیں رہا۔

سب کے ہوش کے طوطے اُڑے بھائی! یہ تو کبیر ہے جو اپنے آپ کو سنت کہتا ہے ہندوؤں کا گورو مسلمانوں کا پیر بنا پھرتا ہے اس کی نہ سنو ورنہ کہیں کے نہ رہو گے۔

کبیر صاحب ہنسے کبیر جو را کا راستہ لیا میلہ کا رنگ فق ہو گیا جلسہ برخاست چراغ گل یکا یکی غائب جو جو جہاں سے تھے وہاں وہاں چلے گئے اور ہم تمہاری سمجھ بوجھ پر اس مسئلہ کو چھوڑتے ہیں۔ کبیر صاحب کے کلام کو بغور پڑھو سمجھو تب تم پر توحید کا عقدہ کھلے گا

فانوسِ خیال

از نتیجۂ فکر
ڈاکٹر راج بہادر گوڑ مآرآز بریلوی

دیکھنے والوں کو نیرنگِ تماشا چاہیئے
ہاں مگر اہلِ نظر کو حسن جلوا چاہیئے

میری نظروں میں نہیں ہے کچھ جہاں کی اہمیت
اک ترے دیدار سے زیادہ مجھے کیا چاہیئے

تیرے شیدائی کو کچھ تیرے سوا بھاتا نہیں
ہاں مگر اہلِ ہوس کو ایک دنیا چاہیئے

آہ کہ طوفاں خیز ہے ہر موجِ بحرِ زندگی
ڈوبتے کو ایک تنکے کا سہارا چاہیئے

میکدے میں جام و مینا کی نہیں دعوت قبول
مجھ کو ساقی چشمِ میگوں کا اشارہ چاہیئے

زندگی اور موت کا ہوگا تصادم ایک دن
بیخبر دنیا میں تجھ کو پاسِ عقبیٰ چاہیئے

مشکلیں منزل کی ہو جائیں گی آسانی سے حل
صاحبِ ہمت وزا پختہ ادا دا چاہیئے

تو ہی ہوتا ہے مری درماندگی میں دستگیر
اے طبیبِ زندگی تیرا بھروسا چاہیئے

راز ہو جائیگا ہر داغِ تمنا ضو فگن
جلوۂ نو کی مگر دل میں تمنا چاہیئے

قطعات

از نتیجۂ فکر
شری رام ناتھ عابد

۱

بدل جائیں برہمن اور واعظ انقلاب آئیں
جو اُس کا کام ہے ممکن نہیں انساں سے ہو جائے
جو اُس کے راز ہیں جانے گئے نہ جانے جائیں گے
زمانہ لاکھ منکر ہستیٔ یزداں سے ہو جائے

۲

نورِ کامل کا ہے نظارہ بہت مشکل عابد
ہستیٔ غیب کو پالینا کچھ آسان نہیں
ہے مگر تجھ میں بھی اک نور جو اُس کا ہے
گر اُسے دیکھ نہیں سکتا تو انسان نہیں

۳

نورِ حق، ایزدی جلوے۔ یہ منور عالم
کورِ باطن ہیں جو وہ دیکھ نہیں سکتے ان کو
جزو بنے کل میں ملے۔ فانی سے لافانی ہوئے
اِن ہی جلوؤں کی جھلک آئی نظر جن جن کو

وششٹ وچن امرت

از حکیم رکھیل داس مضطر

کائنات - حقیقت کا عکس محض ہے۔ یعنی حقیقت کی صورت ہے

(۱)

ترجمہ شلوک - یہ بالکل حقیقت ہے کہ حواسِ خمسہ کے ذریعہ جس کائنات کا انوبھو انسان کو ہوتا ہے۔ یہ عجیب و غریب کائنات صرف ایک حقیقت کا ہی سایہ یا عکس ہے

تشریح - شلوک مذکور کے ابتدا میں ہی پہلے یہ یقین دلایا گیا ہے کہ جو کچھ اِس شلوک میں کہا گیا ہے۔ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ بلکہ عین راست و حقیقت ہے کہ انسان جو کچھ بھی دیکھتا ہے، سنتا ہے۔ کرتا ہے۔ بولتا ہے۔ چھوتا ہے۔ ان سب کا تعلق اعضا سے ہے۔ اور اعضا (اندریاں) بھی اس وقت تک ہی دیکھ سن، بول اور چھو سکتی ہیں۔ کہ جب برتی (توجہ) اس طرف ہو۔ اگر انسان کی برتی کسی دوسری طرف ہو۔ تو وہ دیکھتا ہوا بھی نہیں دیکھتا، سنتا ہوا بھی نہیں سنتا، بولتا ہوا بھی نہیں بولتا۔ اور چھوتا ہوا بھی نہیں چھوتا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ واقعات کا ہونا صرف توجہ کا ہونا ہے۔ اگر توجہ نہیں تو واقعات بھی نہیں۔ صرف توجہ ہی واقعات اور حالات کا آدھار ہے۔ توجہ کی عدم موجودگی واقعات اور حالات کو بھی عدم کا درجہ دیتی ہے جب یہی حقیقت ہے کہ توجہ کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ تو ان واقعات، حالات یعنی کائنات کو ستیہ تصور کیوں کیا جائے ستیہ یا حقیقت تو وہ ہے۔ جو ان کے ہونے نہ ہونے یعنی ہستی اور نیستی دونو کو جانتی ہے۔ اور پھر توجہ بھی اپنا آدھار رکھتی ہے۔ اور وہ ہے حقیقت جس طرح واقعات، حالات ظہورات کی آدھار توجہ ہے۔ اس طرح توجہ کا آدھار حقیقت ہے۔ بغیر حقیقت کے توجہ رہ نہیں سکتی۔ اور بغیر توجہ کے ظہورات نابود ہیں۔ پس اِس حقیقت کی روشنی میں یہ بات عین راست ہے کہ تمام تر ظہورات، حقیقت کا سایہ محض ہے۔ اور کچھ نہیں۔

(۲)

ترجمہ شلوک - حقیقت ہی برتی (توجہ) ہے۔ حقیقت ہی ظہورات ہے، سب جیو (روحیں) حقیقت ہی ہیں۔ ماضی، حال، مستقبل بھی حقیقت ہے،

تشریح - ابتدائی شلوک میں کہا گیا ہے کہ برتی کے بغیر ظہورات کی نیست ہیں۔ لیکن اِس شلوک میں اور بھی واضح کہا گیا ہے کہ خود برتی بھی حقیقت ہے یا حقیقت کا دوسرا

نام ہے۔ اور ظہورات جس کا تصور یا انوبھو ہوتا ہے۔ یہ بھی حقیقت (برہم) کا نام ہے۔ دوسری چیز یا ہستی نہیں فرق صرف نام میں ہے۔ اگر حقیقت کا نام اوم۔ اللہ، گاڈ۔ خدا۔ برہم، ایشور وغیرہ رکھا جا سکتا ہے۔ تو اُس کا نام ظہورات، کائنات، سرشٹی، عالم۔ تو جہ ارتی (کیوں نہیں رکھا جا سکتا۔ حقیقت کا اگر صرف ایک ہی نام ہوتا۔ تب بھی کوئی بات تھی۔ جب اُس کی طرف اشارہ دینے کے لئے اُس کے نام اوم اللہ وغیرہ رکھے جا سکتے ہیں۔ تو کائنات وغیرہ رکھنے میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کہا جاتا ہے کہ کائنات حقیقت کا ظہور ہے اگر ابتدا میں حقیقت کا نام کائنات اور کائنات کا نام حقیقت (برہم) رکھا ہوتا تو اب اس طرح کہا جاتا ہے کہ حقیقت برہم (کائنات کا ظہور ہے فرق لفظوں کا ہے۔ اور کچھ نہیں۔ حقیقت کسی ایک لفظ میں قید نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ تمام نام اُس کے ہیں، تمام صورتیں اُس کی ہیں۔ لیکن اس صورت میں بھی وہ بے نام اور بے صورت بھی ہے ... کہا جاتا ہے کہ روح (جیو) کو کسی ایک انسان حقیقت سے جدا مانتے ہیں۔ لیکن یہاں بھی وہی بات ہر قسم کا شک دور کر دیتی ہے کہ روح یا جیو بھی اُس کا نام ہے روح کا نام اگر جیو رکھا جا سکتا ہے تو اُس کا نام حقیقت بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح اور بھی نام رکھے جا سکتے ہیں۔ نام رکھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پانی کو، جل۔ آب، واٹر کہنے پر اُس کی صفت صورت میں کوئی فرق پڑ سکتا ہے؟ یقیناً نہیں۔ پانی اپنی ذات میں جو کچھ ہے سو ہے اس طرح جیو کو روح یا حقیقت (برہم) کہنا، یا حقیقت کو روح یا جیو کہنا ایک ہی بات ہے سوائے لفظی تبدیلی کے اور کچھ بھی نہیں ..... اور تین زمانے، ماضی، حال اور مستقبل بھی کچھ جدا ہستی نہیں رکھتے۔ ان کی ابتدائی وحدت تو یہ ہے کہ خواہ ماضی ہو یا حال۔ یا مستقبل وہ صرف زمانہ ہے زمانہ سے جدا نہ ماضی ہے نہ حال نہ مستقبل۔ باقی رہا لفظ زمانہ تو

اس کی بھی وہی حالت ہے، جو لفظ روح یا جیو کی یعنی حقیقت (برہم) کا ایک نام زمانہ بھی ہے، اور زمانہ لفظ کا تصور انسانی دماغ کو یہ تصور کرنے پر بھی مجبور کرتا ہے، کہ جب زمانہ ہے تو اس کی ابتدا (ماضی) اور انتہا (مستقبل) بھی ہونا چاہئے گو یہ تصور محض ہے۔ لیکن حقیقت کے اندر چونکہ اس کا آدھار بھی حقیقت (برہم) ہے۔ اس لئے اس حقیقت میں لفظ تصور کو بھی حقیقت کا نام تصور کرتے ہوئے سب حقیقت ہی یقین کرنی چاہئے،

(۳)

ترجمہ شلوک۔ جس طرح سمندر میں لہریں اُٹھنے پر اُس میں بہاؤ نظر آتا ہے۔ اس طرح ظہورات ہست و نیست ہونے پر تبدیلی معلوم ہوتی ہے،

تشریح۔ سمندر کا پانی چلتا نہیں۔ چلے تو کہاں اور کس طرف۔ وہ تو ہمیشہ ہر وقت اپنے آپ میں قائم اور ساکن ہے لیکن جب ہوا کی وجہ سے لہریں اٹھتی ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سمندر کا پانی چل رہا ہے۔ جو کہ دھوکا محض ہے۔ یہ سب نظر کا دھوکا ہے نظر کی غلطی ہے۔ کہ جو ساکن کو رواں دیکھتی ہے۔ دراصل حقیقت یہ ہوتی ہے۔ کہ یہ ہوا کی مدد سے سمندر میں لہر اٹھتی ہے۔ اہل نظر (حقیقت بین) تو لہر کو پانی دیکھتے ہیں۔ لیکن دوسرے لہر کو رواں۔ حالانکہ لہر بھی پانی ہیں۔ اس طرح اس ظہورات میں جو کچھ بھی عالم ہستی میں آرہا ہے اور عالم نیستی میں جا رہا ہے یہ سب بھی اس بحر عظیم (حقیقت یا برہم) کی لہریں ہیں۔ جو ہر وقت اور ہر صورت میں اپنے اصلی سروپ پانی (برہم) میں قائم ہیں اور حقیقت کا ہی دوسرا سروپ ہیں یہ نہ تو حقیقت سے جدا ہو سکتی ہیں۔ اور نہ ہی اُس کے بغیر رہ سکتی ہیں۔ پس یہ ظہوراتی تغیر و تبدل بھی دراصل حقیقت کا سروپ ہیں۔ اور کچھ نہیں۔

(۴)

ترجمہ شلوک: مجھ (برہم) کا اگر کوئی دوست ہے تو وہ برہم ہے اگر کوئی دشمن ہے تو وہ بھی برہم ہے۔ کیونکہ جب سب

جگہ ایک واحد لاشریک حقیقت ہی موجود ہے۔ تو دوسرا ہے کون؟ اور آیا کہاں سے؟

تشریح۔ چونکہ سب برہم (حقیقت) ہے اس لئے دوست اور دشمن کا ہونا تشبیہ صورت میں لکھا گیا ہے کہ اگر کوئی دوست ہے۔ اصل میں دوست دشمن ہے تو نہیں۔ چونکہ انسانی دماغ نے اپنے دماغ سے دوست اور دشمن پیدا کر لیا ہے اس لئے اس موہومہ تخلیق کو مٹانے کے لئے کہا گیا ہے کہ اگر کسی نے اپنے خیال میں کسی کو دوست بنا لیا ہے۔ تو وہ بھی اصل میں برہم یا حقیقت ہے۔ اگر دشمن بنا لیا ہے تو وہ بھی برہم یا حقیقت ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ جب اس حقیقت پر یقین کر لیا جائے۔ کہ حقیقت میں ایک واحد لاشریک (لاغیر) ہی موجود ہے۔ تو یہ دوست اور دشمن کہاں سے آگئے؟ اور میں کون؟ یہ بھی ہوں۔ یہ میرا دوست ہے۔ یہ میرا دشمن ہے۔ اس صورت حالات میں وحدت کہاں رہ سکتی ہے۔ یہاں وحدت کی بجائے کثرت، ایکتا کی بجائے دویت بھاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ میں، میرا دوست اور درمیان میں دوستی۔ میں، میرا دشمن اور درمیان میں دشمنی یہ چکر شروع ہو جاتا ہے۔ جو کہ صرف وہم ہی ہے اس وہم کو مٹانے کے لئے ہی یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ جس طرح لہر پانی ہے اس طرح دوست اور دشمن بھی برہم ہیں لہر پانی کی صورت ہے اور دوست دشمن برہم کی صورت، لہر کا تصور مٹانے پر پانی کا درشن ہو رہا ہے اور دوست دشمن کا موہومہ خیال مٹانے پر برہم کا۔

(۵)

ترجمہ شلوک۔ الفت و کلفت وغیرہ جذبات گل ہائے خلا کی طرح خیالی ہیں۔ جہاں دل پر قابو پایا۔ یہ نابود ہو جاتے ہیں۔

تشریح۔ محبت و نفرت کی کوئی صورت نہیں۔ یہ صرف دلی کیفیت ہے۔ انسان کسی کے ساتھ محبت کرتا ہے کسی سے دشمنی، کسی کو پیار کی نظر سے دیکھتا ہے اور کسی کو حقارت کی نظر سے۔ حالانکہ ان دوست یا دشمن کی تخلیق میں قدرت نے کوئی فرق نہیں رکھا۔ قدرت نے دونوں کے لئے یکساں فیض جاری کر رکھا ہے۔ لیکن انسان ہے کہ عالم وجود میں آنے کے بعد معمولی سی جھنجھٹ آنے پر کسی کو دوست اور کسی کو دشمن تصور کرنے لگتا ہے۔ یہاں یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ ایک انسان کی نظر میں جو شخص دوست ہے۔ کیا وہ باقی انسان کا بھی دوست ہے اور جو دشمن ہے۔ وہ باقی انسانوں کا دشمن ہے؟ اگر غور کیا جاوے تو جواب نفی میں آتا ہے پس ثابت ہوا کہ کوئی شخص فی الواقع نہ دوست ہے نہ دشمن، نہ انسان کے اپنے دلی جذبات ہیں۔ جس کے ساتھ تعلق ہے کچھ غرض ہے وہ دوست ہے اور دوسرا دشمن پھر جب دوست دشمن صرف خیالی ہی ہیں۔ تو ان کے ساتھ کی گئی الفت اور نفرت بھی خیالی محض ہے۔ جس طرح آسمان میں پھول نہیں ہو سکتے ہیں۔ اگر کوئی دیکھتا ہے تو صرف عالم خواب میں ہی ممکن ہو سکتا ہے اسی طرح آسمانی پھول کی طرح الفت اور نفرت بھی صرف انسانی خیال کی قید میں ہے۔ جہاں انسان نے اپنے خیال پر قابو پایا۔ دل پر ضبط حاصل کیا۔ یہ الفت اور نفرت ختم ہو جاتے ہیں اور ہر جگہ ہر صورت میں ایک ہی حقیقت جلوہ گر نظر آنے لگتی ہے کہ جہاں پہنچ کر نہ کوئی دوست ہوتا ہے نہ دشمن نہ دوستی، نہ دشمنی ضرورت ہے۔ صرف اپنے موہومہ خیال پر کڑی نظر رکھنے کی۔

(۶)

ترجمہ شلوک ۔ دست و پا کا متحرک ہونا بھی حقیقت میں ہے۔ جب حقیقت کے سوا کچھ نہیں۔ تو پھر یہ سکھ دکھ کہاں سے آگئے ؟۔

تشریح ۔ کمہار مٹی کے برتن بناتا ہے۔ زرگر زیور بناتا ہے۔ مٹی کا برتن۔ یا سونے کا زیور بنتے وقت مٹی یا سونے کی کوئی صورت عالم وجود آتی رہے۔ خواہ وہ گول ہو۔ یا چپٹی، لمبی ہو، یا چھوٹی موٹی ہو یا پتلی، مٹی اور سونے سے جدا نہیں ہو سکتی۔ ایک سونے کی تار کو اونچا کرو، نیچے کرو۔ دائیں موڑ دو، یا بائیں۔ حقیقت میں سونا ہی مڑتا ہے۔ اسی طرح صرف انسان کے اعضاء ہاتھ پاؤں نہیں۔ بلکہ جو کچھ بھی نظر آتا ہے۔ اور جس طرح بھی حرکت کرتا ہے۔ سب اُس برہم حقیقت میں ہی حرکت ہے۔ اُس سے جدا ہو کر تو کچھ ہو نہیں سکتا۔ اور جدائی ممکن ہی کہاں ہے۔ کیا کسی کو طاقت ہے کہ لہر کو پانی سے جدا کرے جس طرح لہر کی ہر حرکت خود پانی کی ہی حرکت ہے۔ اس طرح خود عالم ظہورات و اس کی ہر حرکت برہم یا حقیقت کی حرکت ہے۔ اب رہا سوال سکھ اور دکھ کا۔ سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے۔ کہ سکھ کیا ہے۔ تو جواب یہ ہے۔ کہ جس چیز یا واقعہ سے انسان کو راحت ملتی ہے۔ دل کو سکون ملتا ہے۔ خواہ وہ عارضی کیوں نہ ہو۔ اس سبھی کو سکھ کہا جاتا ہے۔ اور جس چیز یا واقعہ سے دل بے چین ہو جاتا ہے اس کو دکھ کہا جاتا ہے۔ تو ثابت ہوا۔ کہ مختلف قسم کی اشیا اور مختلف واقعات و حالات ہی سکھ دکھ کو پیدا کرتے ہیں۔

لیکن شلوک ہذا کے ابتدائی الفاظ میں کہا گیا ہے۔ کہ ہر حرکت برہم کی حرکت ہے۔ پس ہر حرکت سے جو بھی چیز —— یا جو بھی۔۔۔ واقعہ نمودار ہوتا ہے، وہی برہم ہے۔ برہم یا حقیقت سے جدا نہ تو کوئی حرکت ہو سکتی ہے اور نہ کوئی واقعہ —— اور ہر واقعہ ہر حرکت سے ہی سکھ اور دکھ کی پیدائش ہوتی ہے، جو کہ مذکورہ حقیقت کی روشنی میں سوائے برہم کے کچھ بھی نہیں۔ گویا سکھ اور دکھ اول تو ہے نہیں۔ اگر کسی نے اپنے اندر سے پیدا کر رکھے ہیں۔ تو وہ بھی سوائے برہم کے اور کچھ نہیں۔ جب سکھ اور دکھ کو بھی برہم روپ سمجھ لیا۔ تو پھر ان کا ہونا کہاں ہو سکتا ہے ؟

(۸)

ترجمہ شلوک ۔ اگیانی (جاہل) آدمی کے لئے یہ دنیا باعثِ آزار ہے۔ اور گیانی (عالم) کے لئے باعثِ راحت۔ جس طرح کہ نابینا آدمی کے لئے ہر جگہ اور ہر وقت تاریکی ہے مگر اہلِ بصر کے لئے نہیں۔

تشریح ۔ درحقیقت یہ دنیا نہ تو باعثِ آزار ہے۔ اور نہ ہی باعثِ راحت۔ یہ دو رشتی میں سرشتی کا معاملہ ہے جس شخص نے جس رنگ کی عینک لگا رکھی ہے۔ دنیا اسے اسی طرح نظر آئے گی۔ نیک کو نیک اور بد کو بد۔ لیکن یہ بات عین درست ہے کہ واقعی اگیانی (جاہل) آدمی ہر واقعہ اور ہر چیز کو انسان سے یا عالم ظہورات سے آئی تصور کر کے کبھی خوش ہوتا ہے اور کبھی مغموم۔ کوئی واقعہ اور چیز اُس کے دل کو سکون میں نہیں رہنے دیتے، مرضی کے موافق کوئی بھی کام ہو جانے پر دل خوشی سے جھوم اٹھتا ہے۔ مگر خلاف امید یا خلاف مرضی ہونے پر دل بجھ جاتا ہے یعنی ہر وقت اُس کے دل میں اضطراب ہی اضطراب رہتا ہے۔ جب کہ ایک گیانی (عارف) ہر واقعہ اور ہر چیز کو کسی انسان یا ظہورات کی طرف سے نہیں بلکہ اُس حقیقت کی طرف سے آئی یقین کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کا دل نہ تو کسی علم تو عام کسی خاص واقعہ سے بھی اثر پذیر نہیں ہوتا۔ وہ واقعہ خواہ کیا کیوں نہ ہو۔ اُس کا دلی سکون ہر صورت قائم رہتا ہے۔۔۔

گیانی اور اگیانی کی یہ حالتیں ظاہر کرنے کے بعد تمثیلاً بھی سمجھایا گیا ہے۔ کہ اگیانی تو ایک نابینا شخص کی مانند ہے کہ جس کے لئے دوپہر کا وقت بھی شب تاریک ہے اور گیانی ایک اہلِ بصر ہے جو روشنی میں ہر چیز کو اور ہر واقعہ کو بچشم خود دیکھ سکتا ہے اور وہ چشم چشمِ باطن ہے۔ کہ جو انسان کو ظہورات کی صحیح تصویر دکھاتے ہوئے ثابت کرتی ہے کہ یہ رنگ برنگ کی دنیا اس ایک سندر کی سندرتا کا اظہار کر رہی ہے۔ کہ جو خود آپ اس سندرتائی میں ظاہر ہو کر نابینا شخص کے لئے نہ ہونا معلوم ہوتا ہے ؛ بقول ؎

چوں کشائی چشم اے اہلِ یقیں
ہر طرف تاباں جمالِ یار بیں
(ادم شم)

تو ہی تو

از کوی لوک ناتھ جی دِل

تو پھولوں کی مہک میں کلیوں کے پیراہن میں　　تو شاخ کی لچک میں پھولوں کے بانکپن میں
تو برگِ سبز تر میں تو رنگِ یاسمن میں　　خاشاک و خار و خس میں نرگس میں نسترن میں
جلوہ نما ہے تو ہی ہستی کے اس چمن میں

تیری ہی آب پانی شبنم کے موتیوں میں　　تیری ہی دلربائی سرسبز پتیوں میں تو تو
تیری ہی دلکشی ہے رنگین تتلیوں میں　　تیری ہی تازگی ہے پھولوں کی انجمن میں تو
جلوہ نما ہے تو ہی ہستی کے اس چمن میں

تو شام کے دھندلکے میں صبح کی ضیا میں　　تو رقص مور میں اور بلبل کی خوشنوا میں
تو آگ کی تپش میں تو جھونکۂ صبا میں　　تو جلوۂ شمع میں پروانے کی جلن میں
جلوہ نما ہے تو ہی ہستی کے اس چمن میں

تو دن کی روشنی میں اور شب کی ظلمتوں میں　　تو سرخیٔ شفق میں مخمور بادلوں میں
تاروں کی خامشی میں بے تاب بجلیوں میں　　خورشید کی شعاع میں مہتاب کی کرن میں
جلوہ نما ہے تو ہی ہستی کے اس چمن میں

تو موجِ بحر میں ہے تو جوئے نغمہ زن میں　　بستی کے شور و شر میں تو ہی سکوتِ بن میں
تسبیحِ شیخ میں اور زنّار برہمن میں تو　　پہچانے جو نہ تجھ کو ہے فتور اس ذہن میں
جلوہ نما ہے تو ہی ہستی کے اس چمن میں

جگت گورو بھگوان شنکر آچاریہ

از
شری
۱۰۸ سوامی
شِوانند جی سرسوتی

ویدبھومی بھارت کو ضرورت کے مطابق وہرم سنستھاپک راشٹر نرماتا دارشنک، مہاکوی اور ساہتیہ کار مہاپرش ودھاتا کے نیم سے پراپت ہوتے ہیں۔ دنیا میں بے شمار سنسکرتیاں اور جاتیاں۔ تہذیبیں اور قومیں پیدا ہوئیں اور موت کے منہ میں چلی گئیں، خوفناک انقلاب آئے۔ تباہی کی آندھیاں چلیں مگر بھارت بھومی اور بھارتیہ سنسکرتی کا گیان بھنڈار پوری طرح محفوظ ہے کون جانتا ہے کہ مرتیو کی بھڑکتی ہوئی آگ میں گھرے ہوئے سنسار میں ایٹم بم وگیان یگ کے بعد اس بھارتیہ دیوی وگیان یگ کا آغاز ہو جس میں آج کے بڑے بڑے حق شناس مکمل سکھ، امن، شانتی اور انسانی ترقی کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ بھارتیہ سنسکرتی کے پرانوں میں سو فیصدی جیونی شکتی ہے اس کی نارٹی کی دھڑکن پر مہاپرشوں کی نارٹی دھڑکتی ہے

بارھویں صدی کی بات ہے ویدک سنسکرتی کے پاؤں لڑکھڑا گئے۔ سدبھاونا، نیکی اور آتم وکاس کا شیرازہ بکھر چکا تھا، ناستک واد کی تاریک رات میں دیوی بھاو۔ نیکی اور روحانیت کے پھول مرجھا رہے تھے۔ یکایک ایک دِویہ پرکاش۔ ایک نورانی تو پیدا ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے سمو چے سنسار کو ادویت گیان کی کرنوں سے معمور کر گیا۔ ایک لاثانی دارشنک (فلسفی) مہاکوی، یگ پروَرتک، سماج سدھارک سنیاسیوں کے سرتاج مہاپرش شنکر کا ظہور ہوا۔

بکرمی سمت ۸۴۵ (عیسوی ۷۸۸ء) میں مالابار پرانت کے کالڑی گرام میں شری شنکر نے جنم لیا، نمبوری برہمن شوگرو ان کے پتا تھے اور سو بھدرا ماتا۔ شنکر کا انہاس ہمیں مادھو کی تصنیف "شنکر دگ وجے" اور آنند گری کی تصنیف "شنکر وجے" سے ملتا ہے شنکر آچاریہ غیر معمولی اوصاف اور حیرت انگیز ذہنی طاقتوں سے بہرہ مند تھے وہ برس کی عمر میں ماتا سے سن کر پورا ایک کتھا یاد کر لیتے تھے۔ چھوٹی ہی عمر میں ان کے سر سے پتا کا سایہ اٹھ گیا تھا۔ اور ان کی پرورش کا سارا بار ان کی ماتا کے کندھے پر پڑا تھا۔ یگیوپویت ہونے کے بعد آپ نے ویدک ساہتیہ کا مطالعہ کیا۔ اور آٹھ ہی برس کی عمر میں گہرے شاستریہ مسئلوں کو سلجھانے کے قابل ہو گئے۔ گورو کے پاس دو ہی برس رہ کر شنکر آچاریہ کو شاستروں پر پورا عبور حاصل ہو گیا۔ زندگی کے ایک ایک لمحہ کا فائدہ اٹھاتے تھے وقت کی قیمت کو انھوں نے خوب جان لیا تھا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اکھنڈ بھارت کی وراٹ مورتی تھی۔ اٹر سے دکھن اور پورب سے پچھم تک راشٹر کو ویدک سنسکرتی کے شیرازہ میں بندھا ہوا دیکھنے کی دھن نے انہیں بچپن ہی سے مہان بنا دیا تھا۔ شنکر نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔ ماں کا دل اتنا کٹھور کہاں تھا کہ اپنے لخت جگر اور زندگی کے سہارے کو اتنی چھوٹی عمر میں راشٹر پر قربان ہونے والا سنیاسی بن جانے کی اجازت دے دیتی شنکر کے سامنے یہ ایک زبردست رکاوٹ تھی۔

انہی دنوں ایکبار شنکر ندی میں سنان کر رہے تھے کہ مگرمچھ نے انہیں ٹانگ سے آدبوچا۔ کنارے پر ماں کھڑی تھی، شنکر

نے ماں سے پکار کر کہا — ماں! مجھے دھرم اور دیش کی خاطر سنیاس لینے کی اجازت دلی خوشی کے ساتھ دے دے۔ ورنہ میں اس وقت مگر مچھ کے شکنجے میں ہوں۔" ماں نے حالات کو سمجھ لیا اور شنکر کو سنیاس کی آگیا دے ہی دی۔ بلاشبہ شنکر کے سامنے بھارتیہ سنسکرتی کو ڈبونے کے لئے اٹھتی ہوئی خوفناک باڑھ تھی اور وقت کی خوفناکی کے مگر مچھ نے اُن کے جیون کو پکڑ لیا تھا۔ اس سے چھوٹنے کا اُپائے صرف تیاگ ہی تھا موہ کے بندھن کو توڑ کر دیش ماتا کی سیوا کے لئے شنکر اپنے گھر بار کو خیرباد کہہ کر چل دئیے۔

مشہور آچاریہ گوبندپاد سے شنکر نے ویکشالی اور ادویت آتم تتو (کائنات ایک ہی ہستی کا جلوہ ہے) کا گہرا مطالعہ کیا گرو کی اجازت لے کر شنکر بنارس کی طرف گئے اور تمام چھوٹے مت متانتروں کو چیلنج کیا۔ بڑے بڑے شاستر ارتھ ہوئے اور ہر بار کامیابی نے شنکر ہی کے قدم چومے۔

شنکر کا جیون حیرت انگیز واقعات سے بھرا پڑا ہے اُن کا آتم وشواس، خود اعتمادی اور علمیت بے مثال تھی۔ اُس وقت کے مشہور جیسا لسک پنڈت منڈن مشر سے اُن کا جو شاستر ارتھ ہوا اس کی بھارت بھر میں دھوم مچ گئی۔ اس شاستر ارتھ میں شنکر آچاریہ نے ایک زبردست شرط رکھی اگر وہ شاستر ارتھ میں ہار جانے تو انہیں سنیاس چھوڑ کر گرہستھ ہونا پڑتا۔ ایک سنیاسی کے لئے یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہوتی۔ لیکن شنکر میں یوگ کا تیج اور علمیت کی چمکار تھی۔ سولہ دن تک شاستر ارتھ ہونے پر منڈن مشر کی شکست ہوئی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب بھارت کی عورتیں بھی بہت پڑھی لکھی اور وید شاستروں کی گیاتا ہوتی تھیں۔ منڈن مشر کی دھرم پتنی بھارتی نے جو پہلے شنکر آچاریہ اور منڈن مشر کے شاستر ارتھ میں ثالث تھی اب خود شنکر کو شاستر ارتھ کے لئے للکارا بھارتی کی قابلیت دیکھ کر شنکر بھی حیرت زدہ ہو گئے۔ آخر شنکر آچاریہ نے ودشی بھارتی کو بھی ہرا دیا۔

شنکر آچاریہ نے سنیاس دھرم کا انوکرن (تقلید) کرنے کے قابل سوروپ پیش کیا۔ وقت پڑنے پر سنیاسی دھرم اور راشٹر کے لئے کیا نہیں کر سکتا۔ سنیاس کے حقیقی معنی ہی دھرم کے لئے سب کچھ تیاگ دینا ہے۔ شنکر نے اپنی عملی زندگی سے ثابت کر دیا کہ سنیاسی روڑھی واد (رجعت پسندی) کا پجاری نہیں ہوتا۔ ماتا کے بیمار ہونے کی خبر پا کر شنکر اپنی ماتر بھومی جا پہنچے، وہ نظارہ کس قدر درد انگیز تھا۔ جب ایک سنیاسی اپنی ماں کے احسانات سے سبکدوش ہونے کے لئے حاضر ہوتا ہے اور اندھ وشواسی رجعت پسند شور مچاتے ہیں۔ کہ یہ پاپ ہے سنیاس دھرم کے خلاف ہے شنکر نے اپنا وچن نبھانے کے لئے اس مخالفت کی ذرا بھر بھی پرواہ نہ کی کہتے ہیں۔ شنکر کے اس فعل سے لوگ بہت بگڑ گئے اور انہوں نے شنکر آچاریہ کو اپنی ماں کے لئے چتا بنانے کی بھی جگہ نہ دی اور ایک دگ وجئی مہاپرش کی ماں کی ارتھی اٹھانے کے لئے چار آدمی بھی ساتھ نہ آئے۔ لیکن اس بہادر سنیاسی نے کچھ پرواہ نہ کی خود جا کر جنگل سے لکڑیاں چن لایا اور اپنے گھر کے پچھواڑے ماتا کا انتم سنسکار کیا اور ایک ہی جھٹکے سے سنگدل سماج کے جھوٹے بندھن توڑ کر رکھ دیئے۔

شنکر آچاریہ کا سب سے بڑا کام ادویت واد کی ستھاپنا ہے۔ اُنہوں نے بتایا کہ سرشٹی میں جو کچھ ہے وہ سب ایک ہی ہے۔ سب میں ایک ہی شدھ اور نتیہ برہم دیاپت ہے، آتما ہی برہم ہے، آتما اور پرماتما ایک ہی ہیں۔ اس گیان کے بغیر موکش (نجات) انہیں ملتا۔ شنکر کے اس اعلیٰ اور بلند مرتبہ گیان ہی وشو کے کلیان کا راز پوشیدہ ہے۔ جب سب میں ایک آتما ہے تو کسی سے دویش اپنے آپ سے دویش کرنا ہے، چھوری وبھید کا کہیں ستھان نہیں رہ جاتا۔ شنکر کی زندگی سچے تیاگ اور بھگتی سے بھری ہوئی ہے۔ انہوں نے تن سے، من سے، بانی سے، قلم سے سب طرح سے دھرم کی سیوا کی۔ اُن کا پرستھان ترئیہ (ویدانت، اپنشد اور گیتا) پر بھاشیہ وشو کے ساہتیہ کا ایک اہم حصہ ہے۔ اُن کے ہر دلعزیز گیتوں نے انہیں مہاکوی اور ساہتیہ کار کا درجہ دیا ہے۔ چرپٹ پنجر کا سنسکرت کی مشہور نظم وغیرہ ستوتر آج ہر ودوان اور عام لوگوں کی زبان پر ہے۔

مہاپرش پراگرمی دِگ وجے شنکر نے مرجھائے ہوئے ویدک پرکش میں زندگی ڈال دی۔ انہیں کی کوششوں کا یہ پھل ہے کہ بھارت میں سناتن سنسکرتی کے سرچشمہ وید اور ہندو دھرم اپنی لازوال عظمت اور سادھنا کے لئے زندہ ہے۔ دھرم کو زندہ رکھنے کے لئے شنکر آچاریہ نے بھارت میں چار مٹھ قائم کئے۔

(۱) جگن ناتھ پوری میں گوردھن مٹھ (۲) دوارکا مٹھ (۳) تُنگ بھدرا کے تٹ پر شرنگیری مٹھ (۴) بدری کاشرم میں جیوتر مٹھ۔ بھارت کی اکھنڈتا شکتی کے نشان یہ چاروں مٹھ آج بھی ہیں۔ شنکر کے برابر پرتبھاشالی، چمتکاری، انسانی دھرم دھر ودوان، راشٹر کا خیر خواہ مہاپرش بھارت ہی میں نہیں دنیا بھر کے اتہاس میں نہیں ملتا۔ اتنی مختصر عمر میں اتنا بڑا کام دنیا کا ایک عجوبہ ہے۔ ۸۷۷ بکرمی میں اپنی زندگی کے پُرعقاد بتیس سال پورے کر کے شنکر برہم میں لین ہو گئے۔ اگر ہم آنکھ کھول کر ان کا درشن کر سکیں تو آج بھی وہ ہمارے درمیان موجود ہیں۔ شنکر کی دگ وجے ہمارے پرانوں کو چھو کر ان میں جوش بھر دیتی ہے۔ یگ یگ تک اس مہاپرش کے دِویہ کرموں، لافانی کاموں سے سنسار کو پریرنا ملے گی۔

شنکر کی زندگی کے دو ورق

دگ وجے کے لئے سفر کی تیاریاں کرتے ہوئے نربدا کے کنارے کچھ عرصہ ٹھہرنے کے بعد شنکر آچاریہ نے مہاراشٹر کا رخ کیا۔ اس وقت شومت کے پجاریوں، وشنومت والوں اور شاکتوں کی باہمی سرپھٹول کا خوب دور دورہ تھا۔ اندھیر مچی تھی۔ لوگ حیران تھے کہ اصلی برہم کون ہے؟ شو، وشنو یا مہاشکتی۔ اس وقت بھیرو شو، شاکت سمپردائے کے لوگ نہایت بے رحم اور سنگ دل تھے۔ وہ کونسا پاپ تھا جو ان کی پوجا میں شامل نہ تھا۔ ماس خوری، شراب نوشی تو ان کی اپاسنا کا خاص انگ تھیں۔ اس قدر جہالت کا طوطی بول رہا تھا۔ ان دنوں شنکر آچاریہ نے ان پاکھنڈوں کے خلاف آواز بلند کی۔ ان تمام مت متانتروں کے پنڈتوں سے شاستر ارتھ ہوئے آخر شنکر کا مت سب نے قبول کر لیا بھیرو مت کا ایک پیرو کاپالک بظاہر تو شنکر کا ششیہ بن گیا۔ اور ان کے ساتھ رہنے لگا مگر دل میں یہ ارادہ رکھتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح شنکر کا خاتمہ کر دیا جائے۔ جب اس دشٹ کی کوئی تجویز کارگر نہ ہوئی تو ایک دن شنکر آچاریہ کے پاس خلوت میں آیا اور بولا "آپ تو گیانی ہیں، سچے برہم گیانی ہیں۔ آپ کو جسم کا قطعاً موہ نہیں۔ میں ایک ایسی سادھنا کر رہا ہوں جس میں مجھے ایک تو گیہ کے سر کی ضرورت ہے اگر آپ اپنا سر دینا منظور کر لیں تو میرا منورتھ پورا ہو جائے۔" برہم گیانی شنکر نے خندہ پیشانی سے جواب دیا "بھائی اگر میرا سر جانے سے تمہارا کوئی فائدہ ہو سکتا ہے تو میں ابھی سمادھی لگاتا ہوں تم میرا سر کاٹ کر لے جانا۔" کاپالک خوش ہو گیا۔ اس نے جھٹ اشنان کر بھیرو کی پوجا کی۔ جی بھر کر شراب پی لی اور ہاتھ میں تلوار لے کر سمادھی میں بیٹھے ہوئے شنکر کے پاس آ گیا۔ اس نے چمچماتی ہوئی تلوار نکالی اور ہوا میں ایک بار گھمائی۔ قریب ہی تھا کہ ایک وار میں شنکر آچاریہ کا تن سے سر جدا کر دے کہ پدم پاد آچاریہ ایک غیبی طاقت کی طرح وہاں آموجود ہوا۔ دشٹ کاپالک کی اس مذموم حرکت کو دیکھ کر بجلی کی طرح اس پر لپکا اور ترشول کے ایک ہی وار سے کاپالک کا قصہ پاک کر دیا۔ اس طرح ایشور کی اچھا سے سوامی شنکر آچاریہ بچ گئے۔

اس علاقے میں دھرم کی ستھاپنا کرنے کے بعد شنکر آچاریہ دکھنی بھارت میں وید ورودھ متوں کا کھنڈن کرتے ہوئے اور مت متانتروں کو شکست دیتے کرناٹک، چول، دراوڑ وغیرہ دیشوں میں پرچار کرتے ہوئے بہار پہنچے۔ یہاں کے بعد کرناٹک کا رخ کیا۔ کرناٹک میں بہت سے کاپالک آباد تھے۔ جن کا کام انسانی بَلی دیوتاؤں کو چڑھانا تھا۔ شنکر آچاریہ کو وہاں جانے سے منع کیا گیا مگر وہ کب کے موت کے خوف سے آزاد وہ بھلا دنیا سے کب ٹلنے والے تھے، چنانچہ اس خطرناک علاقے میں اُجّین دیش کے راجہ نے ان کو امداد بہم پہنچائی خوب دھرم پرچار ہوا۔ شنکر آچاریہ جب کرناٹک دیش میں داخل ہوئے تو کرکچ نامی سادھوؤں میں کہرام مچ گیا۔ ان لوگوں کے سرغنہ کرکچ نے قبرستان سے بھسم لے کر جسم پر رمائی، ماتھے پر خون کا تلک لگا لیا۔ ڈراونی

شکل بنا کر ایک ہاتھ میں ترشول اور دوسرے میں انسانی سر کی کھوپڑی لیے کر شنکر آچاریہ کے پاس آ دھمکا۔ انہیں ڈرانے دھمکانے لگا۔ بھلا یہ ہم دتیا شنکر پر اس کا کیا اثر ہوتا۔ مگر کرکچ کی اس حماقت کو دیکھ کر راجا سدھنوا کو غصہ آگیا انہوں نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ کرکچ کو وہاں سے نکال دیں جب اسے وہاں سے نکالنے کی کوشش کی گئی تو اس نے ایک چیخ ماری آن کی آن میں سینکڑوں کاپالک شراب کے نشہ میں چور ہو کر شنکر آچاریہ کے گروہ پر حملہ آور ہوئے راجا کے سپاہیوں سے مل کر شنکر کے شاگردوں نے کاپالکوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان کا سرغنہ کرکچ بھی مارا گیا۔ چاروں طرف شنکر آچاریہ کی جے کے نعرے گونج اٹھے۔

ان ہر دو واقعات سے ظاہر ہے کہ شنکر آچاریہ نے کن خطرناک حالات کے درمیان سچے دھرم کا پرچار کیا، شنکر کے مقابلہ پر بودھوں کے علاوہ اور بھی کتنے مت متانتر خونخوار صورت میں آئے مگر اس مہاپرش نے بیدھڑک ہو کر چٹکیوں میں سب کا صفایا کر کے سارے بھارت ورش میں نیکی، سچائی اور ادویت آتم تتو کا پرچار کر کے امن اور آشتی کا سماں اجیہ قائم کر دیا۔ یقیناً اتنا مہان اور کٹھن کاریہ اتنے مختصر عرصے میں کوئی بڑا شکتی شالی راجہ بھاری فوجی طاقت کے ساتھ بھی آج تک کبھی نہیں کر سکا جو صرف اکیلے شنکر آچاریہ ہی نے کر دکھایا

(اوم شم)

سوامی شنکر آچاریہ سے

گوہر رقم پنڈت رلیا رام رتن پنڈوری ← از

تو نے روشن سب پہ اسرارِ حقیقت کر دیے
اہلِ کثرت آشنائے رازِ وحدت کر دیے

تیری تلقین و نصیحت کام اپنا کر گئی
سینکڑوں گمراہ شیدائے طریقت کر دیے

تیرے مسلک نے ملا دیں دیر و کعبہ کی حدود
جوش زن ہر دل میں جذباتِ عقیدت کر دیے

قصرِ ایماں کی بنا ڈالی تری تعلیم نے
منہدم ایوانِ کفر و شرک و بدعت کر دیے

اس طرح سمجھائے تو نے عالمِ عرفاں کے راز
دل نشیں الفاظ میں جانِ بلاغت کر دیے

تیرے ہر انداز میں تھا ایک کیفِ سرمدی
دین و دنیا تو نے مرہونِ کرامت کر دیے

اک زمانے کو ہلا ڈالا ترے پیغام نے
سینکڑوں خلوت کدے دنیائے خلوت کر دیے

تیرا عشقِ پاک تھا حسن آفرینِ ازل
تو نے جلوہ بار انوارِ صداقت کر دیے

گو نگاہوں سے رتن کی آج تو روپوشش ہے
دل مگر اپنی عقیدت میں سراپا جوش ہے

کمارل بھٹا چاریہ

از شری رویندر ناتھ پربھاکر

اُٹھتی ہوئی جوانی کو لے کر گہرے خیالات کی دُنیا میں کھویا ہُوا وہ براہمن کمار ایک عالیشان محل کے پاس سے گزر رہا تھا۔ یکایک اس کے کانوں میں ایک ملائم اور درد بھری آواز آئی اور دل تک اُتر کر اس کے خیالات کے سلسلے کو درہم برہم کر گئی۔ نوجوان نے اوپر کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا —— ایک راجکماری نہایت مایوسانہ لہجہ میں سوچ سوچ کر آدھا شلوک پڑھ رہی تھی۔

किं करोमि कव गच्छामि को वेदानुद्धरिष्यति ॥

"میں کیا کروں، کہاں جاؤں اس گھور ناستکتا کے زمانے میں ویدوں کا اُدھار کون کرے۔

اس دل دوز پُر معنی آواز کو سُن کر وہ براہمن کمار ادھورے شلوک کو مکمل کرتے ہوئے کہہ اُٹھا۔

नाविभैषीर्वरारोहे भट्टाचार्योस्ति भूतले ॥

"فکر مت کرو دیوی! ویدوں کا اُدھار کرنے والا بھٹاچاریہ پرتھوی پر موجود ہے۔" اس براہمن کا نام تھا کمارل بھٹاچاریہ۔ کمارل بھٹاچاریہ کا جنم اس زمانے میں ہوا تھا کہ جب رشیوں کے بھارت میں ناستکتا پھیل رہی تھی۔ اس ناستکتا کی ذمہ داری بودھ دھرم اور جین دھرم کے پیروں کاروں پر عائد ہوتی تھی۔ ویدوں کے خلاف اتنا زبردست غدر پیدا ہو چکا تھا کہ ویدوں کے جاننے والا چراغ لے کر ڈھونڈنے پر بھی کہیں نہیں ملتا تھا۔ ویدوں کو جاننا تو درکنار ویدوں کا نام لینا بھی جان جوکھوں میں ڈالنا تھا اور ان متوں کے ماننے والے لوگ جہاں ویدوں کے دشمن سے بنے بیٹھے تھے وہاں خود اپنے دھرم کے اصلی سوروپ کو بھی بھول گئے تھے۔ چونکہ ان کی اکثریت تھی اور راج ستا یعنی حکومت بھی انہیں کے ہاتھ میں تھی۔ اس لیے ان کے خلاف یا اُن کے دھرم کے خلاف کسی مت کا پرچار کرنا موت کو دعوت دینا تھا۔ ان ہر دو طاقتوں سے کمارل بھٹاچاریہ کو لوہا لینا تھا۔ انہیں پراجیت کئے بغیر ویدوں کا اُدھار ناممکن تھا۔ لیکن یہ کام کوئی آسان کام نہ تھا۔ تلوار کی دھار پر چلنے کے برابر تھا۔ اس کے علاوہ ولبھ متوں، شیووں اور شاکتکوں کی باہمی سر پھٹول سے بگڑے ہوئے حالات کا مقابلہ کرنا بھی بچوں کا کھیل نہ تھا۔ ان سمپردایوں میں ایک دوسرے کو کچل کر آگے بڑھ جانے کی دوڑ جاری تھی۔ اور یہ دوڑ باہمی خون خرابے کا باعث بنی ہوئی تھی۔ بھیرو مت کے ماننے والے کا دیوتا انسان اور پھر انسانوں میں سے براہمن کے سر کی قربانی لئے بغیر خوش نہیں ہوتا تھا۔ ملک بھر میں یہ فتنے قیامت کے فتنے تھے۔ ان سب فتنوں کے درمیان سدھار کا جھنڈا لے کر میدان میں اترنا کسی معمولی آدمی کا کام نہیں تھا۔ کمارل بھٹاچاریہ ان سب فتنوں، ظلم و ستم اور خون کی پیاسی ناستکتا کا قلع قمع کرکے امن و آشتی بھی اور سچائی اور ویدوں کی سچی تعلیم کو پھر سے رائج کرنے کا دڑھ سنکلپ لے کر میدان میں اتر پڑا۔

کمارل بھٹاچاریہ، بودھ دھرم اور جین دھرم کے پیرو کاروں کے خلاف آواز اٹھانے میں دقت محسوس کرتا تھا۔ جب تک کہ وہ ان کے دھرم گرنتھوں اور فلسفہ کو صحیح طور پر سمجھنے اور بیان کرنے کی قابلیت پیدا نہیں کر لیتا تھا اس مقصد کے لیے اس نے بودھوں اور جینیوں کی درسگاہوں میں ایک بودھ اور جینی طالب علم کی حیثیت سے تعلیم حاصل کی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں کمارل بھٹاچاریہ جین اور بودھ دھرموں کے سدھانتوں کا زبردست پنڈت بن گیا۔ اسے بودھ اور جین

دھرم کی پاٹھ شالاؤں میں بےشمار مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ کمال بھٹاچاریہ ان سب کو ہنستے ہنستے جھیل گیا۔ اُس کے طالب علمی کے زمانے کا ایک واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔

ایک دن کمال بھٹاچاریہ کے گورو نے بڑے سخت الفاظ میں ویدوں پر دوش لگاتے بھدّی قسم کی نکتہ چینی کی اور ویدوں کے مارگ کو سراپا غلط اور بیہودہ بیان کیا۔ یہ سن کر کمال بھٹاچاریہ کا دل زخم خوردہ شیر کی مانند بپھر اٹھا۔ مگر وقت کی نزاکت کو سمجھ کر ضبط کر گیا۔ زبان پر شکایت کا حرف تک نہ لایا۔ مگر آنسوؤں نے اس کے دل کی کیفیت کا راز فاش کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے طالب علم تاڑ گئے کہ ہو نہ ہو کمال بھٹاچاریہ چھپکے چھپکے ویدوں پر یقین رکھتا ہے اور ویدوں کا پرم بھگت اور ان کا نیو اُن کے دھرم کا جانی دشمن اسی دن سے پاٹھ شالا کے تمام ودیارتھی اس کی جان کے لاگو ہو گئے۔ وہ ہر وقت سوچتے رہتے کہ کب موقعہ ہاتھ آئے اور کمال بھٹاچاریہ کا قصہ پاک کیا جائے۔ آخر ایک دن انہیں موقعہ ہاتھ آ ہی گیا۔ کمال بھٹاچاریہ مندر کی اونچی دیوار پر بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ اُس کی نگاہوں کے سامنے دشمنانِ دھرم جاتی کی دردناک تاریخ کا نقشہ گزر رہا تھا۔ اور دل میں اٹھ رہے تھے یہ ولولے کہ کب وہ وقت آئے گا جب اُسے ستیہ کا جھنڈا لے کر میدان میں اُترنا ہوگا۔ اچانک پیچھے سے اُس کے دشمن ودیارتھیوں نے دھکا دیا اور وہ قلابازیاں کھاتا ہوا زمین پر آ رہا۔ اُس وقت اس کی زبان سے عام آدمیوں کی طرح ہائے تو یہ نہیں بلکہ ایک نعرۂ مستانہ بلند ہوا۔

"شرتی اپنے آنترلوں کی رکشک ہے۔ ایشور اپنے بھگتوں کا محافظ ہے اگر وید ایک اٹل حقیقت ہیں۔ سونہ پرمان ہیں تو میں ضرور زندہ رہوں گا اور اس سچائی کو ڈنکے کی چوٹ سے سارے جہاں میں پھیلاؤں گا۔

کس قدر مستقل مزاجی، ایشور پرآستا اور غیر معمولی بہادری کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ یہ نعرہ کماریل بھٹاچاریہ اس جاں فشکار حادثہ سے بچ گیا مگر ایک آنکھ پر ایسی چوٹ آئی کہ بینائی جاتی رہی اس پر بھی وہ خوش و خرم تھا اور اس کا یقین تھا کہ "میں نے اپنے آپ کو چھپا کر بودھوں سے اُن کے درشنوں کی تعلیم حاصل کی ہے۔ اسی کا یہ پھل ہے کہ مجھے ایک آنکھ سے ہاتھ دھونے پڑے ہیں، یہ میرے اپنے ہی کرموں کا پھل ہے ورنہ کسی دشمن کی یہ کیا مجال ہے جو میرا بال بھی بانکا کر سکے۔ لیکن چونکہ میں نے سچائی کی خاطر ہی ایسا کیا تھا اس لئے مجھ میں وہ طاقت اور شکتی موجود ہے۔ جس سے میں ویدوں کا اُدھار کر سکتا ہوں۔

(۲)

بس اُس دن سے بودھ اور جین گرنتھوں کا پورا عالم ہو کر کماریل بھٹاچاریہ دیش کے طول و عرض میں گھوم گھوم کر سچائی کا ڈنکا بجانے لگا۔ اُس نے بودھ دھرم اور جین دھرم میں آئی ہوئی خامیوں اور کمزوریوں کے خلاف زبردست اندولن شروع کر دیا۔ جگہ جگہ ہر دو دھرموں کے ودوانوں کے ساتھ شاستراتھ ٹھن گیا اور ہر جگہ فتح کماریل بھٹاچاریہ کو نصیب ہوئی۔ بڑے بڑے بودھ اور جین پنڈتوں کو پچھاڑ کر وہ راجا کے دربار میں پہنچا۔ یہ راجا بھی بدھ مت کا پیروکار تھا۔ لیکن تھا قدردان اس نے کماریل بھٹاچاریہ کو اپنے دربار کے دیگر خاص درباری پنڈتوں سے بھی بلند رتبہ پیش کیا۔ کماریل بھٹاچاریہ نے کہا۔

"راجن! اگر تو ویدوں کی نندا کرنے والوں کی صحبت میں نہ ہوتا تو بہتر تھا اور تو پرشنسا کے قابل بھی ہوتا"

کماریل بھٹاچاریہ کے یہ الفاظ سن کر تمام درباری پنڈتوں کے سینے پر سانپ لوٹ گیا۔ مارے غصے کے آگ بھبھوکا ہو گئے آنکھوں سے چنگاریاں برسنے لگیں۔ دانت پیس پیس کر ویدوں کے خلاف انا پ شناپ باتیں بنانے لگے، کماریل بھٹاچاریہ نے انہیں معقول جواب دیتے ہوئے شاستراتھ کے لئے للکارا اُس کی سچی اور جرأت آمیز باتوں سے بودھ راجا نے متاثر ہو کر ایک وسیع پیمانے پر شاستراتھ کا انتظام کر دیا۔ دیش کے بڑے بڑے بودھ پنڈت شامل ہوئے مگر اس شاستراتھ میں بھی کماریل بھٹاچاریہ کو فتح نصیب ہوئی اور راجا اُس کا شِشیہ بن گیا۔

اس وقت تیجسوی براہمن سوامی شری شنکر آچاریہ بھی سنیاس دھارن کر کے دیش اور جاتی کے اُتھان کے لئے میدان عمل میں قدم رکھ چکے تھے۔ شنکر آچاریہ نے جب ملک کے چاروں طرف نگاہ دوڑائی تو اُن کو ہر جگہ کماریل بھٹاچاریہ کی عظمت اور شہرت کا نور پھیلا ہوا دکھائی دیا اُنہوں نے سوچا کہ یوگیہ مہاپُرش کی امداد اُن کے پرچار کاریہ کو کامیاب بنانے میں بہترین سادھن ثابت ہوگی۔ چنانچہ شنکر آچاریہ کماریل بھٹاچاریہ کی تلاش میں نکل پڑے

سوامی شنکر آچاریہ اپنے شِشیوں کی منڈلی کے ساتھ کماریل بھٹاچاریہ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے پریاگ پہنچے، تو انہیں ایک دل ہلا دینے والی خبر ملی کہ وہ کماریل بھٹاچاریہ جس کے نام سے ناستک پنڈتوں کی روح کانپ اُٹھتی ہے وہ کماریل بھٹاچاریہ جس کی علمی لیاقت کا سکہ دشمن تک مان چکے تھے شاستروں کی آگیا کے مطابق ایک پرائشچت کرنے کے لئے چاولوں کے بھوسے میں بیٹھ کر جل مرنے کو تیار بیٹھا ہے اس خبر سے شنکر آچاریہ کا دل مسوس اُٹھا۔ تھوڑی دیر کے لئے اُن کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ اُن کی اُمیدیں یاس میں بدل گئیں۔ مگر فوراً ہی سنبھل کر کماریل کے پاس پہنچنے کے لئے بے تاب ہو گئے۔

جب شنکر آچاریہ موقعہ پر پہنچے تو عجیب منظر پیش نظر دیکھا چاولوں کے ایک بہت بھاری ڈھیر میں آگ لگا دی گئی اور اس میں ایک مہا تیجسوی پُرش کماریل براجمان ہے۔ چہرے سے نور اور بشاشت ٹپک رہی ہے۔ فضا میں غم کی لہریں دوڑ رہی ہیں قطرت پر سکتہ سا طاری ہے آسمان کپکپا رہا ہے اور پرتھوی کا ہردیہ پھٹنے کو ہے مقفس کی اس چتا کے چاروں طرف کماریل بھٹاچاریہ کے شِشیوں کا جمگھٹا پھوٹ پھوٹ کر رو رہا ہے۔ اُف یہ درد انگیز نظارہ! شنکر آچاریہ سے سہا ہی

کماد ل بھی قابو میں نہ رہ سکا، وہ بھی موہ میں آگئے اور طبیعت کو سنبھال کر چتا کے قریب جا کر بھرے ہوئے دل سے پرارتھنا کی۔ منت بھری کی "اے مہان تپسوی، ویدوں کے سچے گیاتا اس کٹھن پرائشچت کو چھوڑ کر چتا سے باہر آجائیے ڈر ہے آپ کا یہ فعل دیکھنے والوں کے لئے خودکشی کا محرک نہ ہو، آج تمام دیش آپ کی طرف امید بھری آنکھیں لگائے بیٹھا ہے آپ کے برابر ویدوں کے جاننے والے اور کہاں سے ملیں گے، آپ کے بغیر دیش اور جاتی کا اُدھار کون کرے گا؟ کس میں اتنی جرأت اتنا استقلال اور اتنی قابلیت نظر آتا ہے۔ آپ دھرم کی نیا کس کے سہارے چھوڑ رہے ہیں، بھگوان! دیا کیجئے اور پرائشچت کا سنکلپ چھوڑ کر ہمارا بازو تھامئے"

کمارل بھٹاچاریہ نے اگرچہ اس سے پہلے سوامی شنکر آچاریہ کو نہیں دیکھا تھا تو بھی اُن کی شہرت ضرور سن رکھی تھی۔ آج انہی شنکر آچاریہ کو سامنے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور اُن کی بہت تعریف کرتے بولا — "پیارے شنکر! افسوس آپ اس وقت آئے ہیں جب میں اپنی زندگی ختم کر چکا ہوں میں آپ کا سواگت کرتا ہوں اور ناستکتا کے ہاتھوں میں نالاں تمام بھارت واسیوں کو آپ کے سپرد کرتا ہوں، یہ کہنے کی ضرورت نہیں آپ خود گیانی ہیں۔ آتما امر ہے میرے اس طرح دیہہ تیاگ سے میری حقیقت نابود نہیں ہوگی، میرا مشن نہیں رکے گا بلکہ زیادہ تیز ہوگا۔ میری آتما سدھار کی تمام خواہشوں کے ساتھ آپ کے انگ سنگ رہے گی۔ میں نے بودھ اور جین مت میں پیدا ہوئی خرابیوں تنگدلی اور جھوٹی دھارنا کا قلع قمع کرنے کے لئے انہیں کی پاٹھ شالاؤں میں اُن کے درشنوں کی تعلیم حاصل کی اور انہیں کے خلاف آواز بلند کی، شاستر کے انوسار یہ ایک پاپ کرم ہے میں جانتا ہوں کہ ایک شبد کا اپدیش کرنے والا بھی گورو کی حیثیت رکھتا ہے۔ میں نے بودھ اور جین مت کے درشن انہیں سے پڑھ کر انہیں کا کھنڈن کیا اور سچائی کی خاطر ایسے کرنے میں حق بجانب تھا تو بھی یہ شاستر مریادا کے خلاف ہے۔ میں ایک طرح گورو کی مخالفت کا مجرم ہوں اور اس جرم کا پرائشچت شاستر انوسار یہی ہے۔ کہ چاولوں کے بھس میں آگ لگا کر جل مروں، میرا یہ فعل خودکشی نہیں بلکہ سچے کرتویہ پالن کا محرک ہوگا۔ مجھے اس بات کا فخر ہے کہ میں نے جو کچھ کیا ہے سچائی کی رکھشا کے لئے کیا ہے۔ میری آتما سکھی ہے۔ مجھے یہ بھی خوشی ہے کہ آپ جیسے پرسنیاسی کی موجودگی میں میرا کام ادھورا نہیں رہے گا۔ آپ میرے سب سے بہترین شش منڈن مشر کے پاس جائیں اس کی استری بھی بڑی ودوشی ہے انہیں قائل کر کے ساتھ ملا لیں وہ آپ کے بہت کام آئیں گے۔ بس اب میں جاتا ہوں۔ اس کے بعد چاولوں کے بھس کی چتا میں شعلے بلند ہوئے اور بھٹاچاریہ اُن شعلوں میں سما گئے

نمبر شمار	نام کتاب	اصل قیمت	رعایتی قیمت
۴۵	شانتی منتر ہندی	-/۴/-	-/۳/-
۴۶	جیون رہسیہ ہندی	۱/۱۲/-	۱/۸/-
	دیگر کتب		
۴۷	ارمغان سخن دیوان دوم	۲/۸/-	۲/-/-
۴۸	حب وطن	۱/۴/-	۱/-/-
۴۹	ڈراما آزادی بی ایس کنول	۱/-/-	-/۱۲/-
۵۰	خمخانہ خوشتر از عیش سنگھ	-/۲/-	-/۱/-
۵۱	مذاہب عالم اور انسانیت از شری ہردیال ایم اے	۲/-/-	۲/۱۰/-
۵۲	شری کرشن اور مہاتما کی تعلیم از فخر قوم لالہ لاجپت رائے	۳/-/-	۲/۱۰/-
۵۳	بیراگی ویر از شری بھائی پرمانند جی	۱/۱۲/-	۱/۸/-
۵۴	سولہ سنگار	۴/-/-	۳/۸/-
۵۵	راج سنگھ تاریخی ناول	۲/۸/-	۲/۴/-
۵۶	پنڈت جی شرت چندر	۲/-/-	۱/۱۲/-
۵۷	ہندو دھرم درپن لالہ ہرگوبند جی ایم اے	۲/-/-	۱/۸/-
۵۸	ٹیگور کے ڈرامے	۲/۴/-	۲/-/-
۵۹	ویرمانی رنگا علی ناٹک	-/۱۰/-	-/۸/-
۶۰	شری بھگوت گیتا بطرز رادھے شیام	۱/۸/-	۱/۴/-
۶۱	بالمیکی رامائن اردو	۱۰/۸/-	۸/۸/-
	ڈرامے		
۶۲	لنگوٹی والا	۱/۸/-	۱/۵/-
۶۳	کایا پلٹ	۱/۸/-	۱/۵/-
۶۴	زخمی پنجاب	۲/-/-	۱/۱۲/-
۶۵	دان ویر کرن	۱/۸/-	۱/۵/-
۶۶	مرلی منوہر (کرشن اوتار)	۱/۸/-	۱/۵/-
۶۷	دھرم ادھرم یدھ	۱/۸/-	۱/۵/-
۶۸	ویر ابھیمنیو	۲/۴/-	۲/-/-
۶۹	مسرور کی بہار	۱/۴/-	۱/-/-
۷۰	ستیہ وان ساوتری	۱/۸/-	۱/۶/-
	کتب مصنفہ شری شیو برت لال ورمن		
۷۱	میراں بائی	-/۱۰/-	-/۸/-
۷۲	سائیں کے سو خیال	۱/-/-	-/۱۲/-
۷۳	روحانی اشارے	۱/-/-	-/۱۲/-
۷۴	کبیر یوگیشر	۸/-/-	۷/۸/-
۷۵	کامیابی کی کنجی	-/۱۲/-	-/۸/-
۷۶	بچوں کی نئی دنیا	-/۱۲/-	-/۹/-
۷۷	بچوں کا دل بہلاؤ	-/۱۲/-	-/۹/-
۷۸	بچوں کی علمی سیر	-/۱۲/-	-/۹/-
۷۹	آستک ناستک سنواد	-/۴/-	-/۳/-
۸۰	برہمچریہ ڈرامہ	-/۱۲/-	-/۹/-
۸۱	رہبر صحت	۲/-/-	۱/۸/-
۸۲	مہاتما گاندھی	۲/۸/-	۲/-/-
۸۳	سوامی رام تیرتھ	۲/-/-	۱/۸/-
۸۴	سوانح عمری سوامی رام تیرتھ	۱/۴/-	۱/۳/-
	دیگر کتب		
۸۵	جلیانوالہ باغ (ڈرامہ)	-/۸/-	-/۶/-
۸۶	شیر اعظم بھگت سنگھ	-/۱۲/-	-/۱۰/-
۸۷	دکھیارے (ڈرامہ)	۱/۸/-	۱/۴/-
۸۸	قاتل (ڈرامہ)	-/۱۲/-	-/۱۰/-
۸۹	چانکیہ نیتی درپن	-/۱۲/-	-/۹/-
۹۰	کافیاں بلھے شاہ	۱/۴/-	۱/-/-
۹۱	" ایشر داس	-/۱۲/-	-/۸/-
۹۲	گیتا خواجہ دل محمد	۳/۸/-	۳/۴/-
۹۳	شواجی	۱/۸/-	۱/۴/-
۹۴	ترسی ویدی	۲/-/-	۱/۱۲/-

میری پسندیدہ نظم

جھوٹ

از
سوامی امرانند جی مہاراج

بارہا سمجھا چکا تجھ کو مردِ حق پسند
راستے خوش بختیوں کے اس سے ہو جاتے ہیں بند
جھوٹ کی رونق ہے ہر سو جا بجا اس کی بہار
گر تو چشمِ ہوش سے دیکھے تو آئے یہ نظر
جھوٹ کی رفتار ہے بادِ صبا سے تیز تر
جھوٹ کی کالی گھٹا سارے جہاں پر چھا گئی
گوردواروں، خانقاہوں، تیرتھ استھانوں میں جھوٹ
قوم کے لیڈر، حکومت کے ایوانوں میں جھوٹ
ہر بڑی چھوٹی عدالت جھوٹ سے رونق پذیر
جھونپڑوں کو چھوڑئیے بنگلیں شبستانوں میں جھوٹ
عشوۂ معشوق میں، عاشق کے ارمانوں میں جھوٹ
حق کی تھی تاثیر جن کے نعرۂ پرجوش میں ہا ہا
جھوٹ مندر میں رائج، جھوٹ مسجد پر سوار
جھوٹ سے افسر ہیں راضی، ماتحت کو اس سے پیار
جھوٹ کا غلبہ ہے ہر سو جھوٹ کا ہی راج ہے
جھوٹ سے ہوتے ہیں حاصل زندگانی کے مزے
کیا جواں بوڑھے بھی پاتے ہیں جوانی کے مزے
اب اسی سے کر رہا ہے اک جہاں اپنا گذر
تو اٹھائے پھر رہا ہے سچ کی گٹھڑی جا بجا
نامرادی بیکسی ہے جس کی الفت کا صلہ
جھونک دے اپنی صداقت کو دہکتی آگ میں
فائدہ ہے جھوٹ میں لیکن سکونِ دل نہیں
رہروِ دشتِ ہوش کی کوئی بھی منزل نہیں
مخملی بستر پہ بھی راتوں کی نیندیں ہیں حرام
آج تک سب تھوکتے ہیں راون بدنام پر

(۱) اس زمانے میں نہیں حق و صداقت سود مند
افزا و کذب سے ہوتا ہے اب تو سربلند
جھوٹ کے غازے سے دیکھا ہے میں نے چہروں پہ نکھار

(۲) پڑھ رہے ہیں جھوٹ کا کلمہ جہاں کے بام و در
جھوٹ کی بجتی ہے نوبت آج کل شام و سحر
جھوٹ کے پانی سے سچ کی شاخ بھی مرجھا گئی

(۳) ہوٹلوں میں، کالجوں میں اور میخانوں میں جھوٹ
گرام پنچایت، یو۔این۔او کے کاشانوں میں جھوٹ
آجکا قانون اس کے دامِ گیسو کا اسیر

(۴) عندلیبوں میں، گلوں میں، گلستانوں میں جھوٹ
دشمنی کا ذکر کیا الفت کے پیمانوں میں جھوٹ
وہ بھی کھنچ کر آ گئے ہیں جھوٹ کی آغوش میں

(۵) جھوٹ کا پنڈت پجاری جھوٹ پہ ملّا نثار
ہر سیاسی پارٹی کا جھوٹ پر ہے دار و مدار
سب شہنشاہی اور گدائی جھوٹ کی محتاج ہے

(۶) یہ چکھاتا ہے شرابِ ارغوانی کے مزے
اس سے مل جاتے ہیں اکثر حکمرانی کے مزے
یہ نہ ہو تو مشکلیں سی مشکلیں ہیں عمر بھر

(۷) آج کی دنیا نے جس کو ہر طرح ٹھکرا دیا
پاس جس کے کچھ نہیں ہے یاس و حسرت کے سوا
اب نہیں تاثیر کوئی سازِ حق کے راگ میں

(۸) زندگی میں اس کو اصلِ زندگی حاصل نہیں
کشتیِ حرص و ہوا کے واسطے ساحل نہیں
خم کے خم پی کر بھی رہ جاتے ہیں ظالم تشنہ کام

(۹) ایک دنیا جان دیتی ہے ابھی تک رام پر

لعنتیں ہیں اک جہاں کی کنس کے ہر کام پر — پھول چڑھتے ہیں جہاں پر آج بھی گھنشیام پر
جھوٹ ہے زہرِ ہلاہل سچ ہیں امرت کا مزا — صبح روشن سے تقابل کیا اندھیری رات کا
مردِ حق پرور الٰہی، بچو اس سے یہ سر بسر ″ ″ ″ (۱۰) — جھوٹ سے برپا ہیں عالم میں فسادِ شور و شر
چار دن کے عیش کی ہاں جھوٹ کو کچھ چھوٹ ہے
جانتی ہے ایک دنیا جھوٹ آخر جھوٹ ہے

ویدانت اور پورن دھرم

از
منشی سورج نرائن صاحب
مہر دہلوی مرحوم

ویدانت دُنیا کے نظام ہائے فلسفہ کا سرتاج اور ہندوستان کا سرمایہ ناز شاستر ہے اس کو اگر فلسفہ و مابعد طبیعیات کا آخری لفظ کہا جائے تو بجا ہے، عقل انسانی کی رسائی اس سے اونچی نہیں اٹھ سکتی یہ متبرک شاستر پڑھنے والے کی حقیقت کا راز منکشف کر کے اس کو منزلِ آخری پر پہنچاتا ہے جو عقل کیا وہم و گمان کی حد سے بھی پرے ہے اور انوبھو یا کشف سے کھلتا ہے کہ ذاتِ حق ادویت یعنی بے دوئی ہے اور وہ میں ہوں۔

ادویت واد کا بیج سنگھتاؤں میں ملتا ہے۔ رگ وید کا ناسدیہ اور پرش سوکت اتھرو کا اچھشٹ سوکت یجو کا آخری ادھیائے جو ایشا واسیہ کے نام سے مشہور ہے، سب ادویت واد میں ہیں اور متفرق منتر جو ہر وید میں جگہ جگہ پائے جاتے ہیں، ان کی تعداد کثیر ہے یہ سب ایک ذات بے دوئی کی ہی تعلیم دیتے ہیں، سام وید کا ذکر میں نے اس لئے نہیں کیا ہے کہ اس میں وہی منتر وید سے چن لئے گئے ہیں، جو یگیوں میں خاص موقعوں پر گائے جاتے ہیں غرض سنگھتاؤں کی تعلیم ادویت کی ہے مگر ان میں گیان کا حصہ تھوڑا ہے اور کرم و اپاسنا کا بہت زیادہ۔ اپنشدوں میں گیان کا حصہ زیادہ ہے اور کرم اُپاسنا کا کم مگر کیا اپنشد اور کیا سنگھتا نظم میں ہیں اور جو اپنشد نثر میں ہیں ان میں بھی شاعری ہی کی جھلک ہے رشی اپنا انوبھو بیان کرتے ہیں اور اس طرح اشارہ "کنایہ" سمجھنے میں سخت دقت کا سامنا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وید و ویدانت یعنی اپنشدوں کی توضیح و معنی فہمی میں اس قدر مختلف مت اور مذاہب ہیں ہر مت والا اپنا خاص سدھانت پہلے قائم کرتا ہے اور اسی کی مطابقت سے منتروں اور شرتیوں کے معنی شروع کر دیتا ہے۔

اس اختلاف کے دور کرنے اور وید و ویدانت کے منتشر مسائل کو مکمل اور مدلل فلسفیانہ لباس پہنانے کے لئے شری بادراین رشی نے برہم سوتر لکھے ہیں مگر سوتر نہایت مختصر ہوتے ہیں اس لئے ان کے معنی کرنے میں بھی اختلاف ہوا یہ ہوا۔ آج کل سب سے پرانی شرح بھگوت پوجیہ پاد شری شنکر آچاریہ کا شاریرک بھاشیہ ملتا ہے مگر کیا اس بھاشیہ میں اور کیا اور لوگوں کی برتیوں میں شاریرک بھاشیہ سے پہلے اور بھاشیوں کا پتہ بھی چلتا ہے جن میں شنکر بھاشیہ سے سوتروں کے معنی مختلف لئے گئے ہیں یہاں استدلال عقلی کا کام پڑتا ہے کہ کون سے معنی اپنشدوں کی تعلیم کے مطابق ہیں اور کون سے نہیں۔ بچارشیل آدمیوں کی رائے عامہ جن میں پروفیسر تھیبا بھی شامل ہیں۔ جنہوں نے شاریرک بھاشیہ کا انگریزی ترجمہ لائق بنارس کے پنڈتوں کی مدد سے کیا ہے یہ ہے کہ ویدانت کی تعلیم وہی ادویت واد کی ہے جو شری شنکر آچاریہ نے فلسفیانہ طور پر دی ہے۔

شنکر مہاراج نے ویدک پرستھان ترے یعنی اُپنشد برہم سوتر اور گیتا پر بیش قیمت شرحیں لکھی ہیں۔ ان کی توضیحات ان تین کتابوں کی تابع ہیں فلسفیانہ مسائل ان بھاشیوں میں دستہ دستہ آتے ہیں۔ اور ان پر آچاریہ نے وہ بے نظیر روشنی ڈالی ہے کہ اس کی داد نہیں دی جاسکتی مگر چونکہ مضامین مختلف مقاموں میں منتشر ہیں اس لئے یہ ضرورت بدستور باقی رہی کہ ان کو یکجا کر کے مکمل فلسفے کی صورت میں پیش کیا جائے یہ کام ان کے چیلے سرشیور آچاریہ نے نظم میں اور مصنف ودرن پنج پادیکا نے نثر میں انجام دیا۔ سرشیور آچاریہ کے چیلے سرو گیہ منی نے اپنی سنکشیپ شاریرک میں مسائل ویدانت پر معتبر کتابیں لکھتے رہے

بارھویں سے چودھویں صدی میں دکن میں ودّیا رنیہ مادھوا چاریہ آچاریہ سوامی بدیاتیرتھ و شنکر آنند اور دیگر لائق پنڈتوں نے ویدوں پر بھاشیہ پرستھان ترے پر ٹیکے، مسائل اُپنشد کی توضیح اور اپنی نظم و نثر تصنیف کی کتابوں سے ویدانت لٹریچر میں نہایت ہی قابل قدر اضافہ کیا اس زمانے کی کتابوں کی بڑی بھاری خصوصیت یہ ہے کہ زبان سنسکرت سہل اور صاف ہے طرز تحریر مستحسن اور دلچسپ ہے اور فلسفیانہ مسائل کو عام فہم طریق پر پیش کیا گیا ہے پنچ دشی، آتم پوران، شنکر آنندی گیتا ودرن پر میہ سنگرہ وغیرہ کتابیں آج بھی ویسی ہی ہر دلعزیز ہیں جیسے مصنفوں کی حین حیات میں تھیں ایک اور کتاب کا بھی یہاں ذکر کرنا ضروری ہے، جو شنکر آچاریہ کے بعد اور بدیا رنیہ کے زمانے میں پہلے شاید کشمیر میں لکھی گئی ہے یہ یوگ وشسٹ ہے ہالحاظ شاعری اور بالحاظ آتم گیان یہ ویدانت کی اعلیٰ ترین کتابوں میں سے ہے اور نہایت ہی ہر دلعزیز کتاب ہے

بارھویں کے زمانے کے بعد جو کتابیں ویدانت میں لکھی گئیں اُن کا رنگ اور ہے ان میں بجائے سہولت وقت اور بجائے تحریر صحیح منطقی لفظی کشتیاں بال کی کھال کھینچنی اور خشک کھنڈن منڈن سے یہ کتابیں نیا ئیکوں کے جواب میں خود نیا ئیکوں کی اصطلاحوں اور طرز تحریر میں لکھی گئی ہیں ان میں ٹیڑھی دلیل چلتی ہے عقلی جھگڑوں سے کام لیا گیا ہے اور نہایت ہی دقت طلب ہیں۔ کھنڈن کھنڈ کھادیہ چت سکھی۔ بھامتی ویدانت اور ویدانت کلپ ترو ولی، سدّھانت لیش سدھی اودویت برہم سدھی، برہم سدھی اور سوامی مدھوسودن سرسوتی اسی بادشاہ کے عہد میں ہوئے ہیں۔

یہ ویدانت کی سرسری اور نہایت ہی مختصر تاریخ ہے مفصل کو ضخیم مجلد چاہئے کیونکہ ویدانت لٹریچر اتنا وسیع ہے کہ کتب خانے بھرے جاسکتے ہیں اس ویدانت پر موجودہ ہندو دھرم مبنی ہے چونکہ اس کی بنیاد ویدوں پر ہے اس لئے یہ عمارت نہایت مستحکم ہے ہزاروں برس سے اس پر باہر کے مت متانتر کے بھی حملے ہوتے رہے ہیں اور اندرونی طوفان بھی اُٹھتے رہے ہیں مگر اس کو کوئی ہلا نہ سکا۔ آج کل نئے مت متانتر کا اور بھی زور ہے۔ بھلا وجہ کیا ہے کہ ہم نے اپنا پراچین شاستر سمجھا نا چھوڑ

دیا ہے۔ زبان سنسکرت کی تحصیل مشکل ہے اور سنسکرت پڑھ بھی لی تو شاستر سمجھنا مشکل ہے۔ یہ خیال آج کا نہیں صدیوں سے اٹھ رہا ہے سو سال کے قریب گزرے ہیں کہ ہندی میں ویدانت کی کتابیں لکھی جانی شروع ہو گئی تھیں مگر سوامی نشچل داس نے اپنی بچار ساگر عام فہم ویدانت میں اور برتی پربھاکر و نیل کے شاستر میں نثر میں لکھی اور ان کے سمپرداء کے بھائی سندرداس نے اپنی سندر بلاس نظم میں۔ یہ تینوں کتابیں بہت پڑھی جاتی ہیں اور سنسکرت سے ناواقف شائقین کو ان سے بہت فیض پہنچا ہے۔ اسی طرح کی ہردلعزیز کتاب ہندی آتم پوران اور گیتا سوامی عید گھنانند کی ہیں مگر یاد رہے کہ ان کتابوں کی طرز استدلال طرز شاستر اور طرز تحریر وہی سنسکرت ہے معمولی ہندی خواں گورو مکھ سے پڑھے بغیر ان کتابوں کو سمجھ نہیں سکتا۔

ہماری یونیورسٹیوں میں جو نوجوان فلسفہ پڑھتے ہیں انہیں شوق ہوتا ہے کہ اپنے گھر کا شاستر اور خاصکر ویدانت بھی تحصیل کریں مگر سنسکرت یا ہندی کی واقفیت کے باوجود بھی وہ اس شوق کو پورا نہیں کر سکتے وجہ یہ ہے کہ دونوں زبانوں میں کتابوں کا طرز تحریر ان کے لئے بالکل نیا اور انوکھا ہوتا ہے جو ان کی سمجھ سے بالکل باہر ہے اس لئے اکثر مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور الٹا سمجھنے لگتے ہیں کہ پرانے توہمات ہیں اس وقت کے رفع کرنے کرنے میں سوامی وویکانند نے بڑا بھاری کام کیا ہے آپ نے چونکہ یورپ اور امریکہ میں انگریزی بولنے والے ایسے سامعین کے مجمعوں میں ویدانت پر لیکچر دئے ہیں جو ہندو فلسفہ سے محض ناآشنا تھے اس لئے کلام نہایت صاف ہے اور اس کو پڑھ کر آدمی ویدانت شاستر کے اصول کو سمجھنے کی قابلیت بہم پہنچا سکتا ہے یہی حال سوامی رام تیرتھ جی کی تحریرات کا ہے سوامی وویکانند کے لیکچروں نے مغربی فلسفے پر گہرا اثر پیدا کیا ہے چنانچہ آج کل یورپ اور امریکہ سے جو فلسفے کی کتابیں نکلتی ہیں وہ ویدانت کے رنگ سے رنگین ہیں حال میں پروفیسر رادھاکرشن و پروفیسر داس نے کلکتے سے اور عالموں کی جوکتب ہیں بھی بلامدد مجبیر سے خود پڑھ کر سمجھ سکنے کا غرض انگریزی میں ہندوؤں نے ہمارے پرانے شاستر کی تحصیل کے لئے قابل قدر مصالحہ مہیا کر دیا ہے۔

اردو میں عرصہ دراز سے سنسکرت اور ہندی ویدانت کتابوں کے ترجمے اور تصانیف جاری ہیں آتم پوران یوگ واسشٹ گیتا اور بچار ساگر وغیرہ کے ترجمے عرصہ دراز ہوا شائع ہو چکے اور بابا انگنہ سنگھ آنجہانی کی قابل قدر تصانیف بہت پڑھی جاتی ہیں بیس سال سے ذخیرہ کے ترجمے اور تصانیف بھی شائقین ویدانت کی نظر ہو رہے ہیں نہایت خوشی کا مقام ہے کہ آج کل بہت سے لائق فائق آدمی اس کام میں لگے ہوئے ہیں ان میں سے پنڈت نرل چندر صاحب ایڈیٹر رسالہ گیان امرت بلا امتیاز پایہ رکھتے ہیں۔ آپ نے ویدانت کے مسائل کو دلچسپ اور عام فہم پیرائے میں پیش کرنے کا کام نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے اور دے رہے ہیں جس کے لئے اردو خوانوں کو آپ کا ممنون و مرہون منت ہونا چاہیئے۔

اس وقت آپ کی کتاب لیچرتی ویرہم کا پہلا حصہ یعنی

گیان یوگ میرے پیش نظر ہے اس کتاب میں فلسفہ ویدانت کی توضیح نہایت مدلل مسلسل اور دلکش پیرائے میں کی گئی ہے، چونکہ کتاب دہرم کے متعلق ہے اول دہرم کا تو کھولا ہے اور اس کے انگ یا حصے بتائے ہیں پہلا انگ گیان ہے اور یہ اس پہچان سے شروع ہوتا ہے کہ آتما کیا ہے یعنی میں کون ہوں آتما کا بلا حد وغیرہ سے سوتر سدھ ہونا اس پیرائے میں بیان کیا گیا ہے کہ شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی یہ امور کہ آتما سچدانند انت، لورن مکت نراکار، نربکار، نرگن ہے یوں تو سنسکرت اور ہندی کی ویدانت کی ہر کتاب میں دیئے ہوتے ہیں مگر لائق مصنف نے ہر امر کو اپنی اچھوتی توضیح اور تمثیل سے اپنا لیا ہے۔ میں نے مزے مزے لے کر ہر مضمون کو پڑھا ہے اور بڑی لذت حاصل کی ہے، جگت کا مِتھیا ہونا بھی ویدانت کی ہر کتاب میں ثابت کیا جاتا ہے مگر اس دقیق مضمون کو پنڈت جی نے نہایت موثر اور عام فہم پیرائے میں لکھا ہے اور تمثیلات سے وہ روشنی ڈالی ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی اس ضمن میں جرمن فلسفی کانٹ اور شوپن ہاور کے دلائل نے جو ترجمے دیئے ہیں وہ ترجمے محسوس نہیں ہوتے بلکہ خود مصنف کی تحریر معلوم ہوتی ہے جو کمال سخن طرازی ہے یہ مسئلہ کہ سب کچھ آتما ہے بڑی لیاقت سے تحریر میں آیا ہے اس کتاب کے تمام مضامین سے اس مختصر مضمون میں بحث نہیں کر سکتا مگر یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ آخر کا حصہ جو سادھن اور سمادھی کے متعلق ہے وہ نہایت صاف اور سہل طور پر لکھا گیا ہے اور یہ ناظر کتاب اس پر عبور کر کے نہایت محظوظ ہوگا۔

یہ کتاب فلسفے کی ہے اور فلسفہ ٹیڑھی کھیر ہے خاص کر فلسفہ ویدانت سے اول مضامین کو اس کتاب میں اس پیرائے میں ادا کیا گیا ہے کہ دقت و اشکال آسانی و سہولت میں تبدیل ہو گئی ہے زبان نہایت صاف اور سریع الفہم استعمال کی گئی ہے اور توضیحات و تمثیلات ایسی دلچسپ ہیں کہ بعض جگہ نثر میں نظم کا لطف آتا ہے مجھے یقین ہے کہ جو شخص ویدانت سے ناواقف ہے اس کا علم زیادہ صاف اور بے شک و شبہ ہو جائے گا یہ کتاب ہر طالب حق کے لئے ایک نعمت عظیم ہے اور ہر طرح قابل قدر ہے۔

آخر میں میری لائق مصنف سے استدعا ہے کہ ایک اور کتاب اسی طرز تحریر میں ایسی لکھیں کہ سنسکرت اور ہندی کی ویدانت کی کتابوں میں جو ٹیکنیکل مضامین جگہ جگہ آتے ہیں ان کی بھی آسانی سے توضیح ہو جائے۔ مثلاً آتما کے متعلق مسائل اور ان کی تردید سرشٹی کے مسائل اور سب میں ویدانت کی فوقیت بیرونی اشیا کے علم کا مسئلہ مختلف کھیاتیوں کی بحث خود ویدانت کے متعلق واد اور دیگر متعلقہ مضامین جن کی تشریح یہاں ضروری نہیں مجھے یقین ہے کہ پنڈت جی کے قلم سے نکلے ہوئے یہ مضامین طالب حق کا راستہ اور بھی صاف کر دیں گے اور ان دونوں کتابوں کو پڑھ کر وہ اس لائق ہو جائے گا کہ اپنے پرانے شاستر کی ہر کتاب سمجھ سکے اور اس کا لطف لے سکے۔

ناظرین "ادوم" یہ خوش خبری پڑھ کر خوش ہوں گے کہ "لوپن دہرم" کتاب اردو میں چھپ رہی ہے اور دفتر رسالہ "ادوم" بازار اجمیری گیٹ دہلی سے مل سکے گی۔ (مینجر)

دل کی تمنا

از
منشی سورج نرائن
جی مہر

مجھے نہیں کوئی دیکھ سکتا وہ جس کو میں بے مثال دیکھوں
الٰہی تو حسن میں ہے یکتا میں تیرا حسن و جمال دیکھوں

جمال سے کی ہے جلال ظاہر، جلال میں ہے جمال پنہاں
مجھے ہے حیرت جلال دیکھوں کہ تیرا حسن و جمال دیکھوں

نقاب رخ سے اٹھا دے مجھے وہ جلوہ ذرا دکھا دے
کہ پھر نہ پھر کر نگاہ ہرگز کبھی کو نہ ماہ و سال دیکھوں

الٰہی محبت کی ابتدا ہے ابھی سے کیا فکر ماجرا ہے
فدا ہیں انجام کار دیکھوں فدا ہیں اس کا مآل دیکھوں

مجاز ہے نہ حقیقت ارکاں میں ہو گر خدا کی رحمت
پہ دیکھوں تیرا بام کمال پر یوں کہ پھر نہ روئے زوال دیکھوں

فراق کا درد جا گزا ہے ازل سے وہ جان پر سہا ہے
کبھی تو وہ دن بھی ہو خدایا کہ میں بھی روئے وصال دیکھوں

حجاب دل سے اٹھے خودی کا نہ پردہ حائل ہے دوئی کا
وصال تجھ سے ہو اس طرح سے کہ میں نہ پھر انفصال دیکھوں

تمنا ہے اس قدر ہو وصال کے ساتھ ہجر بھی ہے
وصال اور ہجر کے جو اوپر ہے یا الٰہی وہ حال دیکھوں

غروب ہوتے میں چاند سورج کسوف بھی ہے خسوف بھی ہے
مجھے ہے اسے مہر یہ تمنا کہ نور لایزال دیکھوں

گورو نانک دیو جی

از
شری
بھاسکر آنند
سوامی
کاویہ تیرتھ

پندرھویں صدی کی بات ہے، دیش میں ایک زبردست آندھی چل رہی تھی۔ انیاچار اور ادھرمتا کی نیکیاں لہرائے جا رہی تھیں، بھارت کی پراچین سنسکرتی کا چراغ ٹمٹما رہا تھا بھارتیہ جیون پر اندھکار کے بادل چھا رہے تھے، وناش کی بجلیاں چمک چمک کر خوف و ہراس پھیلا رہی تھیں معصومیت اور بے کسی کو کہیں امان نظر نہیں آتی تھی یکایک درد اور جوش میں ڈوبا ہوا ایک نعرہ گونج اٹھا۔

خراساں خصمانا کیا، ہندوستان ڈرایا
جن سر سوہن پٹیاں مانگے پائے سیندور

"ہندوستان کو کیوں ڈرایا ہے۔ استریوں کی دُردشا کیوں ہو رہی ہے۔ دھرم کے بندھن کیوں شتھل ہوتے جا رہے ہیں۔ ایک زمانہ چونک اُٹھا۔ دیش کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہل چل سی مچ گئی ایک مست ملنگ مہاتما کی اس انقلاب انگیز صدا سے، اُن مہاتما کا نام تھا گورو نانک دیو۔

لاہور سے پینتیس میل دور دکھن میں تلونڈی نامی گاؤں (موجودہ ننکانہ صاحب) کے ایک بیدی خاندان میں کارتک شکلا پورنیما سمت ۱۵۲۶ میں گورو نانک دیو کا جنم ہوا۔ باپ کا نام تھا مہتہ کالو رام، بچپن میں اُنہوں نے کچھ ایسی باتیں کہیں جن سے ظاہر تھا کہ گورو نانک ایک مہاپُرش ہوں گے اور اُن کے اس خاکی جسم میں ایک الوکک جیوتی چمک رہی تھی۔ جیوتی جو بڑے بڑے مہان یوگیوں کو گھور تپسیا کے بعد بھی کم نصیب ہوتی ہے طالب علمی کے زمانے ہی میں اُن کی مہان آتما اپنے پرکاش سے سنسار کو منور کرنے لگی۔ پڑھنا لکھنا شروع کرنے سے پہلے ہی انہوں نے وہ جگمگاتے ہوئے وچار پیش کئے کہ سننے والوں کے دل و دماغ ایک نئی روشنی سے دوچار ہو اُٹھے۔

جالی موہ گھس مس کرنی، مت کاغذ کر سار
بھاؤ قلم کر چت لکھاری گورو پچھ لکھ وچار
لکھ نام صلاح لکھ لکھ انت نہ پاراوار، بابا ایہہ لیکھا لکھ جان
جتھے لیکھا منگئے تتھے ہوئے سچا نشان!

"موہ کو کچل کر بنائی ہوئی سیاہی سے بُدھی کے کاغذ پر بھاؤ (جذبات) کی لیکھنی سے، چت روپی لیکھک کو، گورو کی صلاح سے پوتر وچار لکھنے چاہئیں۔ ایشور کے بے شمار پوتر گنوں کو اپنا لکھو کہ وہ اننت ہو۔ اے بابا! ایسا لکھو کہ جہاں لیکھا مانگا جائے گا وہیں ستیہ کا لیکھ چلے۔

نانک کے لڑکپن ہی اُن کے اپنے مہان خیالات سے دوچار ہو کر ودوان لوگ حیران رہ گئے۔ سنسکرت پڑھتے وقت انہوں نے خود ہی اونکار کی ویاکھیا کر کے شاستروں کے اُپدیش کو بیان کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ مہاپُرشوں کی بانی میں شاستر نواس کرتے ہیں۔ نانک نے فارسی کی بھی تعلیم حاصل کی۔ لیکن یہ سب علمی لیاقت اُن کے اُس روحانی جلال اور ادھیاتمک پرتبھا کے سامنے ہیچ تھی جس سے انہوں نے اپنی امر بانی اور ساکھیوں کی صورت میں سنسار کو گیان کا خزانہ عطا کیا ہے۔

ویراگیہ اور غریب دکھی کی سہایتا کا جذبہ نانک جی کے بچپن ہی کا کارفرما تھا۔ جب وہ ذرا کاروبار کے لائق ہوئے تو ایک دن اُن کے پتا نے انہیں بیوپار کے لئے بیس روپے دے کر بھیجا، مگر نانک جی گاؤں سے کچھ دور چوہڑ کانہ کی طرف گئے۔ راستے میں بھوکے لوگ نظر آئے وہیں بیس روپے کا آٹا دال لے کر انہیں کھانا کھلایا اور گھر لوٹ آئے۔ باپ نے پوچھا روپے

کیا ہوئے ؟ تو انھوں نے سارا واقعہ سنایا اور کہا وہ ایک سچا سودا کر کے آئے ہیں۔ باپ کو غصّہ آیا اور نانک کو دو تھپیڑ ایسے رسید کئے کہ گالوں پر انگلیوں کے نشان پڑ گئے روایت ہے کہ نانک بہت روئے کسی نے رائے بلار کو خبر دی کہ مہتہ کالو نے نانک کو تھپیڑ لگائے ہیں اور نانک رو رہے ہیں، رائے بلار نے نانک کو پاس بلایا اور دیکھا کہ منہ پر انگلیوں کے نشان ہیں۔ نانک کو روتا دیکھ کر رائے بلار بھی رونے لگ گیا۔ وہ نانک کے سر پر ہاتھ پھیرتا اور بے اختیار روتا۔ آخر مہتہ کالو کو بلایا اور کہا: یہ سنبھال بیس روپے، تو نے ظلم کیا نانک معمولی بچہ تھوڑا ہی ہے، خدائی پیغام اور خدائی کام لے کر آیا ہے اسے دکھ دیا، لے اپنے روپے سنبھال،، رائے بلار روپے دیتا تھا اور مہتہ کالو لینے سے گھبراتا تھا۔ آخر میں رائے بلار کے اصرار کرنے پر لے لئے۔ جب اپنے گھر گیا۔ سب نے کہا۔ یہ کیا کیا ؟ روپے نہیں ہیں لعنت ہے، مہتہ کالو واپس گیا، روپے رکھ دیئے اور کہا، رائے جی میں روپے نہیں لے سکتا۔ آئندہ نانک کو کچھ نہ کہوں گا۔

گورو نانک دیو نے جہاں یہ سچا سودا کیا تھا اس جگہ کا نام سچا سودا پڑ گیا۔ یہ مقام چوہڑ کانہ منڈی ریلوے سٹیشن کے نزدیک ہے اور وہاں ایک بہت سندر گوردوارہ بنا ہوا ہے۔ آج گورو کا دھرم استھان ننکانہ صاحب اور یہ سچا سودا دونوں پوتر ستھان پاکستان میں ہیں۔ برا ہو اس مذہبی جنون اور فرقہ پرستی کا جس کی بدولت آج یہ دن دیکھنا پڑا ہے کہ ان گوردواروں استھانوں میں جہاں گورو بھگتوں کا میلہ لگا رہتا تھا سناٹا چھایا رہتا ہے، لاکھوں بھگتوں کے دل ان پوتر استھانوں کے درشن کے لئے آج تڑپ تڑپ کر رہ جاتے ہیں، لیکن وہاں تک جا نہیں سکتے۔

نانک جی کی ویراگیہ ورتی کو دیکھ کر ان کے پتا اور بہن نے ان کا بیاہ کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ گرہست کے بندھن میں نانک کی یہ مستی اتر جائے گی اور وہ سنساری کاروبار میں لپٹ ہو جائیں گے، لیکن گورو نانک کی یہ نام خماری اتری نہیں بلکہ اور بھی گھنی ہو گئی۔ تاہم انھوں نے گرہست کے صحیح فرائض سے کوتاہی نہیں کی۔ نشکام کرم یوگ کی وہ مثال پیدا کی کہ اُپنشدوں کے مشہور رشی یاگیہ ولکیہ اور برہم گیانی ودیہہ جنک کی یاد تازہ ہو گئی۔ یہی وجہ تھی کہ بہت سے لوگ بڑے وشواس سے کہنے لگ گئے کہ گورو نانک تو مہاراجہ جنک کے اوتار ہیں۔ اس وشواس کو بے جا بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ گورو نانک کی بانی میں انہیں اُپنشدوں کا امرت چھلکتا ہے۔ اسی نشکام کرم یوگ کی پوتر گنگا موجزن نظر آتی ہے اور صرف بانی ہی نہیں ان کی عملی زندگی بھی اسی اونچے آدرش کی حامل تھی۔ وہ سنسار میں رہتے ہوئے سنسار کے کاروبار کو نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے ہوئے بھی اس سے نرلیپ اور بے لوث رہتے تھے۔ ان کا گرہست سادہ اور باقاعدہ تھا، سیتم کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ نواب کے مودی خانے میں مودی کی نوکری بھی کر رہے ہیں اور بھگتی، ویراگیہ، دیا اور ستیہ میں بھی ڈوبے رہتے ہیں۔ دونوں کام نہایت خوش اسلوبی سے چل رہے ہیں، سادھو سنتوں اور دین دکھیوں کی بھرپور سیوا کر کے بھی شاہی خزانے کا حساب کتاب ہمیشہ پورا رکھا یہ ان کی دنیوی شکتی تھی کہ دونوں ہاتھوں سے جتنی بھی دکھیوں کی سیوا کی اتنا ہی شاہی خزانہ خوشحال رہا کبھی کمی یا اجھاؤ کا استعمال نہ ہوا۔

نانک کی ویراگیہ برتی اور بھی جوبن پر آ رہی تھی، نام کی خماری دن دگنی رات چوگنی بڑھ رہی تھی، دلیش کی دُردشا دیکھ کر ان کا دل درد سے بے قرار ہو رہا تھا لیکن گھر کے لوگ ان کی اس حالت کو پاگل پن سمجھنے لگ گئے ان کے سمبندھی انہیں بھوت پریت کے آسیب میں مبتلا سمجھ کر انہیں ایک ملّا کے پاس لے گئے۔ نانک دیو دلیش کی اس جہالت سے بہت دکھی ہوئے۔ انھوں نے بڑے جرأت آمیز لفظوں میں اس فعل کی نندا کی۔

دھرگ تنا دا جیونا لکھ لکھ ویچیں ناؤ
کھیتی تن کی اُجڑی کھل واکے کیا تھاؤ

اُن کے جیون پر دھبہ لگاتا ہے۔ لعنت ہے جو ایشور کا نام تعویذ کی صورت میں لکھ لکھ کر بیچتے ہیں، بھلا جن کی کھیتی اُجڑ گئی ہے۔ اُن کے کھلیان میں کیا رکھا ہے۔

اب گورو نانک کے سامنے دیش کی دھارمک اور سماجک اور راشٹریہ دُردشا تھی۔ اُن کی ساری توجہ اسی طرف مرکوز ہوئے بغیر نہ رہ سکی، اُنھوں نے اپنی شکتیاں راشٹریہ سیوا میں لگا دیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب بھارت میں مسلمان بادشاہ سکندر لودھی راج کر رہا تھا اور کچھ مسلمانوں کا خیال تھا کہ مسلمان ہی نجات یا مکتی کے حقدار ہیں۔ دوسرے تو سب کافر ہیں اُن کے لیے جہنم ہی میں جگہ ہو سکتی ہے۔ ایسے گندے خیالات سے ہندو سماج کو ٹھیس لگتی تھی لیکن اسلامی راجیہ میں اِن وچاروں کے خلاف آواز کون اُٹھائے؛ کسے ہمت تھی کہ اِن عقاید کی تردید کرے۔ ایسے آڑے وقت میں گورو نانک سامنے آئے۔ وہ سچے گیانی اور ستیہ نشٹھ مہاپرش تھے۔ سچ سے انہیں کیا کام۔ انھوں نے سب سے پہلے انہیں وچاروں کا پُر زور الفاظ میں کھنڈن کیا اور بتایا کہ ایشور کے ہاں مسلم ہندو یکساں ہیں۔ کوئی بڑا یا چھوٹا کوئی مومن یا کافر نہیں ہے۔ انھوں نے مسلم فقیروں کو بھی سمجھایا کہ دویش بھاو، تعصب اور اونچ نیچ کا پرچار کرنا ایشور کو پسند نہیں۔ انھوں نے مسجد، مصلا، قرآن، سنت اور روزہ کا حقیقی مفہوم بتایا ہے،

مہر مسیت، صدق مصلا، حق حلال قرآن
شرم سنت، سیل روزہ ہوں مسلمان

خلوص و محبت کی مسجد بناؤ۔ اُس میں سچائی کا آسن (مصلا) بچھاؤ۔ حق حلال رہنا ہے اور دھرم) کا قرآن پڑھو۔ شانتی (امن) کو دھرم شاستر کی مریادا مانو۔ جبھی تو مسلمان کہلانے کے حقدار بن سکتے ہو

اسی طرح انھوں نے ایک اور جگہ بتایا کہ راستبازی ناانصافی اور ظلم کی آلائشوں سے پاک کمائی، ایشور کا گن گان: (خدا کی حمد و ثنا) انسان کی شدھی (باطن کی پاکیزگی) اور انتظام بھاؤ سے (خدمتِ خلق) دان (زکوٰۃ) یہی پانچ نمازیں ہیں۔

قاضیوں اور فقیروں کو تلقین کرنے کے ساتھ گورو نانک نے اپنے عمل اور نصیحت سے ہندوؤں پر کئے جا رہے (*) اتیاچاروں کو بند کرایا۔ نانک کا سوبھاؤ اور رہن سہن سادہ تھا۔ غریب، محنتی اور ایمانداروں سے انہیں سچی محبت تھی۔ ایک بار کسی اونچے سرکاری عہدے دار کے یہاں انہیں کھانے کی دعوت دی گئی۔ نانک نے کہا "تمہیں دھن کے اندر سارے کھوٹے ہوتے کام کے ذریعے کمائے ہوئے دھن سے بنائے گئے بھوجن میں لہو ہوتا ہے اور میں اُس سے نفرت کرتا ہوں"۔ اُن کی اِس بے دھڑک گفتگو کو سن کر وہ امیر عہدے دار بہت غصہ میں بھر گیا۔ لیکن نانک کی ستیہ نشٹھا، حق گوئی اور استقلال پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ اِس سے زیادہ اُن کی سچائی اور حق پرستی کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

ذات پات کا بھید بھی نانک نہیں مانتے تھے، غریبوں کے اُتھان کے لیے انھوں نے نشٹھا، سچترا اور رہن سہن شیلتا کا اُپدیش دیا۔ ایک بار جزیرہ لنکا کے مہاراج نے اُن سے پرارتھنا کی کہ ایسا منتر بتائیے جس سے سچی شانتی ملے۔ گورو نانک نے سیدھے سادے شبدوں میں اپنی قیمتی بات کہہ دی "سہن شیلتا، برداشت اپناؤ اور میٹھے وچن بولو، یہی شانتی کا منتر ہے"

گورو نانک نے بھارت ورش میں شمال سے جنوب، پورب سے پچھم تک دورہ کر کے ستیہ دھرم کا پرچار کیا۔ بھارت ورش کے راشٹریہ جیون کے اُتھان کے لیے بھی انھوں نے غفلت نہیں کی۔ جہاں مسلمانوں کو انھوں نے اپنائے اور اتیاچار سے روکا وہاں ہندوؤں کے جاتیہ وواد کو جگایا۔ ہندوؤں میں جو بُری رسمیں پیدا ہو گئی تھیں اُن کا کھنڈن کیا۔ اُن کی بانی میں تاثیر تھی اور تھی سدھانتوں کی سچائی بھی۔ اگرچہ نانک کی دھرم کرانتی شانتی اور دھیرج سے شروع ہوئی تھی لیکن آہستہ آہستہ اس سے ایک

* یعنی نیک کمائی سے بنائی ہوئی روٹیاں میٹھی لگتی ہیں اُن میں دودھ بھرا رہتا ہے لیکن اتیاچار سے حاصل کئے ہوئے دھن سے

دھارمک آندھی اٹھی جس نے سارے دیش کو ہلا دیا۔ گورو انگد، گورو امرداس، گورو رام داس، گورو ارجن دیو، گورو ہرگوبند، گورو ہر رائے، گورو ہری کرشن، گورو تیغ بہادر اور گورو گوبند سنگھ ان گورؤں نے گورو نانک دیو کی شروع کی ہوئی کرانتی سے سکھ جاتی منظم اور طاقتور بنائی یعنی ہندوؤں کی سوئی ہوئی آتما شکتی کو پھر سے بیدار کیا۔

گورو نانک دیو نے ہندوستانیوں میں ہندو، مسلم اتحاد، نیکی، سچائی اور ایکتا کا پرچار کیا۔ ہندوؤں کو انہوں نے جہاں دھارمک اپدیش کا بے مثال عطیہ دیا۔ وہاں آتم رکھشا کے لئے نربھیتا، جرأت، دلیری کی سپرٹ پیدا کی اور بیر سینک تیار کرنے کی بنیاد ڈالی۔ جس سے بعد ازاں بھارت ورش کی دھارمک رکھشا ہوئی اور راشٹریہ جیون کا اُتھان ہوا۔

گورو نانک دیوجی

از
منشی لبھیشور پرشاد منور

قلب میں ترے نورِ ازل جلوہ نما تھا
انساں تھا ظاہر میں تو باطن میں خدا تھا

قسمت میں تری وصلِ دوامی کا مزا تھا
تھا تجھ سے نہ حق دور نہ تو حق سے جدا تھا

اللہ رے کس شان کا صوفی تھا گدا تھا
شاہوں سے بھی پایہ ترا افضل تھا سوا تھا

تو اپنے زمانے کا تھا اک عارفِ کامل تو تو
تجھ سا نہ کوئی مستِ مئے فقر و فنا تھا

دل تھا کہ تجلی گہِ عرفانِ حقیقت
سینہ تھا کہ آئینۂ صدق و صفا تھا

کیوں ہادیِ اعظم نہ تجھے ہم کہیں آخر تو تو
گم ہو کے رہِ عشق میں خود راہنما تھا

نانک کے لقب سے ہوئی حاصل تجھے شہرت
جلوہ پہ نرنکار کے تو دل سے فدا تھا

فرصت کبھی ملتی ہی نہ تھی یادِ خدا سے
ہر وقت تجھے مشغلۂ حمد و ثنا تھا

توحید پرستی کا دیا درس جہاں کو
تو دل پہ خدا آگہِ اسرار و لقا تھا

دنیا ہے ترے نورِ ہدایت سے منور
کیا مرتبہ عرفاں میں ترا اعلیٰ تھا

آتم درشی باوا انگینا سنگھ جی

از قلم
رائے ہرنارائن صاحب
سابق ہوم منسٹر ریاست کپورتھلہ
شیشیہ باوا انگینا سنگھ صاحب
آتم درشی

مجھ کو اس امر کا فخر حاصل ہے کہ باوا انگینا سنگھ صاحب آتم درشی کے قدموں میں بیٹھ کر اُپنشدوں کی تعلیم حاصل کی تھی۔ باوا صاحب موصوف قصبہ بھیگوواڑہ ریاست کپورتھلہ میں قوم کھتریوں کے بیدی خاندان میں گرو نانک جی بانی مذہب سکھاں کی تیرھویں پشت سمت ۱۸۹۱ بکرمی میں پیدا ہوئے۔ اور اسوج سمت ۱۹۵۸ بکرمی مطابق اکتوبر ۱۹۰۲ء میں جسم خاکی کو چھوڑ کر اپنے آتم سروپ میں سمائت ہوئے۔ اوائل عمر میں ان کے والد بزرگوار نے اُن کو علم فارسی و عربی کی تعلیم کے واسطے ایک مولوی کے سپرد کیا۔ بباعث ذہانت طبع چھوٹی عمر میں ہی قرآن مجید اور اُس کی تفسیر (شرح معنی) کو بخوبی مطالعہ کیا۔ چنانچہ مولوی صاحب نے اصول مذہب اسلامیہ باوا صاحب کے ذہن نشین کر دیئے تھے اور بت پرستی کی نسبت اُن کے دل میں نفرت پیدا کر دی تھی۔ باوا صاحب کو یقین کامل ہو گیا کہ مذہب اہل ہنود خدا کی رہنمائی کے لئے ناقص تھا۔ اور بدون شفاعت محمد صاحب نجات کا ملنا ناممکن تھا۔ اس لئے وہ ایام تعلیم میں ہی مولوی صاحب کے قابو میں آ گئے۔ اور حامی مذہب اسلام ہو کر اپنے گھر سے مولوی صاحب کے ساتھ نکل گئے۔ اور چند یوم تک مولوی صاحب نے اُن کو ایک دوسرے شہر میں چھپا رکھا۔ باوا صاحب کے والد بزرگوار نے اُن کے گم ہونے کی اطلاع پا کر اُن کی تلاش کرائی۔ اور پھر اُن کو پا کر واپس گھر میں لائے۔ اور چاہا کر باوا صاحب سے پرائشچت کرا کر اُن کو پھر شامل اپنے خاندان میں کریں، مگر اب باوا صاحب نے ہرگز مذہب ہنود کو دوبارہ اختیار کرنا نہ چاہا اور اعتراف کیا کہ مذہب اہل ہنود باطل ہے اور مذہب اسلام کی تائید کی اور کہا۔ "کہ جب تک بحث کر کے ثابت کرا دیا جاوے کہ مذہب ہنود نجات کی راہ دکھلانے والا ہے، میں ہرگز مذہب ہنود میں آنا نہیں چاہتا۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر مجھ کو جبراً شامل کر لیا جاوے گا تو بھی پھر مذہب اسلام قبول کر لوں گا"۔

اُن دنوں بھیگوواڑہ میں ایک مہاتما سنیاسی موجود تھے جن کے پاس باوا صاحب کے والد بزرگوار کی آمد و رفت تھی۔ وہ باوا صاحب کو ساتھ لے کر سوامی جی کی سیوا میں حاضر ہوئے۔ اور اُن کو تمام حال کہہ سنایا۔ سوامی جی نے بڑی الفت و محبت سے باوا صاحب کو ویدانت فلاسفی کے اصول سنائے، مگر ویدانت فلاسفی کی عدم واقفیت کے باعث سوامی جی کے اپدیش کا باوا صاحب پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ اور انہوں نے اپنی ضد کو نہ چھوڑا۔ آخرش بعد بحث مباحثہ، سوامی جی کے ساتھ باوا جی نے اقرار کیا کہ اگر وہ اُن کو سچائی مذہب ہنود کے متعلق پورا یقین کرا دیویں گے۔ تو اس صورت میں وہ اپنی ضد کو چھوڑ کر پھر اپنے دھرم کو قبول کر لیں گے"۔

سوامی جی نے باوا صاحب کے والد بزرگوار سے کہا کہ اگر وہ باوا صاحب کو اُن کے پاس چند عرصہ کے لئے چھوڑ دیں تو اُمید ہے کہ وہ باوا صاحب کو بقاعدہ شاستری تعلیم دے کر ویدوں کے مطابق اپنے دھرم کے اصول سکھلا دیں گے۔ اور سوامی جی نے یہ بھی کہا کہ اگر اس کے بعد بھی باوا صاحب اپنی ضد کو نہ چھوڑیں تو اُس صورت میں اُن کو تنگ کرنا مناسب نہ ہو گا، بلکہ پھر اُن کو مذہب محمدی کے اختیار کرنے کی اجازت دینی واجب ہو گی۔

باوا صاحب کے والد بزرگوار نے اس امر کو منظور کر کے اُن کو سوامی جی کے سپرد کر دیا، اور سوامی جی نے الفت پدرانہ سے باوا جی کو اپنے پاس رکھ کر پہلے سنسکرت کے حروف سکھلائے پھر تھوڑا سا ویاکرن پڑھا کر اُپنشدوں کی تعلیم شروع کی۔ باوا صاحب کے ذہن کی تعریف پہلے ہی کی جا چکی ہے کہ وہ بڑے فہمیدہ، باریک بین اور زود رس تھے۔ پورب جنم کے سنسکار اُن

سکے پُرزور تھے، اور برہم ودیا کے حصول میں صرف ایک معمولی پردہ باقی تھا۔ جو تھوڑے سے عرصہ کی تعلیم سے دور ہو گیا۔ اور ویدک کا مادہ بڑھ گیا۔ اور سوامی جی کی کرپا سے حق شناس ہو گئے۔ اور ویدک دھرم کے مخالف جو خیالات دامنگیر ہو گئے تھے۔ وہ اُپنشدوں کی ویدانت فلاسفی کی آندھی کے سامنے دھوئیں کے بادلوں کی طرح اُڑ گئے اور باوا صاحب نے اُن مخالف خیالوں کی تردید خود ہی کرنی شروع کی۔ ازاں بعد سوامی جی نے باوا صاحب کو اُن کے والد بزرگوار کے پاس واپس سپرد کر دیا۔ جنہوں نے دھرم شاستر کے مطابق باوا صاحب سے پرائشچت کرا کر اپنے خاندان میں شامل کیا۔ دیوان رام جس صاحب سی ایس۔ آئی وزیر اعظم ریاست کپورتھلہ نے اُن کو اپنی ماتحتی میں ملازم رکھا۔ اور اس عرصہ ملازمت میں باوا صاحب کی مزید تعلیم ویدانت میں حوصلہ افزائی کی۔ چند عرصہ میں باوا صاحب کی لیاقت اور اُن کی مذہبی معلومات کا شہرہ لوگوں میں زبان زد ہو گیا۔ جب مہاراجہ رندھیر سنگھ صاحب جدِ امجد مہاراجہ جگجیت سنگھ صاحب جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی والئے ریاست کپورتھلہ کا میلان طبع بوجہ صحبت بعض مشنری صاحبان بجانب مذہب عیسوی ہوا تو دیوان رام جس نے باوا صاحب کو انجیل پڑھنے کے لئے ارشاد کیا۔ اور باوا صاحب نے تمام انجیل اور دیگر کتب مذہب عیسوی کا بخوبی مطالعہ کر کے اُن میں کامل مہارت حاصل کی اور مہاراجہ رندھیر سنگھ صاحب کے سامنے پادریوں کے ساتھ بحث کر کے مہاراجہ صاحب کو پوری اطمینان کرا دی کہ بمقابلہ مذہب عیسوی مذہب ہنود و سکھ مذہب کو بموجب کلام باوا نانک صاحب جیسا گرنتھ صاحب میں درج ہے فوقیت حاصل ہے، چنانچہ مہاراجہ صاحب مذہب عیسوی کا خیال چھوڑ کر بدستور معتقد ہندو سکھ مذہب کے رہے بہت عرصہ تک باوا صاحب موصوف عہدۂ وکالت ریاست کپورتھلہ پر ممتاز رہے ہے۔ اور اسی عہدہ پر تاحصول ... ہے۔ چونکہ اس عہدہ میں اُن کو فرصت اور کافی وقت برائے مطالعہ کتب مختلف مذاہب اور ویدانت فلاسفی حاصل تھا۔ اس لئے اُنہوں نے کبھی اور عہدہ پر جانے کی کبھی خواہش ظاہر نہ کی، تمام پنجاب اور ہندوستان کے بعض حصوں میں اُن کے علم و کمال کی شہرت پھیل گئی اور دور دراز فاصلہ سے بڑے بڑے عالم سادھو، مہاتما اور مولوی اُن کے پاس بحث کے لئے اور اُن کی کامل تقریر سننے کے واسطے آیا کرتے تھے اگر اُن کی تمام تقریرات کو جمع کیا جاوے تو کئی جلدوں میں بھی اُن کا تحریر میں آنا مشکل نظر آتا ہے۔ باوا صاحب کی چند تصانیف شائع شدہ موجود ہیں۔ جن سے آپ کی لیاقت اور قوتِ اظہار بیانی کا حال معلوم ہو سکتا ہے باوا صاحب ویدانت فلاسفی کے پورے آچاریہ تھے اور اُپنشدوں کے راز سے پورے واقف تھے اور ویدانت فلاسفی کے درس کرانے کی لیاقت اُن میں خاص تھی۔ جس وقت وہ اپنے شاگردوں کو اُپنشدوں کی تعلیم دیتے تھے، اُس وقت اُن کی جولانی طبع اور آمد کی ایک عجیب کیفیت ہوتی تھی، مشکل سے مشکل راز کو بھی وہ نہایت ہی آسان طریق پر یا قصہ کہانی کی شکل میں بیان کر کے شاگردوں کے دل میں پورے طور پر اُس کا نقشہ جما دیتے تھے۔

آتم گیانی

از شری موہن مورتی جی

نہیں رہتی ہے جب خواہش کوئی دُنیا و عقبیٰ کی ۔ تو مٹ جاتی ہے بیتابی پریشان تمنا کی
میانِ طالب و مطلوب جب پردہ نہیں رہتا ۔ سوائے جلوۂ ذاتی کوئی جلوہ نہیں رہتا
بس اپنی بے خودی میں آدمی مسرور رہتا ہے ۔ دل اُس کا آرزوئے دو جہاں سے دور رہتا ہے
مساوی جانتا ہے رنج اور راحت زمانے کے ۔ اُسے انداز آ جاتے ہیں سب کچھ بھول جانے کے
قدم پر اُس کے خم کرتے ہیں سر اپنا جہاں دونوں ۔ سجا لاتے ہیں تعظیمیں زمین و آسماں دونوں
کروڑوں دیوا اسکی وند صبح و شام کرتے ہیں ۔ برہما اور وشنو بھی اُسے پرنام کرتے ہیں
کسی حالت میں بھی اُس کی نشاطِ دل نہیں رُکتی ۔ اسی کا نام ہے تریہ اسی کا نام ہے مُکتی

وہی ہے عارفِ کامل وہی آتم گیانی ہے
کہ جس نے اپنی ہستی کی حقیقت خوب جانی ہے

پُورن سُکھ کا اُپاؤ

برہم لین شری سوامی گوبند آنند جی مہاراج

جب لگ مَیں میری بھرما وے ۔ تب لگ پُرش مُکت نہیں پاوے
جب لگ نام رُوپ وِرشٹا نا ۔ تب لگ پُورن سُکھ نہیں پاتا
جب لگ راگ دویش نہیں ٹوٹے ۔ تب لگ جنم مرن نہیں چھوٹے
جب لگ ستیا جگت نہ نا سے ۔ تب لگ راگ دویش بھی بھاسے
ہو ویراگ اور وِچار ۔ ستیا جگت نہ بھاسے یار
بِن ست سنگ نہیں یہ پائیے ۔ بھانویں سب تیرتھ پھر آئیے
شردھا پریم پاس ہو جب ہی ۔ ست سنگ بھی پائیے تب ہی
آہار وہار آچار ورُست ۔ شردھا پریم ہوئے تب چیت
بِتا پرتی ہو برہم ابھیاس ۔ کبھیں واسنا من ہو ناش

تب ہی سُکھ پُورن ہے ہووے
دُکھ سرب بھی تب ہی کھووے

جوتش دوارا ادھیاتم ودیا کا انوبھو

از
شری
وی ایم
ولی

نویدن

گزشتہ سال رسالہ "ادم" کے پریمیوں کے لئے کثیر تعداد میں برکھ پھل بنا کر مفت روانہ کئے جا چکے ہیں۔ عموماً ۷۵ فیصدی اطلاعات میں جنم سمے کے مبہم ہونے کے کارن مزید در مزید خط و کتابت سے اُن کی شدھتا تو ہوئی مگر نئے برکھ پھل بنانے کے لئے وقت کا ملنا مشکل ہو گیا۔ اس لئے اس سال کا چندہ روانہ کرنے پر رسالہ "ادم" کے پریمی اگر چاہیں۔ تو اپنے ٹیوے کی نقل معہ سپشٹ رستاروں اور لگن کے امش، کلا) روانہ کر کے اپنے کنڈلی سے دو سوالوں کا جواب مفت بلا کسی ادائیگی فیس کے دریافت کر سکتے ہیں۔ جواب کے لئے چار آنے کی ڈاک ٹکٹ بھیجئے اور چندہ روانہ کرنے کی منی آرڈر رسید کا نمبر و تاریخ لکھنا ضروری ہے۔ اگر کسی پریمی کے پاس اُس کے ٹیوے پر گرہ سپشٹ رستاروں اور لگن کے درجے وغیرہ) موجود نہ ہوں۔ تو مزید ایک روپیہ کی ڈاک ٹکٹ یا پوسٹل آرڈر بھیج کر اپنے جنم سمے کا شدھ وقت تاریخ دن اور مقام پیدائش بھیج کر اپنی خواہش کو پورا کر سکتا ہے اس کے لئے سپشٹ کا گنت کروا کر بھیجا جائے گا۔ میری اس تچھ لوک سیوا کا مقصد پیشہ یا تجارت کا بڑھانا نہ سمجھیں کیونکہ یہ میرا پیشہ نہیں ہے۔ صرف "ادم" کے شروعاتی پریمی میری اس سیوا کو محسوس کریں۔ تو اپنی شردھا کا مناؤں سے یاد کر کے مجھے شانتی دِلا سکتے ہیں۔

ڈی ایم۔ ولی معرفت منیجر صاحب رسالہ ادم
اجمیری گیٹ دہلی

پیارے پاٹھکو۔ گزشتہ لاتعداد مضمونوں کا مطالعہ کر کے آپ نے جوتش ودیا کے متعلق بہت سی واقفیت حاصل کی ہوگی۔ کہ اس کی بناوٹ اور اس کا مقصد کیا ہے بالکمال طور پر اس کے برتانے سے آدمی ایک اچھے نو بدھ کو راحت کر سکتا ہے۔ ایک منش کے دنیاوی اور عقباوی معاملے حل ہو سکتے ہیں۔ ان کے حل کرنے میں ایک اچھی امداد بہم پہنچ سکتی ہے، سنسار میں کتنے ہی منش ایسے بھی ہو سکتے ہیں۔ خواہ وہ بھارت کے ہوں۔ یا انگلینڈ۔ امریکہ کے، مصر کے ہوں

یا یونان وغیرہ کے، کسی بچے کے پیدائش کے سمے ایک ٹیوہ ضرور بنواتے ہیں۔ ہر ایک دیش اس ودیا کو مختلف ناموں سے جانتا ہے، کوئی جوتش، کوئی نجوم، کوئی اسٹرالوجی اس کا نام دیتا ہے، مگر آج کے زمانے میں ایسے تھوڑے ہی شخص ہوں گے جو دھن انوسار اور ذمہ داری کے ساتھ یہ ٹیوہ بنواتے ہیں لوگوں کا خیال ہے کہ سنتان، روزگار، شترو پر وجے پانا۔ وغیرہ ہی اس ٹیوے سے کوئی ودوان مہاپرش بتلا سکتا ہے حقیقت میں یہ بات نہیں ہے۔ ایک شدھ جنم پترکا سے بھوت، ورتمان اور بھوشیہ جنموں کے حالات تک معلوم ہو سکتے ہیں ہمارے اوپر احسان کرنے والے اور اپکاری پراچین رشیوں نے جنہیں ترکال درشتی حاصل تھی ایسے بھی گرنتھ بنائے ہیں جن سے تین جنموں کے حالات کا پتہ لگ سکتا ہے کئی سال پہلے ہمارے [illegible] میں ایک سجن پرش آئے تھے، ان کا کہنا تھا کہ وہ خود اس ودیا سے اتنے ہی بے خبر ہیں، جتنے کہ ان سے پرشن کرنے والے ہو سکتے تھے مگر ان کے پاس ایک پستک تھی۔ جس کا نام ارن سنگھتا بتلایا جاتا تھا۔ اس سے وہ تین جنموں کا مختصر سا حال دس روپے لے کر تبلاتے تھے۔ جب ورتمان کال کے تبلائے ہوئے سالانہ حالات بالکل برابر لکھے ہوئے پستک سے ملتے تھے، تو بھوت اور بھوشیہ کال کے متعلق لکھے ہوئے باتوں میں بھی کوئی سندیہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح بھرگو سنگتا، جو کہ ایک مشہور پستک ہے اسے بھی پچھلے جنم کے متعلق مختصر سے حالات ہر ایک جنم چکر کے نقشے کے نیچے لکھے ہوئے ملتے ہیں۔ گویا اس سے جوتش ودیا کی سچائی کے متعلق کوئی بھی شک کرنا ایک بھاری غلطی ہو سکتی ہے اس پرکار جہاں ویدانت سے آتما، شریر، من کا انوبھو ہوتا ہے۔ وید اس سلسلے میں زوردار اعلان کرتے ہیں۔ اچھے اچھے ودوان مہاپرش اپنے روحانی تجربات پاٹھکوں کے ہت کے لئے ماہوار شائع کرواتے رہتے ہیں۔ وہاں جوتش ودیا بھی اس سمبندھ میں ادھیاتم ودیا کے جگیاسوؤں کے اپکار کے لئے ہر ایک منشیہ کے جنم چکر دوارا اس کی آیو، شکشا، کامیابی وغیرہ واضح کرتی ہے،

جنم کے وقت کا وہ صحیح اور شدھ نقطہ جو مشرقی افق سے اس سمے طلوع ہو۔ ایک منشیہ کا جنم لگن کہلاتا ہے، مہرشی پاراشر جی اس جنم لگن اور ستاروں کے گن دھرم وغیرہ اس پرکار بتلاتے ہیں۔

جنم لگن ایک منشیہ کا شریر ہے، ستارے جو اپنا اثر اس منشیہ شریر پر ڈالتے ہیں۔ وہ اس طرح پر بتلائے گئے ہیں، سورج آتما، چندرما من، بدھ وانی، برہسپتی گرو، انوگرہ گیان اور لیگ، شنی ویراگیہ اور ابھیاس منگل ہمت استقلال اور جگیاسا شکر کام اور خواہشات کے متشابہ ہیں۔

سورج منگل اگنی تتو، چندرما شکر جل تتو، بدھ پرتھوی تتو، برہسپتی آکاش تتو، شنی وایو تتو بتلایا گیا ہے،

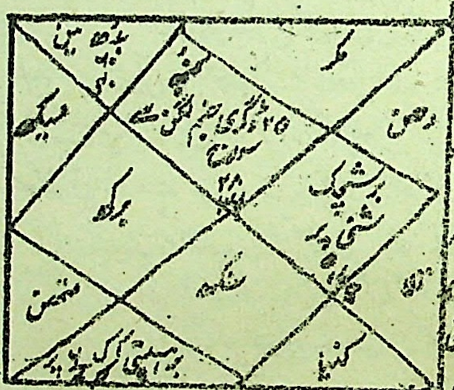
اگر گہری توجہ کے ساتھ اس ودیا کے سمندر میں غوطہ لگایا جاوے تو ایک منشیہ پران کے اثرات، جنم لگن درجہ شریر کے ہم حصہ ہیں کے ساتھ سمبندھ اور فاصلوں کو دیکھ کر ایک شخص کے لوک پرلوک کے حالات پر روشنی پڑ سکتی ہے،

اگر جنم لگن کے درجے کے ساتھ سورج کا سمبندھ اور [illegible] موافق ہے۔ تو ایک شخص بلا شبہ آتم انوبھو حاصل کرنے میں کامیابی پا سکتا ہے۔ اگر سورج اور چندرما کا باہمی سمبندھ اچھا ہے۔ تو آتم چنتن میں من کی سادھنا سے اچھا لابھ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح پر سورج کا سمبندھ بدھ کے ساتھ وانی دوارا برہسپتی کے ساتھ گیان اور لیگ، دوارا شنی کے ساتھ ویراگیہ اور ابھیاس دوارا منگل کے ساتھ ہمت اور جگیاسا دوارا مشکلوں اور کرودھ پر وجے پاکر اور اگر شکر کے ساتھ اچھا سمبندھ ہے تو خواہشات اور کام پر قابو پاکر ایک منشیہ سدھی پراپت کر سکتا ہے۔ یہ سدھی کس حد تک ہوگی۔ یہ ستاروں کے طاقت کمزوری پر منحصر ہے۔ آتم ودیا بننے کا پہلا راز ایک طاقت ور سورج کا سمبندھ اور اچھا ANGLE جنم لگن کے درجے کے ساتھ ہونے میں ہے اصلی طور پر اچھے مہاپرشوں

کے جنم چکر COMBINATION پائی گئی ہے،

دوسرا اداہرن شری جی برہسپتی اور شنی کے آپس کے سمبندھ اور ANGLE پر لکھتے ہیں کیونکہ یہ دونوں ستارے دیا گیہ اسپیاس، پلک اور پُران کے داتا ہیں۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ اگر برہسپتی اور شنی کا درمیانی فاصلہ DISTANCE ۱۲۰ ڈگری ہو اور ان کے درمیان میں کوئی دوسرا گرہ نہ بیٹھا ہو۔ دونوں شبھ درشٹی سے طاقت در ہوں تو اپا نشد لنس سند ہے جو گیش پاتا ہے، مثال کے طور پر مہاتما شری رام کرشن جی کے جنم چکر کا یہ یوگ دیکھ لیجئے۔

مہاتما شری رام کرشن جی کا جنم چکر اس سمبندھ میں



تیسرے شنی اور برہسپتی کا TRINE درمیانی فاصلہ ۱۲۰ ڈگری برابر ہے کیا دوسروں کی بیشی فرق پیدا نہیں کر سکتی ہے کیونکہ ستاروں کے ORB بھی مقرر کئے ہیں اور ORBS کے اندر اندر ہونا بھی تقریباً پورا پھیلاؤ پیش ہو سکتا ہے۔ یہاں صرف ایک ڈگری کا فرق ہے۔ ان دونوں ستاروں کا بدھ کے ساتھ برابر ہی فاصلہ ہے جو عملی طور پر ان دونوں کے ساتھ ASPECTS کر کے ان کو مضبوط بناتا ہے۔ برہسپتی او شنی کمبھ کا ہے، سورج لگن میں بلوان پڑا ہے، اور متر وراشی میں جانے کو تیار ہے۔ جہاں یہ طاقت ور برہسپتی کی نگرانی اور سمبندھ حاصل کر سکتا ہے اس پرکار سے ان کے آتم درشٹ ہونے کا یوگ جنم چکر میں موجود ہے۔

شری مہاتما گاندھی جی، شری لوکمانیہ تلک، شری شنکراچاریہ کے جنم لگنوں میں بھی سورج بیٹھا ہے۔ ان کے ہمہ قسم حالات بھی تقریباً ایک دوسرے سے ملتے ہیں، حالاتوں میں کمی تفاوت جنم چکر کے دوسرے ستاروں کے بیٹھنے سے ہو سکتی ہے،

سوامی رام تیرتھ جی کے جنم چکر میں، سورج، چندرماں اور بدھ (آتما، من، وانی) کران CONNECTION میں ہو کر سمبندھ بناتے ہیں، دوسرے ستاروں کے سمبندھ اور ANGLES سے یہ مزید طاقت ور ہو گئے ہیں۔

(باقی پھر)

خدا کو بھول کے انسان نے یہ کیا پایا

از
شری رام ناتھ چپسوال
عابد

یہ انتشار یہ فتنوں کے ساماں کیا معنی
یہ اپنے آپ سے انساں ہراساں کیا معنی
یہ شور و شر، یہ مصائب یہ خوف و گھبراہٹ
قدم قدم پہ یہ انساں نالاں کیا معنی
اے دُنیا والو! یہ کیا ظلمتوں کا دور آیا
خدا کو بھول کے انسان نے یہ کیا پایا

یہ ظلم و جور و تشدد سے سہما سہما جہاں
یہ اشک بار سی آنکھیں یہ گنگ گنگ زباں
یہ زندگی کے چراغوں کی بجھتی بجھتی لوئیں
فنا کی راہ پہ کیوں چل دیا ہے سارا جہاں
اے دُنیا والو! یہ کیا ظلمتوں کا دور آیا
خدا کو بھول کے انسان نے یہ کیا پایا

نہ اُنس اِنس کا جذبہ، نہ دردِ انساں کا
دلوں میں ختم ہے احساس آج ایماں کا
یہ دورِ کفر نے بخشی ہیں نعمتیں ہم کو
نہ دل میں یاد نہ لب پر ہے نام یزداں کا
اے دُنیا والو! یہ کیا ظلمتوں کا دور آیا
خدا کو بھول کے انسان نے یہ کیا پایا

خدا کی خلق میں کوئی خدا کا بندہ نہیں
خودی کا نام ہے لیکن خودی کا جذبہ نہیں
خدا کے فیض تو حاصل ہیں آدمی کو مگر
حضورِ مالکِ ہر دو جہاں میں سجدہ نہیں
اے دُنیا والو! یہ کیا ظلمتوں کا دور آیا
خدا کو بھول کے انسان نے یہ کیا پایا

کسی کو ہستیٔ فانی پہ نازِ باطل ہے
کسی کو عیشِ جہانی پہ نازِ باطل ہے
کسی کی قبر میں نالوں کا شور برپا ہے
کسی کو جھوٹی جوانی پہ نازِ باطل ہے
اے دُنیا والو! یہ کیا ظلمتوں کا دور آیا
خدا کو بھول کے انسان نے یہ کیا پایا

کہیں زمانے کی ان جھوٹی دولتوں کے لئے
لُٹائے جاتے ہیں خود کو یہ خواہشوں کیلئے
سفر کی یاد ہے نہ کچھ ہے پاس زادِ سفر
ترس رہے ہیں یہ انساں راحتوں کے لئے
اے دُنیا والو! یہ کیا ظلمتوں کا دور آیا
خدا کو بھول کے انسان نے یہ کیا پایا

ہیں آدمی تو، مگر خالی آدمیت سے
کسی سے کوئی بھی ملتا نہیں محبت سے
ہے اپنی اپنی پڑی سب کو، اپنی سُدھ نہیں
یہ "میری میری" کے بندے ہیں دُور عبادت سے
اے دُنیا والو! یہ کیا ظلمتوں کا دور آیا
خدا کو بھول کے انسان نے یہ کیا پایا

کہاں وہ بیر[۱]، کہاں رام کی وہ نظرِ کرم
کہاں وہ پریم دیوانی[۲] کے بھولے بھالے صنم
کہاں یہ لوگ اُڑاتے ہیں جو خدا کا مذاق
خدارا اِن کی نگاہوں میں ہوتی کچھ تو شرم
اے دُنیا والو! یہ کیا ظلمتوں کا دور آیا
خدا کو بھول کے انسان نے یہ کیا پایا

۱؎ بھیلنی کے بیر   ۲؎ میراں

مہاتما رلدو رام جی

ایڈیٹر

ضلع گوجرانوالہ ایک مردم خیز ضلع ہے۔ اس ضلع میں جہاں مہاراجہ رنجیت سنگھ، سردار ہری سنگھ نلوہ، دیوان ساونمل اور دیوان جوالا سہائے وغیرہ وغیرہ جیسی دنیاوی نقطہ خیال سے بڑی بڑی نامی نشان ہستیاں پیدا ہوئی ہیں وہاں روحانی نقطہ نگاہ ... سے ایسی حنطہ زمین نے گورو نانک صاحب، سوامی رام تیرتھ، گو سوامی سائیں داس، مہاتما سنت دین بابا، سجان سنگھ، مہاتما گلاب داس، پیر وارث شاہ، فقیر شاہ رحمان اور جلتھن جیسے جوگی کے اور دنیا کی کایا پلٹ دینے والے مہاپرشوں کو بھی جنم دیا اور آج جس گراں قدر شخصیت یعنی مہاتما رلدو رام جی کا ذکر خیر ہم ان پرچہ میں کر رہے ہیں۔ ان کا جنم استھان بھی اسی ضلع میں واقع ایک گاؤں لوپوکہ کلاں ہے آپ کا جنم ایک معزز کھتری نندہ خاندان کے فرد لالہ جیا داس جی کے ہاں بتاریخ یکم ماہ کاتک ۱۸۷۱ء بکرمی مطابق ۱۸۱۷ء میں ہوا۔

ان دنوں میں مکتبوں میں ملاں لوگ تعلیم دیا کرتے تھے۔ اور اس وقت فارسی زبان کو ہی اہمیت حاصل تھی۔ ہوش سنبھالتے ہی رلدو رام جی کو مکتب میں داخل کرایا گیا۔ کہ جہاں اس وقت کے معیار کے مطابق آپ نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی، گلستان، بوستان، کریما، شاہنامہ، سکندر نامہ، دیوان حافظ، مثنوی مولانا روم وغیرہ وغیرہ اخلاق، تواریخ اور قصص کی بہت سی کتب پڑھیں اور فارسی زبان میں اچھا عبور حاصل کیا، گو آپ اپنے پتا کے اکلوتے بیٹے تھے، اور ان کے پتا لالہ جیا داس جی ایک وسیع قطعہ اراضی کے مالک تھے۔ کہ جس سے اس زمانہ کی ضروریات کے مطابق غلہ، گڑ، کپاس وغیرہ وغیرہ اشیا کافی مقدار میں آجاتی تھی۔ اور روٹی کمانے کے لئے رلدو رام جی کو کسی خاص جدوجہد کی ضرورت نہ تھی۔ تاہم چونکہ نندہ خاندان کے پڑھے لکھے تمام افراد سلاطین مغلیہ کے وقت سے ہی ملازمت پیشہ چلے آتے تھے، اور سرکار دربار میں عزت اور وقار حاصل کرنے والے لوگ ہی قابل عزت گنے جاتے تھے۔ اس لئے رلدو رام جی کو بھی ان کے پتا نے ملازمت اختیار کرنے کی ترغیب دی۔

ان دنوں ملازمت کوئی مشکل تھی۔ سلطنت انگلشیہ کا نیا نیا دور تھا پڑھے لکھے آدمی ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتے تھے۔ اس لئے ملازمت کی درخواست دیتے ہی آپ کو جگہ مل گئی۔ اور آپ

جرنیل ہر سکھ رائے کپور جو اُن دِنوں ترن تارن میں تحصیل دار تھے کے پاس بطورِ اصلباتی نویس لگائے گئے۔ اُن دِنوں کی تحصیلداری اور آج کی تحصیلداری میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اُن دِنوں سرکارِ انگلشیہ کے تسلط کی ابتدا تھی۔ اور تحصیل دار وہی ہو سکتا تھا۔ جو اپنی طاقت اور رسوخ سے سرکاری مالیہ وصول کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ اس وقت کے ایک تحصیل دار کے اختیارات اور اعتماد آج کے کمشنر سے کم نہ تھے۔ اُن دِنوں مالیہ کے علاوہ سے روپیہ کی وصولی کسی کاغذات کے گیر کے تحصیلدار کا کام نہ تھا بلکہ وہاں جرنیل ہر سکھ رائے جیسے مضبوط اور مدبّر شخص ہی کامیاب ہو سکتے تھے۔ اسی طرح اصلباتی نویس بھی تحصیلداروں کے مشیر اور دستِ راست ثابت ہوکر مالیہ کی وصولی میں مناسب حد تک اپنی ذمہ داری بھی سمجھتے تھے۔

لالہ رلدو رام جی کی قابلیت پر جرنیل ہر سکھ رائے نہایت خوش تھے۔ اور جب وہ دیوان حافظ یا مولانا رُوم کا کوئی شعر جس سے روحانیت کی خوشبو ظاہر ہوتی اُن سے سُنتے تو اِن کے دل میں سماتا رلدو رام جی کی جماعت کا سکہ بیٹھ جاتا۔ تحصیل مذکورہ کے اہلکاران میں سے لالہ کٹھا کر داس کمتری عرضی نویس۔ لالہ داداس کبیر رخزانچی اور سردار دھیان سنگھ اہلمد بھی فقیر دوست آدمی تھے۔ لالہ رلدو رام جی کی تقرری سے بات ہی اور بن گئی۔ اور یہ چاروں جو گھیا چراغ کی طرح ایک دوسرے سے روشن ہونے لگے۔ اِن کا دفتر کے بعد کا سارا وقت ستیہ وچار۔ بھجن بلاس اور ست سنگ میں صرف ہونے لگا اور تھوڑے سے ہی دِنوں کے بعد لالہ رلدو رام جی کی پریم سے ان چاروں نے ملازمت کے کاروبار میں طمع وغیرہ کو بالکل تیاگ دیا۔ جس پر دیگر اہلکار انہیں مخول کرتے تھے۔ کہ اب یہ بھگت بن گئے ہیں۔

جرنیل ہر سکھ رائے اپنے اہلکاروں کی اس نیک نیتی کو سن کر بہت خوش ہوتے اور اس کا اثر ان کی اپنی ذات پر بھی پڑا۔ غرض یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ ایک دن تحصیل ترن تارن کے موضع جھبنڈیر کے رہنے والے مہا پُرکھ بابا

رام سنگھ جی اماوس کے اشنان کے لئے لبادہ سے ترنتارن تشریف لائے۔ باباجی قوم کے جاٹ اور ذات کے گِل تھے اور نہایت سادھو سُبھاؤ تھے۔ سیکنی بڑی کرنی والے اور پُورن سنت تھے اور کئی ایک اراضی کے مالک تھے اور نمبردار تھے۔ گو کپڑے سفید ہی رکھتے تھے لیکن عنوان سادھو سید ہو پرشوں کے تھے کیسی شلے ان تحصیل کے بھگتوں کو بھی اُن کی ترنتارن میں آمد کی خوشخبری سنائی۔ اور یہ چاروں درشن کے لئے اُن کی سیوا میں پہنچے۔ انہوں نے لالہ رلدو رام جی کو دیکھتے ہی محبت بھری نگاہوں سے مخاطب کیا اور کہا آ گئے۔ لالہ رلدو رام جی نے اُن کا پُر جلال چہرہ دیکھ کر آنکھیں نیچی کر لیں۔ اور ہاتھ جوڑ کر کہا کہ مہاراج آ گئے۔ مہا پُرکھ کی پہلی ہی سنگت سے یہ چاروں صاحبان اُن کے گرویدہ ہو گئے اور اپنی شردھا کی بدولت اس پہلی ہی مجلس میں خاص مقام پایا۔ اس کے بعد ہر ایک بار کو ہا تعطیل کے دِن یہ موضع جھبنڈیر میں جو ترنتارن سے ۹ میل کے فاصلہ پر ہے۔ جاتے اور باباجی کی سنگت سے فیض یاب ہوتے۔

اور آخر یہ ذوق یہاں تک بڑھا کہ چاروں نے شترکہ طور پر ایک یکہ خرید لیا۔ جس پر سوار ہو کر یہ ہر شام کو جھبنڈیر پہنچتے۔ اور رات مہا پُرکھوں کی سیوا میں رہ کر دوسرے دن صبح اپنی ملازمت پر حاضر ہو جاتے۔ مگر بقول شخصے ؎

"بوئے گل بھاندتی ہے باغ کی دیواروں کو"

یہ حالت کب تک چھپ سکتی تھی۔ ایک دن مہا پُرکھوں کے چرنوں میں بیٹھے ہوئے لالہ رلدو رام جی اور لالہ داداس جی خزانچی محبت میں ایسے غرق ہوئے کہ باقی دو لو سا تھیوں کو انہیں وہاں ہی چھوڑ کر ملازمت پر حاضر ہونا پڑا۔ وہ وصولی مالیہ کے دِن تھے اصلباتی نویس اور خزانچی دونوں ہی غیر حاضر۔ دِن کے دو بج گئے باہر سے روپیہ لاتے ہوئے نمبرداران نے تنگ آکر جرنیل صاحب سے شکایت کی انہیں یہ بات اچھی نہ لگی۔ اور حکم دیا کہ جس وقت دونو حاضر ہوں ہمارے روبرو پیش کیا جائے۔

جب ۱ بجے کے قریب دونوں تحصیل میں پہنچے۔ تو جرنیل صاحب نے دونوں کو طلب کیا۔ پہلے رلدو رام جی

پیش ہوتے ہی اور جرنیل صاحب نے کہا۔

لالہ صاحب! کیا یہ کچہری کا وقت ہے؟

لالہ رلدو رام جی خاموش، کوئی جواب نہ دیا۔

اس پر جرنیل صاحب نے زیادہ زور سے باآواز بلند کہا۔

"دو باتیں اکٹھی نہیں رہ سکتیں۔ یا فقیری ہوگی یا ملازمت"

اس پر لالہ رلدو رام جی بولے۔ اور کہا:۔ آپ کی زبان مبارک سے جو پہلی بات فقیری کی نکلی ہے وہی سویکار کرتا ہوں۔ جس بات کا بھی مدت سے منتظر تھا۔ وہ آج آپ جیسے مہم دان افسر کے مکھاربند سے سُنا۔ اپنے لئے سوبھاگیہ جانتا اور اسے ایشوری حکم سمجھتا ہوں۔ اس لئے یہ لیجئے قلمدان۔ اور کرپا کرکے ایسی طرح میرے لئے پرارتھنا کریں۔ کہ میرا فقیری کا سوانگ پورا اُترے۔ اس کے ساتھ ہی جھک کر نمسکار کی۔ اور الوداع کی اجازت چاہی۔

یہ الفاظ جب مہاتما رلدو رام جی کے منہ سے نکلے اور جرنیل صاحب نے ان کے چہرہ کی طرف دیکھا تو طمانیت پر جلال کی تاب نہ لاسکے۔ چت شانت ہوگیا۔ اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور ایک عجیب سی حالت طاری ہو گئی۔ کرسی سے اُٹھ کر کھڑے ہوئے اور ہاتھ جوڑ کر کہا کہ آپ کرپا کیجئے میں اپنے لفظ واپس لیتا ہوں۔ رلدو رام جی نے کہا آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں اب ملازمت کے لائق نہیں رہا۔ اب تو پرماتما کے پیارے سنت جنوں کی سیوا کر سکوں گا۔ آپ کے منہ سے جو شبد نکلے ہیں، وہ بھگوت اچھیا انوسار ہی ہیں۔ اس لئے اب بہتر یہی ہے کہ آپ میری جگہ کوئی اور اہلکار بھیج کر اپنا کام چلائیں۔

اس گھٹنا کی خبر آناً فاناً سارے شہر میں پھیل گئی۔ اور لالہ رلدو رام جی جب شام کو چارج دینے کے بعد تحصیل سے باہر نکلے، تو سینکڑوں لوگ آپ کے درشنوں کے لئے جمع تھے، ملازمت چھوڑنے کے بعد کئی دن تک پریمیوں نے ترنتارن سے جانے نہ دیا۔

یہاں سے وہ اپنے گوردوارہ جھنڈ مریں ہاپرکھوں کی سیوا میں پہنچے۔ اس اثنا میں دھیان سنگھ جی بھی ملازمت چھوڑ کر سنت بن گئے اور کچھ دن بعد سنت دھیان سنگھ اور سنت عطر سنگھ سمیت مہاپرکھوں کی اجازت سے تیرتھ یاترا کے لئے روانہ ہوگئے۔ سچ پوچھو تو تیرتھ یاترا کا لطف بھی ایسے ہی لوگ اٹھا سکتے ہیں۔ کہ جن کا ہردہ پوتر ہے اور پوترتا کا آدرش سامنے رکھ کر وہاں کے پوتر پرمانوں کو جذب کرنے کے لئے وہاں جاتے ہیں اور اپنے ہمخیال لوگوں کے درشن کرکے کرت کرت ہوتے ہیں تیرتھ یاترا سے اُن لوگوں کو کیا لابھ جن کا ہردے وِشے وکاروں کی آگ سے دگدھ ہو رہا ہے، ایسے لوگوں کے لئے تو تیرتھ استھان بھی سیر و تفریح اور عیش و عشرت کے اڈے بن جاتے ہیں اور یہ تیرتھوں سے زیادہ غلیظ ہوکر واپس آتے ہیں۔

تیرتھ یاترا کے سلسلہ میں آپ جہاں جہاں گئے اور جن جن مہاتماؤں سے آپ کی بھینٹ ہوئی سب ہی آپ کے درشنوں پر پرسن ہوئے اور ہر جگہ ہی آپ کی آتم ستھتی کی خوشبو



پھیلی، کمی سادھو دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے تھے، کہ سفید کپڑوں میں دُنیا داروں کے اندر رہتے ہوئے ایسے ذوق اور آنند کا پیدا ہونا ایک الوکک بات ہے۔ گویا وہ نیز کنٹول پر بھی سفید لباس میں نہ چھپ سکے کسی نے سچ کہا ہے ؎

کب لباسِ دُنیوی میں چھپتے ہیں روشن ضمیر
جامۂ فانوس میں بھی شعلۂ عُریاں ہی رہا

تیرتھ یاترا سے واپس آکر جب آپ اپنے گوردوارہ میں پہنچے تو مہاپُرکھ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے کیونکہ اب کچھ اور ہی رنگ تھا۔ لالہ رلدو رام جی نے ہمیشہ کے لئے اُنہی کی سیوا میں رہنے کی التجا کی لیکن اُنہوں نے جواب دیا کہ اب آزاد اور بے قید ہو کر پُرسرور زندگی بتیت کرو۔ دیا سلائی کی ضرورت اسی وقت تک ہے۔ جب تک کہ چراغ روشن نہیں ہوا، چراغ روشن ہو جانے پر دیا سلائی کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے اسی طرح گرو بھاونا کو سمجھ رکھو کہ آپ کو جس شردھا اور سیوا کی ضرورت تھی۔ وہ پوری ہو چکی ہے۔ اب تو اس کے پھل کھانے کا وقت ہے اس لئے ہر طرح کی آسکتی اور جھگڑا چھوڑ کر جاؤ۔ اور پُورن آزادی کا آنند لو۔ اب چیلا چیلا نہیں رہا گورو روپ ہی ہے۔

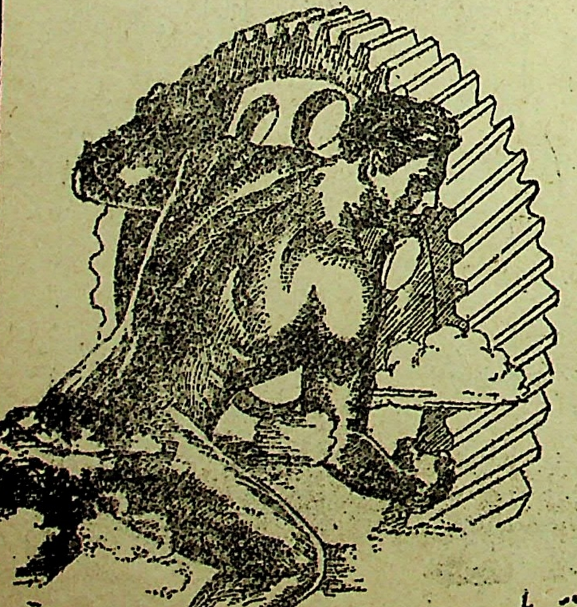
مہاپُرکھوں کے منہ سے یہ شبد سن کر رلدو رام جی کی آنکھوں سے پریم کے آنسو نکل آئے، کچھ کہنا چاہتے تھے، مگر گھگھی بندھ گئی۔ بڑی مشکل سے اتنا کہا کہ مہاراج ایک وَر اور دیجئے۔ باباجی نے کہا "کیا؟" بولے کہ جب تک میرا یا آپ کا شریر بنا رہے اُس وقت تک سال میں کم از کم ایک دفعہ ضرور آپ میرے غریب خانہ پر درشنوں سے کرتارتھ کیا کریں۔ یہ رقت انگیز حالت دیکھ کر مہاپُرکھ دیال ہوئے اور کہا ایسا ہی ہوا کرے گا۔ یہ وعدہ لے کر مہاتما رلدو رام جی اپنے جنم استھان موضع بوپڑہ میں آگئے۔ ان کی اس وقت کی حالت کو بیان کرنا قلم کی طاقت سے باہر ہے۔ ان کا جیون اتینت سُندر، میٹھا اور پوتر تھا۔ جو کوئی بھی اُن کے پاس آتا۔ اُن کا چت اُن کے پربھاو سے شانت ہو جاتا۔ وہ ہر ایک پر محبت کی نظر ڈالتے تھے۔ بوڑھا، جوان، بچہ جو بھی اُن کے پاس جاتا آنندت ہو جاتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ گیان پریم اور شانتی کی پھلواڑی کا ایک کِھلا ہوا پھول ہیں۔ کہ جس کی خوشبو سے پاس آنے والے ہر کس و ناکس کا دماغ مہک جاتا ہے۔ درشنوں کے لئے باہر سے آنے والوں کا تانتا سا بندھا رہتا تھا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، وہ اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اور ایک سالم گاؤں کی ملکیت کے علاوہ کچھ زمین خاص بوپڑہ میں بھی تھی۔ اس زمین کی ساری آمدنی آئے گئے سادھوؤں اور مہاتماؤں کی سیوا میں خرچ ہوتی تھی۔ بڑی بڑی دُور سے مہاتما آتے تھے اور ہفتوں وہاں رہ کر اُن کی سنگت سے فیض یاب ہوتے۔ ہر روز شام کو کبھی نہ کبھی دھارمک گرنتھ کی کتھا جاری رہتی تھی۔ اس وقت کے مشہور ربابی بھائی شوری ساکن پیکالہ بھی اُن کی خدمت میں آ کر مہینہ مہینہ دو دو مہینے رہتے تھے اور شبد بھجن و کیرتن سے سنگت کی شوبھا بڑھانے میں سہاگہ کا کام کرتے تھے۔

" نام دھرایو فقیر اے تینوں شرم نہ آئی " . . . کا گیت ابھی تک اُن لوگوں کے کانوں میں گونج رہا ہے۔ جو اس وقت تک زندہ ہیں اور انہوں نے ان سنگتوں کا لطف اُٹھایا ہے، کتھا کی دیا کیا ہوتی تھی منہ سے پھول جھڑتے تھے ایک ایک لفظ میں اتنی تاثیر تھی کہ سننے والے لوگوں کے دلوں میں تیر کی طرح گھر کرتے تھے جو جگیاسو اور متلاشیانِ حق دلوں میں بڑی بڑی تشنگیاں لے کر آتے تھے۔ اُن کی تمام تشنگیاں آپ کے پاس پہنچتے ہی اس طرح دور ہو جاتی تھیں جس طرح ایک گرم علاقہ کا ایک جلا بھنا شخص پہاڑی سرد علاقہ میں یہ سوچتا کہ وہاں جا کر پیٹ بھر کر ٹھنڈے چشموں کا پانی پیوں گا مگر وہاں پہنچ کر اُس کی ساری پیاس مٹ جاتی ہے۔

اور سال بھر میں ایک مہینہ "مہاں پُرکھ" یہاں رہتے تھے وہ دن تو گویا اس گاؤں میں امرت برستا تھا۔ اور اس وقت مہاتما رلدو رام جی کی بھگتی اور آتم استھتی دونوں پہلو بہ پہلو کھڑی ہو کر اپنی اپنی شان اور جلال دکھاتی تھیں۔ جن نگاہ والے پُرشوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس وائیومنڈل اور بھگتی، گیان، پریم اور آنند کی فضا کا بیان زبان سے نہیں ہو سکتا۔ جب مہینہ گذار کر مہاپُرکھ واپس جاتے تھے، تو ہر بار ہی آپ کی

کی طرف سے ایک اعلیٰ قسم کا گھنٹا ساعت زیبا۔ ایک قیمتی دوشالہ اور ایک صد ایک روپیہ نقد بھینٹ ہوتا تھا۔ کسی نے کہہ دیا کہ آپ اپنے سنگھ داں کی بڑی سیوا کرتے ہیں یہ الفاظ کہیں انہوں نے بھی سن لئے۔ اور اس شخص کو بلا کر بڑی محبت سے کہا کہ برخوردار کبھی گورو کی سیوا بھی کسی سے ہو سکتی ہے۔ اگر پانی کا سارا سمندر دودھ ہی بن جاتے۔ پہاڑوں کے پتھر سونے کے ہو جائیں اور دنیا کے درخت خوبصورت پھلوں سے لد جائیں۔ اور میں یہ ساری چیزیں جمع کر کے گوروجی کے پاس اطور بھینٹ لے جاؤں تو بھی میری یہ بھینٹ تچھ ہی ہے۔ وجہ یہ کہ یہ ساری چیزیں ناتم ہیں اور انہوں نے مجھے آتم وستو یا آتم پدکی پراپتی کرائی ہے۔ آتم گیان کی کا دھنیا کا تو کہنا ہی کیا۔ مہاپرکھ، اپنی موجودگی میں بھی کتھا کی دیا کھیا اچھی سے کراتے تھے۔ اور جب وہ اپنی الوکھو روپی کان سے آتم گیان کے رتن نکالنے لگتے۔ تو مہا پرکھ پر بھی محبت کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ اور ان کی آنکھیں پریم کے آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ان کی مہاسن کر ایک سکھ مہاتما ان کے درشنوں کے لئے آئے اس وقت آپ کے سامنے حقہ پڑا ہوا تھا۔ کیونکہ آپ گاہ بگاہ تمباکو نوشی کیا کرتے تھے۔ سکھ مہاتما کے دل میں کچھ گلانی سی پیدا ہوئی کہ سنا تھا کہ رلدو رام جی بڑے مہاتما ہیں مگر ان کے ہاں تو حقہ نوشی کی بدعت ہے اس خیال کو مہاتما رلدو رام جی بھی بھانپ گئے۔ فوراً ایک آدمی کو بلا کر کہا۔ کہ یہ حقہ یہاں سے اٹھا لو۔ یہ ذرا سی بات تو مہا پرشوں کے درشن سے ہی محروم کرنے لگا تھا۔ اس کے بعد جب اس آنے والے مہاتما کا آپ سے بچن بلاس ہوا۔ اور آپ کے انوبھو دوارہ نکلے ہوئے بچنوں سے نو وارد مہاتما کے ہردے کی گانٹھیں ڈھیلی ہوئیں اور پریم راجیہ میں داخل ہوتے پر بھگوت کرپا کی برشا نے ایک جھڑی سی لگا دی تو حالت اور ہو گئی۔ پریم کے آہنداد نے آنکھوں سے آنسو جاری کر دیئے۔ سنہری رنگ زردی میں تبدیل



ہوگیا۔ رونگٹے کھڑے ہوگئے، اعضا اینٹھنے لگے اور بالکل بے سُدھی کی سی حالت طاری ہوگئی، حتےٰ کہ دیوانہ وار بڑبڑانا شروع کردیا۔ دو دن تک ہوش نہ آئی۔ تیسرے دن بڑی مشکل سے ہاتھ پاؤں کے تلوے ملنے اور سر میں بادام روغن وغیرہ ڈلنے سے ہوش آئی۔ آنکھ کھلنے پر از خود رفتہ دیوانوں کی طرح آپ کے چرن پکڑ لئے۔

آپ کی آنکھ میں اِتنی طاقت تھی کہ جس کو نظر بھر کر دیکھتے اُس پر خاص اثر ہوتا اور "تا نگہ تظریں نظر نہال" کا شبد سولہ آنے درست ثابت ہوتا۔ ایک دن آپ گوجرانوالہ سے آرہے تھے، سامنے بار برداری والے چند ایک گدھے گوجرانوالہ کو جانے والے آرہے تھے۔ گدھوں کے پیچھے اُن کا مالک کمہار اور اُس کا لڑکا تھا۔ کمہار پیشاب کرنے کے لئے پیچھے رہ گیا۔ لڑکے سے گدھے ادھر اُدھر ہوکر کھیتوں میں چرنے لگے۔ باپ نے پیچھے سے لڑکے کو آواز دی، او سوہنیا، او سوہنیا گدھے کیوں نہیں سنبھالتا اس وقت آپ بھی اپنے خاص خیال میں محو تھے، سوہنے کے لفظ نے آپ کی برتی سندر کے آدرش سے جوڑ دی، جب لڑکا اُن کے قریب سے گزرنے لگا۔ تو نظر بھر کر پیار سے لڑکے کو دیکھتے ہوئے لڑکے کو مخاطب کرکے کہا، کیا تو ہی سوہنا ہے بے شک تو ہی سوہنا ہے یہ کہنا تھا کہ لڑکے کو غش آگیا اور جس طرح بجلی کا کرنٹ لگنے سے کوئی شخص اڑ کر گر پڑتا ہے، یہی حالت اس لڑکے کی ہوگئی، کمہار رونے لگا۔ اور لالہ جی کو اپنے کیے کا احساس ہوا۔ کچھ دیر بعد لڑکے کو ہوش آئی اور وہ اپنی راہ لگا، مگر پانچ سات سال بعد پتہ لگا کہ وہ لڑکا جوان ہوکر فقیر ہوگیا ہے اور اپنے آپ کو لالہ جی کا شِشیہ ظاہر کرتا ہے،

انہی ایام میں چند طالب علم لیڈرہ سے مرالی والہ (جو سوامی رام تیرتھ جی کا جنم استھان ہونے سے اب بہت مشہور ہو چکا ہے) براۓ تعلیم سکول میں جایا کرتے تھے۔ وہاں لالہ رنجیت رائے جی مدرس تھے، گو ان کی عمر اس وقت بالکل نوجوانی کی تھی مگر معرفت سے شناسا تھے اور انہوں نے بہت سی کتب مثلاً دیوانِ حافظ، دیوان ولی رام، مثنوی روم دیوان شمس تبریز وغیرہ پڑھی ہوئی تھیں اور اس طرف کے شوق

کی چڑھدی کلا تھی۔ ادھر مہاتما رُلدو رام جی کی گیان کی خوشبو بھی دور نزدیک تک پھیل چکی تھی۔ ایک دن لالہ رنجیت رائے جی نے اپنے شاگردوں سے پوچھا۔ کہ تمہارے گاؤں میں جو سنت رُلدو رام جی ہیں ان کی کیا حالت ہے۔ لڑکوں نے اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیا۔ کہ وہ بڑے مہاتما ہیں لوگ اُن کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ وہ ہر ایک سے پیار کرتے ہیں اور جب ہم متھا ٹیکنے جاتے ہیں، تو وہ ہمیں مٹھائی دیتے ہیں اُن کے پاس بڑے بڑے سادھو آتے ہیں۔ اور اُن کا چہرہ چاند کی طرح چمکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

معصوم بچوں کے اس طرح کے جواب سنکر رنجیت رائے جی کے دل میں اُن کی زیارت کے شوق نے اور تیز کردیا۔ اور انہیں رات بھر نیند نہ آئی۔ دوسرے دن اتوار تھا۔ وہ علی الصباح ہی اپنے ساتھی پنڈت ادھا رام کے ساتھ آپ کے درشن کے لئے لوپڑہ آگئے پر آپ کی لیلا نیاری ہے جہاں ساری رات رنجیت رائے کو درشنوں کی بے تابی میں نیند نہ آئی تھی وہاں مہاتما رلدو رام جی بھی بے خبر نہ تھے، چنانچہ جب رنجیت رائے جی فرطِ عقیدت سے اُن کے چرنوں پر گرے تو انہوں نے بھی اُٹھا کر چھاتی سے لگالیا، گو وہ سب سے پیار کرتے تھے پر ان کا شیوہ تھا مگر اس طرح جوشِ محبت سے چھاتی سے لگانا رنجیت رائے جی کے حصہ ہی آیا تھا۔ اور یہ ان کی خوش نصیبی اور قسمت کی یاوری قدرت نے انہی کے لئے مخصوص کر رکھی تھی۔ اس کے بعد تھوڑے ہی عرصہ کی سنگت کرنے سے چراغ سے چراغ روشن ہوگیا۔ اور رنجیت رائے جی اس وقت تک کلام حقانی کو پڑھنے سننے اور سمجھنے کے لئے جو کوششیں کی تھیں وہ سب سپھل ہوگئیں اور وہ مبارک دن چڑھا کہ جب آتما کے ساکھشات کار اور اپروکش گیان کی پراپتی کا بڑے سے بڑا اور متبرک سے متبرک پھل ہاتھ آیا۔ سنت جی بیان کرتے ہیں۔ کہ جس دن اُن پر یہ حالت وارد ہوئی۔ اُن کے استغراق کی کوئی حد نہ تھی۔ جس طرح پہاڑی نالوں میں برسات کے دنوں میں آیا ہوا سیلاب سب کچھ بہا کر لے جاتا ہے، اسی طرح اس

حالت کے دوران ہی رنجیت رائے جی کے جسم جنمانتر کے شکوک شبہات اور سنشے وہم خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے اور اس خاص حالت میں انہوں نے ایک ایسی سی حرفی اچاری کی جو روحانیت کے پرکھ کرنے والے جوہریوں کی نگاہ میں انمول ہیرا ہے طوالت کے خوف سے اس کا اندراج مشکل ہے تاہم نمونہ کے طور پر دو اشعار اس لئے درج کئے جاتے ہیں تاکہ ناظرین کو پتہ لگ جائے کہ اور کشش گیان ہونے پر چیت کی کیا اوستھا ہوتی ہے۔

الف۔ اسیں آپ دی سار ہوئی ست چت آنند سروپ ہاں ہیں
ہر رنگ ہے وچ ہے نگ برابر سب روپ انوپ سروپ ہاں ہیں
قبل آپ نوں بھل کے سال جیو بنیا جچھ ... ہویا گرد پ ہاں جی
رُلدو رام دی مہر رنجیت رائے الیکھیا شدھ چیتن سروپ ہاں ہیں

جب سے آپ کا پتہ لگا تو معلوم ہوا کہ میرا حقیقی سروپ تو ہمیشہ ایک ... ہے اور یہ پہلی ... ہی ...

نظر آرہا ہے اس کی اصل ہستی علم سرور میں ہی ہے۔ یہی تو فراموشی سے اپنے آپ کو جیو سمجھ رہا تھا جب رُلدو رام جی نے جہل کی دوری شدھ کا شدھ ہو گیا۔

ب۔ باجھ گیان دی روشنی دے ہو دسے تم اگیان تے رنگ رہا ہیں
جدوں گیان اگیان توں دور کیتا لیا گھور ویاپک تو دسائیں
کوڑی دیہہ دی ہنگتا حق بیٹھا ہویا مجھ ... بیتا ... جائیں
دینا ناتھ دیال توں رام رُلدو، کہتے داس رنجیت ... جائیں

گیان کی روشنی کے بغیر جہالت کا اندھیرا دور نہیں ہو سکتا اور وصال حق اس وقت ہوتا ہے۔ جب گیان اور اگیان دونوں سے اوپر اٹھ جائیں۔ میں نے اس فانی جسم کو اپنا آپ سمجھ لینے کی بڑی بھاری غلطی کی تھی، گرو جی یعنی عاجزوں اور بے کسوں پر دیا کرنے والے رُلدو رام جی نے کرپا کر کے اپنے داس رنجیت کی تمام خامیاں اور کمیاں پوری کر دی ہیں اسی طرح ساری سی حرفی حقائق و معارف کو نہایت خوبصورتی سے

از
کوی
لوک ناتھ
جی دِل

وہ! وہ قدرت کے ہر ساز کی لے میں پایا

امیدوں کے رنگیں سہاروں میں پایا تمناؤں کے لالہ زاروں میں پایا
چمن کے مہکتے نظاروں میں پایا اُفق سے ابھرتی بہاروں میں پایا
جونہی کھوج کی اُس کو ہر شے میں پایا
وہ قدرت کی ہر ساز کی لے میں پایا

ستاروں کی مخمور چھاؤں میں پایا گلوں کی معطر اداؤں میں پایا
کبھی نغمے گاتی ہواؤں میں پایا کبھی مے پلاتی گھٹاؤں میں پایا
جونہی کھوج کی اُس کو ہر شے میں پایا
وہ قدرت کے ہر ساز کی لے میں پایا

کبھی طائروں کے ترنم میں پایا کبھی محفلِ مہ و انجم میں پایا
کبھی ہم نے رنگِ تبسم میں پایا کبھی آنسوؤں کے تلاطم میں پایا
جونہی کھوج کی اُس کو ہر شے میں پایا
وہ قدرت کے ہر ساز کی لے میں پایا

کبھی ہم نے پُرنور راہوں میں پایا کبھی ہم نے دِلکش نگاہوں میں پایا
کبھی ہم نے مفلس کی آہوں میں پایا کبھی ہم نے کمزور باہوں میں پایا
جونہی کھوج کی اُس کو ہر شے میں پایا
وہ قدرت کے ہر ساز کی لے میں پایا

کبھی زندگی کے سفر میں ہے پایا کبھی رقصِ شام و سحر میں ہے پایا
کبھی روٹھے شمس و قمر میں ہے پایا کبھی دامنِ خشک و تر میں ہے پایا
جونہی کھوج کی اُس کو ہر شے میں پایا
وہ قدرت کے ہر ساز کی لے میں پایا

ہمارے پراچین مہرشیوں کے رہسیہ مے گیت

از شری بابو فتح چند نسیم

صد سالہ دور چرخ یا رہا غر کا ایک دور
نکلے جو میکدہ سے تو دنیا بدل گئی تو نو

یہ ہماری مہرشی انتیت وچنتاؤں اور پریکٹس پر بانوں سے بھرپور ہے ہماری آنکھوں کو کبھی بار صرف ایک چھوٹے سے بیج سے ایک دن وشال برکش جھومتے جھامتے نظر آتے۔

اسی پرکار مہرشی نادی جیو آدمی کو ایک ننھے دانہ سے اتپت ہوتے دیکھا۔ اور اس کے وکاس کی بلیبوں لیلائیں آنکھوں کے سامنے گزریں۔ ہمارے ادھیاتمک، سماجک، سیاسی ویک اور انہاسک وکاس کا مول منتر بھی یہی ہے۔

یہ سچ ہے کہ جو ادستھا ہمارے سماج کی اس زمانہ میں تھی وہ اس سنسکرتی میں دکھائی نہیں دیتی۔ یہی حالت ہماری پراچین اور موجودہ سنسکرتی اور سبھیتا کی ہے اسی لئے کسی شاعر نے یہ کہا ہے

سو وہ زمانہ اور تھا اور یہ زمانہ اور ہے

مگر اس سمیہ جو کاویہ کی سورج بھارت دیش کے آکاش میں اودے ہوا تھا وہ آج تک سنسار کی اندھیرا مٹاتا ہوا اپنا گیان پرکاش زیادہ سے زیادہ پھیلا رہا ہے۔

ہمارے رشیوں نے آدی سرشٹی سے ہی یہ انوبھو کر لیا تھا کہ دانشمندی کی مزید ہیں کاویہ ایک "اچھیہ آتما" کا استھان رکھتی ہے۔ اس لئے اصل میں دیش کے زبان کی یہی جنم داتا بننے کا ادھیکار رکھتی ہے۔ بس اس وچار کے آدھار پر ہمارے پوجیہ اور آدرنیہ مہرشیوں اور منیوں نے پرمیشور کے دیئے ہوئے سارغ کی شکتیوں سے اتنی کاویہ "ساگری" پیدا کی اور اتنی ودتا میں سوچی کہ ہم اس پر جتنا بھی گورو یعنی ناز اور فخر کریں کم ہے۔

اس گورو مرشیت ساگری سے اس آریہ ورت کا سرتمام سنسار میں اونچا ہوا جس کے بھروسہ بھارتیہ سنسکرتی کا جھنڈا سب سے اونچا لہراتا ہوا تمام دنیا نے دیکھا۔

انہی مہرشیوں کے دھرم گرنتھ ہماری سماج کی انتی اور امرجیوتی کا آج بھی درپن بنے ہوئے ہیں۔

وہی درپن آج "اوم" کے پریمی بھائیوں کو دکھانا چاہتا ہوں۔ آشا ہے۔ وہ اس میں جھانک کر ان بھاؤں اور وچاروں سے آنند حاصل کریں گے۔ جن سے ہمیں انسی شکتی پراپت ہونا ایک لازمی بات ہے۔

کیا ہم بھجن سادھنوں کے علاوہ "کاویہ کلا" اس جادو کو ہم بھلا سکتے ہیں۔ جس کے بل بوتے پر آج ہمیں سوتنترتا دیوی کے درشن نصیب ہیں۔ صرف یہی نہیں۔ بلکہ ہمارے دھارمک، ادھیاتمک، سماجک جیون کی نس نس میں یہ گرم خون کے روپ میں دوڑ رہی ہے۔

ہمارے مانو سماج کے زبان اور ادھار میں اس کا زبردست ہاتھ ہمیشہ رہا ہے۔

یہ کون نہیں جانتا کہ وید، اپنشد، پوران، سمرتیاں، رامائن، مہابھارت، گیتا اور کئی دوسری دھارمک پستکیں اسی منوہر اور مدھر کاویہ کا امر کوش ہیں۔

اس کا اندازہ صرف اس بات سے ہی لگ سکتا ہے، کہ دنیا کے ہر ملک نے ان کی عظمت کے آگے اپنے سر کو جھکا رکھا ہے اب اس کے بعد یہ ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ۔ کوی اور کویتا میں کیا سمبندھ ہے؟ (یعنی شاعر اور شاعری میں کیا تعلق ہے)

اس سوال کے حل پر ان گنت دماغوں نے مل کر یہی فیصلہ کیا ہے کہ "کوی بنایا نہیں جاتا۔ بلکہ پیدا ہوتا ہے" یہی سبب ہے کہ کویتا اپنے اندر ایک عجیب کشش

رکھتی ہے۔ اسی لئے پرماتما کی یہ بخشش اُس کے اَپنے شنادو یہ
نظر کو یوں روا ایوں سے طور پر جھلکتی نظر آتی ہے،

اس مختصر تحقیق یا تمہید کے بعد اب میں اُن رشیوں کے وہ امر گیت پیش کرتا ہوں، جو ویدوں کے ورن دیوتا کے گنوں کی مہما سے اوت پروت ہیں، جن کے پڑھنے سے ایسا سرور اور ایسا نشہ ملتا ہے کہ ہر پڑھنے اور سمجھنے والا بے اختیار جھومنے لگتا ہے۔ جیسا کہ رشی نے اس دشتی کے آرنبھ میں جتلایا ہے کہ

ہماری آنکھوں کو کئی بار صرف ایک جھوٹے سے
بیج سے ایک دِوِیہ وشال برکش جھومتے جھامتے
نظر آئے۔

(۱)

ایک بھجن گاؤ، جس سے سمراٹوں کا سمراٹ ورن خوش
ہو جائے اور وہ بھجن اُس کی مہما سے لبالب ہو،
اُسی ورن نے زمین کو اس طرح پھیلایا ہے جیسے
قصائی کھونٹے کے چمڑے کو دھوپ میں پھیلا دیا کرتے ہیں۔
وہی کھووبنوں (جنگلوں) میں شیت (ٹھنڈی)
اور منجھدھار (مست بنانے والی) ہواؤں کو بھیجتا ہے،
وہی "سندار کے گھوڑے" یعنی سورج کو تیزی دینے
والا ہے،
آسمانی گئوؤں یعنی بادلوں کو دودھ وہی دیتا ہے
ہمارے دماغوں میں بدھی (عقل) اسی کی دی ہوئی ہے
وہ ایسا جادوگر ہے کہ اس نے پانی میں آگ (یعنی بادلوں
میں بجلی) پیدا کر رکھی ہے۔
اسی نے آسمان پر سورج کو بے ستون قائم رکھا ہے
وہی سوم بوٹی پہاڑوں پر اگا کر ہمیں خوراک اور بھگتی
کے نشے میں مست رکھنے والا ہے،
وہ جب بادلوں سے بھرا برتن الٹ دیتا ہے تو اس کا
پانی آسمان سے برکھا کے روپ میں بہا چلا آتا اور زمین
پر بہتا نظر آتا ہے، جس سے طرح طرح کی فصلیں پیدا ہو کر
جیو جنتو کا ایک جا جیون ملتا ہے چند روز پہلے جو آسمان بالکل
خشک تھا۔ اور زمین پیاس سے تڑپ رہی تھی، دیکھتے ہی
دیکھتے دونوں تر بتر ہو جاتے ہیں۔ جب ورن دیوتا کی اچھیا
دودھ دوہنے کی ہوتی ہے تو پہاڑوں کے سروں پر کالی گئوؤں
(کالے بادلوں) کے جھنڈ کے جھنڈ نظر آتے ہیں۔ کچھ دیر پہلے
اُن جھنڈوں کی رفتار میں جو تیزی تھی دھیرے دھیرے وہ مدھم
رفتار میں بدل جاتی ہے یعنی تیز اترنا اور موٹی دھاریں نکلتی ہوئیں
وہی دھاریں پتلی اور آہستہ آہستہ نکلنے لگتی ہیں۔ جس طرح گئوؤں
کی دھاریں پہلے تو تیز اور پھر ختم ہو جانے کا
سلسلہ ہم اکثر دیکھا کرتے ہیں۔

(۲)

یہی وہ ورن دیوتا ہے،
جس نے سورج کو اپنی منزل مقصود کی راہ سمجھائی۔
جس نے پانی کو آسمان سے زمین کی طرف جانا اور پھر زمین
(سمندروں اور دریاؤں) سے آسمان کی طرف اُڑنا سکھایا۔
یعنی ٹریفک کے سنتری کی طرح دونوں پانیوں کو آنے جانے
کا راستہ دکھایا۔ یہ ورن دیوتا سورج اور جل بھگوان کی
ایسی راہنمائی کرتا ہے جیسے گھوڑسوار اپنے ہاتھ میں باگ
(لگام) لئے ہوئے اپنے گھوڑوں کی کیا کرتا ہے ورن دیوتا
کی وہی سانس ہے، جو کرۂ ہوائی میں (واتا ورن) میں آندھی
کی شکل میں نظر آتی ہے،

(۳)

ہمارے سروں پہ چمکنے والے مقدس اور مہان اشو
(بڑے گھوڑے) یعنی سورج کی راس (باگ) ورن دیوتا نے
اپنے ہاتھوں میں تھام رکھی ہے، اس گھوڑے کے گنوں کا
ورنن بھلا کہاں تک کیا جا سکتا ہے؟ ساتھ ہی ایک عجیب بات
ہے کہ جب ہماری آنکھیں اوپر اُٹھتی ہیں تو اس گھوڑے کا
آکار ہمیں ایک دھکتا ہوا آگ کا گولہ" پرتیت ہوتا ہے

مہرشیوں کے ان گیتوں کو اگر اوم، کے پریمی بھائیوں
نے پسند کیا تو یہ سلسلہ جاری رکھا جائے گا۔ جس سے ان کے
آتمک گیان کی ورِدھی ہوگی، اُن کے وویک کا دیا روشن ہوگا۔

روحانیت کے بلند ترین خیالات کا پرچارک

رسالہ "اوم" کے ویدانت انک کیلئے

از
امیر الشعرا
دیوان
پنڈت بیداس جی
قمر

۱- ہوائیں زمانہ میں ویدانت کی ہیں
ادائیں زمانہ میں ویدانت کی ہیں
شعاعیں زمانہ میں ویدانت کی ہیں
صدائیں زمانہ میں ویدانت کی ہیں

۲- ہے ویدانت کا انت ولیکھا د رہنا
ہے ویدانت کا انت آباد رہنا
ہے ویدانت ہرگز نہ برباد رہنا
صدائیں زمانہ میں ویدانت کی ہیں

۳- نہیں کچھ ہمارے سوا دو جہاں میں
ہمارا ہے جلوہ زمیں آسماں میں
ہے کافور پردا جو تھا درمیاں میں
صدائیں زمانہ میں ویدانت کی ہیں

۴- کوئی شے جہاں کی نہ ہم سے جدا ہے
ہماری خودی میں نمایاں خدا ہے
سبھی کچھ ہیں ہم پھر کہاں دوسرا ہے
صدائیں زمانہ میں ویدانت کی ہیں

۵- رشی اور منی ہم نے پیدا کیا ہے
پرانوں کو ویدوں کو ہم نے لکھا ہے
ہر اپدیش ہم نے سنا اور کہا ہے
صدائیں زمانہ میں ویدانت کی ہیں

۶- نہیں غیریت جس پہ اپنی نظر ہو
وہ لعل و گوہر ہو کہ شمس و قمر ہو
وہ مٹی سے کمتر ہو یا سیم و زر ہو
صدائیں زمانہ میں ویدانت کی ہیں

۷- جو آب رواں ہے وہ حرکت ہماری
جو کوہ گراں ہے وہ قدرت ہماری
مکیں اور مکاں میں ہے صورت ہماری
صدائیں زمانہ میں ویدانت کی ہیں

۸- جو مندر میں ہے کار اپنی صدا ہے
وہی اپنے چرنوں پہ خود جھک رہا ہے
یہ جنت و دوزخ کی پشت پناہ ہے
صدائیں زمانہ میں ویدانت کی ہیں

۹- جسے دور سمجھا وہ نزدیک تر ہے
غرض اپنی نظروں میں نور نظر ہے
جسے غیر سمجھا وہ جان و جگر ہے
صدائیں زمانہ میں ویدانت کی ہیں

۱۰- پڑھو "اوم" کو گر تمہیں کوئی شک ہے
ہر اک دل میں دائم اسی کی کھٹک ہے
قمر گلشن ہستی میں جو بھی چمک ہے
صدائیں زمانہ میں ویدانت کی ہیں

ضروری نوٹ:- "ویدانت انک" جنوری اور فروری ۵۸ء دو ماہ کا پرچہ تصور کیا گیا ہے۔ ماہ فروری کا کوئی علیحدہ پرچہ شائع نہیں ہوگا۔ ماہ مارچ کا پرچہ ۲۵ فروری ۵۸ء کو شائع ہوگا
(مینیجر)

۷۸۶

غوث پاک

حضرت محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی کی نصیحت آموز زندگی کے چند واقعات

ولادت:۔ گیلان میں شب اول رمضان المبارک ۴۷۱ھ آپ پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بی بی فاطمہ بنت حضرت عبداللہ صومعی تھیں۔ جب آپ کی عمر اٹھارہ سال کی ہو گئی۔ ۴۸۸ھ میں تحصیل علم کے لئے بغداد کو روانہ ہوئے آپ کی والدہ نے اسّی دینار جو میراثِ پدری سے تھے اُن میں سے چالیس دینار پیراہن میں زیر بغل سی دیئے اور آپ سے عہد لیا کہ سوائے سچ کے کبھی جھوٹ نہ بولنا۔ آپ ایک قافلہ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ جب یہ قافلہ ہمدان سے آگے بڑھا۔ ساٹھ ڈاکوؤں نے قافلہ کو گھیر لیا۔ مگر حضرت سے کوئی معترض نہ ہوا۔ اس کے بعد ایک سوار آپ کے پاس آیا اور کہا اے فقیر تمہارے پاس کیا ہے آپ نے فرمایا۔ چالیس دینار ہیں۔ پوچھا کہاں ہیں؟ آپ نے کہا کہ زیر بغل سیئے ہوئے ہیں۔ اس کو آپ کے کہنے پر اعتبار نہ ہوا اور تمسخر سمجھ کر چلا گیا۔ یہ بات سردار کے کانوں تک پہنچی۔ اُس نے آپ کو بلایا اور پوچھا کہ اے فقیر تمہارے پاس کیا ہے؟ آپ نے کہا چالیس دینار ہیں اور میرے پیراہن میں زیر بغل سیئے ہوئے ہیں۔ اُس نے پیراہن چاک کرایا۔ چالیس دینار نکل پڑے۔ یہ دیکھ کر ڈاکوؤں کے سرکردہ کو حیرت سی ہو گئی اور کہنے لگا کہ اے فقیر تم نے اس پوشیدہ حال کو کیوں ظاہر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میری ماں کا حکم تھا کہ سچ بولنا جھوٹ نہ بولنا۔ اس کا پابند ہوں۔ یہ سن کر سردار پر بہت اثر ہوا اور اس نے اُن کے دینار واپس کر دیئے۔

بغداد پہنچ کر تحصیل علوم میں مشغول ہو گئے اور اپنے اقران و اہل زمان پر سبقت لے گئے۔ قیام بغداد کے ابتدائی زمانہ میں آپ نے فرمایا کہ بیس روز تک میں نے ایسی کوئی چیز نہ پائی جس کو میں کھاتا۔ ناچار ویرانہ محل کسریٰ کی طرف نکلا۔ کہ کوئی چیز تلاش کروں۔ وہاں دیکھا کہ ستّر درویش کامل اسی تلاش میں پھر رہے ہیں میں نے اُن کے حال میں مزاحم ہونا خلاف مروّت سمجھا اور بغداد کی طرف لوٹ آیا یہاں ایک شخص میرے شہر کا ملا اور اس نے کچھ ریزے سونے چاندی کے مجھے دیئے اور کہا کہ یہ تمہاری ماں نے بھیجے ہیں میں وہ لے کر درویشوں کے پاس گیا اور اُن کو حسب ضرورت بانٹ کر کچھ اپنے خرچ کے لئے رکھ لیئے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کئی روز سے کچھ کھایا نہ تھا۔ محلہ قطعیہ شرقیہ میں ایک شخص نے ایک چِٹھی آپ کو دی۔ وہ لے کر حلوائی کی دکان سے حلوا لیا اور مسجد سفرا میں آ کر حلوہ سامنے رکھ کر سوچنے لگے کہ اسے کھاؤں یا نہ کھاؤں اتنے میں ایک پرچہ پر نظر پڑی جو اُڑ رہا تھا۔ اس کو نکال کر پڑھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا۔

" خداوند تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ قوی لوگوں کو خواہش نفس کی چیزوں سے کیا کام، یہ لذت کی چیزیں تو ضعیف و کمزور لوگوں کے لئے ہیں، تاکہ وہ اُن کے باعث مری طاقتوں پر تقویت حاصل کریں "

آپ نے پڑھ کر حلوا وہیں چھوڑا۔ اور نماز پڑھ کر

مسجد سے رخصت ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا معمول تھا کہ مشائخین کی خدمت سے علم فقہ کا سبق لے کر جنگل کی طرف نکل جاتا اور شب و روز جنگل اور ویرانوں میں رہا کرتا۔ اس وقت میرے جسم پر کمبل کا کرتا اور سر پر ایک چھوٹا سا کپڑا ہوتا تھا اور ننگے پیر کانٹوں اور کنکروں میں پھرتا رہتا اور ساگ پات جو نہر دجلہ کے کنارے مل جاتا اسی کو غذا بناتا۔

آپ فرماتے تھے کہ میری والدہ مجھ سے ملنے کی بہت مشتاق رہتی تھیں۔ اکثر خطوط میں اظہار شوق کے لئے اپنے موئے مبارک کتر کے خط میں رکھ دیتی تھیں۔ میں جواب میں لکھتا تھا کہ اگر ارشاد ہو اور آپ مناسب سمجھیں تو میں طالب علمی چھوڑ کر خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ وہ لکھتیں نہیں تم تحصیل علم مت چھوڑو۔

ابو بکر تمیمی کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب بغداد میں قحط پڑا میرا حال تنگی معاش سے پتلا کئی دن سے کچھ کھایا نہ تھا دجلہ کے کنارے گیا وہاں بھی گھاس پات کا صفایا تھا آخر مسجد شوق الریحانین میں لوٹ آیا اور کونے میں بیٹھ گیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ موت قریب ہے۔ اتنے میں ایک عجمی روٹی سالن لئے ہوئے آیا اور وہ کھانے لگا۔ میں ہر لقمہ کو دیکھ کر بے تاب ہو جاتا تھا مجھ کو اپنی یہ حالت دیکھ کر ناگوار معلوم ہوا دل میں کہا کہ خدا موجود ہے۔ ایک دن مرنا ہے اتنی بے صبری لاحاصل ہے۔ اتفاقاً عجمی کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی اس نے کہا کہ بھائی شریک طعام ہو لو میں نے نفس کے لئے انکار کیا مگر اس نے قسم دلائی آخر مجبور ہو کر دعوت قبول کر لی۔ کھانا کھانے میں اس نے مجھ سے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو نام کیا ہے؟ میں نے کہا گیلانی ہوں نام عبد القادر ہے۔ یہ سن کر وہ مضطرب سا ہو گیا اور کہنے لگا کہ یہ تمہاری امانت تھی مگر تین روز سے میں بھوکا تھا اس لئے میں نے امانت میں خیانت کی اب یہ آپ کا مال ہے۔ خوب کھایئے اور مجھ کو اس قصور پر معاف کیجئے۔ آپ نے کہا میری امانت کیسی عجمی نے کہا تمہاری والدہ نے آٹھ دینار بھیجے ہیں جس میں سے کچھ کا طعام خرید کیا بقیہ حاضر ہے۔ آپ نے لے کر اس میں سے عجمی

کو زاد راہ اور دے کر رخصت کیا۔

شیخ ابو محمد عبد اللہ جبائی کہتے ہیں کہ آپ نے مجھ سے یہ بھی فرمایا کہ بغداد میں ایک بڑی جماعت علم فقہ پڑھتی تھی جب غلہ کا موسم آتا تو یہ لوگ دیہ یعقوبا میں جایا کرتے تھے مجھ سے بھی کہا تم چلو وہاں سے کچھ غلہ مل جائے گا۔ میری حالت تنگدستی کی تھی میں بھی ہمراہ ہو گیا۔ وہاں ایک بزرگ صالح شریف یعقوبی رہتے تھے۔ ان کی خدمت میں حاضری دی مجھ سے کہا طالب حق کبھی کسی سے سوال نہیں کرتے اس کے بعد سے میں پھر کہیں نہیں گیا اور نہ کسی سے سوال کیا۔ تحصیل علوم میں مشغول رہتا۔ اور زیارت صالحین کیا کرتا۔ ایک دن میرے دل میں خیال آیا کہ بغداد سے کنارہ کش ہو جاؤں کہ یہاں فتنہ و فساد زیادہ ہیں۔ اسی قصد سے اپنا قرآن مجید کندھے پہ لٹکا کے باب حلبہ کی طرف چلا کسی نے مجھ کو ایسا دھکا دیا کہ میں گر پڑا اور کہا اے عبد القادر کہاں جاتا ہے لوٹ جا کہ تجھ سے خلق کو نفع پہنچے گا۔ دوسرے روز میں مظفریہ کی جانب گیا وہاں حضرت حماد دباس سے استفادہ کیا فجر کی نماز کو وہ چلے ان کے ہمراہ ہو لیا راہ میں نہر کے پل سے گزرے انھوں نے مجھ کو ایسا دھکا دیا کہ نہر میں جا رہا میں نے کہا "بسم اللہ" یہ جمعہ کا غسل تھا پھر نہر سے باہر آیا اور کپڑوں کو نچوڑ کر ان کے پیچھے ہو لیا۔ آپ مجھ کو اکثر تکلیف دیا کرتے ان کے ہمراہی بھی ویسے ہی پیش آنے لگے۔ شیخ نے یہ دیکھ کر ان کو ڈانٹا اور کہا کہ تم میں اس جیسا ایک بھی نہیں ہے میں تو صرف امتحان کے لئے تکلیف دیتا تھا یہ مثل پہاڑ کے مستقل ہے اس کے بعد علوم طریقت سے مجھ کو آگاہ کیا۔ شیخ کے بعد حضرت ابو یعقوب ہمدانی قطب ہمدان سے فیوضات حاصل کئے۔

مجاہدہ: آپ نے ان صالحین و عابدین سے فیوضات و برکات حاصل کرنے کے بعد سے اپنے نفس کے لئے ریاضت کا مجاہدہ کا کوئی ایسا طریقہ نہ تھا جسے لازم نہ کر لیا ہو کئی کئی روز تک بے آب و دانہ بسر کرتے اور عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ سونا ترک کر رکھا تھا دنیاوی زیب و زینت سے نفرت

کلی بھی۔ آپ از خود رفتہ حال میں اکثر رہا کرتے تھے۔

پچیس برس منزل تجرید کے طے کرنے کے لئے بیابان عراق میں گذارے۔ ریاضت کا یہ حال تھا کہ ایک بار چار برس تک پیاسے رہے نہیں نکلے اور اس درمیان میں سات سات روز کا روزہ ہوتا تھا۔

عبادت۔ آپ کی عبادت کا یہ حال تھا کہ آپ ہمیشہ چالیس برس تک عشا کے وضو سے صبح تک ختم قرآن کرتے۔ تیس چالیس روز کا ایک ہی روزہ رکھا کرتے۔ اور افطار جنگلی پھلوں و پتوں سے کرتے۔ ہر وقت باوضو رہتے۔ جب رات کا آغاز ہوتا پہلے نماز ادا کرتے پھر ذکر خدا میں مشغول ہو جاتے جب تہائی رات گزر جاتی تو المحیط الحاکم الفعال الخالق البادی المصور پڑھتے۔ پھر نماز تہجد میں مشغول ہو جاتے، کھڑے رہ کر کلام مجید ختم کرتے یہاں تک کہ دوسری تہائی رات بھی گزر جاتی پھر سجدے میں چلے جاتے اور چہرہ مبارک زمین عجز پر ملتے، قبلہ رو بیٹھ کر مراقبہ اور مشاہدہ میں مشغول ہو جاتے بعد طلوع فجر انوار الٰہی آپ کو ایسا چھپا لیتے کہ کوئی شخص نظر بھر کر دیکھ نہیں سکتا تھا۔

بیعت اور علم باطن۔ حضرت غوث الاعظم فرماتے ہیں کہ میں گیارہ سال برج قلعہ بغداد میں ریاضت و عبادت میں مشغول رہا۔ جس کی وجہ سے وہ برج عجمی مشہور ہوگیا۔ میں نے اس برج میں اپنے اللہ سے عہد کیا تھا کہ جب تک کوئی اپنے ہاتھ سے مجھ کو نہ کھلائے پلائے گا نہ میں کھاؤں گا نہ پیوں گا۔ چالیس روز گزر گئے ایک شخص آیا اور کھانا پانی سامنے رکھ کر چلا گیا مرے نفس نے کھانے پینے کی بہت خواہش کی لیکن میں نے کہا کہ میں اپنے اللہ سے ہرگز عہد شکنی نہ کروں گا۔ آخر میرا نفس الجوع الجوع کی فریاد کرنے لگا۔ مگر میں نے کچھ لحاظ نہ کیا۔ اسی اثنا میں حضرت قاضی القضات شیخ ابو سعید مبارک مخرمی اس طرف سے گزرے اور فریاد نفس کی سن کر میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے عبدالقادر کیا حال ہے میں نے عرض کیا یہ اضطرار و بیتابی نفس کی ہے لیکن روح اللہ تعالیٰ کے ساتھ آرام میں ہے فرمایا مرے گھر آیہ فرما کر تشریف لے گئے۔ میں پیچھے پیچھے پہونچا۔ دیکھا کہ آپ میرے انتظار میں دروازے پر کھڑے ہیں مجھے دیکھ کر فرمانے لگے "اندر گھر میں آؤ"۔ اور مجھے ہمراہ لے جا کر اپنی مسند پر بٹھایا اور دست مبارک سے مجھے کھانا کھلایا اور پانی پلایا اور بعد فراغت کے بیعت سے مشرف کر کے خرقہ عنایت کیا اس وقت سے میں آپ کی خدمت میں رہنے اور علوم معرفت کے منازل آپ کے زیر تربیت طے کرنے لگا۔

آپ چھوٹوں پر شفقت کرتے۔ بڑوں سے عزت و تعظیم سے پیش آتے۔ دین اسلام کی اشاعت میں مصروف رہتے، ضعیفوں کے ساتھ ہمدردی، فقرا سے بالتواضع پیش آتے کبھی اپنی بزرگی کا خیال کرتے بادشاہ و امرا کے یہاں نہ جاتے ہر شخص کے ساتھ شفقت و محبت سے پیش آتے۔ نرم دل تھے ہر وقت خدا سے خائف و ترساں رہتے صاحب حشمت و ہیبت اور مستجاب الدعوات و کریم الاخلاق تھے، سائل کو رد نہیں کرتے آپ نے کبھی فحش اور لا یعنی کلام نہیں کیا ذاتی اغراض کے لئے کسی پر غصہ نہ فرمایا۔

وعظ و تذکیر۔ آپ نے فرمایا کہ جب میری عمر سینتالیس سال کی ہوئی میں نے ارادہ کیا کہ سوائے ذکر الٰہی کے اور کچھ زبان پر نہ لاؤں اور تمام عمر کسی سے نہ بولوں چنانچہ کئی برس تک میں ساکت و خاموش رہا ۱۶ شوال ۵۲۱ھ کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں "اے بیٹے تم کیوں کلام اور وعظ و نصیحت نہیں کرتے"۔ میں نے عرض کیا میں عجمی ہوں فصحائے بغداد کے سامنے کیونکر زبان کھولوں اور وعظ و نصیحت کروں، حضرت رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا نے اور آپ کے بعد حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنا لعاب دہن میرے لب سے لگایا، میرے منہ سے دریائے سخن موجزن ہوا اور رابط کلام کا وہ غلبہ ہوا کہ ضبط کا یارا نہ رہا، میں نے وعظ و نصیحت کی مجالس شروع کر دیں۔

شہرت عام۔ آپ کے وعظ و تذکیر کا حال دیکھ کر حضرت ابو سعید نے اپنا مدرسہ کو جو بغداد کے محلہ باب الازج میں واقع تھا آپ کے سپرد کر دیا اس میں نہایت فصاحت و بلاغت

سے وعظ فرمانے لگے۔ جس سے شہرت عام ہوگئی اور آپ کی عظمت و بزرگی لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی اور آپ کو قبولیت عام ہونے لگی جب آپ کی مجلس وعظ میں لوگوں کی بہت کثرت ہوئی مدرسہ میں گنجائش نہ رہی تو گرد و پیش کے مکانات ملا کے مدرسہ وسیع کر دیا گیا۔ امرا نے اس کی تیاری میں اپنا زر کثیر صرف کیا۔

آپ کا وعظ ربانی فتوحات یزدانی الہامات اور ارشادات و ہدایات کا مجموعہ ہوتا تھا۔ جس کو سن کر سامعین بے تاب ہو ہو جاتے

مواعظ۔ آپ نے ایک وعظ میں فرمایا کہ:۔

" اے بھولے ہوئے غافل انسان خدا سے توبہ کر خدا سے معافی مانگ اور اخلاص خدا کی عبادت کر ایک ہفتہ میں خدا تک جانا ممکن نہ ہو تو ماہ میں ایک مرتبہ ہی اس تک پہنچ نہ ہو سکے تو سال ہی میں ایک مرتبہ اس کے دروازہ پر جا یہ بھی نہ ہو سکے تو ساری عمر میں ایک دفعہ تو اس مالک حقیقی کی چوکھٹ پر پہنچ اور اس سے حاصل کر کہ سب کچھ اسی کے پاس ہے وہ مل گیا تو سب کچھ مل گیا

زہد۔ آپ کے مزاج میں حد درجہ کی حیا تھی اور آپ بڑے زاہد و متقی اور وسیع الصدر اور کریم النفس اور رحیم القلب اور راست گو اور اپنے عہد و پیمان کے نگاہ رکھنے والے تھے، کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ کی عظمت و بزرگی کا دار و مدار کس بات پر ہے فرمایا راستگوئی پر فرماتے تھے کہ میں نے کبھی حتیٰ کہ بچپن میں جب مکتب میں پڑھتا تھا جب بھی جھوٹ نہیں بولا۔

کسرِ نفسی۔ فروتنی و کسر نفسی کا آپ کے یہ حال تھا کہ اکثر بازار جا کر اشیائے ضروری خود لاتے یہاں تک کہ اگر لونڈی غلام بیمار ہوتے تو آٹا بھی چکی میں پیس لیتے اور خود گوندھ کر روٹیاں پکا کے ہر ایک کو تقسیم کرتے۔ ایک مرتبہ راستہ میں سات لڑکے کھیل رہے تھے ایک لڑکے نے آپ کو ایک پیسہ دیا کہ بازار سے شیرینی لا دو۔ آپ اسی وقت بازار چلے گئے اور اس کو شیرینی لا دی۔ اسی طرح باری باری ساتوں لڑکوں نے منگائی آپ نے لا دی اور کسی کی خاطر شکنی روا نہ رکھی، آپ اپنے طلبا کے ساتھ بیٹھتے اور ان سے ہمکلام رہتے تھے اور ان کی بدخوئی و لغزشوں سے درگزر فرماتے۔ پاس کتاب نہ ہوتی تو اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیتے اور ہر قسم کی طلبا کے ساتھ ہمدردی کرتے تھے۔

صفات۔ جب کوئی خورد یا بزرگ آپ کی زیارت کو آتا اس کی تکریم کرتے اور تعظیم کے واسطے کھڑے ہو جاتے اور ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ ابتدا اسلام کی کرتے مگر امرا سے اپنے کو بچائے رہتے کلام کم کرتے سکوت میں زیادہ رہتے تھے، سوائے جمعہ کے (بلا ضرورت) مدرسہ سے نہیں نکلتے اور اس دن بھی زیادہ تر جامع مسجد یا مسافر خانہ تک جاتے تھے

خیرات و مبرات۔ آپ کا غلام مظفر طباق روٹیوں کا لئے ہوئے دروازہ پر کھڑا رہتا محتاج و فقیر ادھر گزرتا اس کو دیتا تھا۔ ہر ایک شب کو آپ کا دسترخوان وسیع کیا جاتا تھا۔ جس پر آپ کے مہمان کھانا کھاتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تمام اعمال کی تفتیش کی مگر کھانا کھلانے اور حسن خلق سے کسی کو بہتر نہیں پایا اگر میرے ہاتھ میں دنیا ہوتی تو میں یہی کام کرتا کہ کھانا کھلاتا رہتا۔" آپ کا جود و کرم اس درجہ کا تھا کہ آپ نے کسی سائل کا سوال کبھی رد نہیں کیا اپنا کپڑا تک دے دیتے۔

علامہ ابن نجار کہتے ہیں کہ آپ فرماتے تھے میرے ہاتھ میں پیسہ نہیں ٹھہرتا اگر صبح کو میرے پاس ہزار دینار آئیں تو شام تک ان میں سے ایک پیسہ باقی نہ رہے

حضرت مخدوم اشرف جہانیاں جہاں گشت فرماتے ہیں کہ حضرت محبوب سبحانی سو سو غلام خرید کرتے اور اسی وقت شرف بیعت سے مشرف کر کے آزاد کر دیتے وہ صاحب کمال ہو جاتے تھے۔

ذریعہ معاش۔ آپ کا وجہ حلال سے ایک احاطہ تھا اس میں بعض اصحاب آپ کے کھیتی کیا کرتے تھے جو کچھ پیدا ہوتا تھا اس کو بحفاظت تمام آپ کے واسطے رکھ چھوڑتے تھے اس میں سے ہر روز چار روٹیاں پکا کر آخر دن میں آپ کے پاس حاضر لاتے آپ ان میں سے ٹکڑا ٹکڑا کر کے کچھ حاضرین کو عطا کر دیتے کچھ خود تناول فرماتے اکثر آپ کا بلا نمک کا کھانا ہوتا تھا عموماً ترک حیوانات فرماتے تھے، گوشت مچھلی

گھی، دودھ، دہی نہیں کھاتے تھے۔ آپ کی عادت چہ ستھے روز کھانا کھانے کی تھی۔

نذرانہ۔ آپ نذرانہ قبول کرتے خود بھی کام لاتے اور فقرا پر تقسیم کرتے اور خود بھی ہدیہ و تحائف لوگوں کو بھیجتے۔

ابن طباخ کہتے ہیں جو زر نقد آتا کبھی آپ نہ چھوتے مصلے کے نیچے رکھدیا جاتا وہیں سے آپ کے خدام البا الفتح وغیرہ حسب ضرورت لے جایا کرتے تھے۔

نفاست طبع۔ نفاست مزاج میں یہ جد تھی طہارت بدنی کا کامل لحاظ رہتا تھا وقوع حدث پر بجائے وضو کے غسل کرتے تھے۔ ایک دن آپ اسہال معدہ میں مبتلا ہوکر چند مرتبہ گئے مگر ہر بار غسل فرماتے تھے کبھی آپ نے بلا غسل اور تازہ وضو کے نماز پنجگانہ نہ پڑھی۔

پاس ادب خانہ کعبہ اس قدر تھا کہ کبھی قبلہ کی جانب پشت کرکے نہیں بیٹھے اور خوشبو کو نہایت دوست رکھتے تھے

لباس۔ ابتدائے حال میں معمولی لباس کمبل کرتہ سر پر چھوٹا سا کپڑا ہوتا تھا مگر مراتب غوثیت پر فائز ہونے کے بعد سے لباس عالمانہ زیب بدن کرتے اور چادر بغل میں لیتے تھے اور لباس آپ کا نہایت عمدہ اور بیش بہا ہوتا تھا جس کی قیمت فی گز ایک اشرفی سے کم و بیش نہ ہوتی تھی۔ سوداگر اقالیم دور دراز سے پارچہ جات عمدہ اور ملبوسات گراں بہا آپ کے واسطے لاتے تھے لباس ایک دن سے زیادہ آپ کے جسم پر نہیں رہتا تھا۔ غربا کو دے دیا جاتا تھا۔

سواری۔ آپ خچر پر سوار ہوتے تھے صدہا علما آپ کی سواری کے ساتھ

ہونے تھے۔

تعلیمات قادریہ

توحید۔ خدا کو ایک جانو کسی کو اس کا شریک نہ کرو۔

تصوف۔ صوفی وہ ہے جو اپنے مقاصد کی ناکامی کو خدا کا مقصد جانے۔ دنیا کو چھوڑدے یہاں تک کہ خادم بنے اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں فائز المرام ہو جائے تو ایسے شخص پر خدا کی سلامتی نازل ہوتی ہے۔

علم۔ علم پڑھو اس کے لئے گوشہ نشین ہو جو شخص بدون علم کے عبادت الٰہی میں مشغول ہوتا ہے اس کے تمام کام پر لعنت سدھر کے زیادہ بگڑتے ہیں پہلے اپنے ساتھ شریعت الٰہی کا چراغ لے لو پھر عبادت الٰہی میں مشغول ہو جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے حق تعالی اس کے علم کو وسیع کرتا ہے اور جو علم کہ اسے حاصل نہیں تھا سکھلاتا ہے۔

دعائے الٰہی۔ یہ ہے کہ اپنے کو محبت الٰہی میں ڈالدے اور



علم الٰہی کو کافی و وافی جان کر قضا و قدر پر راضی رہے

ادا وت الٰہیہ۔ یہ بدون اسباب کے وارد ہوتے ہیں اور کسی سبب سے موقوف نہیں ہوتے اور آنکا کوئی وقت معین اور کوئی خاص طریقہ نہیں ہے،

مقدرات الٰہیہ پر اعتراض کرنا دین، یقین اور کل اخلاص کو ہاتھ سے دینا ہے۔

قلب مومن۔ چون و چرا کا وقف ہرگز نہ ہونا چاہیئے بلکہ تسلیم و رضا کا۔

صابر کے لیئے خدا کی مدد دنیا میں بے حساب ہے اس کے انعام عقبیٰ میں بشمار اللہ فرماتا ہے تحقیق صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔

دل کا نور۔ خدا کے نور سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن کی دانست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے،

توکل۔ اغیار کو چھوڑ کر صرف خدائے عزوجل سے لو لگانا اور اسباب ظاہر کو بھول جانا اور اکیلے اسی کی ذات پاک پر بھروسہ کر کے غیر سے بے پروا ہو جانا توکل ہے یہی وجہ ہے کہ متوکل مقام فنا کے آگے بڑھ جاتا ہے اور توکل کی حقیقت بعینہ اخلاص کی حقیقت ہے اور حقیقت اخلاص یہ ہے کہ اعمال سے معاوضہ کا خیال بالکل نہ ہو توکل ہے جس میں اپنی قوت سے نکل کر خاص رب الارباب کی قوت میں آجاتا ہے،

صبر یہ ہے کہ تو مصیبت و بلا میں استقلال سے رہے اور آداب شریعت کو کسی وقت ہاتھ سے نہ جانے دے بلکہ نہایت خوشدلی و فرخندہ پیشانی سے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ پر قائم رہے۔ صبر کی کئی قسمیں ہیں صبر للہ وہ یہ ہے کہ اوامر الٰہی کو بجا لاوے اور اس کی نواہی سے دور رہے اور صبر مع اللہ یہ ہے کہ قضائے الٰہی پر راضی رہے ذرا بھی چون و چرا نہ کرے اور فقر سے نہ گھبرائے بغیر کسی تو شرعی کے اظہار غنا کرتے رہے صبر علی اللہ یہ

ہے کہ ہر امر میں وعدہ الٰہی کو مد نظر رکھ کر ہر وقت اس پر ثابت قدم رہے یہ صبر بہت مشکل ہے،

حسن خلق یہ ہے کہ تم پر جفائے خلق کا مطلق اثر نہ ہو خصوصاً جب کہ تم حق سے خبردار ہوگئے ہو اور عیوب پر نظر کر کے نفس اور جو کچھ کہ نفس سے سرزد ہو ذلیل جانو اور حق تعالیٰ نے جو کچھ خلق سے بندوں کو ایمان اور اپنے احکام و ولایت فرمائے ہیں انہیں پر نظر کر کے اُن کے اور جو کچھ اُن سے تمہارے حق میں صادر ہو عزت کرو۔ یہی انسانی جوہر ہے اور اسی سے لوگوں کو پرکھا جاتا ہے،

وجد یہ ہے کہ روح ذکر کی حلاوت اور نفس لذت طرب میں مشغول ہو جائے اور باطن سب سے فارغ ہو کر صرف خدا کی طرف متوجہ ہو اور وجد شراب محبت الٰہی ہے جو حق تعالیٰ اپنے بندہ کو پلاتا ہے جس سے وجود بندہ کا سبک ہو جاتا ہے اور اس کا دل محبت کے بازوؤں پر پرواز کر کے حضرت اقدس میں پہنچ کر دریائے ہیبت الٰہی میں گر جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ واجد گر جاتا ہے اور غشی اس پر طاری ہو جاتی ہے۔

زندگی کا دروازہ جب تک کھلا ہے غنیمت جانو وہ جلدی بند ہو جائے گا۔ نیک کاموں کی جب تک قدرت ہے غنیمت ہے توبہ کا دروازہ جب تک کھلا ہے۔ بہت ہی غنیمت سمجھو اور اس میں داخل ہو جاؤ۔ دعا کے دروازہ کو غنیمت جاننا چاہئے کہ وہ کھلا ہوا ہے۔ صالحین کی ملاقات کے دروازہ ہنوز بند نہیں ہوئے ہیں اور شریروں کی صحبت تجھ کو اچھوں پر بدظنی میں ڈالدے گی۔

اشغال قادریہ لیہ اثبات اسم،

خلوت میں قبلہ رخ ہو کر آنکھیں بند کر کے بیٹھے لا کو مقام ناف سے بزور سختی کھینچتا ہوا سینہ کے ہونٹوں تک لائے الٰہ کو دماغ سے نکال دے اور الا اللہ کو بقوت تمام دل پر ضرب کرے لا الٰہ سے ہر موجود معبود مقصود کی نفی کرے اور الا اللہ سے وجود باری سمجھے سو مرتبہ تک

باقی ۱۴۵ پر

غزل

از شری سوامی امرا نند جی سرسوتی

جلوؤں سے نہ آنکھ جھپکتی ہے جلوؤں کو نہ آنکھ ترستی ہے
ہم نے وہ پیالہ پی ہی لیا جس میں نہ خمار نہ مستی ہے

کچھ لمحے ہیں جن لمحوں میں احساس اسے چھو لیتا ہے
عالم سے اُدھر جو عالم ہے ہستی سے اُدھر جو ہستی ہے

ہے روح کی حالت کندن کی جتنا ہی تپے گی نکھرے گی
غم ایک کسوٹی ہے جس پر یہ فطرت ہم کو کستی ہے

حکمت کی بھی کھیتی غرق ہوئی حیرت کا بھی صحرا ڈوب چلا
گھنگھور گھٹا ہے یاد انھی کیا ٹوٹ کے دل پر برستی ہے

ہر سفر میں تھی اک بات مگر کیا اب کے سفر کی بات کریں
ہم اس بستی میں جا نکلے ہستی سے پرے جو بستی ہے

اس دل سے ہو کر دل سے اُدھر اک بستی ہے جو بستی ہیں
ہر جنس کی نایابی ہے مگر جنسِ تماشا سستی ہے

سنسار کی حقیقت

از شری رُوگناتھ جی سفیر

تماشائی دُنیا فریبِ نظر ہے
عیاں و نہاں مثلِ برق و شرر ہے

یہ نیرنگیاں کیا لبھائیں میرا دل
حقیقت سے خالی یہ نام و صُوَر[۱] ہے

یہ صنعت گری[۲] کیسی تماشا ہے کس کا
یہاں مرغِ ادراک بے بال و پر ہے

عروسِ جہاں کا یہ حسنِ فروزاں
عبث اس پہ شیدا دلِ بے خبر ہے

جو سچ پوچھو یہ عشق ہے عشقِ باطل
یہاں اس کی الفت میں خوف و خطر ہے

نہ یہ باوفا ہے نہ یہ بالبقا ہے
فقط چند دن کا یہ ذوقِ نظر ہے

پریشانیوں سے ہے معمور ہر دل
فلاکت[۳] میں کوئی ہے یا اہلِ زر ہے

قرار و سکوں سے مبرا ہے ہر شے
نظامِ جہاں پل میں زیر و زبر ہے

فلک بوس قصر اب نہیں بوس ہیں سب
نہ خاک پنہاں سرِ تاجور[۴] ہے

مفر کب کسی کو ہے تیغِ اجل سے
یہاں چارہ گر کار سب بے اثر ہے

سفیرؔ ایک حالت ہے شاہ و گدا کی
اسیرِ کمندِ قضا ہر بشر ہے

۱ صورت
۲ کاریگری
۳ ناداری
۴ بادشاہ

بعد محمد رسول اللہ۔

صرف لا زیر ناف سے کھینچکر پستان راست کی جانب بمقام روح لاکر الہٰ کہکر دماغ سے نکالے اور الا اللہ کی ضرب دل پر لگائے اور جب سانس چھوڑے تو محمد رسول اللہ کہے یک ضربی میں دو زانو بیٹھے اور سہ ضربی و چہار ضربی میں چار زانو بیٹھے۔ ایک سانس میں اول روز تین مرتبہ پھر بڑھاتا جائے۔

ایک ضربی میں دل پر دو ضربی میں اول مقام روح پر پھر دل پر سہ ضربی میں اول ضرب زانوئے راست پر دوسری زانوئے چپ پر تیسری ضرب دل پر چہار ضربی میں ضرب اول زانوئے راست ضرب دوم زانوئے چپ ضرب سوم پر مقام روح ضرب چہارم دل پر لگائے یک ضربی دو ضربی میں دو زانو بیٹھے اور سہ ضربی و چہار ضربی میں چار زانو بیٹھے قبلہ رخ بجمعی تمام دو زانو بیٹھے اور ایک آنکھ بند کرکے نظر ہوا میں دوڑائے اور یہ تصور کرے کہ نور الٰہی ایک ستارہ کی طرح درخشاں ہے پلک نہ جھپکائے اور خالی الذہن رہے ابتدا میں درد سر اور درد چشم کی شکایت ہوگی آنکھ سے پانی بہے گا۔ پھر موقوف ہوجائے گا اور عجائب و غرائب مشاہدہ میں آئیں گے۔

آنکھ بند کرکے زبان تالو پر لگاکر اللہ سمیع اور سینہ سے اللہ بصیر نکال کر دماغ تک لائے اور ام الدماغ سے اللہ علیم نکال کر عرش تک لے جائے پھر اللہ علیم عرش سے دماغ تک اللہ بصیر دماغ سے سینہ تک اللہ سمیع سینہ سے ناف تک پھر ناف سے شروع کرے۔ بعض لوگ اللہ قدیر بھی پڑھاتے ہیں جو آسمان چہارم تک لے جاتے ہیں۔

طریقہائے مراقبات

دو زانو بیٹھ کر پڑھے اور پھر خاموش سر جھکا کر فکر و تصور کرے کہ سوائے خدا کے کوئی کہیں نہیں ہے اور جملہ خیالات ماسوائے اللہ کے بھول جائے یہاں تک کہ خود بیخبر و گم ہوجائے جس شخص کا دل باتیں بہت کرتا ہو اس کا علاج یہی مراقبہ ہے کہ ہر وقت لفظ اللہ کے ساتھ مراقب رہے یعنی قلب میں تصور رکھے۔ جیسا کہ خطرہ ہو اس کی ضد میں جو اسم صفت باری تعالیٰ کا ہو اس کا تصور دماغ میں کرے۔

Monthly 'OM' Delhi.

Vol. 25 January, 1958 Regd, No. D. 84

Title Printed at Kapoor Art Press, Karol Bagh, New Delhi.